تفسیر مظہری

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

[illegible]

مولانا سید عبدالدائم الجلالی

دارالاشاعت

[illegible]

تفسیر مظہری

جلد دوم

بقیہ سورۂ بقرہ سے سورۂ نساء
پارہ ۳ تا پارہ ۴

تالیف
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ
تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات
مولانا سید عبدالدائم الجلالی
رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر
دار الاشاعت
اردو بازار کراچی ملا — فون ۲۱۳۷۶۸

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ پر

دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآنی

تفسیر عثمانی مع تفسیری عنوانات ۲ جلد ــــــ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمود الحسنؒ

تفسیر مظہری اردو ــــــ ۱۲ جلدیں ــــــ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

قصص القرآن ــــــ ۴ حصے ۲ جلد کامل ــــــ مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ

تاریخ ارض القرآن ــــــ علامہ سید سلیمان ندویؒ

قرآن اور ماحولیات ــــــ انجینئر شفیع حیدر دانش

قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن ــــــ ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

لغات القرآن ــــــ مولانا عبدالرشید نعمانی

قاموس القرآن ــــــ قاضی زین العابدین

قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی انگریزی) ــــــ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

ملک البیان فی مناقب القرآن (عربی انگریزی) ــــــ حب اللہ شیرازی

امثال قرآنی ــــــ مولانا اشرف علی تھانویؒ

قرآن کی باتیں ــــــ مولانا احتشام الحسن صاحب

حدیث

تفہیم البخاری مع ترجمہ و شرح اردو ۳ جلد ــــــ مولانا ظہور الباری اعظمی فاضل دیوبند

تفہیم المسلم ۳ جلد ــــــ مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

جامع ترمذی ۲ جلد ــــــ مولانا فضل احمد صاحب

سنن ابو داؤد شریف ۳ جلد ــــــ مولانا سر احمد صاحب، مولانا خورشید عالم قاسمی فاضل دیوبند

سنن نسائی ۳ جلد ــــــ مولانا فضل احمد صاحب

معارف الحدیث ترجمہ و شرح ۴ جلد ۸ حصے کامل ــــــ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب

مشکوۃ شریف مترجم مع عنوانات ۳ جلد ــــــ مولانا عابد الرحمن کاندھلوی / مولانا عبداللہ جاوید

ریاض الصالحین مترجم ۲ جلد ــــــ مولانا جلیل الرحمن نعمانی مظاہری

الادب المفرد کامل ترجمہ و شرح ــــــ امام بخاریؒ

مظاہر حق جدید شرح مشکوۃ شریف ۵ جلد کامل اعلیٰ ــــــ مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند

تقریر بخاری شریف ۳ حصے کامل ــــــ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

تجرید بخاری شریف ایک جلد ــــــ علامہ زین الدین احمد بن عبداللطیف زبیدی

تنظیم الاشتات شرح مشکوۃ اردو ــــــ مولانا ابوالحسن صاحب

شرح اربعین نووی ترجمہ و شرح ــــــ مولانا مفتی عاشق الٰہی البلندشہری

قصص الحدیث ــــــ مولانا محمد زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی
ضخامت : صفحات در ۲ جلد

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26- نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد دوم

عنوان	صفحہ
تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض	۱۵
رسول اللہ ﷺ کی تمام انسانوں پر فضیلت	؍
رسول اللہ ﷺ کے بعض معجزات اور خصوصیات	۱۶
حدیث ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ الخ کی تخریج	۱۷
مسئلہ :- تقدیر الٰہی پر ایمان	۱۸
احادیث :- لا تفضلوا بین انبیاء اللہ اور لا تخیرونی علی موسیٰ اور لا اقول ان احد افضل من یونس کی تخریج	؍
مسئلہ :- تمام حوادث اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں	؍
حضرت عمرؓ کا قول کہ رسول اللہ ﷺ کے وفات پاتے ہی عرب مرتد ہوگئے اور انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا الخ	۱۹
مسئلہ :- جتنا سایہ اصل کا محتاج ہوتا ہے اس سے بڑھ کر یہ کائنات اپنی ہستی اور بقاء ہستی کے لئے خالق کی محتاج ہے	۲۰
حدیث :- اللہ سوتا نہیں اور نہ سونا اس کے لئے زیبا ہے	؍
کرسی کا ذکر اور تمام زمینوں اور آسمانوں کا کرسی سے توازن	۲۱
آیۃ الکرسی کے فضائل	۲۲
جہاد کی غرض دفع فساد ہے جبراً مسلمان بنانا مقصود نہیں	۲۳
مسئلہ :- ایمان محض عطاء خداوندی ہے	۲۴
حدیث :- مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ کی تشریح	۲۷
نمرود اور حضرت ابراہیمؑ کا قصہ	۲۸
آیت :- اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ کے ذیل میں ارمیا یا عزیرؑ کا قصہ اور اس امر کی تشریح کہ قریہ سے کون سا	۲۹

عنوان	صفحہ
قریہ مراد ہے	
حدیث :- ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء کی تفصیل	۳۱
آیت :- وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى کی تفصیل	۳۳
حدیث :- نحن احق بالشک من ابراہیم	۳۴
حدیث :- لیس الخبر کالمعاینہ	؍
صوفیہ کے نزدیک عروج و نزول کی حقیقت	۳۵
حدیث :- ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم	۳۸
حدیث :- لا یدخل الجنۃ منان ولا عاق	۴۰
ریاء اور شہرت پرستی کی ممانعت	؍
حدیث :- ایکم مال وارثہ احب الیہ من مالہ	۴۱
حدیث :- سقی کفقہا من الانفاق	۴۲
مسئلہ :- نابالغ کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں	۴۳
حدیث :- حرام مال سے صدقہ قبول نہیں	۴۴
اگر مال اسباب اور غیر منقول املاک بغرض تجارت ہو تو اس کی زکوٰۃ واجب ہے، کیا ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہے	؍
حدیث :- مامن مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعاً کی تخریج	۴۵
حدیث :- لا یدخل ہذا بیت قوم الا ادخلہ الذل	؍
مسئلہ :- انگور، چھوارے اور ہر قسم کے غلہ کا عشر یا نصف عشر ادا کرنا واجب ہے	
سبزیاں اور ترکاریاں کیا عشر سے مستثنیٰ ہیں	
مسئلہ :- کیا غلہ کی زکوٰۃ دینے کیلئے سال تمام ہونا اور عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے یا صرف اسلام کافی ہے اور کیا غلہ کا	۴۷

عنوان	صفحہ
نصاب یعنی پانچ وسق ہونا لازم ہے	۴۷
مسئلہ :- خراجی زمین کی پیداوار کا حکم اور اس کی تفصیل	〃
مسئلہ :- چاندی اور سونے کی کان کا حکم، عام معدن کا حکم	۴۸
مسئلہ :- کھرا مال بچا کر ردی مال زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں	۵۰
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور کنجوسی کی مذمت	
علماء کی فضیلت	۵۲
چھپا کر دینا ظاہر طور پر دینے سے افضل ہے	
حدیث :- سبعۃ یظلہم اللہ کی تفصیل	۵۳
حدیث :- ثلاثۃ یحبہم اللہ و ثلاثۃ یبغضہم کی تفصیل	
حدیث :- صدقۃ السر تطفئی الذنب	۵۴
مسئلہ :- مال کو برباد کرنا حرام ہے	۵۵
مسئلہ :- نفلی خیرات غیر مسلم ذمی کو دی جاسکتی ہے، زکوٰۃ عشر وغیرہ کا مستحق صرف مسلمان ہے	۵۵
مسئلہ :- دینی طالب علم اور مجاہدین اور سوال نہ کرنے والے فقراء جیسے اصحاب صفہ جن کی تعداد چار سو تھی خیرات کے زیادہ مستحق ہیں	۵۶
سوال کی ممانعت اور مقدار مال جس کی موجودگی میں سوال کی ممانعت ہے	۵۷
جہاد کے لئے گھوڑا پالنے کے متعلق حدیث	۵۸
آیت :- اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا کی تشریح	〃
حدیث معراج کے ذیل میں سود خوروں کو دیکھنے کا بیان جن کے پیٹ کیا ہے کوٹھڑیاں تھیں	〃
سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے کے متعلق حدیث	۵۹
مسئلہ :- دوامی عذاب کافروں کے لئے مخصوص ہے	۶۰
مسئلہ :- بیع کیا ہے، دیوانہ اور ناسمجھ بچہ کی بیع درست نہیں سمجھ رکھنے والے بچے کی بیع درست ہے	〃
مسئلہ :- بغیر زبان سے الفاظ کہے، بیع کے لین دین	〃
مسئلہ :- فضولی کی خرید فروخت، بیع کی صحت کیلئے ولایت شرعیہ لازم ہے	۶۱
مسئلہ :- بیع کے چار اقسام اور ان کے احکام	۶۲

عنوان	صفحہ
مسئلہ :- سود کی حرمت، سود کی حرمت کی علت کیا ہے۔ کیا آیت ربوا مجمل ہے؟	۶۳
مسئلہ :- ناپ تول کی چیزوں کو اگر ہم جنس چیزوں کے عوض فروخت کیا جائے تو کمی بیشی اور ادھار ناجائز ہے کسی ایک چیز کی تاخیر ادا کے عوض یا ردی ہونے کی وجہ سے مقدار میں کمی بیشی کرنا ناجائز ہے	〃
مسئلہ :- چھواروں کے عوض کھجوروں کی اور کشمش کے عوض انگوروں کی اور خشک گندم کے عوض تر گندم کی بیع کا حکم	〃
مسئلہ :- گنتی سے بکنے والی چیزیں جن کا حجم تقریباً برابر ہوتا ہے	〃
مسئلہ :- جو کی بیع گیہوں کے عوض	
مسئلہ :- گیہوں کی بیع لوہے کے عوض	〃
مسئلہ :- کسی جانور کی بیع لوہے یا گیہوں کے عوض	
مسئلہ :- ہم جنس یا غیر جنس جانوروں کا باہمی تبادلہ	۶۶
مسئلہ :- بیع کو شرائط سے مشروط کرنے کا حکم اور اس میں اختلاف بعض شرطیں بیکار ہوتی ہیں نہ ان سے بیع فاسد ہوتی ہے نہ خود ان کی پابندی کی جاتی ہے، بعض شرطیں بیع کو فاسد نہیں کرتیں اور خود بھی ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے، بعض شرطیں بیع کو فاسد کردیتی ہیں ایسی بیع سود کے حکم میں ہوتی ہے	۶۹
مسئلہ :- حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے	۷۳
حدیث :- ما احد اکثر من الربوا الا کان عاقبۃ امرہ الی قلۃ کی توضیح	۷۴
حدیث :- ما نقصت صدقۃ من مال وما زاد اللہ بعفو الا عزاً وما تواضع احد للہ الا رفعہ	۷۴
حدیث :- الخلق عیال اللہ	〃
خطبۃ الوداع کی حدیث :- الا کل شیٔ من امر الجاہلیۃ تحت قدمی موضوع	۷۵
حدیث :- نہی رسول اللہ ﷺ ان تشتری الثمرۃ حتی تطعم وقال اذا ظہر الربوا فی قریۃ الخ	〃
حدیث :- ما من قوم یظہر الربوا فیہم الخ	〃
مسئلہ :- سود خور کو قید کردیا جائے جب تک توبہ نہ کرے نہ چھوڑا جائے، اگر وہ طاقتور ہو اور گرفتار نہ ہوسکے تو حاکم اسلام اس کے خلاف جنگ کرے، ہر حاکم کا فریضہ اور	۷۶

عنوان	صفحہ
مرتکب کبیرہ کے متعلق یہی حکم ہے کہ اگر وہ گناہ اور ترک فریضہ پر جمے ہوئے ہوں تو ان کو قید کیا جائے تا آنکہ وہ توبہ نہ کرلیں	
حضرت ابوبکرؓ کا قول لو منعونی عقالا جاهدتهم	٧٦
حدیث :- مالدار اگر قرض کی ادائیگی کو ٹالتا ہے تو یہ ظلم ہے	″
مسئلہ :- مرتد کے مال کا حکم کہ کیا اس کا مال فئی ہے یا وارثوں کی میراث	″
مسئلہ :- تنگدست کو ادائے قرض کی مہلت دینی واجب ہے	″
حدیث :- من یسر علیٰ معسر الخ	٧٧
نادار کو ادائے قرض کی مہلت دینے اور قرض معاف کر دینے کے متعلق احادیث	″
آیت :- واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله کی تشریح سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کم و بیش ۲۱ روز زندہ رہے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو حضور ﷺ کی وفات ہوئی	٧٨
مسئلہ :- بیع سلم جائز ہے	٧٩
مسئلہ :- اگر ادائے مبیع کی مدت مقرر نہ ہو تو سلم جائز نہیں اگر قیمت فوراً ادا نہ کی جائے اور ادائیگی کی مدت مقرر کر لی جائے تو درست ہے	٨٠
مسئلہ :- ادائے ثمن، ادائے مبیع، ادائے مہر کی میعاد مقرر کرنی لازم ہے، میعاد سے پہلے مطالبہ جائز نہیں مگر قرض کی ادائیگی کی میعاد لازم نہیں، میعاد سے پہلے مطالبہ صحیح ہے	
مسئلہ :- جب تک چیز کی جنس، نوع، صفت اور مقدار معلوم نہ ہو، بیع سلم ناجائز ہے، میعاد ادا بھی مقرر ہونی چاہئے لیکن کیا راس المال کی مقدار اور ادا مبیع کا مقام بھی معلوم ہونا ضروری ہے اور کیا وقت بیع سے وقت ادا تک مبیع کا بازار میں موجود ہونا لازم ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے	″
مسئلہ :- ناپ تول والی اور غیر متفاوت گنتی کی چیزوں کی بیع سلم جائز ہے کیا معدودات متفاوتہ کی بیع سلم درست ہے	٨١
مسئلہ :- کیا جانور کی بیع سلم درست ہے	″
مسئلہ :- کیا جانور قرض لینا دینا جائز ہے	٨٢
مسئلہ :- نکاح، خلع، صلح اور وہ تمام عقود جن میں مال کا مال	

عنوان	صفحہ
سے تبادلہ نہیں ہوتا ان کے اندر شئی مبادلہ کا کسی قدر مجہول ہونا بھی درست ہے لیکن جہاں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے جیسے بیع اجارہ اور اقرار تو ان میں مکمل علم کی ضرورت ہے	٨٤
مسئلہ :- شریعت نے قرض کو عاریت کی طرح قرار دیا ہے مگر بدل قرض کو اصل قرض کا حکم دیا ہے	″
مسئلہ :- کن چیزوں کا قرض لینا دینا جائز ہے	″
مسئلہ :- قرض لینے والا قرض دینے والے کو کوئی تحفہ دینے کی شرط، قرض لینے کے وقت نہیں کر سکتا یہ ناجائز ہے لیکن بغیر شرط لگائے اگر دونوں میں تحفہ دینے لینے کی رسم ہو تو کوئی حرج نہیں	″
مسئلہ :- کیا روٹی اور خمیر قرض دینا لینا جائز ہے	٨٥
مسئلہ :- تحریر قرض اور اس سے متعلق بحث	٨٦
مسئلہ :- قرض دار کا اقرار کرنا قرض کا ثبوت ہے	
مسئلہ :- دیوانے، پاگل، دماغی مریض اور بچے کی گواہی جائز نہیں	٨٧
کیا غلام کی شہادت معتبر ہے	″
مسئلہ :- مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی معتبر نہیں، ہاں ایک فرقہ کے کافر کی دوسرے فرقہ کے کافر کے خلاف شہادت قابل قبول ہے	″
مسئلہ :- زنا کے گواہ چار مرد ہونا لازم ہیں	٨٨
دوسرے امور کی شہادت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں	″
تعزیری جرائم اور قصاص میں عورتوں کی شہادت غیر مقبول ہے	″
کیا عورتوں کی شہادت نکاح طلاق وغیرہ میں معتبر ہے؟	″
مسئلہ :- حدیث کی روایت کے لئے راوی کا آزاد ہونا یا مرد ہی ہونا یا متعدد ہونا لازم نہیں	٨٩
حدیث :- ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام	٩٠
حدیث :- حرمة مالکم کحرمة دمکم	″
حدیث :- من قتل دون ماله فهو شهید الخ	″
مسئلہ :- مال معاملہ نہ ہو تو ایک گواہی کے ساتھ مدعی کو ملا کر	″

عنوان	صفحہ
ذکری دینا درست نہیں، مالی معاملہ تو مسئلہ اختلافی ہے	
مسئلہ :- گواہ پر لازم ہے کہ لفظ اشہد کہہ کر گواہی دے	۹۲
مسئلہ :- جن امور کی مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی اور مرد مشاہدہ نہیں کرتے ان کے متعلق تنہا عورتوں کی شہادت معتبر ہے، کیا تنہا ایک عورت کی شہادت کافی ہے یا دو ہونی چاہئیں یا چار یہ مسئلہ نزاعی ہے	〃
مسئلہ :- فاسق کی شہادت ناقابل قبول ہے	۹۳
مسئلہ :- عدالت یعنی فاسق نہ ہونے کا معنی ہے فرائض کو ادا کرنا اور کبائر سے پرہیز کرنا اور صغائر پر جمے نہ رہنا۔ فسق کی وجہ سے جن لوگوں کی شہادت مقبول نہیں یا اشتراک نسبی یا باہمی دشمنی کی وجہ سے مقبول نہیں انکا بیان۔	〃
مسئلہ :- کیا حاکم گواہ کے صرف ظاہری حال کو دیکھ لے یا اس کی اندرونی تکواتری بھی ضروری ہے	۹۴
مسئلہ :- ہمارے زمانہ میں کچھ شرطوں کے ساتھ فاسق کی شہادت قابل قبول ہے	〃
مسئلہ :- متاخرین کے نزدیک اندرونی تکواتری کی جگہ گواہوں سے قسم لینی کافی ہے	〃
حدیث :- انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر به هلک	۹۵
مسئلہ :- فاسق اہل شہادت ہے حاکم اگر اس کی شہادت کو قبول کرے تو درست ہے لیکن گنہگار ہوگا	〃
مسئلہ :- اگر حاکم کی عدالت قریب ہو اور گواہ کو طلب کیا جائے تو جانا لازم ہے، حدیث من کتم شهادة الخ	۹۶
مسئلہ :- اگر گواہ زیادہ بوڑھا ہو اور مدعی اس کو سوار ہونے کیلئے کوئی سواری دیدے تو کیا اس کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے؟	〃
مسئلہ :- گواہ کو کھانا کھلانا جبکہ پہلے سے شرط نہ کرلی ہو	〃
حدیث :- رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں	〃
مسئلہ :- اگر واقعہ یاد نہ ہو تو صرف اپنی تحریر کو دیکھ کر گیا شہادت دینی جائز ہے	۹۷
مسئلہ :- کیا یہ جائز ہے کہ حاکم اپنے رجسٹر کے اندراجات پر عمل کرے۔	〃
حدیث :- اذا رأیت مثل الشمس فاشهد	〃

عنوان	صفحہ
مسئلہ :- خرید و فروخت کا گواہ بنانا مستحب ہے	۹۷
حدیث :- ابتاع النبی ﷺ فرسا من اعرابی الخ	۹۸
حدیث میں تنہا خزیمہ کی شہادت کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا گیا	
حاکم کو اگر واقعہ خود معلوم ہو تو اپنے علم کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز ہے	〃
مسئلہ :- بادشاہ ہو یا کوئی اور اگر کسی پر اس کا کوئی حق ہو اور اس کو اپنے حق کا یقینی علم بھی ہو اور مدعی علیہ منکر ہو تو اس سے جبراً اپنا حق وصول کرنا جائز ہے	〃
مسئلہ :- اگر دوسری عدالت میں مقدمہ لے جایا گیا ہو تو پہلی عدالت یا سابق حاکم کے علم کی بناء پر یہ دوسرا حاکم فیصلہ نہیں دے سکتا	〃
مسئلہ :- مشتری اور بائع کسی کاتب یا شاہد کو ضرر نہ پہنچائیں اور نہ کاتب و گواہ مشتری و بائع کو ضرر پہنچائیں	〃
مسئلہ :- رہن عقد لازم ہے اگر ایک درہم بھی قرض کا ادائیگی سے رہ گیا ہو راہن مال مرہون کو واپس نہیں لے سکتا	۹۹
مسئلہ :- بغیر سفری حالت کے بھی رہن درست ہے	〃
مسئلہ :- مال مرہون پر قبضہ کے بغیر رہن لازم نہیں ہوتا مشاع کا رہن درست نہیں ہے۔	〃
مسئلہ :- بغیر مرتہن کی رضامندی کے راہن مال مرہون سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا	۱۰۰
مسئلہ :- راہن مال مرہون میں کسی طرح کا شرعی تصرف نہیں کر سکتا اگر مال مرہون کو بیع یا ہبہ وغیرہ کرے گا تو بیع اور ہبہ مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گا	〃
مسئلہ :- مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ واجب ہے	۱۰۱
مسئلہ :- مرہون کی پیداوار کا مالک راہن ہے مگر مال رہن	〃
کے ساتھ اس کی پیداوار بھی رہن رہے گی	〃
مسئلہ :- مرتہن نے مرہون پر جو کچھ خرچ کیا ہو اسکا حکم	〃
مسئلہ :- راہن مر جائے تو مرتہن کا حق مال مرہون کو فروخت کر کے ادا کیا جائے گا راہن کے وارث مال مرہون کو میراث میں نہیں لے سکتے۔	〃
مسئلہ :- اگر راہن کے قبضہ میں مال مرہون ہلاک ہو جائے	۱۰۲

عنوان	صفحہ
اور امن کی کوئی خطاء ہو تو کیا اس کو ہلاکت کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا یا نہیں	
حدیث :۔ لاایمان لمن لاامانۃ لہ ولادین لمن لاعہدلہ الخ	۱۰۳
مسئلہ :۔ شہادت کو پوشیدہ رکھنا حرام ہے	۱۰۴
مسئلہ :۔ اگر مشہود لہ (مدعی) گواہ کے گواہ ہونے سے ناواقف ہو تو شاہد پر واجب ہے کہ وہ اپنا شاہد ہونا مدعی کو بتادے	۱۰۵
حدیث :۔ خیرامتی قرنی ثم الذین یلونہم	〃
حدیث :۔ الااخبرکم بخیرالشہداء الخ	〃
مسئلہ :۔ غیر ارادی تعلق بھی ممکنات کی ایک قسم ہے	〃
مسئلہ :۔ قلبی افعال کا مواخذہ ہو سکتا ہے	〃
اندرونی برائیوں اور خوبیوں کا بیان	
حدیث :۔ من ھم بسیئۃ علم یعمل بہا الخ	۱۰۶
مسئلہ :۔ حساب حق ہے	〃
مسئلہ :۔ چھوٹے بڑے گناہوں کی سزا دینے کا اللہ کو حق ہے لیکن ان پر عذاب لازم نہیں اللہ جس کو چاہے بخش دے	〃
فصل	
بعض لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے بلا حساب جنت میں جانے والا گروہ صوفیہ اور شہداء وغیرہم کا ہوگا	〃
مسئلہ :۔ صحابہؓ اور اہل السنت والجماعت کے ایمان کی تعریف	〃
بنی اسرائیل کے بہتر فرقے بن جانے کی صراحت (الحدیث)	۱۰۸
مسئلہ :۔ ناممکن عمل پر مکلف کرنا شریعت میں وارد نہیں قدرت شرط ہے، قدرت موجود قبل از فعل اور قدرت حقیقی موجود مع الفعل کا فرق	۱۰۹
حدیث :۔ ان اللہ تجاوز عن امتی ماوسوست بہ صدورھا	۱۱۱
فائدہ :۔ اگر مومن نفسانی اور قلبی واردات خبیثہ کو دفع کرنے کی کوشش میں لگا ہے تو مجھے امید ہے کہ واردات خبیثہ پر اس کی گرفت نہ ہوگی	〃

عنوان	صفحہ
حدیث :۔ ترکت فیکم الثقلین	۱۱۲
مسئلہ :۔ اللہ کی کتاب اور آل رسول اور فقراء، صوفیہ کا دامن پکڑنا ضروری ہے	〃
مسئلہ :۔ گناہ کرنے سے دل پر زنگ آجاتا ہے آخرت میں اللہ بھول چوک کا مواخذہ نہیں کرے گا، دنیا میں نسیان اور خطاء کو کالعدم نہیں کہا جاسکتا، بھول کر ترک کی ہوئی نماز یا روزہ کی قضاء سجدۂ سہو، کفارہ اور قتل خطاء کی وجہ سے میراث سے محرومی دنیوی احکام شریعت میں موجود ہے	〃
مسئلہ :۔ نماز میں بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے	۱۱۳
مسئلہ :۔ کیا بھول کر جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے	〃
مسئلہ :۔ کیا غلطی سے یا جبر کی وجہ سے دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے	〃
مسئلہ :۔ کیا بھول کر کچھ کھا لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور غلطی سے کھا لینے سے فاسد ہو جاتا ہے	〃
مسئلہ :۔ کیا ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ کہنی بھول گیا تو ذبیحہ حلال ہے	〃
سورۂ بقرہ ختم کرکے آمین کہنا مستحب ہے	۱۱۴
فصل	
سورۂ بقرہ اور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کے فضائل	۱۱۵
کبائر کی وجہ سے مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا	
سورۂ آل عمران	
اللہ کے اسم اعظم کی تحقیق	۱۱۸
جو دعاء حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندر کی تھی	〃
اللہ کا اسم اعظم لے کر دعاء کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے	〃
فائدہ	
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۱۲۰
الفرقان کی تحقیق	〃
اللہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے	۱۲۱

عنوان	صفحہ
اللہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بنا دیتا ہے	۱۲۲
حدیث :- ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوماً	″
آیات محکمات کی تشریح	″
آیات متشابہات کی تشریح	۱۲۳
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۱۲۴
فی قلوبہم زیغ سے کون لوگ مراد ہیں	″
آیات محکمات اور متشابہات کی بحث، کیا متشابہات کی تاویل جائز ہے، کیا کسی حکم کو وقت حاجت سے مؤخر کرنا جائز ہے	۱۲۴
رویت الٰہی کی بحث	″
متشابہات میں پڑنا دین میں فتنہ ڈالنے کے لئے ہے	″
متشابہات کی تاویل سے صرف خدا واقف ہے	۱۲۵
اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان متشابہات ایک راز ہے	″
راسخین فی العلم کون لوگ ہیں	۱۲۶
حدیث :- کوئی قلب ایسا نہیں جو رحمٰن کی چٹکی میں نہ ہو	۱۲۷
مسئلہ :- وعدۂ خداوندی کے خلاف ہونا ناممکن ہے لیکن وعید عذاب کی خلاف ورزی جائز ہے	۱۲۸
غزوۂ بدر کا قصہ	″
بدر کے مجاہدین کی تعداد	۱۲۹
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۱۳۰
تزئین شہوات کی بحث	۱۳۱
قنطار کی تشریح	۱۳۲
جنت کی نعمتوں کی تفصیل اور اس کی صراحت کہ تمام انسانی مرغوبات جنت میں ملیں گے	۱۳۳
جنت کی نعمتوں میں ازواج کے خصوصی تذکرہ کی وجہ	″
دنیوی نعمتیں اللہ کو پسند نہیں	۱۳۴
حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے والہانہ محبت ہونے کا راز	۱۳۵
محض ایمان مستحق مغفرت بنا دیتا ہے	۱۳۶
سحر کے وقت استغفار کرنے کا ذکر	″
اللہ ہر رات دنیوی آسمان کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے	۱۳۷
مستغفرین بالاسحار کی تفصیل	″

عنوان	صفحہ
حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اللہ نے اجسام سے چار ہزار برس پہلے ارواح کو پیدا کیا	۱۳۸
حدیث :- الاسلام ان تشہد ان لا الٰہ الا اللہ الخ	″
آیت :- شہد اللہ انہ الخ کی نقلی تشریح	۱۳۹
رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں اہل کتاب کے اختلاف کی تفصیل	″
اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کا ذکر	۱۴۰
نبی ﷺ کے ذمے صرف تبلیغ ہے	″
حدیث :- ای الناس اشد عذاباً	۱۴۱
علماء یہود کا تذکرہ	۱۴۲
یہودی عالم ابن صوریا کا ذکر	″
قرآن کا فیصلہ کہ اہل کتاب حق پر نہیں ہیں	۱۴۳
یہودیوں کا غلط اعتقاد	″
آیت :- قل اللہم مالک الملک کی شان نزول	″
آیت :- قل اللہم مالک الملک کی تفسیر	″
اللہم کی تحقیق	۱۴۴
مسئلہ :- وجود خالص خیر ہے جو واجب کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور عدم شر ہے جو ممکن کا جزو ذاتی ہے	۱۴۵
آیت :- ان اللہ علی کل شیٔ قدیر کی تفسیر	″
وہ آیات جو [illegible] ہیں	۱۴۶
آیت :- لا یتخذ المومنون الکافرین کی شان نزول	″
فصل	
حب فی اللہ اور بغض فی اللہ، فاسق کی دوستی کی ممانعت	۱۴۷
مسئلہ :- تقیہ کی بحث	″
کفار کی دوستی، خدا کی دوستی سے محروم کر دیتی ہے	۱۴۸
آیت :- ان اللہ یدنی العبد فیضع علیہ کنفہ	۱۴۹
آیت :- ما منکم من احد الا سیکلمہ ربہ	″
بندہ کی خدا سے محبت اور خدا کی بندہ سے محبت اللہ سے	۱۵۰
محبت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا اتباع لازم ہے	۱۵۱
ایک سوال اور اس کا جواب	″

عنوان	صفحہ
آل ابراہیم و آل عمران کی تشریح	۱۵۲
عصمت کا معنی	۱۵۳
امراۃ عمران کا قصہ	۱۵۴
گرجا کی خدمت کے لئے لڑکے کو وقف کئے جانے کا دستور	〃
حدیث - جو بچہ پیدا ہوتا ہے، پیدائش کے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے سوائے حضرت عیسیٰؑ کے	۱۵۵
حضرت فاطمہؓ اور آپ کی اولاد کا معصوم ہونا	〃
حضرت مریمؑ اور حضرت فاطمہؓ کی کرامتیں	〃
حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کا واقعہ	۱۵۶
حضرت زکریاؑ کا مریمؑ کی کفالت کرنا	〃
حضرت مریمؑ کے پاس رزق جنت سے آتا تھا	۱۵۷
اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت	〃
حضرت زکریاؑ کی دعاء	۱۵۸
حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ کے پیدائش کی بشارت	〃
حضرت یحییٰؑ کی فضیلت	〃
حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے بڑھاپے کے باوجود لڑکے کی پیدائش پر اظہار حیرت	۱۵۹
حضرت مریمؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون کے فضائل	۱۶۱
قرعہ اندازی کے لئے دریا میں قلموں کا ڈالنا	۱۶۲
لفظ مسیح کی تحقیق	〃
حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش	۱۶۳
حضرت عیسیٰؑ کے معجزات اور فضائل	۱۶۴
حضرت عیسیٰؑ کو بھی معجزہ کیوں دیا گیا	۱۶۵
حضرت عیسیٰؑ کا مکتب میں جا کر بچوں کو غیب کی باتیں بتانا	〃
حضرت عیسیٰؑ کی قوم کو تبلیغ	۱۶۶
حضرت عیسیٰؑ کا اپنے حواریوں کو مدد کے لئے بلانا	۱۶۷
ومکروا ومکر اللہ کی تفسیر	۱۶۸
حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قیامت سے پہلے اترنا	〃
حضرت عیسیٰؑ کے زمین پر اترنے کی تفصیل	۱۶۹
حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیل	۱۷۰
قیاس بھی ایک شرعی دلیل ہے	۱۷۲

عنوان	صفحہ
مباہلہ کا بیان اور حضرات ثلاثہ کے علیحدہ رہنے سے شیعوں کی دلیل کا رد	۱۷۳
مسئلہ - اگر اپنے مذہب کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل واجب ہے	۱۷۵
حدیث - لا طاعة للمخلوق في معصية الخالق	〃
علماء اور صوفیہ کے اس قول پر عمل کرنا جس کی شرعی سند نہ ہو جائز ہے یا ناجائز	۱۷۶
مسئلہ - قبروں پر مسجدیں بنانا چراغ جلانا اور طواف کرنا ناجائز ہے	〃
رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک ہرقل کے نام	۱۷۷
حضرت جعفرؓ کی حبشہ کو ہجرت اور نجاشی کے سامنے کفار قریش سے مناظرہ	۱۷۹
آیت - ودت طائفة من اهل الكتاب کی شان نزول	۱۸۱
یہودی علماء کی تدبیر مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لئے کارگر نہیں ہوئی	
ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے	۱۸۲
مسلمان کی امانتداری اور یہودی کی خیانت	۱۸۳
حدیث - امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا الخ	〃
منافق کی نشانیاں	۱۸۵
یمین غموس	〃
حدیث - الدواوين ثلثة لا العباد	۱۸۶
تین کوئی جن سے اشیاءت نہیں کرے گا	۱۸۷
عبادت خداوندی کا حصر صرف توحید میں ہے	۱۸۸
ربانیین کی تشریح	〃
اللہ کا تمام نبیوں سے عہد لینا	۱۸۹
ایک انصاری کا مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جانا	۱۹۲
ان الذين كفروا بعد ايمانهم الخ کی شان نزول	۱۹۳
حدیث - يقول الله لاهون اهل النار عذابا	۱۹۵
کفر کی حالت میں مرنا خیرات قبول نہ ہونے کا سبب ہے	〃
پارہ لن تنا	
آیت - لن تنالوا البر حتى تنفقوا کی تفسیر، محبوب ترین	۱۹۶

عنوان	صفحہ
مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنا اور صدقہ دینا	۱۹۶
اگر مقدار واجب سے کم ہو گا تو واجب ادا نہ ہو گا	؍
زکوٰۃ کس مال پر واجب ہے	۱۹۷
کیا آیت میں انفاق سے مراد زکوٰۃ ہے؟	؍
حضرت ابو طلحہؓ کا باغ بیر حاء صدقہ میں دینا	؍
راہ خدا میں دینے کا مفہوم کیا ہے	۱۹۸
آیت :- کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل کی تفسیر	؍
آیت :- وعلیکم بالصدق وایاکم والکذب	۲۰۰
اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہی ظالم ہیں	؍
آیت :- اول بیت وضع ...	۲۰۱
سب سے پہلی مسجد مسجد حرام کس نے بنائی اور کیسے بنی؟	؍
کعبہ اور بیت المقدس وغیرہ میں نماز کے فضائل، کیا یہ عظیم فضیلت صرف فرض نماز کے سلسلہ میں ہی عام ہے؟	۲۰۲
بیت اللہ کا احترام احادیث اور آیات کی روشنی میں	؍
مسجد حرام میں داخل ہونے والا مامون ہے	۲۰۳
حج کی فرضیت اور شرائط، نیز کاما بھی اختلاف مع دلائل	۲۰۴
کیا عورت بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے؟	۲۰۶
حج میں توشہ ساتھ لینا واجب ہے	۲۰۸
ترک حج پر سخت وعید	؍
کعبہ کی صورت اور حقیقت	۲۰۹
نماز و قرآن کی صورت و حقیقت	؍
انصار میں پھوٹ پیدا کرانے کیلئے یہودیوں کی فتنہ انگیزی	۲۱۰
حدیث :- انی تارک فیکم کتاب اللہ وھل بینی	۲۱۲
اہل بیت اور ان علماء کا ذکر جو ہدایت کے نقیب ہیں	؍
تقویٰ کا تعلق دل اور نفس وغیرہ کی نگہداشت سے ہے	۲۱۳
کمال ہدایت کیا ہے؟	؍
سدوم ملی پر قسمہ دی موت ہو اس کی تشریح	۲۱۴
اجماع کے اتباع کا حکم	؍
اس امت کے تہتر فرقے بننے کی صراحت	۲۱۵
اسلام میں اول ترین بغاوت	؍
گروہ انصار پر اللہ کا احسان	؍
حدیث :- ان اللہ یرضی لکم ثلاثا ویسخط لکم ثلاثا	۲۱۶
انصار کے ابتدائی اسلام کا واقعہ اور عقبہ اولیٰ کی بیعت	۲۱۶
مصعب بن عمیر کی تبلیغ اسلام اور ان کی اسلام سے متعلق گفتگو	۲۱۷
عقبہ ثانیہ کی بیعت	۲۱۸
عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد شیطان کا چیخنا	۲۱۹
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ان لوگوں کا بیان جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہیں اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں	۲۲۰
خوامخواہ مذہب میں سختی کرنے والے کی مذمت	۲۲۱
ایک سوال اور اس کا جواب	۲۲۲
مسائل میں علماء کا مختلف الرائے ہونا	؍
حدیث :- اختلاف امتی رحمۃ	۲۲۳
آیت :- فاما الذین اسودت وجوههم میں جو لوگ مراد ہیں اسی طرح حدیث انی علی الحوض میں پیچھے روکے جانے والوں سے مراد کون ہیں	؍
حدیث :- بادروا بالاعمال فتنا	؍
حدیث :- لا یدخل الجنة احد أعمله	۲۲۴
امت محمدیہ اور صحابہؓ کی فضیلت	۲۲۵
امت محمدیہ کے مردان ہدایت کی قوت ارشاد	۲۲۶
حدیث :- اتدرون ما الایمان باللہ وحده	۲۲۷
حدیث :- نماز عشاء کو دیر سے پڑھنے کے متعلق کا فرمان	۲۲۹
اور یہودیوں سے اور دوسروں سے دوستی رکھنے کی ممانعت	۲۳۱
کافروں سے دوستی کا جواز بشرطیکہ مسلمانوں سے اسلام کی وجہ سے ان کو دشمنی نہ ہو	؍
حدیث :- هل نفعت اباطالب شيئا الخ	؍
صابر، متقی اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والے کو دنیا کی کوئی طاقت ضرر نہیں پہنچا سکتی	۲۳۳
غزوۂ احد کے لئے رسول اللہ ﷺ کا باہر آمد ہونا اور غزوۂ احد کے متعلق آیت کا نازل ہونا	۲۳۴
غزوۂ بدر کا مکمل تذکرہ	۲۳۷
بنو قریظہ کا محاصرہ	۲۳۸
احد کی لڑائی میں حضرت جبرئیلؑ و حضرت میکائیلؑ کا کافروں سے لڑنا	۲۳۹

عنوان	صفحہ
آیت :- لیس لک من الامر شیئ کا شان نزول	۲۴۰
احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے کافروں پر لعنت کی اور بعض قبائل کیلئے بددعا کی، اس کی ممانعت میں آیت کا نزول	″
سود کھانے کی ممانعت، سود کھانے سے دل میں ایسی سختی پیدا ہو جاتی ہے کہ انجام کار کفر تک پہنچا دیتی ہے	۲۴۲
حدیث - بادروا بالاعمال سبعا	″
سخاوت کی فضیلت	
غصہ کو ضبط کرنے کا ذکر	۲۴۳
احسان اور حسن سلوک اللہ کو محبوب ہے	۲۴۴
استغفار اور صلوٰۃ استغفار کا بیان	″
حدیث - استغفار کرنے والا گناہ پر قائم رہنے والا نہیں ہوتا	۲۴۵
حدیث - گناہوں پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی خدا سے مذاق کرے	۲۴۶
	″
صغائر پر مداومت کبیرہ ہو جاتا ہے	″
جنگ احد کا بیان	۲۵۴
کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے اعمال کا مقصد صرف شہرت ہوتا ہے، ان کو دنیا یا آخرت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا	۲۵۵
مسئلہ - مسلمانوں کو مصائب میں مبتلا کرنا اللہ کی مہربانی ہے	۲۵۹
مسئلہ - جنگ احد میں فرار ہونے کی وجہ سے صحابہؓ پر طعن کرنا جائز نہیں	۲۶۲
حدیث :- من تشبہ بقوم فھو منھم	۲۶۳
باہم مشورہ کرنے کا حکم	۲۶۵
توکل کیا ہے؟	۲۶۶
مال غنیمت میں چوری کرنے پر وعید	۲۶۸
قریش اور عرب کے فضائل	۲۶۹
احد کے شہیدوں کی تعداد	۲۷۱
مسئلہ - کیا شہید کے درجہ کو کوئی اور بھی پہنچ سکتا ہے	۲۷۴
چاہ معونہ کو بھیجے ہوئے جماعتی دستہ کا ذکر	۲۷۵
بالاجماع علاوہ شہید کو غسل نہ دیا جائے، اگر کوئی شخص بحالت جنابت شہید ہو تو کیا اس کو غسل دیا جائے گا	۲۷۸
شہید کے جنازہ کی نماز کے متعلق ائمہ کا اختلاف	۲۷۹
احد کے شہیدوں کی نماز پڑھی گئی؟	″

عنوان	صفحہ
احد کے شہیدوں کی نماز رسول اللہ ﷺ نے آٹھ برس کے بعد پڑھی	۲۸۱
نماز سے کیا مراد ہے؟	″
غزوہ حمراء الاسد کا بیان	۲۸۲
غزوۂ بدر صغریٰ کا ذکر	۲۸۳
حدیث - کچھ مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو	۲۸۷
حدیث - سب سے اچھا آدمی کون سا ہے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں	۲۸۸
بخل اور زکوٰۃ کا پر وعید	۲۸۹
حدیث :- قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے	۲۹۳
کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ کا جانا	۲۹۵
مسئلہ :- کیا رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے کسی معاہد کافر کو قتل کرنا جائز ہے	۲۹۷
صبر کیا ہے؟ کیا صبر کافروں سے انتقام لینے کے منافی ہے	۲۹۸
علم کو چھپا رکھنے کی ممانعت	″
بیمار، نماز پہلو کے بل یا چت لیٹ کر پڑھے	۳۰۰
فکر کا معنی	۳۰۱
اللہ کی ذات میں تفکر کرنے کی ممانعت	″
اللہ کا ذاتی علم نہ حصولی ہے نہ حضوری بلکہ سب سے وراء ہے	″
حدیث :- فاجر پر رشک نہ کرو	۳۰۸
حدیث :- دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے، جیسے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈبو لے	″
حدیث :- حضرت عمرؓ نے عرض کیا تھا کہ کسریٰ اور قیصر تو ایسے عیش و راحت میں ہیں اور آپ رسول خدا ہوتے ہوئے ایسی حالت میں	۳۰۹
حدیث :- دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے	″
نجاشی کے جنازہ کی غائبانہ نماز کا ذکر	″
صبر رکھنا، جنگ میں ثابت قدم رہنا، فوج کی دیدبانی کرنا اور	۳۱۰
ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا	″
سورۂ آل عمران کے فضائل	″

عنوان	صفحہ
سورۃ النساء	
حدیث: عورتیں آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں	۳۱۳
رشتہ قرابت جوڑنے اور توڑنے کا بیان	۳۱۴
حدیث: لا یتم بعد الاحتلام	۳۱۵
مسئلہ - پیام نکاح دینے والا جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے	۳۱۷
چار عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں	۳۱۸
مسئلہ - اگر مسلمان ہونے کے وقت چار عورتوں سے زیادہ بیبیاں اس کے نکاح میں ہوں تو کیا کرے؟	۳۱۹
مسئلہ - غلام کے لئے دو عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں، نکاحوں کی کثرت افضل ہے اور جوش شہوت سے مغلوب کے لئے نکاح فرض ہے	۳۲۰
عدل نہ کر سکنے کی صورت کا حکم	〃
مسئلہ - نکاح متعہ (یعنی تور کا نکاح) ناجائز ہے	۳۲۱
مسئلہ - اپنا کل مال بیوی بچوں کو دے کر خود ان کا دست نگر بن جانا جائز نہیں	۳۲۳
مسئلہ - لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہونا	۳۲۴
مسئلہ - سادہ لوح بے وقوف کو مالی تصرفات سے روک دینے کا حکم	۳۲۵
مسئلہ - ہوشمند اگر سادہ لوح ہو جائے تو کیا حکم ہے	۳۲۶
مسئلہ - قرضداری کی وجہ تصرفات سے روک دینا	۳۲۷
مسئلہ - کیا ادائے قرض کے لئے قرضدار مفلس کی اجارت درست ہے	۳۲۷
مسئلہ - کیا یتیم کے سرپرست کے لئے یتیم کا مال کھانا جائز ہے	۳۲۸
آیت - للرجال نصیب مما ترک الوالدان کا شان نزول	۳۲۹
آیت - واذا حضر القسمۃ اولوا القربی والیتمی سے کی تشریح اور یتیم کا مال کھانے کی ممانعت	۳۳۰
تقسیم میراث کے مسائل	۳۳۲
میت کی اولاد اور میت کے بیٹے کی اولاد کا حکم	۳۳۳

عنوان	صفحہ
والدین کا حکم	۳۳۴
مسئلہ - ماں کا حصہ ایک تہائی سے گھٹ کر چھٹا کب ہوتا ہے	۳۳۶
مسئلہ - اگر جد صحیح میت کے بھائی بہنوں کے ساتھ موجود ہو تو کیا حکم ہے	〃
مسئلہ - جدہ صحیحہ کا حکم	〃
مسئلہ - ترکہ سے تعلق رکھنے والے حقوق کی ترتیب	۳۴۱
مسئلہ - ایک تہائی ترکہ میں وصیت کا نفاذ	〃
حدیث - جب کوئی جنت میں داخل ہوتا ہے تو اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے متعلق سوال کرتا ہے	〃
حدیث - وارث کے لئے وصیت نہیں	۳۴۲
شوہر اور بیوی کا حکم	〃
اخیافی بھائی بہن کی میراث	۳۴۵
مقدار وصیت، اور عورتوں کی میراث کی کاٹ	〃
فصل	
	۔
وصیت کے اقسام	
مسئلہ - عول کی بحث	۳۴۷
مسئلہ - عصبہ کے اقسام	۳۴۸
مسئلہ - رد کی بحث	۳۴۹
مسئلہ - اگر فرضیت اور عصبیت دونوں وجوہ استحقاق جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہے	۳۵۰
مولیٰ عتاقہ کی وراثت کب ثابت ہوگی	〃
مسئلہ - ذوی الارحام کی بحث	〃
دوجہتیں (یعنی عصبہ اور اہل فرض) کا حکم	〃
مسئلہ - ذوی الارحام کے اقسام	۳۵۲
مسئلہ - قاتل کو میراث نہیں مل سکتی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قتل عمد اور قتل خطاء میں کوئی فرق نہیں	〃
مسئلہ - نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا	۳۵۳
مسئلہ - عیسائی یہودی کا اور یہودی عیسائی کا وارث ہوتا ہے	〃
مسئلہ - انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے	۳۵۴
زنا اور اس کی سزا	۳۵۵

عنوان	صفحہ
مسئلہ :- لواطت اور اس کی سزا	۳۵۵
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۳۵۷
توبہ کر لینے کے بعد لوطی پر حد نہ دی جائے	″
سانس کا غرغرہ ہونے یا مغرب کی جانب سے سورج نکلنے سے پہلے توبہ قبول ہو سکتی ہے اس مضمون کی حدیث	۳۵۸
بہت زیادہ مہر مقرر کرنے کا بیان	۳۶۱
رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں اور بیبیوں کے مہر کا ذکر	″
مسئلہ - جماع سے مہر واجب ہوتا ہے یا خلوت صحیحہ سے	۳۶۲
مسئلہ - باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے	۳۶۴
زنا باعث حرمت مصاہرت ہے	۳۶۵

عنوان	صفحہ
مس یا شہوت سے بھی مصاہرت حرام ہو جاتی ہے	۳۶۶
نسبی اور رضاعی محرمات کے مسائل	″
کتنا کم دودھ پیا ہو حرمت رضاعت ہو جاتی ہے	۳۶۷
شیر خوارگی کی مدت کے بعد عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت نہیں ہوتی	۳۶۸
مسئلہ - شیر خوارگی کی مدت دو سال ہے	″
مسئلہ :- وہ سسرالی عورتیں جن سے نکاح حرام ہے	۳۷۰
مسئلہ :- دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے	۳۷۲
مسئلہ :- دودھ پلانے والی انا کا اعزاز اور رضاعی رشتہ داروں کے رشتہ کو قطع کرنے کی حرمت	″

...... تفسیر مظہری اردو جلد ۲ ......

پارہ تلک الرسل (البقرۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تِلْكَ الرُّسُلُ تِلْکَ سے مرسلین کی جماعت کی جانب اشارہ ہے آیت مندرجہ بالا وَ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ سے جماعت مرسلین کا علم ہو چکا تھا الرسل میں لام استغراقی ہے (یعنی تمام پیغمبر) تِلْکَ موصوف ہے۔ اَلرُّسُلُ اس کی صفت ہے۔ دونوں کا مجموعہ مبتدا ہے اور فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ خبر ہے۔

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ہم نے (مذکورہ بالا) پیغمبروں کی جماعت میں سے ایک کو دوسرے پر برتری عطا فرمائی) (لغت میں) فضل کا معنی ہے کسی صفت میں زیادتی یعنی وصف مشترک میں ایک چیز کا دوسری چیز سے بڑھ جانا لیکن عرف اور اصطلاح میں فضل ایسے کمال کی زیادتی کو کہتے ہیں جس پر دنیا میں ستائش اور آخرت میں ثواب مرتب ہو۔ اب اگر ایک میں مخصوص طور پر ایک کمال ہو اور دوسرے میں خصوصیت کے ساتھ دوسرا کمال تو فی الجملہ ہر ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہو جاتی ہے یعنی (جدا جدا) دنیوی ستائش اور اخروی ثواب کا استحقاق دونوں کو حاصل ہوتا ہے لیکن پوری پوری فضیلت اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کو ثواب اور قرب الٰہی زیادہ حاصل ہو تمام انبیاء اور پیغمبر اگرچہ وصف رسالت و نبوت میں شریک ہیں اور سب کو اجر و ثواب کا استحقاق ہے لیکن کثرت ثواب اور مراتب قرب میں ان کے آپس میں اتنا تفاوت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس سے واقف نہیں ہاں اللہ کے بتانے سے ہی اس کا علم ہو سکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ان میں سے کوئی تو وہ تھا جس سے اللہ نے کلام کیا۔ اہل تفسیر کہتے ہیں اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں کیونکہ اللہ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق ہی فرمایا ہے فَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ الخ لیکن اس آیت سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت موسیٰ کو ہی یہ فضیلت دی گئی تھی (ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ نے کسی دوسرے پیغمبر سے بھی کلام کیا ہو) اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں مراد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے طور پر کلام کیا اور حضور سرور کائنات فخر موجودات (علیہ التحیۃ والسلام) سے شب معراج میں جبکہ بقدر دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا اس وقت اللہ نے اپنے بندہ کو وحی سے سرفراز فرمایا ان دونوں حالتوں اور کلاموں میں عظیم الشان تفاوت ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (اور کوئی وہ تھا جس کو مراتب بلندی عطا فرمائی) یعنی بعض کو بعض پر یا بعض کو باقی تمام پر بہت درجے اونچا کر دیا بعض انبیاء کو بعض پر مراتب بلندی تو بہت سے انبیاء کو حاصل ہوئی تھی رسولوں کو انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی تھی پھر اُولُوا الْعَزْم رسولوں کو دوسرے رسولوں پر بھی بہت رفعت حاصل تھی لیکن تمام رسولوں اور نبیوں پر برتری صرف رسول ﷺ کو حاصل ہوئی تھی۔ اس قول کا ثبوت احادیث سے ہوتا ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں بنی آدم کا سردار ہوں گا اور (میرا یہ کلام بطور) فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں حمد کا پھریرا ہو گا اور (میرا یہ قول بھی بطور) فخر نہیں ہے آدم کی تمام اولاد اور اس کے علاوہ دوسرے بھی میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور زمین پھٹ کر سب سے اوّل میں ہی بر آمد ہوں گا اور (یہ بھی بطور) فخر نہیں ہے اور میں ہی سب سے اوّل سفارشی ہوں گا اور میری ہی سفارش سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ کچھ صحابہؓ بیٹھے باتیں کر رہے تھے حضور اقدس ﷺ بر آمد ہوئے اور ان لوگوں کو باتیں کرتے سنا۔ ایک صاحبؓ کہہ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا تھا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ تیسرے نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ چوتھے بولے آدم علیہ السلام کو صفی اللہ بنایا تھا۔ حضور ﷺ نے بر آمد ہو کر فرمایا میں نے تمہاری تعجب آگیں باتیں سنیں کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے بیشک وہ ایسے ہی تھے اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے واقعی وہ ایسے ہی تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے حقیقت میں وہ ایسے ہی تھے اور آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے وہ اسی طرح تھے لیکن میں حبیب اللہ ہوں (ﷺ) اور میرا یہ کلام بطور فخر نہیں۔ میں ہی جنت کی زنجیر سب سے پہلے کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ میرے لئے جنت کو کھول دیگا اور مجھے اندر داخل فرمائے گا۔ اس وقت میرے ساتھ فقراء مسلمین بھی ہوں گے اور (یہ بات بطور) فخر نہیں۔ میں اللہ کے ہاں تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ معزز ہوں اور (یہ کلام بھی بطور) فخر نہیں۔ (ترمذی و دارمی)۔

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا میں قائد مرسلین ہوں اور (یہ کلام بطور) فخر نہیں۔ میں خاتم النبیین ہوں اور (یہ کلام بطور) فخر نہیں میں سب سے اوّل سفارش کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری سفارش مانی جائے گی اور (یہ بات بھی بطور) فخر نہیں۔ (دارمی) حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا قیامت کا دن ہو گا تو میں انبیاء کا امام خطیب اور ان کی طرف سے سفارشی ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ (ترمذی) حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا زمین پھٹ کر سب سے اوّل میں ہی بر آمد ہوں گا اور مجھے جنت کا خلعت پہنایا جائے گا۔ پھر عرش کے دائیں جانب اس مقام پر میں کھڑا ہوں گا کہ میرے سوا اس جگہ پر مخلوق میں سے کوئی کھڑا نہ ہو گا۔ (ترمذی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (میرے لئے) اللہ سے وسیلہ طلب کرو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وسیلہ کیا چیز ہے فرمایا جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے جس پر صرف ایک شخص پہنچے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ پہنچنے والا میں ہی ہوں گا۔ (ترمذی) یہ تمام احادیث اگرچہ آحاد ہیں لیکن معنی کے لحاظ سے ان میں تواتر ہے اور امت اسلامیہ نے ان کو مانا ہے۔

امام محی السنۃ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول ﷺ کو ان جیسے تمام معجزات دیئے گئے تھے جو دوسرے پیغمبروں کو الگ الگ دیئے گئے تھے اور ان مجموعہ معجزات کے علاوہ بھی آپ کو معجزات عطا فرمائے گئے تھے جیسے انگلی کے اشارہ سے چاند کا پھٹ جانا۔ آپ کے جدا ہونے کی وجہ سے ستون حنانہ کا رونا پتھروں اور درختوں کا آپ کو سلام کرنا چوپایوں کا کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا۔ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے فوارہ کی طرح پانی کا پھوٹ کر نکلنا۔ ان کے علاوہ بیشمار معجزات ہیں جن میں سب سے نمایاں قرآن مجید ہے جس کی مثل پیش کرنے سے آسمان و زمین کے باشندے عاجز رہے اس بیان کے بعد بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا جو دوسرے انسانوں کی قدرت سے خارج تھا اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ اللہ کا کلام ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا گیا پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد زیادہ ہو گی۔ (بخاری و مسلم)۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بحوالہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں عطا کی گئیں ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی زمین

کو میرے لئے مسجد اور پاک قرار دیا گیا لہٰذا میری امت میں سے جس کسی کو (جہاں) نماز کا وقت آجائے وہ (وہیں) نماز پڑھ لے (خواہ مسجد ہو یا گھر یا صحرا وغیرہ) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور مجھے شفاعت (کا حق) دیا گیا اور ہر نبی کو صرف اسی کی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا جاتا رہا مگر مجھے سب لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا۔ (متفق علیہ)

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا چھ امور میں مجھے انبیاء پر برتری عطا فرمائی گئی مجھے الفاظ جامع (یعنی ایسے الفاظ جو باوجود مختصر ہونے کے معانی کثیرہ اور حقائق عظیمہ کو حاوی ہوں) دیئے گئے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک قرار دیا گیا۔ مجھے تمام مخلوق (جن وانس) کے لئے بھیجا گیا۔ مجھ پر انبیاء کو ختم کر دیا گیا۔ (مسلم) اس بحث کی تفصیل بہت طویل ہے تنگی مقام مفصل بیان کی اجازت نہیں دیتی اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں۔

وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلے ہوئے معجزات عطا کئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پالنے کے اندر ہی لوگوں سے باتیں کیں آپ مادر زاد نابینا اور برص کی بیماری والے کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور آسمان سے آپ پر خوان اتر آیا تھا۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے ہم نے اس کی مدد کی تھی) اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی حد سے زیادہ آپ کی توہین کرتے تھے (نعوذ باللہ حرامی بچہ کہتے تھے) اور عیسائی آپ کی تعظیم میں بہت آگے بڑھ چکے تھے (نعوذ باللہ خدا کا بیٹا کہنے لگے تھے)۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (مفعول محذوف ہے) یعنی اگر اللہ سب لوگوں کو ہدایت کرنا چاہتا تو

مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ پیغمبروں کے بعد لوگ باہم نہیں لڑتے۔

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ کھلے ہوئے معجزات آنے کے بعد۔

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا لیکن اللہ نے اپنی جلالی و جمالی صفات اور اپنے مختلف اسماء (مثلاً) ہادی، مضل منتقم، قہار، منعم اور عفو کا ظہور چاہا اس لئے (کفر و اسلام اور ہدایت و گمراہی میں) لوگ مختلف ہو گئے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ پس کچھ تو ایمان لے آئے (یعنی اللہ نے اپنی مہربانی سے دین انبیاء کا پابند رہنے کی ان کو ہدایت، توفیق عطا فرما دی) یہ وہی لوگ تھے جن کو اللہ کی صفت ہدایت کا مظہر قرار دیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ نے تقاضائے عدل کے تحت انکی مدد نہیں کی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کو اللہ کی صفت اضلال کا مظہر قرار دیا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس نے وہ نور پا لیا ہدایت یاب ہو گیا اور جو نور کو نہ پا سکا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی کے مطابق قلم (لکھ کر) خشک ہو گیا۔ (احمد و ترمذی)۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا اس جملہ کا دوبارہ ذکر قول جملہ کی تاکید کے لئے ہے۔

منزل ۱ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ لیکن اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اس پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ کوئی اس کی حکمت کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بغوی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب سے دریافت کیا امیر المومنین مجھے تقدیر کی حقیقت بتا دیجئے۔ فرمایا یہ تاریک راہ ہے اس پر نہ چل۔ اس نے مکرر سوال کیا آپ نے فرمایا یہ گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو اس نے سوال کا پھر اعادہ کیا تو فرمایا یہ پوشیدہ راز ہے اس کی جستجو نہ کر یعنی حقیقت تقدیر ناقابل فہم ہے

نسانی دانش کی وہاں تک رسائی نہیں جس طرح گہرے سمندر میں گھسنا اور تاریک راہ میں چلنا تباہی آفریں ہے یہی طرح اس حقیقت (سربستہ) کی جستجو ہلاکت انگیز ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس نے تقدیر کے معاملہ میں کچھ گفتگو کی اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور اگر کچھ نہ کی تو سوال نہ ہوگا۔ (ابن ماجہ)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تمام آسمان و زمین کے رہنے والوں کو عذاب دے تو اس کا عذاب ظلم نہ ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی (یعنی اعمال موجب سزا ہیں اور مجرم کو سزا دینا ظلم نہیں اور رحم کرنا اس کی مہربانی ہے اور مہربانی اعمال کے زیر اثر نہیں بلکہ اعمال سے بہتر ہوگی اگر تم کوہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرو تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ تاوقتیکہ تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہو اور جب تک تم کو اس کا یقین نہ ہو کہ جو کچھ تم کو پہنچنے والا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور نہیں پہنچنے والا ہے تو نہیں پہنچے گا۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف دوسرے عقیدہ پر مرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اسی مضمون کے مروی ہیں بلکہ حضرت زید بن ثابت نے تو فرمان نبوی اسی مضمون کا بیان کیا ہے۔ (احمد ابوداؤد، ابن ماجہ)۔

ایک شبہ

بیت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض انبیاء بعض سے فضل تھے لیکن حضرت ابو سعید و حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے پیغمبروں کے درمیان (باہمی) تفضیل نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک کو دوسرے پر برتری نہ دو (صحیحین) حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ (علیہ السلام) سے برتر نہ کہو ایک دوسری حدیث میں فرمایا میں قائل نہیں کہ کوئی بھی یونس بن متی سے افضل ہے (متفق علیہ)۔

ازالہ

حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ نہ بتائے خود اپنی رائے سے دلیل شرعی کے بغیر ایک پیغمبر کو دوسرے پر فضیلت دینا جائز نہیں کیونکہ فضیلت کا معنی کثرت ثواب اور قرب خداوندی کے زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں اور انسانی رائے سے اس کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر قرآن یا حدیث سے بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت ثابت ہو تو تفضیل بین الانبیاء میں کوئی حرج نہیں ہے اب اگر دلیل فضیلت قطعی ہو تو تفضیل مخصوص کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اگر دلیل متن حدیث یا اسناد حدیث کے حالات سے ظنی ہو جس میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہو جب بھی تفضیل بین الانبیاء کا عقیدہ رکھنے میں کوئی گناہ نہیں اسی پر انبیاء کے علاوہ دوسروں کو قیاس کرنا چاہئے کہ دلیل ظنی کی بناء پر کسی عالم (صحابی، تابعی وغیرہ) کو دوسرے عالم پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ہو خر الذکر دونوں حدیثیں اس وقت کی ہوں جبکہ رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء پر اپنی فضیلت معلوم نہ ہوئی ہو واللہ اعلم۔

مسئلہ - معتزلہ کا قول ہے کہ جو چیز بندوں کے لئے صلح یعنی زیادہ مفید ہے اس کو کرنا خدا پر واجب ہے اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں تمام حوادث اس کی مشیت کے تابع ہیں وہ سب کچھ کر سکتا ہے اچھائی ہو یا برائی ایمان ہو یا کفر اس آیت سے اہل سنت کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام آدمیوں کے دل ایک آدمی کے دل کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جس طرح چاہتا ہے موڑ دیتا ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ! اے دلوں کو پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے (مسلم واحمد، ترمذی) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے اور امام احمد نے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ اے اہل ایمان ہم نے اپنی عطا کردہ رزق میں سے جس چیز کو خرچ کرنا تم پر واجب کر دیا ہے اس کو خرچ کرو۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں تم اپنے قصور کی تلافی اور عذاب خداوندی سے بچاؤ نہیں کر سکو گے۔

لَّا بَيْعٌ کیونکہ اس روز خرید و فروخت نہ ہوگی کہ مال حاصل کر کے راہ خدا میں خرچ کر سکو یا عذاب سے اپنی جانوں کو بچانے کے لئے بطور عوض مال دے سکو۔

فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ اور نہ دوستی ہوگی کہ دوست تمہاری مدد کر سکیں یا دوستی کی وجہ سے چشم پوشی کر سکیں۔

وَّلَا شَفَاعَةٌ (اور نہ بغیر اذن خدا سفارش ہوگی) ابو عمرو اور ابن کثیر نے اس آیت میں لا کے بعد تینوں لفظوں پر اور سورۂ ابراہیم کی آیت لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ میں دونوں لفظوں پر اور سورۂ طور کی آیت لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ میں دونوں لفظوں پر فتح بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور اصل استعمال یہی ہے (یعنی لا نفی جنس کے لئے ہے اور یہی لا کا اصل استعمال ہے) باقی قاریوں نے ہر جگہ لا کے بعد رفع تنوین پڑھا ہے کیونکہ یہ سوال محذوف کا جواب ہے سوال ہوتا تھا کہ کیا اس روز بیع یا دوستی یا سفارش ہو سکے گی اس کا جواب دیا اس روز نہ بیع ہوگی نہ دوستی نہ سفارش۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ اور کافر ہی بیجا حرکتیں کرنے والے ہیں عبادت بے محل کرتے ہیں اور مال صرف بے محل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے اور اپنی جانوں کو عذاب خداوندی میں مبتلا کرتے ہیں اس طرح وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پس اے ایمان والو تم ان کی طرح نہ ہو۔ یا آیت میں الکافرون سے مراد وہ کافر ہیں جو زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے الکافرون سے مراد ہیں زکوٰۃ نہ دینے والے ترک زکوٰۃ کی برائی کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے زکوٰۃ نہ دینے کو کفر سے تعبیر کیا جیسے حج نہ کرنے کو کفر کرنے سے تعبیر کیا ہے اور من لم يحج کی جگہ من کفر فرمایا ہے نیز آیت وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ میں عدم ادائے زکوٰۃ کو مشرکوں کی صفت قرار دیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ ترک زکوٰۃ کافروں کی خصوصیت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ اونٹ کی ٹانگ باندھنے کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا میں نے کہا اے جانشین رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ملائے رکھئے ان سے نرمی کیجئے فرمایا تم جاہلیت میں تو بڑے جبار تھے (اب) اسلام میں کیا ضعیف ہو گئے وحی ختم ہو گئی دین کامل ہو گیا تو کیا میری زندگی میں دین میں نقصان ہو سکے گا (رواہ رزین)۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ (یعنی عبادت کا مستحق اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اسی کا دانا بینا شنوا اور صاحب قدرت و ارادہ ہونا درست ہے اور تمام مناسب صفات اس کیلئے لازم ہیں وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس کی تمام صفات بھی ازلی ابدی ہیں کیونکہ عدم نقص اور امکان سے وہ پاک ہے پس حیات ہی اس کی تمام صفات کمالیہ کا سرچشمہ ہے۔

الْقَيُّوْمُ ۚ (مخلوق کو تھامنے والا) عمرو بن مسعودؓ کی قرأت میں اَلْقَيَّامُ اور علقمہ کی قرأت میں اَلْقَيِّمُ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے۔ قیوم کا معنی ہے نگراں (ابن مجاہد) یا ہر نفس کے اعمال کا نگراں (کلبی) قیوم کا ترجمہ منتظم بھی کیا گیا ہے۔ ابو عبیدہؒ نے کہا قیوم کا معنی ہے غیر فانی۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ قیوم وہ ہے جو ہمیشہ مخلوق کی حفاظت اور تدبیر کرنے والا ہو سیوطی نے ترجمہ کیا ہے ہمیشہ باقی رہنے والا میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کا مشترک معنی یہ ہے کہ اللہ بازوال

ہے بذات خود موجود ہے دوسری چیزوں کی نگرانی کرنے اور ہستی کو قائم رکھنے والا ہے اس کے بغیر کسی چیز کی بقاء اور ہستی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اللہ کے قیوم ہونے کا تقاضا ہے کہ جس طرح ہر چیز اپنی ہستی کے لئے خدا کی محتاج ہے اسی طرح بقائے ہستی میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے جس طرح سایہ اصل شئی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کائنات اللہ کی محتاج ہے شایاں اصل اللہ کی ہی ہے۔

لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (اس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند) اونگھ کا ذکر نیند سے پہلے کیا باوجودیکہ زور بیان کا تقاضا تھا کہ نیند کا ذکر اونگھ سے پہلے کیا جاتا (کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نیند نہیں آتی نیند تو نیند اونگھ بھی نہیں آتی) طرز بیان مذکور کی وجہ یہ ہے کہ وجود خارجی کے لحاظ سے اونگھ نیند سے پہلے ہوتی ہے اونگھ اعصاب دماغی کی وہ سستی ہوتی ہے جو نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور نیند اس استرخائی کیفیت کو کہتے ہیں جو مرطوب بخارات کے چڑھنے سے دماغی اعصاب میں پیدا ہو جاتی ہے اور پٹھوں کے اسی ڈھیلے پن کی وجہ سے ظاہری حواس (بیرونی) احساس سے بیکار ہو جاتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں صفت سلبیہ کا اظہار ہے جس سے تشبیہ (مخلوق سے مشابہت) کی نفی ہو رہی ہے گویا اللہ کے حی قیوم ہونے کی یہ تائید ہے۔ نیند موت کی بہن ہے جس کو نیند یا اونگھ آتی ہے اس کا (بیرونی) انتظام زندگی درست نہیں رہتا اور شیء کی حفاظت اور نگہداشت سے (نیند کے اوقات میں) قاصر ہو جاتا ہے اسی لئے اَلْقَیُّوْمُ اور لَا تَاْخُذُهٗ کے درمیان حرف عاطف نہیں لایا گیا (کیونکہ حرف عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے اور یہاں فقدان سنہ و نوم اللہ کی قیومیت کی دلیل ہے) حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر پانچ باتیں فرمائیں۔ فرمایا کوئی شک نہیں کہ اللہ نہیں سوتا اور نہ سونا اس کیلئے زیبا ہے وہ میزان کو نیچا اونچا کرتا ہے اسکے سامنے رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے لائے جاتے ہیں اور دن کے اعمال کی پیشی رات کے اعمال (آنے) سے پہلے ہو جاتی ہے۔ اس کا حجاب نور ہے اگر پردہ نور الٹ جائے تو اس کے انوار جمال حد نگاہ تک مخلوق کو سوختہ کر دیں۔ (مسلم)۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے یہ جملہ اللہ کی قیومیت کی تائید اور توحید الوہیت کی دلیل ہے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت کا جن اجزاء سے قوام ہوا ہے یا وہ اشیاء جو آسمان و زمین کے قوامی اجزاء تو نہیں ہیں مگر ان کے اندر موجود ہیں سب کی سب اللہ ہی کی ہیں اگر لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَا فِيْهِنَّ کہا جاتا تو مفہوم مذکور اس جملہ سے پورے طور پر ادا نہیں ہوتا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کون سفارش کر سکتا ہے) یہ عظمت خداوندی کا اظہار ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے برابر اور ہمسر نہیں کہ خود سفارش کر کے اللہ کے عذاب کو دور کر سکے مقابلہ کر کے عذاب کو روک دینے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہی ان کے سامنے کی اور پیچھے کی چیزوں کو جانتا ہے) یعنی ان سے پہلے کی اور بعد کو آنے والی چیزوں کو یا ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو انسان جانتے ہیں اور ان چیزوں کو بھی جن کو انسان نہیں جانتے یا ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو لوگ لیتے یا ترک کرتے ہیں کسی چیز کو اندازہ کر دیا جاتا ہے کہ اندازہ کرنے والے نے اس چیز کو پس پشت پھینک دیا۔ ھُمْ کی ضمیر مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی طرف راجع ہے مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عاقل اور بے عقل دونوں کو شامل ہے لیکن اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر ترجیح دے کر یہ ضمیر ذکر کر دی جو اہل عقل کے لئے مخصوص ہے اور بے عقل مخلوق اہل عقل کے ذیل میں آ گئی یا ھُمْ کی ضمیر ذا کی طرف راجع ہے (جو مَنْ ذَا الَّذِيْ میں مذکور ہے) اور ذا سے مراد ہیں انبیاء اور ملائکہ۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ (اور اہل علم اللہ کے علم کے کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے) یعنی اللہ کے معلومات کے کسی حصہ کو پورے طور پر نہیں جان سکتے۔ اللہ کو ہر چیز معلوم ہے پھر بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ کی قید لگانے سے اس بات پر

تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ کوئی علمی احاطہ نہیں کر سکتا۔ احاطہ علمی کی نفی سے مراد ہے ایسے علم کامل کی نفی جو تمام اشیاء کی حقیقت کو محیط ہو۔ علم محیط صرف باری تعالیٰ کی خصوصیت ہے کسی مخصوص چیز کی حقیقت کا کامل علم بطور ندرت ممکن ہے کہ کسی کو ہو جائے لیکن تمام اشیاء کی حقیقت کوئی نہیں جانتا یا علم سے مراد وہ علم غیب ہے جو اللہ کے لئے مخصوص ہے یعنی اللہ کے علم غیب کے کسی حصہ کو کوئی احاطہ کے ساتھ نہیں جانتا۔

اِلَّا بِمَا شَآءَ (ہاں جس چیز کا علم اللہ دینا چاہے) تو اس کو مخلوق کا علم محیط ہو جاتا ہے اور ایسا کم ہے اللہ نے خود ارشاد فرمایا ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ میں واؤ حالیہ ہے اور يَعْلَمُ کی ضمیر فاعلی ذوالحال ہے۔ یہ واؤ عاطفہ ہے دونوں جملوں کا مجموعہ بتارہا ہے کہ محیط کل اور ہمہ گیر علم ذاتی اللہ کی خصوصیت ہے اور یہ اللہ کی وحدانیت کا ثبوت ہے اس لئے دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف کو ذکر کیا۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے) بیضاوی نے لکھا ہے یہ محض تمثیل ہے اللہ کی عظمت کی تصویر کشی مقصود ہے ورنہ واقع میں نہ اللہ کی کرسی ہے اور نہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کرسی سے مراد علم ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے صحیفہ علمی کو کراسہ اسی وجہ سے کہتے ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ کرسی سے مراد حکومت اور اقتدار ہے موروثی حکومت کو عرب کرسی کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کرسی کا معنی علم یا اقتدار قرار دیا جائے تو آیت لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے بعد جملہ مذکورہ کا ذکر بے سود ہوگا (کیونکہ آیت مذکورہ کا ابتدائی حصہ اللہ کے اقتدار پر اور آخری حصہ اللہ کے کمال علمی پر دلالت کر رہا ہے)۔

محدثین کا مشہور قول یہ ہے کہ کرسی ایک جسم ہے (جس میں لمبائی، چوڑائی اور موٹائی ہے) بغوی کا بیان ہے کہ کرسی (کے مصداق) میں علماء کا اختلاف ہے حسن کا قول ہے کہ کرسی ہی عرش ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے قائم ہے اور آیت وَسِعَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ کرسی کی وسعت زمین اور آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کسی بیابان میں کوئی چھلا پڑا ہو اور کرسی سے عرش کی بڑائی (بھی) ایسی ہے جیسے چھلے سے بیابان کی بڑائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ کرسی کے اندر ساتوں آسمان ایسے ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مقاتل رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کرسی کے ہر پایہ کا طول ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے کرسی عرش کے سامنے ہے کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں ہر فرشتے کے چار منہ ہیں ان فرشتوں کے قدم ساتویں نچلی زمین کے نیچے پتھر پر ہیں یہ مسافت پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہے ایک فرشتہ کی شکل ابوالبشر یعنی حضرت آدم کی طرح ہے جو سال بھر تک آدمیوں کے لئے رزق کی دعا کرتا رہتا ہے۔ دوسرے فرشتہ کی صورت چوپایوں کے سردار یعنی بیل کی طرح ہے۔ چوپایوں کے لئے سال بھر رزق مانگتا رہتا ہے لیکن جب سے گوسالہ کی پوجا کی گئی اس وقت سے اس کے چہرہ پر کچھ خراشیں ہو گئی ہیں تیسرے فرشتہ کی صورت درندوں کے سردار شیر کی طرح ہے جو سال بھر درندوں کے لئے رزق کا طالب رہتا ہے چوتھے فرشتہ کی صورت پرندوں کے سردار یعنی گدھ کی طرح ہے جو پرندوں کے لئے سال بھر رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ حاملین عرش اور حاملین کرسی کے درمیان ستر حجاب تاریکی کے اور ستر حجاب نور کے ہیں اور ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہے اگر یہ حجابات نہ ہوں تو کرسی کے اٹھانے والے عرش کو اٹھانے والوں کے نور سے سوختہ ہو جائیں۔

اصل میں کرسی صرف تخت ہی کو کہتے ہیں جس پر بیٹھا جاتا ہے نشست گاہ سے فاضل جگہ کو کرسی نہیں کہا جاتا گویا لفظ کرسی "کرس" سے بنا ہے کرس کا معنی ہے کسی چیز کے اجزاء کو باہم جوڑ دینا کرسی، عرش اور بیت کی نسبت خدا کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں ایک خاص قسم کے جلوہ الٰہی کے لئے مخصوص ہیں۔

آیت فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لکھا ہے کہ عرش کی شکل کا کروی ہونا اور اس کا آسمانوں کو محیط ہونا احادیث سے مستفاد ہے لیکن اس جگہ حضرت ابوذرؓ کی روایت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ کرسی آسمانوں کو محیط ہے اور عرش کرسی کو گھیرے ہوئے ہے اور بعض آسمان بعض کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اس قول کا تقاضا ہے کہ ہر آسمان بھی کروی ہو اسی لئے بعض لوگ قائل ہیں کہ آٹھواں آسمان کرسی ہے اور نواں آسمان عرش۔ لیکن اللہ نے جو آسمانوں کی تعداد سات بتائی ہے اور عرش و کرسی کا شمار آسمانوں میں نہیں کیا اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دوسرے آسمانوں سے عرش و کرسی کی ماہیت جدا ہے اور خاص تجلیات کے لحاظ سے ان کو دوسرے آسمانوں سے امتیاز حاصل ہے واللہ اعلم۔ ۱

---

۱ ہیئت قدیم کے یونانی اور مصری علماء کہتے تھے جیسا کہ شرح چغمینی وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ مجموعہ عالم کی شکل کروی ہے گویا یہ کائنات ایک پیاز کی طرح ہے جس کے تہ در تہ پرت ہیں اور ہر چھلکا پیاز کے اندرونی چھلکے کو محیط ہے سب کو محیط فلک الافلاک یا فلک اطلس ہے اس کے اندر فلک ثوابت ہے اس کے نیچے فلک زحل پھر فلک مشتری پھر فلک مریخ پھر فلک شمس پھر فلک زہرہ پھر فلک عطارد پھر فلک قمر گویا فلک قمر سب سے نیچے ہے اور ہماری جانب سب سے اول یہی ہے اور آخری [illegible] آسمان فلک اطلس ہے فلک قمر کے نیچے کرۂ نار ہے اور کرۂ نار کے نیچے کرۂ ہوا اور اس کے نیچے پانی اور پانی کے نیچے مٹی اور یہی مرکز عالم ہے۔ علماء ہیئت قدیمہ افلاک کو تہ بہ تہ مانتے تھے قرآن مجید اور احادیث مقدسہ میں عرش کرسی اور سبع سمٰوٰت کے الفاظ آئے ہیں سبع سمٰوٰت کے ساتھ طباقا کا لفظ بھی مذکور ہے بعض علماء اسلام نے یونانی ہیئت و فلسفہ کی صداقت تسلیم کرنے میں تامل نہ کیا اور قرآن مجید کی عبارت کو بھی اس کے مطابق بنانے کی کوشش کی، بلکہ احادیث کے اشارات یا صراحت کو اپنے مطلب کی تائید میں لے آئے [illegible] عرش کو نواں اور کرسی کو آٹھواں آسمان بنا دیا [illegible] عرش و کرسی کو الگ قرار دینے کی وجہ ماہیت کے امتیاز اور خصوصی تجلیات کی بارش کو قرار دیا لیکن فلسفہ قدیمہ تو آسمانوں کو ازلی ابدی غیر متغیر کہتا ہے اور [illegible] قرار دیتا ہے ان کا پھٹنا اور پھر جوڑ جانا محال سمجھتا ہے بلکہ مادہ عناصر کو بھی [illegible] فلسفہ کا وہ کون سا عقیدہ اور نظریہ ہے جو قرآن کی صراحت و حدیث کی عبارت سے جوڑ کھاتا ہے پھر صرف ترتیب عالم کے سلسلہ میں قرآنی صراحت اور ہیئت قدیم کے مطابق بنانے کی کوشش مفید نہیں تو اور کیا ہے پہلی تفسیر یا ایسے نہیں کہ فلسفہ و ہیئت کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی تو پھر بھی یہ کاوش قابل برداشت ہوتی، سو منصف ہوں مگر تاویل ہی سہی ہوتی مگر قرآن کو توڑ مروڑ کر فلسفہ سے جوڑنا تو قرآن کو بازیچہ اطفال بنانا ہے کسی فلسفہ کو اصل صداقت ماننا نہیں قرار دیا جا سکتا ایک فلسفہ دوسرے کی تکذیب کرتا ہے جدید قدیم کو داستان پارینہ قرار دیتا ہے۔ موجودہ سائنس افلاک کو ہیولانی نہیں مانتی آسمان کیسا ہے کوئی نہیں کہہ سکتی روز نئے قرار دیتی ہے وہ کہتی ہے چالیس کروڑ سیارے خلاء میں فطری ضابطہ جذب کے زیر اثر معلق ہیں [illegible] اوپر نیچے کوئی سمت نہیں پھر تحت اور فوق کا حقیقی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہر کرہ کا دوسرے کرہ سے فاصلہ لاکھوں کروڑوں میل بلکہ بعض کا فاصلہ تو ناقابل احاطہ ہے اس کا حساب کرنے سے علم حساب عاجز ہے۔ کوئی کرہ اتنا چھوٹا ہے کہ ہمارے ایک دن ایک رات میں اس کی دوری حرکت پوری ہو جاتی ہے کوئی اتنا بڑا ہے کہ اس کی دوری حرکت ہمارے پچیس ہزار سال میں پوری ہوتی ہے یہ ساری فضاء و سیال چکنے ذرات سے بھری ہوئی ہے ہر کرہ اپنے محور پر گھوم رہا ہے زمین بھی گھوم رہی ہے ہمارے نظام کے سات سیارے ہیں چاند، سورج، مریخ، زحل، مشتری، عطارد، زہرہ باقی سیاروں کی کامل شناخت نہیں اور سب اسی پر موقوف ہے چالیس کروڑ کروں میں بھی کائنات کا انحصار نہیں یہ آخری حد نہیں جتنا معلوم ہوا ہے وہ بہت قلیل حصہ ہے اور اب بھی نامعلوم کتنا باقی ہے کیا سائنس کے یہ مسلمات قطعی ہیں ممکن ہے مادہ وہم کی کار پردازی ہو جو حقیقت [illegible] جس زمانہ میں جس فلسفہ نے جو کچھ کہا صحیح سمجھ کر ہی کہا۔ فلسفہ کا عمل ہی رد و بدل ہوتا ہے اور ہوتا رہتا ہے لیکن حقیقت قرآنیہ اپنی جگہ ثابت ہے ناقابل تغیر ہے۔ فلسفہ قدیمہ [illegible] (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَلَا يَئُودُهٗ (یہ لفظ اَوْد سے ماخوذ ہے اَوْد کا معنی ہے کجی)
حِفْظُهُمَا (یعنی آسمان و زمین یا کرسی اور کرسی کے اندر سمائی ہوئی چیزوں کی حفاظت کا اللہ پر بار نہیں پڑتا، ان کی نگہداشت اللہ کو تھکا نہیں دیتی)۔ یہ اور اس سے پہلے کا جملہ اللہ کی علمی وسعت اور اس کی عمومی واقفیت کی ہمہ گیری کا بیان ہے یا مراتب خداوندی کی عظمت و جلال اور اس کی قیومیت محیطہ کا اظہار ہے مذکورہ بالا دونوں جملے ایک ہی جملہ کا حکم رکھتے ہیں اور چونکہ گزشتہ کلام میں سے ہر جملہ سابق جملہ کی تاکید اور توضیح ہے (گویا ایک ہی کلام کے متعدد اجزاء ہیں) اس لئے کسی جملہ کا دوسرے پر عطف نہیں کیا۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ (اللہ ہر مثل اور نظیر سے برتر و بالا ہے) کوئی کسی طور پر اس کی طرح نہیں نہ ذات کے لحاظ سے نہ اوصاف کے لحاظ سے۔ تعریف کرنے والے اس کی تعریف کرتے ہیں اور بیان کرنے والے اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں لیکن وہ ہر تعریف اور بیان سے برتر ہے اس کی شان وہی ہے جو اسی کے لئے زیبا ہے۔

الْعَظِيمُ ۝ وہ ذاتی عظمت والا ہے کہ تمام کائنات اس کے مقابلہ میں بے مقدار ہے۔

آیت الکرسی میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی ذات و صفات کے مباحث بیان کئے گئے ہیں یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ ہی کا وجود اصلی اور حقیقی ہے اسکی ہر صفت کامل ہے اس کی حیات اور حیات کی تابع دوسری صفات مثلاً علم، قدرت، ارادہ، سننا، دیکھنا اور کلام کرنا سب ہی اوصاف کمال ہیں وہ ساری کائنات کو ہستی اور قوام ہستی عطا کرنے والا ہے ہر چیز کا قیام اسی کی ذات سے ہے لیکن یہ قیام ویسا نہیں جیسا عرض کا جوہر کے ساتھ ہوتا ہے بعض اکابر کا قول ہے کہ عالم ایک مجموعہ اعراض ہے جو ذات واحد میں جمع ہیں اس قول سے دھوکہ ہو سکتا ہے کہ ذات خداوندی سے عالم کا قیام اس طرح ہے جس طرح جوہر کے ساتھ عرض کا قیام ہوتا ہے مگر یہ مطلب غلط ہے قیام عالم باللہ کی کیفیت ناقابل تصور ہے خیال کی پہنائیاں اس کو نہیں سما سکتیں قیام کے مفہوم کی قریب الفہم تعبیر کے لئے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہماری رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے مگر یہ قرب مکانی نہیں نہ حلولی ہے نہ احتیاج مکانی اور حلول سے پاک ہے ہر تغیر اور ضعف سے منزہ ہے مالک الملک والملکوت ہے، سخت گرفت بہت سخت ہے اس کا انتقام ناقابل برداشت ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس سے سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا علم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) تحقیقات جدیدہ کے موافق ماننے کے لئے آیات و احادیث میں تاویل بارد کرنا ہی الحاد کا ثبوت اور عقلی بدشت روی کی علامت ہے۔

قرآن مجید میں سبع سموات کا حصر نہیں کہ زیادتی کا انکار کیا جائے۔ مزید کون خاص شمار بتائی ہے کہ تعداد کو محدود کر دیا جائے طباقاً کا ترجمہ تہ بہ تہ محض احتمالی ہے احتمال سے یقین نہیں ہوتی طباقاً کا ترجمہ تہ بہ تہ نہیں ہے درجہ بدرجہ ہے طباقاً کا ترجمہ بھی درجہ بدرجہ ہو سکتا ہے اور یہ ترتیب درجات بھی اضافی اور عرفی ہے حقیقی فوق و تحت کو تسلیم کرنا ضروری نہیں غیر مادی اشیاء میں درجہ بدرجہ بالا و پست کا تصور بلکہ وقوع ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اجرام کا قول غلط ہو اور تاثیر جذب کے زیر اثر تمام کروی اجسام جدا جدا معلق ہوں، حدیث صریح میں ایک آسمان کا دوسرے آسمان سے فاصلہ پانسو برس کی راہ ہے۔ اور بتایا گیا ہے اگر یہ طباقاً کے لفظ کے منافی نہیں تو پھر تمام کرات کو جدا جدا اور درجہ بدرجہ قرار دینا کیوں طباقاً کے مفہوم کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوذر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی احاطہ کرسی صراحتاً ثابت ہوتا ہے نہ استقلالاً کیونکہ اس میں عظمت کرسی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دوسرے آسمانوں کو کرسی کے مقابلہ میں اتنا چھوٹا کہا گیا ہے جیسے سپر کے اندر سات چھلے یا صحراء میں ایک چھلا بلکہ اس سے زیادہ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کرسی سموات کو محیط ہے لیکن یہ احاطہ محتاج تاویل ہے جسمانی احاطہ ہے یا اقتدار اور حکم کا احاطہ یا عظمت و بزرگی کا احاطہ کوئی مجبوری نہیں کہ جب اللہ ہر چیز کو محیط ہے کیا یہ احاطہ جسمانی ہے یا قدرت حکمت اور علم کا احاطہ ہے یا حکم اور اقتدار کا احاطہ ہے اہل ایمان کے قلوب کا رحمن کی چٹکی میں ہونا کیا قلوب کے جسمانی احاطہ پر دلالت کرتا ہے پھر وسعت کرسی کو جسمانی حوف سے تعبیر کرنا اور فلک جسم کو ہر طرف سے تمام اجسام کو محیط ماننا فلسفہ قدیمہ سے مرعوبیت اور روحانی علامت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہی مسلک اس فقیر کی نظر میں یہ ہے کہ احادیث مقدسہ اور قرآن مجید کی صراحتوں میں کوئی ایسی تاویل اور تعیین اور دور از کار استنباط نہ کیا جائے جس کا مقصود کسی فلسفہ سے تطبیق ہو ہاں اگر کوئی فلسفہ قرآنی صراحت کی تائید کر رہا ہو تو اس کو شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ہمہ گیر ہے ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کی حقیقت کو ہر طرح محیط ہے اس کی معلومات کا علم کسی کو نہیں ہاں اگر وہی کچھ بتادے تو ہو سکتا ہے اس کی حکومت اور قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں وہ بعض مخلوق پر جلوہ انداز ضرور ہوتا ہے لیکن یہ پرتو کسی اس کی ذاتی برتری میں رخنہ انداز نہیں ہوتی کوئی امر دشوار اس کے لئے تعب آفریں نہیں ہوتا کسی شے میں مشغولیت اس کو دوسری چیز سے غافل نہیں بنا سکتی وہ تمام نامناسب اوصاف سے پاک اور کل حمد کرنے والوں کی ستائش سے برتر ہے۔ وہ رسول مکرم ﷺ جس کے دست مبارک میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہوگا خود ذات الٰہی کی حمد کا حق ادا کرنے سے قاصر تھا اسی لئے اس نے (اپنی دعا میں) کہا تھا تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا کی ہے۔ اللہ کی عظمت کے سامنے ہر چیز حقیر ہے۔ اس کی بزرگی پورے طور پر کوئی عالم نہیں جانتا کسی عابد کی عبادت اللہ کی عظمت کا حق ادا کر سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی عبادت کے قصور کا اقرار کیا ہے فرمایا ہے ہم نے تیری عبادت تقاضائے عبادت کے برابر نہیں کی اسی لئے جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت کونسی ہے فرمایا آیۃ الکرسی اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحیّ۔ عرض کیا گیا سب سے زیادہ عظمت والی سورت کونسی ہے فرمایا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (دارمی بروایت اسقع مرسلاً)

حارث بن اسامہ رضی اللہ عنہ نے بروایت حسن مرسلاً بیان کیا کہ سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت آیۃ الکرسی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوالمنذر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے میں نے عرض کیا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ حضور ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تجھ کو علم مبارک ہو۔ پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس آیت کی ایک زبان اور دو لب ہیں پایۂ عرش کے پاس فرشتہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ (مسلم)

میں کہتا ہوں شاید اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اس آیت کی تلاوت کر کے اللہ کی تقدیس کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ عالم مثال میں ہر چیز کی ایک صورت ہے یہاں تک کہ قرآن کی آیات قرآن کی اور رمضان کی بھی (عالم مثال میں) شکلیں متعین ہیں۔ ابن مردویہ نے بروایت حضرت ابن مسعودؓ اور ابن راہویہ نے اپنی مسند میں بروایت حضرت عوف بن مالکؓ اور امام احمد و امام مالک نے بروایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ آیت الکرسی آیات قرآنی کی سردار ہے (ترمذی و حاکم)
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آیت الکرسی (ثواب میں) چوتھائی قرآن (کی برابر) ہے (احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص آیت الکرسی اور حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ کی دو آیتیں صبح کو پڑھے گا وہ دن بھر شام تک محفوظ رہے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ رات بھر (اللہ کی) امان میں صبح تک رہے گا۔ (رواہ الترمذی والدارمی) ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کے مال کی حفاظت پر مامور فرمایا (رات کو) کوئی آکر لپ بھر بھر کر غلہ اٹھا کر لینے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر جاؤں گا وہ بولا میں محتاج ہوں، عیالدار ہوں بڑا ضرورت مند ہوں میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا ابوہریرہؓ رات والے تمہارے قیدی کا کیا ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے اپنی سخت تنگی اور عیالداری کا دکھ ظاہر کیا تھا مجھے اس پر رحم آگیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ فرمایا آگاہ ہو جاؤ اس نے تم سے جھوٹ بولا آئندہ وہ پھر لوٹ کر آئیگا یہ سن کر مجھے اس کے دوبارہ آنے کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ میں اس کی تاک میں رہا وہ آیا اور پھر لپ میں غلہ بھرنے لگا فوراً میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا اب تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تجھے ضرور لے کر جاؤں گا اس نے پہلے کی طرح پھر وہی بات کی کہ مجھے چھوڑ دو الخ۔
اور (صبح کو) رسول اللہ ﷺ نے بھی وہی بات فرمائی جو پہلے فرمائی تھی آخر تیسری بار (جب وہ پھر چوری کرنے آیا تو) میں نے کہا یہ آخری بار ہے تو دوبارہ نہ آنے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر واپس آ جاتا ہے (اب تو میں تجھے ضرور ہی لے جاؤں گا) اس نے

کہ تم مجھے چھوڑ دو۔ میں تم کو چند لفظ ایسے سکھاتا ہوں جن سے اللہ تم کو فائدہ عطا فرمائے گا۔ جب تم اپنے بستر پر (رات کو لیٹنے کے لئے) جاؤ تو آیۃ الکرسی اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ آخر تک پڑھ لیا کرو تمہاری محافظت کے لئے اللہ کی طرف سے ایک نگراں مقرر رہے گا پھر صبح تک کوئی شیطان تمہارے پاس آنے نہ پائے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو خدمت گرامی میں پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا رات والا قیدی کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا حضور اس نے کہا میں تم کو چند لفظ ایسے بتاتا ہوں کہ ان کے ذریعہ سے اللہ تم کو فائدہ عطا فرمائے گا۔ ارشاد فرمایا سنو وہ ہے تو جھوٹا مگر اس نے یہ بات تم سے سچ کہی کیا تم واقف ہو کہ تین راتوں سے تم کس سے گفتگو کرتے رہے۔ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا وہ شیطان ہے (بخاری) نسائی، ابن حبان اور دارقطنی نے بروایت حضرت ابو امامہ اور شعب الایمان میں بیہقی نے بروایت حضرت صلصال دہمی و حضرت علیؓ بن ابی طالب مرفوعاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اس کو (جنت سے) موت کے علاوہ جنت کے داخلہ سے اور کوئی چیز روکنے والی نہ ہوگی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جو شخص بستر خواب پکڑتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا اللہ اس کے گھر کو اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور گرد اگرد کے دوسرے گھر والوں کو اپنی امان میں رکھے گا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت لکھی ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اللہ اگلی نماز تک اس کا محافظ رہے گا اور اس کی پابندی صرف نبی کرتا ہے یا صدیق یا شہید ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ (دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔ ابو داؤد، نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ (اسلام سے پہلے مدینہ میں) جس عورت کا بچہ نہ جیتا تھا وہ منت مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ کوئی زندہ رہا تو میں اس کو یہودی بنادوں گی (یہ منت قبائل انصار کی عورتیں مانتی تھیں) چنانچہ بنو نضیر (کے یہودیوں) کو جب جلا وطن کیا گیا تو ان کے اندر کچھ انصار کے بچے بھی تھے (جن کو یہودی بنا دیا گیا تھا) انصار کہنے لگے یہ تو ہمارے بچے ہیں ہم ان کو نہیں جانے دیں گے اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی نزول آیت کے بعد رسول ﷺ نے فرمایا تم اپنے آدمیوں کو اختیار دے دو اگر وہ تمہارے ساتھ رہنا پسند کریں تو تم میں سے ہیں (ان کو مدینہ سے خارج نہ کیا جائے) اور اگر وہ ان (یہودیوں) کے ساتھ رہیں تو یہودیوں کے ساتھ ان کو بھی جلا وطن کر دو مجاہد کا بیان ہے کہ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ یہودی قبائل میں اپنے بچوں کو دودھ پلوایا کرتے تھے (جب یہودیوں کو جلا وطن کیا گیا تو) جن لڑکوں نے یہودنوں کا دودھ پیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم بھی انہی کے ساتھ جائیں گے اور (کم از کم) ان کا مذہب اختیار کریں گے ان لڑکوں کے سرپرستوں نے ان کو (دونوں باتوں سے) روکا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے بوساطت سعید یا عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قبیلہ سالم بن عوف کے انصاریوں میں سے ایک آدمی تھا جس کا نام حصین تھا حصین کے دو بیٹے عیسائی تھے لیکن وہ خود مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میرے دونوں بیٹے تو عیسائیت کے سوا کسی دین کو مانتے نہیں کیا میں جبر کر کے ان کو مسلمان بنالوں اس پر آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ نازل ہوئی، آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایماندار ہونے میں جبر کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اکراہ

---

۱ دینوری نے مجالس میں حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل نے مجھ سے آکر کہا کہ جنی شیطان تمہارے ساتھ فریب کرنے (کی گھات) میں لگا رہتا ہے لہٰذا جب بستر پر پہنچا کرو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ فردوس میں حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے منقول ہے کہ جب مصیبت کے وقت جو شخص آیت الکرسی پڑھتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز برآمد ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ عظمت والی سب سے بڑھ کر عدل آگیں اور خوفناک ترین اور سب سے بڑھ کر امید آفریں کون سی آیت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے اور سب سے بڑھ کر عدل آگیں آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ ہے اور خوفناک ترین آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ہے اور سب سے زیادہ امید آفریں آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ الی آخرہ ہے، مولف رحمۃ اللہ

(جبر) کا صرف یہ معنی ہے کہ کسی سے بزور ایسا کام کرایا جائے جس کو وہ اپنی خوشی سے نہ کرنا چاہتا ہو ایسا اکراہ قول و فعل میں تو ممکن ہے ایمان میں ممکن نہیں ایمان تو صرف ایک قلبی عقیدہ کا نام ہے اور قلبی عقیدہ اکراہ سے نہیں پیدا ہوتا یا لا اکراہ فی الدین سے تو جملہ خبریہ منفیہ مگر اس کا معنی (انشائی نہی) نہی کا ہے یعنی ایمان پر کسی کو مجبور نہ کرو کیونکہ ایمان جبر سے نہیں پیدا ہوتا جبر کرنے سے فائدہ نہیں منفعت کی یہ وجہ ہے کہ ایمان اور دوسری تمام عبادتوں کا حکم آزمائش کے لئے ہے (کہ کون کرتا ہے اور کون نہیں کرتا) اللہ نے فرمایا ہے لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اور تعیین عمل میں خلوص کا ہی اعتبار ہے اللہ نے فرمایا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لیکن جبر کرنے میں نہ آزمائش رہتی ہے نہ خلوص۔

کیا یہ حکم عام ہے یا مخصوص۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عدم اکراہ کا حکم صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بیان مذکور سے معلوم ہو گیا ہے کہ انصاریوں کے جو بچے یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے انہی کے سلسلہ میں آیت لا اکراہ فی الدین کا نزول ہوا تھا۔ میں کہتا ہوں مورد کی خصوصیت حکم کی خصوصیت کو نہیں چاہتی اس لئے حکم عام رہے گا۔

بعض علماء نے کہا آیت مذکورہ کا حکم آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً اور جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ کے حکم سے منسوخ ہو گیا بقول بغوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں نسخ تو اسی وقت ممکن ہے جب دو حکموں میں تعارض ہو، مگر یہاں تو ایک حکم دوسرے کی ضد نہیں ہے قتال اور جہاد کا حکم اس لئے تو نہیں دیا گیا کہ جبراً مومن بنایا جائے بلکہ زمین پر بگاڑ اور تباہی کو روکنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا ہے کافر ملک میں تباہی مچاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو راہ مستقیم پر چلنے اور اللہ کی عبادت کرنے سے روکتے ہیں پس ان کو قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور کاٹنے والے کتے کو قتل کرنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے، اسی لئے اللہ نے ادائے جزیہ کی صورت میں قتال کے حکم کو ختم کر دیا اور فرما دیا حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں، عورتوں، درویشوں تارک الدنیا راہبوں، اپاہجوں اور اندھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی کیونکہ ان کی طرف سے بگاڑ اور تباہی ممکن نہیں۔ جبراً ایمان کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا پھر اس کے منسوخ ہونے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے۔

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنی حقیقت کھل گئی ہے، رسول ﷺ کے معجزات اور عقلی شواہد نے بتا دیا کہ ایمان ہی سیدھا راستہ ہے جو ابدی سعادت تک پہنچاتا ہے اور کفر نا راست ٹیڑھا ہے جو ابدی بدبختی تک پہنچاتا ہے اب انسانوں کا ہر عذر ختم ہو گیا حجت تمام ہو گئی آزمائش صحیح ہو گئی اکراہ کی ضرورت نہیں رہی۔

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اکراہ کا معنی ہے کسی کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جس میں اسے خود بھلائی نظر نہ آتی ہو لفظ دین میں اکراہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دین کی بھلائی، گمراہی سے ممتاز ہو گئی ہے اور ہر دانشمند پر جب ہدایت واضح ہو گئی تو لا محالہ نجات و سعادت کی طلب میں وہ ہدایت کو ماننے کی طرف پیش قدمی کرے گا ہی اکراہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں، بیضاوی کے اس بیان پر لازم آتا ہے کہ ہر عقلمند اپنی مرضی اور خوشی سے مومن ہو جائے (کیونکہ ہر ہوشمند دین کی بھلائی دیکھ چکا) حالانکہ بکثرت عاقل کافر ہیں اور اگر دانشمند سے عقل سلیم رکھنے والا مراد ہو اور کافر اگرچہ بکثرت دانشمند ہیں مگر ان کی عقل سلیم نہیں ہے اس لئے ایمان میں ان کو بھلائی نظر نہیں آتی تو لا محالہ اکراہ کی ضرورت ان کے لئے باقی رہتی ہے (یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دین میں اکراہ کی ضرورت نہیں رہی)۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ طاغوت طغیان سے ماخوذ ہے اس کا وزن فعلوت ہے (اصل میں طغووت تھا) اول واؤ کو طا اور غین کے درمیان سے ہٹا کے اور الف سے بدل دیا یا طاغوت کا وزن فاعول ہے لام کو تاء سے بدل دیا یعنی اصل میں طاغول تھا لام کو حذف کر کے تاء کو بڑھا دیا۔

طاغوت سے مراد ہے اللہ کے سوا دوسرے تمام معبود یعنی وہ معبود جو اللہ کی عبادت سے مانع ہوں خواہ جنی شیطان ہو یا انسان

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ (یعنی جس نے اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ کو اس طرح مانا جس طرح رسول

ﷺ نے بتایا کیونکہ رسولوں کو مانے بغیر اور آپ کی ہدایت سے ہٹ کر اللہ کو بالکل صحیح طور پر جاننا ممکن ہی نہیں (ذات و صفات کا مسئلہ عقل کی رسائی سے خارج ہے رسول برحق کی مشعل راہ کی ضرورت ہے)۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (تو اس نے پکڑ لیا مضبوط رسی کو) مضبوط رسی کو پکڑنے سے مراد ہے حق کو تمام یا حق کو پکڑنے کی تعبیر بطور استعارہ مضبوط رسی کو پکڑنے سے کی ہے۔

لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ رسی بھی ایسی جو ٹوٹ نہیں سکتی۔[ل]

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ یعنی تم جو لوگوں کو دعوت حق دے رہے ہو اور جو تمہارا قول ہے اور جو ان کے قول ہیں اللہ سب کو سننے والا ہے۔

عَلِيْمٌ ۝ اللہ سب کی نیتوں سے واقف ہے تم ان کے مومن ہونے کے جتنے خواہشمند ہو اس کو بھی اللہ جانتا ہے۔ اس آیت میں اعمال اور ارادوں کو درست رکھنے کی ترغیب اور کفر و نفاق سے توبیخی باز داشت ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ یعنی اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ان کا کارساز ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ مومن بنانا چاہتا ہے۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ یعنی جن لوگوں کا مومن ہونا خدا چاہتا ہے ان کو اپنی توفیق و ہدایت کی مدد سے جہالت، نفس پرستی، ذہنی وسوسوں اور کفر تک پہنچانے والے شبہات سے نکال کر اس صراط مستقیم پر ڈالتا ہے جو ایمان تک ان کو پہنچا دیتی ہے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ الفاظ ظلمت و نور آئے ہیں ان سے مراد کفر و ایمان ہے وہاں صرف سورۂ انعام کی آیت وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ میں شب و روز مراد ہیں، آیت مذکورہ بتا رہی ہے کہ ایمان (اختیاری نہیں) صرف عطیۂ خداوندی ہے، جملہ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ یا تو لفظ اللہ کی دوسری خبر ہے یا اٰمَنُوْا کی ضمیر کا حال ہے یا الذین کا حال ہے یا دونوں سے حال ہے یا مستقل علیحدہ کلام ہے جس سے مفہوم ولایت کی توضیح یا تاکید ہو رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یعنی جن لوگوں نے ایمان سے انکار کر دیا ان کے دوست شیطان ہیں انسانی شیطان اور جناتی شیطان، انسانی شیطانوں میں سے کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب (یہودی) بھی تھے یا طاغوت سے مراد ہے انسان کو گمراہ کرنے والی ہر چیز خواہ خواہش نفس ہو یا شیطان وغیرہ کافروں کے خیال میں یہ گمراہی آفریں چیزیں ان کی دوست اور کارساز ہوتی ہیں مگر واقع میں وہ دوست نہیں دشمن ہیں۔

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ یعنی کافروں کے یہ دوست ان کو فطری نور سے نکال کر شکوک و شبہات، نفس پرستی اور کفر آمیز جاہلی کے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بچہ ایسا نہیں کہ فطرت پر نہ پیدا کیا جائے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنا لیتے ہیں (بخاری و مسلم) ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدہ بن ابی لبابہ کا قول نقل کیا ہے کہ الذین کفروا سے وہ عیسائی مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو مانتے تھے لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو نہیں مانا۔

ظُلُمٰت سے مراد ہیں شکوک و شبہات، نفس پرستی اور فطری قابلیت کا بگاڑ جس کا نتیجہ کفر ہے نور سے تاریکی کی طرف نکال کر لے جانے کا سبب طاغوت ہے اس لئے اخراج کی نسبت طاغوت کی طرف کر دی گئی لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کی قدرت اور ارادہ کا تعلق اخراج سے نہیں (یقیناً اللہ کی قدرت اور ارادہ سے ہر قسم کا گناہ ہوتا ہے مگر گناہ کا ذریعہ اور سبب شیطان ہوتا ہے) لفظ طاغوت کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہے اور مونث پر بھی واحد پر بھی اور جمع پر بھی، اللہ نے فرمایا ہے، يُرِيْدُوْنَ اَنْ

ل حضرت ابو درداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرنا یہ اللہ کی تانی ہوئی رسی ہیں۔ جس نے ان کو پکڑ لیا اس نے اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتی۔ (مؤلف رحمۃ اللہ)

يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ (اس میں طاغوت کے لئے واحد مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے) دوسری آیت ہے وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا (اس میں واحد مونث کی ضمیر طاغوت کے لئے استعمال کی گئی ہے) ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہ لائے اور کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے منکر تھے رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ کی نبوت پر وہ ایمان لے آئے ان دونوں فرقوں کے متعلق آیت مذکورہ کا نزول ہوا، طبرانی نے کبیر میں اور ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان لے آئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے منکر ہوئے واللہ اعلم۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ یہی لوگ دوزخی ہیں دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یہ کافروں کے لئے دھمکی اور وعید عذاب ہے اس سے پہلے مومنوں کے لئے وعدۂ ثواب کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اہل ایمان کی شان بڑی باعظمت ہے (کافروں کی وعید کا مومنوں کے وعدہ سے مقابلہ نہ کیا) یہ توجیہ بعض علماء نے کی ہے لیکن صحیح ترین توجیہ یہ ہے کہ آیت اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا ہر قسم کے وعدہ کو متضمن ہے (صراحت وعدہ کی کوئی ضرورت نہیں)۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ کیا تم کو اس شخص کا واقعہ معلوم نہیں ہوا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے متعلق جھگڑا کیا تھا، نمرود کی کٹ حجی اور حماقت پر اس آیت میں تعجب دلایا گیا ہے، بغویؒ نے لکھا ہے کہ نمرود ہی پہلا شخص ہے جس نے سر پر تاج اوڑھا اور ربوبیت کا دعویٰ کیا اور زمین پر زبردستی کی۔

أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ أَنْ سے پہلے لام محذوف ہے۔ جھگڑا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے اس کو حکومت عطا کی تھی اس لئے اس نے سرکشی کی حکومت کا غرور اس کے جھگڑا کرنے کی علت تھا یعنی اس نے عطاء خداوندی کے تقاضے کے خلاف کیا عطاء کا لازمی تقاضا تو یہ تھا کہ وہ شکر کرتا مگر کیا اس نے برعکس عرب کہتے ہیں عَادَيْتَنِي لِأَنِّي أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ (تو میرا دشمن اس لئے ہو گیا کہ میں نے تجھ سے بھلائی کی) یا لفظ وقت محذوف ہے یعنی جبکہ اللہ نے اس کو حکومت عطا کی تھی اس وقت اس نے جھگڑا کیا۔

بعض معتزلہ جو کہتے ہیں کہ اللہ کافر کو حکومت نہیں دیتا ہے ان کے قول کے خلاف اس آیت میں (کافر کو ملک عطا کرنے کی) صراحت ہے، بغوی نے لکھا ہے کہ روئے زمین کے چار بادشاہ ہوئے دو مومن اور دو کافر حضرت سلیمان اور ذوالقرنین مومن، اور نمرود و بخت نصر کافر روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ دیئے تو نمرود نے ان کو قید کر دیا، پھر جلا ڈالنے کے لئے جیل سے باہر نکال کر پوچھا تیرا رب کون ہے حضرت نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی عطا فرماتا اور موت دیتا ہے اس طرح حضرت ابراہیم غالب آ گئے اور نمرود کچھ نہ کر سکا، دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ واقعہ آگ میں پھینکے جانے سے بعد کا ہے آپ کو آگ میں جب پھینک دیا گیا (اور اللہ نے بچا لیا) تو ملک میں کال پڑ گیا لوگ راشن مانگنے نمرود کے پاس آنے لگے نمرود کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص غلہ مانگنے اس کے پاس آتا تو اول وہ پوچھتا کہ تیرا رب کون ہے اگر وہ جواب دیتا آپ میرے رب ہیں تو نمرود اس کے ہاتھ غلہ فروخت کرتا۔ حضرت ابراہیم بھی اس کے پاس پہنچے اور اس کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ تو وہ لاجواب ہو گیا اور آپ کو کچھ نہیں دیا حضرت ناکام واپس آ گئے اثناء واپسی میں ریت کے ایک ٹیلہ کی طرف سے گزرے اور گھر والوں کو بہلانے کے لئے تھیلے میں کچھ ریت بھر لی اور گھر پہنچ کر سامان کو یونہی رکھ کر سو گئے بیوی نے اٹھ کر سامان کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر سے اعلیٰ ترین غلہ برآمد ہوا بیوی نے کھانا پکا کر حضرت ابراہیم کے پاس پہنچیں آپ نے فرمایا یہ کہاں سے آیا بیوی نے کہا اسی آٹے سے بنایا گیا ہے جو آپ لائے تھے آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ إذ ظرف زمان ہے اور قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ حَاجَّ کا بیان ہے یا جملہ مستانفہ ہے اور

ایک محذوف سوال کا جواب ہے یعنی کیفیت خصومت سے متعلق سوال مقدر کا جواب ہے ان دونوں صورتوں میں ظرف، ماں کا متعلق جملہ قَالَ ہے، ہوگا یا یوں کہو کہ ظرف کا تعلق حَاجَّ سے ہے اور قَالَ حَاجَّ کا بیان ہے یا جد الکلام ہے یا یوں کہا جائے کہ یہ ظرف مطلب اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ سے بدل ہے۔

رَبِّیَ حمزہ کی قرأت میں وصل و وقف دونوں حالتوں میں اس جگہ یاء کی جزم ہے مندرجہ ذیل آیات میں بھی یاء کی قرأت حمزہ کے نزدیک اسی طرح ہے، رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ، عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ، قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ، مَسَّنِیَ الضُّرُّ، عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ، عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ، مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ، اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ، اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ، کسائی صرف آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں حمزہ کے موافق ہیں اور ابن عامر آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ میں بھی اور اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ میں بھی ساکن پڑھتے ہیں (باقی آیات میں یاء کو فتحہ دیتے ہیں باقی قراء ان تمام مقامات میں یاء کو مفتوح پڑھتے ہیں۔

الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ نمرود نے حضرت ابراہیم سے سوال کیا تھا کہ تمہارا وہ رب کون ہے جس کی طرف سے تم ہم کو دعوت دے رہے ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، نمرود شاید ملحد تھا اور بد عقل بھی دوسرے ملحدوں کی طرح اس کا خیال ہوگا کہ کائنات کے تمام حوادث محض اتفاقی ہوتے ہیں جب ہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم امکان کی دو محسوس نشانیاں استدلال الوہیت وخلاقیت میں ذکر فرمائیں احیاء اور اماتت جو اللہ کے واجب الوجود اور صانع مطلق ہونے کی واضح نشانیاں تھیں شاید نمرود کا یہ بھی گمان ہوگا کہ اہل عقل اپنے افعال کے خود خالق ہیں جیسے اس امت میں معتزلہ اور روافض کا خیال ہے اس لئے اس نے دو آدمیوں کو طلب کیا ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ بولا میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں (گویا نمرود نے عمل حیات وموت کو تخلیق موت وحیات قرار دیا اور خلاقیت وسببیت میں فرق نہ کرسکا) اگر انا کے بعد وصل کی حالت میں ہمزہ متحرک ہو تو اہل مدینہ انا کے الف کو قائم رکھتے ہیں اور مد کے ساتھ پڑھتے ہیں باقی قراء حذف کردیتے ہیں لیکن وقف کی حالت میں تمام قاری الف کو ثابت رکھتے ہیں۔
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ نمرود انتہائی غبی ہے جو معمولی حوادث کے استدلال کو بھی نہیں سمجھ سکا تو روئے سخن بدلا اور

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ کہا یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہی سورج کو مشرق سے برآمد کرتا ہے یعنی اللہ سورج کو مغرب سے نکال سکتا ہے جس طرح اس کی مشیت ہو کرسکتا ہے۔

فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ پس تو اگر اپنے اعمال پر خود اپنے کو قادر جانتا ہے اور اللہ کا انکار کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے برآمد کر۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ اس دلیل کو سن کر نمرود متحیر، دہشت زدہ اور لاجواب ہوگیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ابراہیم اپنے رب سے دعا کریگا تو اس کا رب سورج کو مغرب سے برآمد کردے گا جس طرح آگ کو اس نے خنکی اور سلامتی میں تبدیل کردیا۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝ یعنی زبردست کافروں کو اللہ سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق نہیں دیتا خواہ ان کے سامنے اللہ کی کیسی ہی نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب میں جلانہ ہو جائیں ان کو راہ راست سجھائی نہیں دیتی۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ
قریہ سے مراد ہے بیت المقدس یا دیر ہرقل، آگے ہم قصہ ذکر کریں گے كَالَّذِیْ میں کاف زائد ہے اور اَلَّذِیْ کا عطف اَلَّذِیْ حَاجَّ پر ہے یہ گذرنے والا شخص ارمیا تھا بقول ابن اسحاق ارمیا ہی خضر تھے، لیکن حاکم نے حضرت علیؓ اور اسحاق بن بشیر نے حضرت عبداللہ بن سلام کا قول نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ (ارمیا نہیں) عزیر تھے،

مجاہد نے واقعہ نمرود کے ساتھ اس قصہ کی تنظیم کو پیش نظر رکھ کر صراحت کی ہے کہ یہ شخص کوئی کافر تھا لیکن مجاہد کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ کافر اس عزت افزائی کا مستحق نہیں ہو سکتا، اگر اس کی توجیہ میں کوئی یہ کہے کہ وہ کافر تھا لیکن نشان قدرت کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد وہ مؤمن ہو گیا تھا تو ہم کہیں گے کہ پھر یہ شخص مؤمن بالغیب نہ رہا اور ایمان بالشہود نا قابل اعتبار ہے (اللہ ایسے شخص کی عزت افزائی کے قائل نہیں) دونوں قصوں کی وجہ جامع صرف یہ ہے کہ دونوں واقعے تعجب انگیز ہیں گرچہ ایک قصہ میں دعوٰی ربوبیت نہیں ہے جو شخص قدم بہ قدم اور لحہ بہ لحہ اپنی کمزوری محسوس کر رہا ہو اس کو اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر تعجب ہو تو کیا بعید ہے ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے دیکھو نطفہ سے آدمی اور بیج سے درخت کس طرح بن جاتا ہے (یہ کیا کچھ کم تعجب خیز ہے)۔

وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ یعنی وہ بستی ویران ہو گئی تھی پہلے چھتیں گری تھیں اور اوپر سے دیواریں بھی گر گئیں۔

قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ تو اس نے کہا اس بستی کو (یعنی بستی والوں کو) مرے پیچھے اللہ کیسے زندہ کرے گا (یہ استفہام انکاری نہیں بلکہ) عادۃً چونکہ ایسا ہونا بعید تھا تو انہوں نے اس بستی کو زندہ کرنے کی تمنا کی اور آگے درخواست کی پھر وہ بطور تواضع اپنے کو اس قابل بھی نہ جانتے تھے کہ ان کی درخواست قبول ہو سکے اس لئے استفہام تمنائی کیا۔

محمد بن اسحاق نے بروایت وہب بن منبہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیا کو ناشیہ بن اموص شاہ بنی اسرائیل کے پاس اس کی امداد کے لئے مقرر فرمایا تھا ناشیہ نیک آدمی تھا حضرت ارمیا اس کے پاس اللہ کے احکام لے کر جاتے تھے جب بنی اسرائیل کے گناہ بہت بڑھ گئے تو اللہ نے ارمیا کے پاس وحی بھیجی کہ میں اسرائیلیوں کو عظیم ترین مصیبت میں مبتلا کروں گا ایک ظالم کو ان پر مسلط کر دوں گا اور ان کی بیشتر تعداد کو تباہ کر دوں گا یہ حکم سن کر ارمیا نے فریاد و زاری کی (اور بے قرار ہو گئے) اس پر وحی آئی جب تک تیری اجازت نہ ہو گی میں ان کو تباہ نہیں کروں گا اس حکم سے ارمیا خوش ہو گئے اس طرح تین سو سال گزر گئے مگر بنی اسرائیل کی نافرمانیاں بڑھتی ہی گئیں وحی آنا بھی کم ہو گئی بادشاہ نے ہر چند توبہ و استغفار کا مشورہ دیا، مگر لوگوں نے نہ مانا آخر بخت نصر شاہ بابل نے ناقابل مقابلہ فوج لے کر بنی اسرائیل کی طرف خروج کیا بنی اسرائیل کا بادشاہ ڈر گیا، حضرت ارمیا نے فرمایا مجھے اللہ کے وعدہ پر پورا اعتماد ہے اس کے بعد بحکم خدا ایک فرشتہ اسرائیلی آدمی کے بھیس میں حضرت ارمیا کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے نبی میں اپنے گھر والوں کے متعلق آپ سے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں میں نے ہمیشہ ان سے اچھا سلوک ہی کیا مگر وہ میری ناراضگی بڑھانے کی حرکتیں کرتے ہیں حضرت ارمیا نے فرمایا تم ان سے بھلائی کرتے رہو قطع تعلق نہ کرو اور خیر کی بشارت دو (فرشتہ چلا گیا) کچھ مدت کے بعد وہی فرشتہ اسی آدمی کے بھیس میں پھر آیا اور پہلے کی طرح سوال کیا اور جواب بھی اس کو پہلے ہی کی طرح ملا چند ماہ کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اس وقت ارمیا بیت المقدس کے دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے اور بنی اسرائیل کا بادشاہ آپ سے کہہ رہا تھا اللہ کا وہ وعدہ کیا ہوا جو آپ سے کیا تھا لیکن حضرت ارمیا علیہ السلام کو اللہ کے وعدہ پر بھروسہ تھا اور وہ خوش تھے اچانک وہی فرشتہ اسی آدمی کے بھیس میں پھر آیا اور اپنے گھر والوں کی شکایت کی حضرت ارمیا نے فرمایا کیا ابھی تک وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے فرشتہ نے کہا یا نبی اللہ اب تک تو جو دکھ مجھے پہنچتا تھا میں صبر کرتا تھا لیکن اب تو وہ اللہ کی ناراضگی کے عظیم ترین کام کرتے ہیں اس لئے مجھے اللہ کے لئے غصہ آیا ہے جس خدا نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں اسی خدا کے واسطے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بددعا کیجئے اللہ ان کو غارت کرے۔

یہ سن کر حضرت ارمیا علیہ السلام نے دعا کی اے زمین و آسمان کے بادشاہ اگر وہ تیری ناراضگی کے کام کر رہے ہیں تو ان کو تباہ کر دے دعا کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ نے ایک بجلی گرا دی جس سے قربان گاہ میں آگ بھڑک اٹھی اور سات دروازے زمین

میں دھنس گئے حضرت ارمیا (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے رب تیرا وعدہ کیا ہوا آ گیا ان پر جو عذاب آیا وہ صرف تیری مدد دعا سے آیا ہے اس وقت حضرت ارمیا کو معلوم ہوا کہ وہ شخص حقیقت میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا اس کے بعد ارمیا جنگل کو نکل گئے۔

بخت نصر نے آکر بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور ملک شام کو روند ڈالا اسرائیلیوں کو قتل کیا اور قیدی بنالیا یہی وہ پہلی سزا تھی جو اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کی بے جا حرکتوں کی وجہ سے دی تھی۔

جب بخت نصر لوٹ کر بابل کو چلا گیا تو ارمیا اپنے گدھے پر سوار ہو کر (جنگل سے واپس) آئے آپ کے ساتھ توشہ دان میں کچھ عرق انگور اور ایک ٹوکری انجیر تھے آکر بیت المقدس پر ٹھہر گئے اور تباہی کو دیکھ کر بولے اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا پھر آپ نے رسی سے گدھے کو باندھا اور اللہ نے آپ پر نیند مسلط کر دی۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ پس اللہ نے ان کو مار ڈالا (یعنی موت نما نیند مسلط کر دی) سعید بن منصور نے حسن بصری کا قول اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا کہ یہ نیند چاشت کے وقت شروع ہوئی تھی پھر

مِائَةَ عَامٍ سو برس تک وہ مردہ رہا، گدھا، انگور اور انجیروں کا ٹوکرا بھی ان کے پاس ہی رہا، اللہ نے لوگوں کی نظروں سے ان کو چھپا دیا کوئی آپ کو نہ دیکھ سکا، ستر سال اسی حالت پر گزر گئے۔ ستر برس کے بعد اللہ نے ایک فرشتہ نوشک شاہ فارس کے پاس بھیجا فرشتے نے جا کر کہا اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ بیت المقدس اور ایلیا کی از سر نو تعمیر کر، تاکہ یہ پہلے سے زیادہ آباد ہو جائیں۔ حسب الحکم نوشک نے آبادکاری شروع کر دی ادھر ایک مچھر بخت نصر کے دماغ میں گھس گیا اور اللہ نے مچھر کے ذریعہ سے اس کو ہلاک کر دیا اور جو اسرائیلی بابل میں اس وقت تک زندہ رہ گئے تھے ان کو رہائی دلا دی وہ سب بیت المقدس اور اس کے مضافات میں واپس آ گئے اور تیس برس میں پہلے سے بہتر آبادی ہو گئی اس وقت اللہ تعالیٰ نے ارمیا (علیہ السلام) کو پھر زندہ کر دیا۔

ثُمَّ بَعَثَهٗ غالباً یہ وقت غروب آفتاب سے کچھ پہلے کا تھا اللہ نے آپ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا اور

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ اس نے ارمیا سے پوچھا آپ کا یہاں توقف کتنا ہوا، ارمیا کو خیال ہوا کہ یہ یوم خواب کا ہی سورج ہے (جو قریب غروب ہے) اس لئے

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا کہا کہ میں ایک دن یہاں ٹھہرا پھر سورج کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو سورج کو قریب غروب دیکھ کر فرمایا

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ یا دن سے کچھ کم

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فرشتے نے کہا نہیں بلکہ آپ یہاں سو برس رہے۔

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ اب اپنے کھانے پینے یعنی انجیر اور عرق کو دیکھ لو کہ

لَمْ يَتَسَنَّهْ کوئی چیز بھی نہیں بگڑی ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انجیر ابھی درخت سے توڑے گئے ہیں اور عرق ابھی نچوڑا گیا ہے۔ کسائی نے کہا گویا سو برس کی مدت ان پر نہیں گزری تھی، حمزہ، کسائی اور یعقوب نے حالت وصل میں لَمْ يَتَسَنَّهْ کی ہاء کو حذف کر کے يَتَسَنَّ پڑھا ہے لیکن حالت وقف میں باقی رکھا ہے اسی طرح آیت فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ میں بھی اصحاب ثلاثہ کی یہی قرأت ہے جو لوگ ہاء کو حذف نہیں کرتے وہ اس کو اصلی (یعنی مادہ کی) ہاء قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ لفظ سَنَةٌ سے بنا ہے اور سَنَةٌ کی تاء اصل میں ہا تھی اور سَنَةٌ کی اصل سَنْهَةٌ تھی کیونکہ سَنَةٌ کی تصغیر سُنَيْهَةٌ آتی ہے اور مصدر مُسَانَهَةٌ آتا ہے لیکن اگر اس کو اصلی ہاء نہ کہا جائے اور لام کلمہ میں اصلاً واؤ قرار دیا جائے تو یہ ہاء سکتہ ہوگی واؤ کو فتحہ ما قبل کی وجہ سے الف سے بدل دیا پھر الف کو حذف کر دیا اور ہاء سکتہ حالت وقف میں بڑھا دی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لَمْ يَتَسَنَّهْ کی اصل لَمْ يَتَسَنَّنْ تھی (اصل مادہ سَنٌّ ہے) اَلْحَمَاُ الْمَسْنُوْنُ کا اور اس کا ایک مادہ ہے تیسرے نون کو حرف علت سے بدل دیا

گیا ہے جیسے آیت دساھا میں (دسّا اصل میں دسّس تھا) لم یتسنّہ کی مفرد ضمیر طعام و شراب کی طرف راجع ہے (مرجع اگرچہ تثنیہ ہے ضابطہ کے مطابق تثنیہ کی ضمیر ہونی چاہئے لیکن مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ (طعام و شراب کی جنس ایک ہی ہے یعنی دونوں غذا ہیں۔

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو حسب الحکم ارمیا نے گدھے کی طرف دیکھا، بقول بعض علماء گدھا ویسا ہی زندہ سالم کھڑا تھا جیسا اس کو باندھ کر سوئے تھے سو سال تک گدھے نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، نئی رسی اس کے گلے میں بندھی ہوئی تھی رسی بھی خراب نہیں ہوئی تھی، بعض اہل علم کا قول ہے کہ گدھا مرچکا تھا ہڈیاں بھی گل چکی تھیں پھر ارمیا کی نظر کے سامنے بحکم خدا ایک ہوا میدان اور پہاڑ سے اس کی ہڈیاں سمیٹ کر لائی کیونکہ پرندے اور درندے ان کو جابجا لے جاچکے تھے (پھر اللہ نے گدھے کو زندہ کر دیا)۔

میں کہتا ہوں کہ مؤخر الذکر قول پر لفظ وَانْظُرْ دلالت کر رہا ہے کیونکہ اگر کھانے پینے کی طرح گدھا بھی صحیح سالم باقی ہوتا تو فانظر الی طعامک وشرابک وحمارک کہنا چاہئے تھا (دوبارہ مستقل طور پر اُنْظُرْ کہنے کی ضرورت نہ تھی)۔

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ یعنی ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل لوگوں کو دکھانے کے لئے تجھے بنائیں گے، بعض علماء کے نزدیک آیت کے شروع میں واو زائد ہے، فراء نے کہا اس آیت کا تعلق فعل محذوف سے ہے (اور واو عطف جملہ کے لئے ہے) یعنی اور ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے تیری دوبارہ زندگی کو حیات بعد الموت کی دلیل بنائیں۔

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو یہ مطلب اس صورت میں ہوگا جب گدھے کو مردہ اور فنا شدہ مان لیا جائے، اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ خود حضرت ارمیا علیہ السلام کی ہڈیاں مراد ہیں (اول) آپ کی آنکھیں اور سر زندہ کیا گیا اس وقت تک باقی بدن فرسودہ بوسیدہ ہی تھا اور ہڈیاں صاف (بے گوشت اور) پراگندہ پڑی ہوئی تھیں۔

لیکن اس قول کی تردید رسول ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ انبیاء کے اجسام اللہ نے زمین کے لئے حرام کر دیئے ہیں (زمین ان کو گلا نہیں سکتی)۔

كَيْفَ نُنْشِزُهَا کس طرح ہم ان کو زمین سے اٹھا کر باہم جوڑتے ہیں یہ ترجمہ ننشزہا پڑھنے کی صورت میں ہوگا جو اہل حجاز واہل بصرہ کے علاوہ تمام قاریوں کی قرأت ہے اہل حجاز و بصرہ ننشرہا راء کے ساتھ پڑھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو کیسے زندہ کرتے ہیں (انشار زندہ کرنا اور نشور زندہ ہونا) آیت میں آیا ہے ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشَرَهٗ ایک اور آیت ہے وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (پھر ہم ہڈیوں کو گوشت پہناتے ہیں چنانچہ اللہ نے ہڈیوں کو گوشت اور خون (کا لباس) پہنا دیا اور وہ آدمی زندہ ہو گیا ہڈیاں گوشت کا لباس پہن کر گدھے کا مجسمہ بن گئیں پھر فرشتہ نے اس میں روح پھونک دی اور گدھا زندہ اٹھ کھڑا ہوا اور رینکنے لگا، آیت میں الفاظ کی کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل عبارت اس طرح تھی، بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ اَمَتْنَاكَ ثُمَّ اَحْيَيْنَاكَ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا وَفَعَلْنَا ذٰلِكَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ بلکہ تو سو سال یہاں رہا ہم نے تجھے مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا اب اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ کوئی چیز خراب نہیں ہوئی ہے اور گدھے کو دیکھ اور ہڈیوں کو دیکھ کہ کس طرح ہم ان کو جمع کر کے جوڑتے اور پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ تجھے لوگوں کو (قیامت کا) یقین دلانے کے لئے نشانی بنائیں۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ جب اللہ کی حکمت (اور قدرت) اس شخص پر کھل گئی تو اس نے کہا۔

اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مجھے یقین ہے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اعلم قرأت جمہور کی ہے، حمزہ اور کسائی نے اِعْلَمْ بصیغہ امر پڑھا ہے، اس صورت میں کہنے والا فرشتہ ہوگا یا خدا یا اس شخص نے خود اپنے نفس کو خطاب کیا ہوگا۔

روایت میں آیا ہے کہ بخت نصر بیت المقدس کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا، قیدیوں میں حضرت

عزیر علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام اور حضرت داؤد کی نسل کے کچھ لوگ بھی تھے کچھ مدت کے بعد عزیر قید سے چھوٹ گئے اور گدھے پر واپس آگئے، دیر ہرقل پر پہنچے تو دجلہ کے ساحل پر اترے اور بستی میں چکر لگایا مگر کوئی آدمی نہ ملا۔ ہاں تمام درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے آپ نے کچھ پھل کھائے اور انگوروں کا عرق نچوڑ کر پیا اور بقیہ پھل ایک ٹوکری میں رکھ لیے اور بچا ہوا عرق مشکیزے میں بھر لیا اور بستی کی تباہی کو دیکھ کر بولے اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا الخ۔

قتادہؒ نے حضرت کعبؓ کا قول اور ضحاک وابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نیز سدی نے بروایت مجاہد حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سو برس تک مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے عزیرؑ کو زندہ کر دیا تو وہ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں آئے لیکن نہ لوگوں کو پہچان سکے نہ اپنے مکانوں کو نہ لوگوں نے ان کو پہچانا صرف اندازہ سے اپنے گھر پر پہنچے تو ایک نابینا اپاہج بڑھیا ملی جس کی عمر ۱۲۰ سال تھی حقیقت میں وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی باندی تھی جب حضرت گھر سے نکلے تھے تو وہ بیس برس کی تھی آپ نے اس بڑھیا سے پوچھا کیا یہ عزیر کا مکان ہے بڑھیا نے کہا جی ہاں، لیکن میں نے عزیر کا تذکرہ اتنی مدت کے بعد آج سنا ہے (تم کون ہو) حضرت نے فرمایا میں عزیر ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے سو سال تک مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا، بڑھیا نے کہا، عزیر علیہ السلام تو مقبول الدعوات شخص تھے اگر تم عزیر ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری آنکھیں واپس مل جائیں حضرت نے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا آنکھیں درست ہو گئیں پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو بڑھیا بالکل تندرست ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور حضرت کو دیکھ کر پہچان کر بولی میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ بلاشبہ عزیر ہیں۔

اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام کا بیٹا سو سال کا بوڑھا تھا اور پوتے پوتیاں بھی بوڑھے ہو چکے تھے مگر آپ کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ تھے باندی آپ کو لے کر بنی اسرائیل کے جلسوں میں پہنچی اور پکار کر کہا یہ عزیر ہیں لوگوں نے اس کی بات کو سچ نہ جانا باندی نے کہا میں تمہاری فلاں باندی ہوں، عزیر (علیہ السلام) کی دعا سے اللہ نے میری آنکھیں لوٹا دیں اور میرے پاؤں چلا دیئے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سو برس تک مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا یہ سن کر لوگ اٹھے اور حضرت کے بیٹے نے کہا میرے باپ کے دونوں شانوں کے درمیان ہلالی شکل کا ایک کالا مسہ تھا کھول کر دکھایا گیا تو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مسہ برآمد ہوا اور ثابت ہو گیا کہ آپ عزیرؑ ہی ہیں۔

سدیؒ اور کلبیؒ کا بیان ہے کہ جب حضرت عزیر اپنی قوم کے پاس لوٹ کر پہنچے تو توریت موجود نہ تھی کیونکہ بخت نصر نے توریت جلا دی تھی آپ رو دیئے ایک فرشتہ نے ایک برتن میں پانی کر دیا، پیتے ہی پوری توریت کا نقش دل میں اتر گیا، آپ بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے تو توریت یاد تھی فرمایا میں عزیر ہوں لوگوں نے آپ کی بات جھوٹ جانی، آپ نے اپنی یاد سے پوری توریت لکھوا دی بنی اسرائیل کہنے لگے توریت تو ضائع ہو چکی تھی کسی کو بھی یاد نہ تھی، اب جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے توریت ڈال دی وہ بلاشبہ خدا کا بیٹا ہے سورۂ توبہ میں پورا قصہ ان شاء اللہ ذکر کیا جائے گا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اور یاد کرو (اس واقعہ کو) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ مردوں کو تو زندہ کس طرح کرتا ہے۔

(وجہ سوال) حسن، قتادہ، عطاء خراسانی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کی وجہ یہ بیان کی کہ گدھے کی ایک لاش حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمندر کے کنارے پڑی دیکھی جب سمندر چڑھتا تھا تو دریائی (مردار خور) جانور (سمندر کے پانی کے ساتھ) آکر اس لاش کو کھاتے تھے اور پانی کے اتار کے بعد صحرائی درندے اور پرندے اس کو کھانے لگتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کیفیت دیکھ کر تعجب ہوا اور عرض کیا میرے رب میں یہ تو جانتا ہوں کہ تو اس (مردہ کے مختلف حصوں) کو سمندر و صحراء سے لا کر یکجا (کر کے زندہ) کر دے گا لیکن مجھے دکھا دے کہ تو اس کو کس طرح زندہ کرے گا تاکہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میرے ایمان میں اضافہ ہو جائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب نمرود نے دو آدمیوں کو بلوا کر ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو آزاد کر دیا اور بولا انا أُحْيِي وَأُمِيتُ، تو حضرت ابراہیم نے فرمایا اللہ تو مرنے کے بعد زندہ کرے گا (اگر تو بھی کر سکتا ہے تو کر) نمرود نے کہا کیا تو نے خدا کو ایسا کرتے دیکھا ہے، ابراہیم علیہ السلام ہاں نہ کہہ سکے اور اس وقت اللہ نے مذکورہ بالا سوال کیا تاکہ نمرود کی ایسی بات کے جواب میں ہاں کہہ سکیں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو بحکم خدا فرشتہ موت نے آکر آپ کو یہ بشارت دی ابراہیم نے کہا، اس بات کی نشانی کیا ہے فرشتہ نے کہا اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور آپ کی درخواست پر مردوں کو زندہ کر دے گا اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ بالا سوال کیا۔

قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ اللہ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں ہے کہ مار دینے کے بعد میں دوبارہ اجزاء کو جوڑ کر زندہ کر سکتا ہوں، اللہ اگرچہ واقف تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان سب سے زیادہ پختہ ہے لیکن صرف اس وجہ سے کہ ابراہیم علیہ السلام کے جواب کو دوسرے لوگ سن لیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مذکورہ بالا سوال کیا۔

قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ابراہیم علیہ السلام نے کہا مانا کیوں نہیں مگر میرا یہ سوال تو اپنے دل کے ٹھہراؤ کے لئے ہے، یعنی مجھے قلبی اطمینان ہو جائے بصیرت اور سکون قلب معاینہ کے بعد بڑھ جائے استدلال (عقلی) اور وحی (وجدانی) کے ساتھ مشاہدہ مل جائے تو دل کا ٹھہراؤ ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ میرے دل کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ تو نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے اور میری دعا کو تو قبول فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ (الآیۃ) وَيَرْحَمُ اللَّهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ (متفق علیہ) یعنی ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں جب کہ انہوں نے رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ کہا تھا (اور اپنے لفظوں سے شک کا اظہار کیا تھا) اور لوط پر اللہ کی رحمت ہو وہ ایک قوی سہارے کی طرف رجوع کرنا چاہتے تھے (یعنی ظاہری سہارے کے طالب تھے) اور اگر میں قید خانہ میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت یوسف رہے تو میں (بادشاہ کی طرف سے) بلانے والے کے قول کو (بلا شرط) مان لیتا (اور اس کے ساتھ چلا جاتا)۔

اس حدیث کی معنوی تشریح مختلف طور پر کی گئی ہے، اسماعیل بن یحییٰ مزنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اللہ کا مردوں کو زندہ کرنا نہ رسول ﷺ کے لئے کوئی شک کی چیز تھا نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس میں کسی کو شک نہ تھا شک صرف اس بات میں تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ ہماری دعا بھی قبول فرمائے گا یا نہیں لیکن اس تشریح کی تردید خود آیت أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي سے ہو رہی ہے (آیت بتا رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد احیاء موتیٰ کے متعلق اطمینان قلب حاصل کرنا تھا)۔

امام ابو سلیمان خطابی نے کہا کہ حدیث میں شک کا اعتراف ہی نہیں ہے رسول ﷺ نے نہ اپنے شک کا اعتراف کیا نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا بلکہ شک کی نفی موجود ہے مطلب یہ ہے کہ جب مجھے شک نہیں تو ابراہیم کو تو بدرجہ اولیٰ شک نہ ہونا چاہئے (گویا) حضور ﷺ نے تواضع و انکسار نفس کے طور پر اپنے کو چھوٹا اور ابراہیم کو بڑا قرار دیا، حدیث وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ کا بھی یہی مطلب ہے حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی درخواست شک کی وجہ سے نہیں تھی (یقین تو ان کو پہلے ہی تھا) بلکہ معاینہ سے علم و یقین میں اضافہ چاہتے تھے، استدلال سے اطمینان قلب اور معرفت کا حصول اتنا نہیں ہوتا جتنا آنکھوں سے دیکھنے سے ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خبر معاینہ کے برابر نہیں ہوتی، اللہ نے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کی اطلاع دے دی، مگر آپ نے توریت کی تختیاں نہیں پھینکیں لیکن جب انکی حرکت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو تختیاں پھینک دیں کہ وہ ٹوٹ گئیں، یہ حدیث امام احمد اور طبرانی نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کی ہے لیکن جو حدیث طبرانی نے حضرت انس کی روایت سے اور خطیب نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اچھی اسناد کے ساتھ بیان کی ہے اس میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کا ذکر نہیں ہے (صرف لیس الخبر کالمعاینۃ مذکور ہے)۔

یہ بھی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو شک کیا لیکن ہمارے حضور اقدس ﷺ نے شک نہیں کیا، میں کہتا ہوں یہ قول اور یہ توجیہ حدیث میں ضعیف ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شک نہ کرنا تو خود آیت میں مذکور ہے دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ کہا تھا اس کلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف شک کی نسبت کس طرح کی جاسکتی ہے اور دفع توہم کی ضرورت ہی کیا ہے میرے نزدیک تحقیق وہ ہے جو صوفیہ صافیہ نے بیان کی ہے کہ سلوک کے دو مقام ہیں (۱) عروج (۲) نزول۔

عروج یہ ہے کہ آدمی تمام بشری اوصاف کا لباس اتار پھینکے اس کے اندر ملکوتی صفت اور قدسی احوال پیدا ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے جب خود پے در پے روزے رکھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو پے در پے روزے رکھنے کی ممانعت فرمائی صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ بھی تو پے در پے روزے رکھتے ہیں حضور (ﷺ) نے فرمایا میں تمہاری (اس ظاہری بشری) ہیئت کی طرح نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے اس حدیث میں مقام عروج ہی کا بیان ہے۔ اہل اللہ کی اصطلاح میں اس سیر حیاۃ کو سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ نزول کا یہ معنی ہے کہ عروج کے بعد پھر لوٹ کر بشری صفت سے موصوف ہو جائے اس رجوعی سیر کو سیر من اللہ باللہ کہتے ہیں، مقام نزول مقام تکمیل ہوتا ہے اس مقام پر پہنچنے والا مخلوق کو خالق کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے (یعنی صاحب دعوت ہوتا ہے)۔ [1]

نزول کی حکمت یہ ہے کہ فیض بخشنے والے اور فیض قبول کرنے والے میں باہم مناسبت ہونی ضروری ہوتا کہ فیض یابی میں سہولت ہو جیسے رنگ ریزی اور رنگ پذیری بغیر باہمی تناسب کے نہیں ہوتی (اسی طرح فیض بخشی اور فیض یابی کے درمیان خواص و صفات اور احوال میں قدرے مشابہت لازم ہے بالکل بیگانگی مانع استفادہ ہے) اسی لئے انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ نے انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا، عوام براہ راست انبیاء کی وساطت کے بغیر بارگاہ الٰہی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے (اللہ نور محض ہے اور

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ سلوک میں مقام عروج تک پہنچنے سے صرف ذاتی تکمیل ہوتی ہے عارف کا رخ صرف حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے، معرفت حق اس کو حاصل ہوتی ہے وہ صفات بشریہ فنا کر چکتا ہے، بشری انانیت کھو دیتا ہے وہ اس صاف آئینہ کی طرح ہوتا ہے جس پر اگر آفتاب کا عکس پڑتا ہے تو پار ہو جاتا ہے اور اس کے ذرہ ذرہ کو روشن کر دیتا ہے یہاں تک کہ سوائے آفتاب کی شعاعوں کے آئینہ کی ہستی نظر ہی نہیں آتی وہ نور عکس ضرور ہوتا ہے مگر عکس ریز نہیں ہوتا خود روشن ہوتا ہے لیکن دوسروں کو روشنی نہیں دیتا، ہر ایک کرہ میں اس کا عکس نہیں پہنچتا مقام عروج میں انسان میں محض ملکوتی صفت پیدا ہو جاتی ہیں تقاضائے بشری خواہشات و کیفیات کا احساس ان کے اندر بشری تقاضے کا قرار لیکن صاحب عروج کی مزید تکمیل کے لئے اس کو پھر لوٹا کر بشری صفات کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے، خالص ملکیت اور قدسیت باقی نہیں رہتی خواص بشریت اور لوازم انسانیت پھر بدرجہ اتم اس میں نمودار ہو جاتے ہیں اب وہ دوسرے انسانوں کی طرح ہر قسم خواص کی دنیا میں ہوتا ہے علائق بشری سے وابستہ ہو جاتا ہے، لذت والم، پیاس اور بھوک جنسی اور حسی خواہشات کا احساس اس میں پیدا ہو جاتا ہے اب وہ دوسرے انسانوں سے علیحدہ نہیں ہوتا سب کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے جب دوسرے آدمیوں سے اس کو مناسبت تامہ ہو جاتی ہے تو مقام عروج میں جو کچھ دیکھ کر آتا ہے اس مقام نزول میں اتر کر دوسروں کو بھی بتاتا ہے جس چشمہ سے خود سیراب ہو چکا ہوتا ہے دوسروں کو بھی اسی پانی سے سیراب کرتا ہے اب وہ ایسا آئینہ ہو جاتا ہے جس کا ایک رخ روشن ہوتا ہے اور دوسرے رخ پر بشریت کا مصالحہ لگا ہوتا ہے روشن رخ سے وہ آفتاب الوہیت و وحدت کی شعاعیں کھینچتا ہے اور مصالحہ والے رخ کی وجہ سے اس نور سے فیض اور ہدایت الٰہی کی روشنی کو اپنے اندر روک کر ہر ایک دل پر عکس ریزی اور نور پاشی کرتا ہے، یہی اس مقام پر اس کو دوسرے انسانوں سے جتنی زیادہ مناسبت ہوتی ہے اور اتنا ہی اس کی تبلیغ ہدایت سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، مرتبہ عروج پر کامل طور پر فائز تو سب ہی انبیاء اور اہل عرفان ہوتے ہیں گو درجات کا فرق ہوتا ہے اور کمال عروج سب کو حاصل ہوتا ہے لیکن مقام نزول کے اعتبار سے انبیاء ایک جیسے نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر کی تبلیغ سے بھی ایک جیسا فائدہ نہیں ہوتا، کسی سے فیض یاب کم لوگ ہوتے ہیں کسی سے زیادہ۔

عام انسان کثافت حاصل کی ظلمت کا دورے جوڑ نہیں ہو سکتا) یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے لئے فرشتوں کو بھی پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا (کیونکہ فرشتے بشری آلائشوں سے مقدس ہیں اور مجسم نور ہیں ان سے عام اناطیع انسانوں کو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(ترجمہ) اگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لئے آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر اتار تے، دوسری جگہ فرمایا (ترجمہ) اگر ہم پیغمبر کو فرشتہ بناتے تو اس فرشتہ کو مرد بناتے اور انسانی جامہ پہناتے جس شخص کی حالت نزول جتنی کامل ہوگی اتنی ہی اس کی تبلیغ کامل اور دعوت آفاق گیر ہوگی، دیکھو اگر کوئی شکاری کسی بلند ترین مقام سے شکار کے تیر مارے تو اکثر نشانہ خطا ہو جاتا ہے (اسی طرح صاحب عروج جب تک مقام نزول پر اتر کر تبلیغ نہیں کرے گا دعوت ناکام رہے گی) حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہ نے فرمایا حضرت نوح کی دعوت فراق کے ساتھ تھی اس لئے لوگوں نے رد کر دی اور رسول (ﷺ) کی دعوت مقدرت کے ساتھ تھی اس لئے لوگوں نے مان لی۔ شیخ کا مطلب یہ ہے کہ عوام کی استعداد اور صلاحیت انتہائی پست ہوتی ہے اور حضرت نوح مقام عروج پر تھے، آپ کے اور عوام کے درمیان زیادہ قرب نہ تھا فریقین کے احوال میں باہم مناسبت نہ تھی اس لئے دعوت ناکام رہی اور رسول (ﷺ) (تکمیل عروج کے بعد) انتہائے نزول پر اتر آئے تھے (اور عوام سے آپ کے احوال قریب اور متناسب ہو گئے تھے) اس لئے آپ کی دعوت پر لوگوں نے لبیک کہی عارف کامل پر جب نزول کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اس وقت وہ بالکل عوام کی طرح اسباب (ظاہری) کے دامن سے وابستہ نظر آتا ہے اسی مقام پر اتر کر رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے موقع پر تہ بہ تہ زرہ پہنی تھی (اور جسم مبارک کی حفاظت کے لئے لوہے کی زرہ استعمال کی تھی) اور مدینہ کے گرد گرد دشمن کی روک کے لئے خندق کھدوائی تھی، اسی مقام پر عارف کامل اپنے یقین کی زیادتی اور قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے استدلالی تشفی کا متوالا ہوتا ہے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اسی مقام کی تشریح ہے اور حضرت لوط علیہ السلام نے لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ اسی مقام میں کہا تھا، حدیث مذکور میں رسول اللہ ﷺ نے زیادتی یقین کی طلب کو (لفظی اور) ظاہری مشابہت کی وجہ سے شک فرمایا اور نحن احق بالشک من ابراہیم فرما کر اپنے مقام نزول کی تعبیر کی، مراد یہ ہے کہ ہمارا مقام نزول تو ابراہیم علیہ السلام کے مقام نزول سے زیادہ کامل ہے اس لئے زیادت یقین کی طلب ہم کو ابراہیم سے زیادہ ہونی چاہئے حقیقت میں بھی رسول اللہ ﷺ کا مقام نزول حضرت ابراہیم کے درجہ نزول سے بڑھا ہوا تھا اسی لئے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آپ کو بھیجا گیا اسی طرح آپ کا مرتبہ عروج بھی ہر عروج سے بلند تھا، فکان قاب قوسین او ادنیٰ، گویا آپ کمال کے دونوں جہات (عروج و نزول) کو محیط تھے رہا حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد مذکور تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت لوط مقام نزول میں تھے اس تشریح پر یہ حضرت لوط علیہ السلام کی مدح ہوگی۔ باقی حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ والی حدیث سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ نزول حضرت یوسف علیہ السلام کے درجہ نزول سے زیادہ کامل تھا اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا نزول حضور ﷺ کے مرتبہ نزول کے برابر ہوتا تو (پہلی ہی مرتبہ) بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتے واللہ اعلم۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ اللہ نے فرمایا (جب تو اطمینان قلب کے لئے اپنی نظر سے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنا چاہتا ہے) تو چار پرندے پکڑ لے۔ الطیر مصدر (بمعنی اسم فاعل ہے) یا طائر کی جمع ہے جیسے صحب صاحب کی جمع ہے مجاہد، عطاء بن رباح اور ابن جریج نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے، مور، مرغ، کبوتر، کوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول میں بجائے کبوتر کے گدھ آیا ہے۔

عطاء خراسانی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ سبز بطخ، کالا کوا، سفید کبوتر اور سرخ مرغ لے لے، میں کہتا ہوں، چار پرندے لینے کا حکم شاید اس وجہ سے دیا کہ انسان اور دوسرے تمام حیوان چار اخلاط سے بنے ہیں اور چار اخلاط چار عناصر سے پیدا ہوتے ہیں، سرخ مرغ خون کی تعبیر ہے اور سفید کبوتر بلغم کی اور سیاہ کوا سوداء کو بتا رہا ہے

اور سبز رنگ سفراء کو۔ ان چاروں کو مرے پیچھے زندہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسانی اجزاء بھی مرنے کے بعد زندہ کئے جا سکتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مذکورہ جانوروں کے خصوصی اوصاف کو فنا کئے بغیر نفس کو حیات ابدی حاصل نہیں ہو سکتی ظاہری سجاوٹ اور خواہشات کی محبت مور کی خصوصیت ہے، رعب داب اور حملہ کرنے میں مرغ مشہور ہے، دناءت نفس اور طول آرزو کوے کی صفت ہے، بلندی کی طلب اور ہوا کی طرف اٹھنا کبوتر کا خاصہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام نزول و دعوت میں تھے اس لئے آپ کو اللہ نے ہدایت کا طریقہ سکھایا کہ مرید کو فنا اور بقاء دونوں کی تعلیم دیں چنانچہ آپ نے جانوروں کو پکڑ کر پارہ پارہ کیا گویا یہ سلوک و فنا کی طرف اشارہ ہے پھر آپ نے ان کو بحکم خدا پکارا اس سے اشارہ جذب من اللہ اور بقاء کی طرف ہے (ہدی یہ تمام تفصیل قرآن سے غیر متعلق ہے یہ صرف اہل بصیرت کی بصیرت افروزیاں ہیں) واللہ اعلم۔

فَصُرْهُنَّ ابو جعفر اور حمزہ کی قرات فَصِرْهُنَّ ہے یعنی ان کو پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر دے یہ لفظ صَارَ یَصِیْرُ صَیْرًا سے ماخوذ ہے اور فراء کے نزدیک صَارَى يَصْرِی صَرْيًا کا مقلوب ہے، باقی قاریوں کے فَصُرْهُنَّ پڑھا ہے یعنی ان کو ہلا لے، اس وقت (اس لفظ کا مادہ صَوْرٌ ہوگا اور یہ) صُرْتُ اَصُوْرُ سے ماخوذ ہوگا عطاء نے کہا صُرْهُنَّ کا معنی ہے ان کو جمع کر لے، صَارَ یَصُوْرُ کا معنی جمع کرنے کا ہے۔

اِلَيْكَ (اپنی طرف) بر قرأت جمہور اس کا تعلق فَصُرْهُنَّ سے ہے اور بر قرأت حمزہ ایک لفظ محذوف سے تعلق ہے یعنی ضُمَّهَا اِلَيْكَ۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دے، عاصم نے بروایت ابو بکر جُزُءًا قرآن میں ہر جگہ پڑھا ہو اور ابو جعفر نے جُزًّا اور جمہور نے جُزْءًا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ پرندوں کو ذبح کر کے ان کے پر نوچ کر سب پر اور خون اور گوشت مخلوط کریں پھر اس مخلوط کے حصے کر کے پہاڑوں پر رکھ دیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سات حصے کر کے سات پہاڑوں پر رکھ دیئے اور سب کے سر اپنے پاس روکے رکھے، ابن جریج اور سدی کی بھی روایت ہے لیکن ابن جریر نے بوساطت ابن اسحاق بیز قتادہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ہر پرندے کے چار حصے کر کے ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیا (یعنی چار پہاڑوں پر چار حصے رکھ دیئے)۔

ثُمَّ ادْعُهُنَّ پھر ان کو پکار دیعنی یوں کہو کہ بحکم خدا آجاؤ۔

يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا وہ جلد جلد اڑتے ہوئے یا تیز تیز پیدل دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ حسب الحکم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پکارا فوراً ہر پرندہ کے خون کا ہر قطرہ دوسرے قطرہ سے ہر پر دوسرے پر سے اور ہر ہڈی اور ٹکڑا دوسری ہڈی اور ٹکڑے سے ملنے لگا اور ابراہیم علیہ السلام کی نظر کے سامنے ہر جسم بغیر سر کے پورا بن گیا پھر جسم اپنے اپنے سروں کی طرف آئے اور سروں سے جڑ کر بحکم خدا زندہ پرندے بن گئے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ اور جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے یعنی کوئی چیز اس کو اس کے ارادہ سے روک نہیں سکتی۔

حَكِيْمٌ (۲۶۰) پوری حکمت والا ہے، اس کا ہر فعل اور ترک فعل پر حکمت ہے سابق میں (حضرت عزیر یا ارمیا علیہم السلام کے قصہ کے خاتمہ پر) فرمایا تھا اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر اور اس جگہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے خاتمہ پر) فرمایا اِعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ (عزیر یا ارمیا کا قول اَنّٰى يُحْيِيْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا صرف طلب

تعجب کے لئے تھا اور حیرت اس امر پر تھی کہ مرے پیچھے زندہ کرنا معمول دنیوی کے خلاف ہے[1] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى کی بنا ایک نازک ترین حقیقت (حالت نزول) پر تھی جس سے حکمت الٰہیہ کا انکشاف پورا ہو تا تھا۔ واللہ اعلم۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عزیر کو سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد دکھائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بڑی آسانی اور حسن اسلوب کے ساتھ فوراً پوری کر دی اس سے ثبوت مل رہا ہے اس امر کا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت عزیر پر فضیلت حاصل تھی نیز مخصوص ادب کے ساتھ سوال اور عاجزانہ دعا بہت برکت رکھتی ہے (یعنی حضرت عزیر کے کلام میں صرف اظہار تعجب ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے کلام میں عاجزانہ طلب ملتجیانہ دعا اور باادب سوال ہے اسی دعا کی برکت تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال آسانی کے ساتھ پورا کر دیا گیا اور حضرت عزیر کو سو برس مردہ رہنے کے بعد مراد ملی)۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ـــ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ خرچ سے مراد ہے جہاد میں یا ہر راہ خیر میں خرچ کرنا۔ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے خواہ مبتدا کی جانب حذف مانا جائے یا خبر کی جانب یعنی جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ـــ جیسے غلہ کا کوئی ایک دانہ جس میں سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں (اس طرح ایک دانہ کے سات سو دانے ہو جائیں) یا یوں کہا جائے کہ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بونے والا جس میں سات بالیں نکلیں الخ۔

اَنْۢبَتَتْ ـــ اس دانہ نے پیدا کیا۔ دانہ کی طرف پیدا کرنے کی نسبت مجازی ہے (پیدا کرنے والا حقیقت میں اللہ ہے) دانہ بالیاں پھوٹنے کا سبب ہے (مسبب کی جگہ سبب کا استعمال مجازاً ہوتا ہے) ایک بالی میں سو دانے (بعض اناج میں ہوتے ہیں) جیسے پینا یا جوار۔

وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ـــ یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ جس شخص کے لئے جتنا چاہے کر سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ ـــ کیونکہ اللہ بڑی سمائی والا ہے جس پر جتنی زیادہ مہربانی کرے کر سکتا ہے اس کیلئے کوئی تنگی نہیں۔

عَلِیْمٌ ـــ وہ خرچ کرنے والوں کی نیتوں سے بخوبی واقف ہے نیتوں کے موافق ہی جزا عطا کرے گا۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ـــ بغوی نے بروایت کلبی بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف چار ہزار درہم صرف خیر کے لئے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے چار ہزار تو میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے رکھ لئے ہیں اور چار ہزار میں اپنے رب کو قرض دینے لایا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو درہم تم نے اپنے پاس روک لئے اور جو راہ خدا میں دیئے ہیں سب میں اللہ برکت دے۔ حضرت عثمانؓ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کو ایک ہزار اونٹ ان کے کجاووں اور عرق گیر سمیت دیئے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلبی نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا کہ جیش عسرت (یعنی جنگ تبوک کی تیاری) کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال دیئے میں

---

[1] وہ ضابطۂ تخلیق جو اس دنیا میں جاری ہے آدمی اس کو ضابطۂ فطرت سمجھتا ہے کیونکہ اس کے خلاف تو اس کو کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن آدمی کے مسلّم ضابطۂ فطرت کے خلاف اگر کوئی صورت پیش آئے یعنی خرق فطرت کی اس کو اطلاع دی جائے تو خبر دینے والے کی سچائی پر اعتماد کرنے کی وجہ سے وہ اگرچہ اس کو مان لیتا ہے اور یقین کر لیتا ہے لیکن باوجود یقین کے اس کو تحیر اور تعجب ضرور ہوتا ہے۔ وہی حیرت اور تعجب کی وجہ سے وہ اپنے علمی یقین کو یقین مشاہدہ سے بدلنا چاہتا ہے اور علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین حاصل کرنے کا خواستگار ہوتا ہے۔ حضرت مولف کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا سوال انکاری نہ تھا بلکہ تعجب آگیں تھا اور آپ عین الیقین کے خواستگار تھے۔ ۱۲۔

نے خود دیکھا کہ (سامان) مسرت کے ساتھ (رسول اللہ ﷺ) ان میں دست مبارک ڈالتے ان کو الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے تھے آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو (کسی عمل سے) ضرر نہیں ہوگا۔ اس پر یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ امام احمد نے بھی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے لیکن اس میں نزول آیت کا ذکر نہیں ہے۔

ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى — جو لوگ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد کسی قسم کا احسان نہیں جتاتے ہیں۔ منّ یہ ہے کہ کوئی بات ایسی کرے جس سے [illegible] کہ جس پر احسان کیا ہے اس پر احسان کی شمار کرے (یعنی احسان رکھے) اور اذیٰ یہ ہے کہ احسان کے بعد اس پر اپنی بڑائی قائم کرے اور اسے گویا غلام قرار دے [illegible] کہ وہ تو یہ خیال کرے کہ مجھے کیا چاہئے یہ کہ ایسے لوگوں سے [illegible] کہ جن کا [illegible] بیٹھنے کو ناگوار ہو۔

بغوی نے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ میرے باپ کہا کرتے تھے جب تو کسی کو کچھ دے اور پھر تجھے محسوس ہو کہ تیرا سلام اس کو گراں گزرتا ہے تو اس کو سلام بھی نہ کر۔

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ — ان کا اجر خصوصیت کے ساتھ ان کے رب کے پاس ہے ان کو (کسی قسم کا) خوف نہ ہوگا۔ (نہ پیچھے کا) غم۔ (الذین مبتدا ہے اور لہم خبر ہے) مبتدا [illegible] شرط کے معنی ہے اور خبر پر فاء آنی چاہئے لیکن اس جگہ فاء [illegible] نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ [illegible] ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ اس سلوک کے بسبب [illegible] حق میں خواہ انفاق کریں یا نہ کریں اور رب تعالیٰ کی [illegible] فرماتے ہیں اس لئے ان کا استحقاق مستحکم ہو گیا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ — بھلی بات اور نرمی سے سائل کو رد کر دینا یعنی ایسا کہنا [illegible] جو کوئی مسلمان ہے مسلمان بھائی کے لئے اس کی [illegible] موجود [illegible]۔ ضحاک نے کہا یہ [illegible] رد کرنے کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا [illegible] مسلمانوں [illegible] ادا کرنے کے لئے کی جانے لگ۔

وَمَغْفِرَةٌ — اور معاف کر دینا یعنی جو سائل اصرار کے ساتھ سوال کرتا ہے اور پیچھے پڑ جاتا ہے اس کو مناسب الفاظ کے ساتھ [illegible] (بغوی) نے لکھا ہے مغفرت سے مراد یہ ہے کہ سائل کا پردہ فاش نہ کرے اور اس کی تنگدستی پر پردہ ڈالے رکھے (گویا بغوی کے نزدیک مغفرت کا لغوی معنی یعنی چھپانا مراد ہے مجازی معنی یعنی معاف کرنا مراد نہیں ہے)۔

بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ [illegible] رد کرنے سے [illegible] مغفرت کا حصول اس کو مقصود ہو بعض لوگوں کا قول ہے کہ مغفرت سے مراد ہے کہ سائل رد کرنے والے کے انکار [illegible] اور اس کو معذور سمجھے۔ بغوی اور [illegible] یہ مراد ہے کہ جو شخص بھی اس کی حق تلفی کرے اس کو معاف کر دے۔

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى — یعنی بھلی بات اور مغفرت اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دینے والے کی طرف سے لینے والے کو دکھ پہنچے۔ قول معروف اور مغفرۃ مبتدا ہے اور خیر دونوں کی خبر ہے۔ قول مخصوص ہے اس لئے اس کا مبتدا ہونا درست ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ — یعنی جس عطاء کے بعد احسان جتانا وغیرہ ہو ایسی عطا کی اللہ کو پروا نہیں۔

حَلِيمٌ — احسان رکھنے والے اور دکھ دینے والے کو فوری عذاب نہیں دیتا بلکہ بڑی برداشت والا ہے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ — اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کے ثواب کو سائل پر احسان رکھنے اور دکھ دینے سے اکارت نہ کرو یعنی دونوں میں سے کوئی [illegible] کے صدقہ کو اکارت [illegible]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک احسان رکھنے سے مراد ہے اللہ پر احسان رکھنا اور [illegible] خرچ کرنے والے پر احسان رکھنا مراد ہے

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دینے کے بعد احسان جتانے والا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (یعنی جب تک بیٹے والا اس کو معاف نہ کر دے اور ماں باپ راضی نہ ہو جائیں) واللہ اعلم رواہ النسائی والدارمی۔

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ جیسے وہ شخص اپنے ثواب کو اکارت کر دیتا ہے جو لوگوں کے دکھانے کے لئے خیرات کرتا ہے حالانکہ اس کا ایمان نہ اللہ پر ہوتا ہے نہ روز آخرت پر۔

کَالَّذِیْ میں کاف محل نصب میں ہے اور نصب یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی بنا پر اول صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا کہ اس شخص نے ثواب کو ریکار کرنے کی طرح اپنے ثواب کو اکارت نہ کرو جو اور مؤخر الذکر صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ثواب کو برباد کرنے میں اس شخص کی طرح نہ ہو جاؤ جو۔ رِئَاءَ النَّاسِ کا نصب مفعول لہ یعنی فعل مذکور کی علت ہونے کی بنا پر ہے یعنی لوگوں کو دکھانے کی غرض سے وہ مال خرچ کرتا ہے یا حال ہونے کی وجہ سے نصب ہے یعنی لوگوں کو دکھاتے ہوئے خرچ کرتا ہے یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی لوگوں کی دکھاوٹ کا خرچ کرنا۔ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اعلاق صدق کی قید نہیں ہے کیونکہ ریاکاری سے خیرات کا ثواب بہر حال برباد ہو جاتا ہے خواہ ریاکاری کرنے والا مومن ہی ہو۔ بلکہ اس جملہ کا ذکر حقیقت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ دکھاوٹ کیلئے خیرات کرنی مومن کی شان نہیں منافق کی خصوصیت ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ ۔ اس ریاکار کی حالت ایسی ہے جیسے پتھر کی چکنی چٹان صفوان یا جمع ہے اور صفوانہ اس کا مفرد ہے یا مفرد ہے اور صفی جمع ہے۔

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۔ جس پر خاک پڑی ہو اور موٹے قطروں کی بارش اس پر برسے اور صاف چکنا کر کے چھوڑ دے۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۔ یعنی جو کچھ دنیا میں کمائی کی تھی آخرت میں اس سے بالکل نفع حاصل نہ کر سکیں گے۔ چونکہ الذی سے جنس یا جمع مراد ہے گو لفظاً مفرد ہے اس لئے معنوی لحاظ سے لایقدرون کی ضمیر جمع الذی کی طرف راجع ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۔ اور اللہ کافر (یعنی کفر پر جم جانے والی) قوم کو ہدایت نہیں کرتا اس جملہ میں در پردہ اس طرف اشارہ ہے کہ ریاکاری اور منت نہی اور سائل سے اذیت رسانی بات کا کافروں کی خصوصیات ہیں مؤمن کے لئے زیبا نہیں۔ یا (کافر سے مراد ہے ناشکری کرنے والا) منعم حقیقی کی نعمتوں کا کفران اور ناشکری کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے زیادہ شرک سے لاپرواہ ہوں اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس کے اندر کسی دوسرے کو میرا ساجھی قرار دیتا ہے (یعنی خالص میری رضا حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتا) تو میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی شریک کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ (رواہ مسلم)۔

حضرت جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص شہرت طلبی کے لئے عمل کرتا ہے اللہ بھی اس کے عمل کو شہرت طلبی کے لئے قرار دیتا ہے اور جو ریاکاری کرتا ہے اللہ بھی اس کے کام کو ریاکاری قرار دیتا ہے (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید بن ابو فضالہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یعنی اس دن جس کا آنا یقینی ہے لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک پکارنے والا ندا دے گا جس نے کوئی کام اللہ کے لئے کیا ہو اور اس میں کسی دوسرے کو اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہو اس کو چاہئے کہ اپنا ثواب اسی شریک سے طلب کرے اللہ سب سے زیادہ شرکت سے بیزار ہے۔ (رواہ احمد)

حضرت محمود بن لبید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا

ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے۔ فرمایا ریاکاری (رواہ احمد)۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اتنا مزید نقل کیا ہے کہ جزا کے دن اللہ فرمائے گا۔ ان کے پاس جاؤ جن کو دنیا میں تم اپنے اعمال دکھلایا کرتے تھے جا کر دیکھو کہ ان کے پاس تم کو جزا یا بھلائی ملتی ہے

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے مجھے اپنی امت کے متعلق شرک اور پوشیدہ خواہش نفس کا اندیشہ ہے میں نے عرض کیا، کیا حضور کے بعد حضور صلی اللہ ﷺ کی امت شرک کرے گی فرمایا ہاں، سنو کوئی شک نہیں کہ وہ سورج کو نہ پوجا کرے گی نہ چاند کو نہ پتھر کی نہ بت کی بلکہ وہ اپنے اعمال میں دکھاوٹ کرے گی اور پوشیدہ نفسانی خواہش کی صورت (مثلاً) اس طرح ہو گی کہ صبح کو لوگ روزہ دار ہوں گے لیکن (پھر) کوئی نفسانی خواہش ان کے سامنے آنے کی تو روزہ چھوڑ دیں گے۔ (رواہ احمد و بیہقی)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قیامت کے دن سب سے اول ایک شہید کا فیصلہ ہو گا پیشی کے وقت اللہ اس کو اپنی نعمتیں جتائے گا وہ ان کا اقرار کرے گا اللہ فرمائے گا تو پھر ان نعمتوں کے مقصد میں تو نے کیا کیا وہ عرض کرے گا میں تیری راہ میں لڑ کر شہید ہو گیا اللہ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو صرف بہادر کہلوانے کے لئے لڑا تھا چنانچہ تجھے بہادر کہہ دیا گیا اس کے بعد بحکم خداوندی منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد اس شخص کی پیشی ہو گی جس نے علم سیکھا سکھایا اور قرآن پڑھا ہو گا اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمت جتائے گا۔ وہ اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو نے اس نعمت کا کیا کیا وہ عرض کرے گا میں نے علم سیکھا سکھایا اور تیری خوشنودی کے لئے قرآن پڑھا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا تو نے عالم کہلانے کے لئے علم سیکھا تھا اور قاری کہلوانے کے لئے قرآن پڑھا تھا پھر اس کو بھی بحکم خداوندی منہ کے بل کھینچ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر ایک شخص پیش ہو گا جس کو اللہ نے وسیع روزی عطا کی ہو گی اور ہر قسم کا مال مرحمت فرمایا ہو گا اس کو بھی اللہ اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ اقرار کرے گا اللہ پوچھے گا تو نے ان نعمتوں میں کیا کیا وہ عرض کرے گا میں نے کسی ایسے راستہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا جس میں صرف کرنا تجھے پسند تھا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا تو نے یہ کام صرف سخی مشہور ہونے کے لئے کئے تھے چنانچہ تجھے سخی کہہ دیا گیا پھر بحکم الٰہی اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم) بغوی نے یہ حدیث بیان کرنے کے آخر میں اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے زانوؤں پر (ہاتھ) مار کر فرمایا ابو ہریرہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یہی تینوں ایسے ہوں گے کہ قیامت کے دن سب سے اول دوزخ ان پر بھڑکے گی (یعنی سب سے پہلے یہی تینوں دوزخ کا ایندھن ہوں گے)۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا اور ان لوگوں کی حالت جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب اور اسلام کو مضبوط بنانے اور اللہ کے وعدہ جزا کی تصدیق کرنے اور ثواب کی امید رکھنے کی وجہ سے اپنا مال بلا خواہش خرچ کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تثبیت سے مراد تثبیت مال ہو یعنی مال کے نفع اخروی کو قائم رکھنے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں کیونکہ قائم رہنے والا وہی مال ہے جو آخرت میں صاحب مال کے لئے سود مند ہو اس کے علاوہ ہر مال فانی ہے حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا نہ ہو فرمایا تو اس کا مال وہی ہے جو اس نے پہلے سے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ (رواہ البخاری) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ لوگوں نے (تقسیم کرنے اور لوگوں کو کھلانے کے لئے) ایک بکری ذبح کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنا حصہ (دینے اور کھلانے سے) باقی رہ گیا صحابہؓ نے عرض کیا صرف شانہ باقی رہا ہے اور کچھ نہیں رہا فرمایا (یوں کہو کہ) سب باقی رہا شانہ نہیں رہا (یعنی شانہ کا ثواب جمع نہیں ہوا باقی گوشت کا ثواب جمع ہو گیا) (رواہ الترمذی) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ من ابتدائیہ ہے یعنی ایمان و تصدیق کو مضبوط کرنا یا مال کو قائم رکھنا خود ان کے نفسوں کی طرف

سے ہوتا ہے (کسی کے دباؤ یا لالچ کی وجہ سے نہیں ہوتا) یا مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی جو لوگ اپنے نفسوں کی بعض قوتوں کو ایمان پر مستحکم کرنے اور جمانے کے لئے راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں نفس کی قوتیں متعدد ہیں بعض کا تعلق مال کو خرچ کرنے سے ہے اور بعض روح کو کام میں لانے کا سر چشمہ ہیں مال جان کا جزو ہے جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لئے مال صرف کرتا ہے وہ اس قوت کو ایمان پر مستحکم کرتا ہے جو صرف مال کا مبدء ہے اور جو مال و جان دونوں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ نفس کی ساری قوتوں کو ایمان پر جماتا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ راہ خدا میں مال صرف کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ بخل اور مالی محبت سے نفس پاک ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچے کے مال پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے کہ سرپرست اس کی طرف سے ادا کرے کیونکہ زکوٰۃ کی اصل علت یہ ہے کہ راہ خدا میں مال کو (جو جان کا جزو ہے) خرچ کرا کے مأمور کا امتحان لیا جائے (کہ مال کی محبت دامن گیر ہے یا حکم خدا کی تعمیل کا جذبہ غالب ہے) اور سرپرست کے ہاتھوں بچے کی طرف سے صرف کرانے سے یہ مصلحت پوری نہیں ہوتی۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ جیسے ہموار اونچے میدان کا باغ اس جگہ اور سورۂ مومنون کی آیت اِلٰی رَبْوَةٍ میں ابن عامر اور عاصم نے رَبْوَۃ بفتح راء پڑھا ہے لیکن دوسرے قاریوں نے بضم راء رُبْوَۃ پڑھا ہے دونوں لغت آئے ہیں۔ ربوۃ وہ اونچی ہموار مقام جہاں نہریں بہ رہی ہوں لیکن نہروں کے کنارے طرفین کی زمین سے نہ اونچے ہوں نہ نیچے اس لئے نہ پانی اوپر آسکتا ہو نہ زمین اونچی اور پانی نیچا ہو۔ ایسے باغ کے درخت نہایت حسین اور صاف ستھرے ہوتے ہیں اسی لئے باغ کے ربوۃ پر واقع ہونے کی صراحت فرمائی۔

اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ جس پر اگر موٹے قطروں کی خوب بارش برس جائے تو اس کے درخت دوگنے پھل دیں۔ اُكْلَهَا بسکون کاف قرأت نافع و ابن کثیر و ابو عمرو بضم کاف قرأت جمہور اُكُل (بمعنی مَاْكُوْل کھائی جانے والی چیز یعنی) پھل ضِعْفَیْنِ حال ہونے کی بنا پر حالت نصب میں ہے یعنی بارش نہ ہونے سے جتنے پھل اس باغ میں پیدا ہو سکتے ہیں اس سے دگنے پھل بارش کے بعد پیدا ہوتے ہیں (گویا ضعفین سے مراد ہوا ایک کا دوگنا) جیسے آیت زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ میں زوج سے مراد ہیں دو۔ بعض کے نزدیک دو ضعف سے چار مراد ہیں کیونکہ ضعف ایک کا دوگنا ہوتا ہے اور دو ضعف چار گنا۔

فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ پس اگر اس پر بڑی بارش نہ ہو تو بارش کا ایک چھینٹا ہو جائے (تب بھی اس کے لئے کافی ہے) طَلٌّ کے بعد اَصَابَهَا محذوف ہے یعنی طَلٌّ سے پہلے محذوف ہے بہر تقدیر مقصد یہ ہے کہ بارش کی کمی سے اس باغ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا یہ مطلب ہے کہ چونکہ اس کی زمین اچھی اور ہوا ٹھنڈی ہے اس لئے خفیف بارش ہی اس کے لئے کافی ہے طَلٌّ چھوٹی بوندوں کی بارش کو کہتے ہیں۔

اگر مضاف کو محذوف مانا جائے تو پوری آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی خیرات کی حالت مذکورہ باغ کی طرح ہے (باغ پر کثیر بارش ہو تو پھل زیادہ ہو جاتے ہیں کم بارش ہو تب بھی پھل ضرور پیدا ہوتے ہیں) یک حالت مومن کی خیرات کی ہے اگر اس خیرات کے ساتھ ثواب کو دوگنا کر دینے والے اعمال بھی ملا دیئے جائیں تو ثواب چند در چند حسب حیثیت خداوندی ہو جاتا ہے ورنہ اصل عمل تو ضائع نہیں ہو سکتا اس کا اجر تو بہر حال لازمی ملے گا۔ اگر مضاف کو محذوف نہ مانا جائے تو مطلب اس طرح ہوگا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا مومن مذکورہ باغ کی طرح ہے جس طرح باغ میں پھل بقدر بارش پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مومن کا ثواب بھی کم و بیش بقدر صرف ہوگا صرف اکارت نہیں جائے گا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے اس جملہ کا تعلق دونوں فریقوں سے ہے دکھاوٹ کے لئے خرچ کرنے والے فریق کے لئے اس میں تخویف ہے اور خوشنودی خدا کے لئے خرچ کرنے والے فریق کے

لئے (مزید) ترہیب ہے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ ہے اور اس آیت کا ارتباط آیت لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی سے ہے۔

اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ لَہٗ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

باغ میں درخت تو دوسرے بھی ہیں لیکن کھجور و انگور کی فضیلت اور ان کے منافع کی کثرت کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں پھلوں کا ذکر کیا اور آخر میں فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ بھی اس لئے فرمایا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ باغ میں صرف کھجوریں اور انگور ہی ہیں اور کوئی پھل نہیں ہے یعنی اگر تم میں سے کسی کا ایک باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں کھجور اور انگور کے درخت خصوصیت کے ساتھ ہوں اور دوسرے پھلوں کے درخت بھی ہوں اور اسی حالت میں۔

وَاَصَابَہُ الۡکِبَرُ وَلَہٗ اس کو بڑھاپا آپہنچے اور کمائی کی طاقت نہ رہے واو حالیہ ہے (ہم نے حال ہی کا ترجمہ کیا ہے) یا عاطفہ ہے لیکن عطف معنوی ہوگا یعنی کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا ایک باغ ہو اور اس کو بڑھاپا آپہنچے۔

ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ ۪ۖ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یا بچے ہوں جو کمانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس جملہ میں بھی واو عطفیہ حالیہ ہے عطف اَصَابَہُ پر ہوگا اور حال اَصَابَہُ کی ضمیر مفعول کا

فَاَصَابَہَاۤ اِعۡصَارٌ فِیۡہِ نَارٌ پھر اس باغ پر ایسی آندھی آجائے جس میں آگ ہو اعصار وہ تیز طوفانی ہوا جو زمین سے بشکل عمودی اوپر کو جاتی ہے (بگولہ)۔

فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ اور اس سے باغ جل جائے مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے پاس عمدہ اعلیٰ مال ہو اور جب اس کو اپنے مال کی سخت ضرورت کا وقت آئے تو مال جل جائے۔ اور وہ مرتے دم تک حسرت نامرادی کی زندگی بسر کرتا رہے جب یہ بات ہے تو کوئی کس طرح پسند کر سکتا ہے کہ قیامت کے دن جب کہ نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی اس کی ساری نیکیاں اکارت جائیں اور وہ آخرت میں ہمیشہ کے لئے ناکام و نامراد رہے۔

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ سے دریافت کیا، آپ لوگوں کی رائے میں آیت اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ الخ کس بارہ میں نازل ہوئی تھی صحابہؓ نے جواب دیا اللہ اعلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہو ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے (اللہ اعلم) کیا جواب ہے اللہ تو جانتا ہی ہے تم اپنا جواب دو) حضرت ابن عباسؓ نے کہا اس آیت کا مجھے کچھ علم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے تم کہو اور اپنے کو (کم سن ہونے کی وجہ سے) حقیر نہ سمجھو حضرت ابن عباسؓ نے کہا اس آیت میں عمل کی تمثیل بیان کی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کی تمثیل دی گئی ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر اللہ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے تو وہ گناہ کے کام کرنے لگتا ہے آخر وہ اپنے اعمال کو ڈبو دیتا ہے۔

کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾ یوں ہی اللہ تمہارے لئے نشانیاں واضح کرتا ہے کہ تم ان پر غور کرو اور نصیحت حاصل کرو۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ اے اہل ایمان اپنی پاکیزہ کمائی میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ طیبات سے مراد عمدہ عمدہ چیزیں لیکن حضرت ابن مسعودؓ اور مجاہد نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ حلال چیزیں مراد ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بندہ حرام مال کما کر اس میں سے خیرات کرتا ہے اس کی خیرات قبول نہیں ہوتی۔ نہ حرام مال خرچ کرنے میں برکت حاصل ہوتی ہے اور جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ دوزخ تک جانے کا اس کے لئے سامان ہو جاتا ہے وہ برے (عذاب) کو بری (کمائی کی) خیرات سے مٹا نہیں سکتا بلکہ برے کو بھلے سے مٹا سکتا ہے ناپاک سے ناپاک دور نہیں ہوتا۔ رواہ احمد

یہ آیت اجماع علماء اور جمہور اہل سنت کی بڑی پکی دلیل ہے داؤد (ظاہری) نے اس قول کے خلاف کہ سوائے مویشی اور سونے چاندی کے اور کسی چیز میں زکوٰۃ واجب نہیں جمہور کے نزدیک منقول اور غیر منقول چیزوں پر بشرطیکہ تجارت کی ہوں زکوٰۃ واجب ہے تجارت کی شرط اس لئے ہے کہ مال زکوٰۃ کا نامی ہونا شرط ہے اور سامان میں بغیر نیت تجارت کے نمو نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سامان میں زکوٰۃ واجب نہیں سوائے اس سامان کے جو تجارت کے لئے ہو۔ رواہ الدار قطنی۔

حضرت سمرہ بن جندب کا بیان ہے کہ ہم کو سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ دیا کرتے تھے۔ رواہ ابو داؤد والدار قطنی والبزار۔

بزار نے سلیمان بن سمرہ کی روایت بھی بحوالہ سمرہ نقل کی ہے لیکن اس روایت کی اسناد میں کچھ جہالت ہے (بعض راوی مجہول ہیں)۔

سامان میں زکوٰۃ کا وجوب اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو حماس نے روایت کی ہے حماس کا بیان ہے کہ کچھ کچے چمڑے اپنی گردن پر اٹھائے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے گزرا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا حماس تم زکوٰۃ ادا نہیں کرتے میں نے عرض کیا میرے پاس تو سوائے اس کے اور کوئی مال نہیں فرمایا یہ تو مال ہے نیچے اتارو میں نے اتار کر آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے ان کی تحقیق کی اور قابل زکوٰۃ پایا اور فرمایا ان کی زکوٰۃ واجب ہے چنانچہ ان چیزوں کی آپ ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرلی۔ رواہ الشافعی واحمد وعبد الرزاق وابن ابی شیبہ وسعید بن منصور والدار قطنی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹوں میں ان کی زکوٰۃ اور گائے بھینسوں میں ان کی زکوٰۃ اور کپڑے میں اس کی زکوٰۃ واجب ہے اس روایت میں البز زاء منقوطہ کے ساتھ آیا ہے دار قطنی نے اس حدیث کو تین طریقوں سے نقل کیا ہے دو طریقوں میں موسیٰ بن عبیدہ زیدی آتا ہے جس کے متعلق امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اس کی روایت لینا جائز نہیں اور تیسرے طریقہ میں عبد اللہ بن معاویہ بن عاصم آتا ہے جس کو نسائی نے ضعیف اور بخاری نے منکر قرار دیا ہے اسی طریقہ میں ایک راوی ابن جریج بھی ہے جس نے عمران بن انیس سے سن کر یہ حدیث نقل کی ہے لیکن بخاریؒ نے کہا کہ ابن جریج نے عمران بن انیس سے حدیث نہیں سنی۔ ایک چوتھے سلسلہ سے دار قطنی اور حاکم نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے۔ اونٹوں میں ان کی زکوٰۃ اور بکریوں میں ان کی زکوٰۃ اور گائے بھینسوں میں ان کی زکوٰۃ اور کپڑے میں اس کی زکوٰۃ واجب ہے اور جو شخص درہم اور دینار اٹھا رکھے گا کہ نہ قرض خواہ کو دیگا نہ راہ خدا میں خرچ کرے گا تو حقیقتاً یہ اس کے لئے کنز ہوگا جس سے قیامت کے دن اس کو داغا جائے گا۔ اس اسناد میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ابن دقیق کا بیان ہے کہ میں نے (حاکم کی کتاب) مستدرک کے نسخہ میں البز کی جگہ البُر (گیہوں) دیکھا تھا اگر کسی تجارتی سامان کو چند سال تک فروخت نہ کرے تو اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں امام مالکؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزر جائے لیکن جب فروخت کرے گا تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ باقی تینوں اماموں کے نزدیک ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہے خواہ فروخت نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو سامان تجارت کے لئے ہو اس کی زکوٰۃ دی جائے اور یہ حکم عمومی ہے خواہ فروخت کیا جائے یا نہ کیا جائے (وجوب میں کوئی فرق نہیں آتا)۔

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ اور اس چیز میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں صدقہ نافلہ مراد ہے (زکوٰۃ مراد نہیں) حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان کوئی درخت یا کھیت بوتا ہے اور اس میں سے کوئی آدمی یا پرندے یا چوپائے کھاتے ہیں تو مالک کے لئے وہ خیرات ہوتی ہے (یعنی خیرات کا ثواب ملتا ہے)۔ رواہ احمد والشیخان والترمذی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی کرنی مستحب ہے لیکن حضرت ابوامامہؓ کی حدیث ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا یہ یعنی کھیتی کے اوزار جس قوم کے گھر میں داخل ہوتے ہیں اس قوم کے اندر ذلت داخل ہو جاتی ہے (رواہ بخاری) یہ حدیث کاشت کاری کی مذمت پر دلالت کر رہی ہے (واللہ اعلم) صحیح یہ ہے کہ آیت مذکورہ زکوٰۃ کے متعلق ہے کیونکہ امر وجوب کے لئے ہے استحباب پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس زمین کی پیداوار کا عشر دینا اس آیت کی روشنی میں واجب ہے۔

مسئلہ — علماء کا اتفاق ہے کہ کھجور، انگور اور ہر قسم کے غذائی غلہ میں دسواں حصہ ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ سینچائی بارش، چشمے، وادی اور دریا کے پانی سے ہو جس کو حاصل کرنے کے لئے (کھدائی وغیرہ کی) کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی لیکن اگر آب پاشی، ڈول یا چرس وغیرہ سے ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔ گھاس اور ایندھن کی لکڑی پر زکوٰۃ واجب نہیں بشرطیکہ زمین اس کے لئے مخصوص نہ کر دی گئی ہو۔

اقسام مذکورہ کے علاوہ دوسری پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہونے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم کے غلہ پھل اور سبزی میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ آیت مذکورہ کا حکم عام ہے اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ جو چیز بارش اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو یا عشری ہو اس میں عشر لازم ہے اور جس کی سینچائی آب پاشی سے ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) لازم ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور ابن جارودؒ نے نقل کی ہے اور مسلمؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ترمذیؒ و ابن ماجہؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور نسائیؒ و ابن ماجہؒ نے حضرت معاذؓ کی روایت سے اور ابوداؤد وغیرہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف اس پیداوار میں ہے جس میں غذائیت ہے جیسے کھجور، انگور، چنا، جو، گیہوں، چاول وغیرہ اور امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب اس کیلی اور وزنی چیز میں ہے جو لوگوں کے پاس (ذخیرہ) رہ سکتی ہو (ذخیرہ کرنے رکھنے سے خراب نہ ہوتی ہو) جیسے تل، بادام، فندق، پستہ، زعفران، زیرہ، کسم کے بیج وغیرہ۔ سبزی میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی دلیل حضرت معاذؓ کی حدیث ہے کہ جس کی سینچائی بارش یا دریائی پانی سے ہو اس میں عشر ہے اور جس کی سیرابی آب کشی سے ہوئی ہو اس میں نصف عشر ہے اور یہ زکوٰۃ کھجور، گیہوں اور غلہ میں ہے کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز، انار، گنا اور سبزیاں معاف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں زکوٰۃ معاف کر دی ہے۔ رواہ الدارقطنی والحاکم والاثرم۔

لیکن اس حدیث کی روایت میں ضعف بھی ہے اور انقطاع بھی۔ اس کے راویوں میں سے اسحاق اور ابن نافع ضعیف ہیں۔ یحییٰ بن معین (مشہور ناقد) نے کہا ہے کہ اسحاق کچھ نہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور امام احمد اور نسائی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ ترمذی کی روایت بایں الفاظ آئی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے لکھ کر پوچھا کہ سبزی ترکاری کا کیا حکم ہے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں زکوٰۃ نہیں۔

یہ روایت بھی ضعیف ہے ترمذی نے لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان کا اس بارے میں صحیح ثبوت نہیں۔ ہاں موسیٰ بن طلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مرسل نقل کی ہے۔ دارقطنی نے علل میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا مرسل ہونا صحیح ہے۔ بیہقی نے موسیٰ بن طلحہ کی حدیث سے اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ موسیٰ جلیل القدر تابعی تھے اور کوئی شک نہیں ہے کہ ان کی ملاقات حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ موسیٰؒ نے نہ حضرت معاذؓ سے ملاقات کی نہ ان کا زمانہ پایا۔

دارقطنی نے چند طریقوں سے موسیٰ بن طلحہ بروایت طلحہؓ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس روایت کے ایک طریق اسناد میں حارث بن نبہان ہے جس کا ضعف ایک جماعت کے اقوال سے منقول ہے اور دوسرے طریق

میں نضر بن حماد واقع ہے جس کو یحییٰ نے کذاب کہا ہے اور یعقوب بن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے اور مسلم نے اس کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ تیسرے طریق میں محمد بن جابرؒ داخل ہے جو کچھ نہیں ہے۔ اس کے متعلق امام احمدؒ نے کہا کہ اس کی روایت کردہ حدیث وہی نقل کرے گا جو اس سے بھی زیادہ شریر ہوگا۔ دار قطنی نے مروان بن محمد سخاوی کے طریق سے بروایت موسیٰ بن طلحہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے لیکن مروان بن محمدؒ کی روایت کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں موسیٰ بن طلحہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ سوائے گیہوں جو کھجور، انگور اور کشمش کے اور چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ حضرت معاذؓ کے نام جو خط رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہم کو ملا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ موسیٰ بن طلحہؒ سے مرسل حدیث صحیح ہے۔ ترمذی وغیرہ کی یہی رائے ہے اور مرسل قابل حجت ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ دوسری روایات بھی اس کی تائید میں موجود ہیں جن کو مختلف سندوں سے ہم نقل کر چکے ہیں پھر دار قطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو مرفوع حدیث نقل کی ہے وہ بھی مؤید ہے اگرچہ اس کے سلسلہ میں صقر بن حبیب داخل ہے جو بہت ضعیف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ والی حدیث کو موقوفاً نقل کیا ہے اس کے سلسلہ میں قیس بن ربیع آتا ہے جو ہے تو سچا لیکن اس کا حافظہ قوی نہیں۔

دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ زمین سے پیدا شدہ سبزی (ترکاری) میں زکوٰۃ نہیں ہے اس کے سلسلے میں صالح بن موسیٰ واقع ہے جو بخاری کے نزدیک منکر الحدیث اور نسائی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔

محمد بن جحش کا ایک بیان ہے کہ حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہر چالیس دینار پر ایک دینار لینا اور سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بیان بھی دار قطنی نے نقل کیا ہے اس میں صالح بن موسیٰ داخل ہے (جو منکر اور متروک ہے) اس جگہ ہم کچھ دوسری احادیث بھی نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے کھجور، کشمش، گیہوں اور جو کے اور کسی پھل پر زکوٰۃ نہیں ہے بس انہی چار پر زکوٰۃ واجب ہے۔ حاکم اور بیہقی نے ابو بردہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کیلئے یمن بھیجا تو بقول حضرت ابو موسیٰؓ ان کو حکم دیا کہ سوائے ان چار چیزوں کے اور کسی چیز پر زکوٰۃ وصول نہ کرنا جو، گیہوں، کشمش، چھوارا۔ بیہقی نے لکھا کہ اس حدیث کا سلسلہ متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

طبرانی نے بروایت موسیٰ بن طلحہ حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چار چیزوں میں زکوٰۃ کا طریقہ جاری فرمایا۔ دار قطنی نے اس حدیث کو بروایت عمرو بن شعیب از شعیب بحوالہٗ والد شعیبؒ بیان کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے بروایت موسیٰ بن طلحہ حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زکوٰۃ واجب نہیں ہے مگر چار میں چھوارہ، کشمش، گیہوں اور جو۔

بیہقی نے بروایت شعبی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھا تھا زکوٰۃ صرف چار میں واجب ہے گیہوں، جو، چھوارہ، کشمش۔ ان چار کے ساتھ ایک پانچویں چیز یعنی جوار میں بھی زکوٰۃ واجب ہونے کی روایت آئی ہے لیکن یہ روایت ضعیف اور کمزور ہے۔

میں کہتا ہوں جب علماء کا اجماع اور اتفاق ہو گیا کہ وجوب زکوٰۃ کا حصر مذکورہ بالا چار چیزوں ہی پر نہیں ہے تو لا محالہ حدیث کی کوئی توجیہ کرنی لازم ہے یعنی لفظ مثل کو مقدار قرار دیا جائے گا یعنی ان چاروں کی طرح کی چیزوں میں زکوٰۃ کا وجوب ہے (مثلاً حدیث لا زکوٰۃ الا فی اربعۃ التمر والزبیب والحنطۃ والشعیر کی توجیہ حذف مضاف اس طرح ہوگی کہ لا زکوٰۃ الا فی اربعۃ یعنی لا زکوٰۃ الا فی مثل اربعۃ زکوٰۃ نہیں ہے مگر ان چار کی سی چیزوں میں یعنی (جب زکوٰۃ کے وجوب

کا منحصر نہیں بلکہ ان کی طرح دوسری چیزوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اور مثلیت (اشیاء وجوب زکوٰۃ کے لئے کافی ہے تو) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غذائیت علت مثلیت ہے (یعنی جو چیزیں غذائی طور پر مستعمل ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وجہ مماثلت دو اوصاف کو قرار دیا جائے ایک تو یہ کہ ان چاروں کی طرح دوسری چیزیں ذخیرہ اندوزی کے قابل ہوں (ذخیرہ اندوزی سے خراب نہ ہوتی ہوں ساگ پات اور سبز ترکاریاں جمع کر کے رکھ چھوڑنے سے خراب ہو جاتی ہے) اور سبب غناء بن سکیں۔ کھیتی کی پیداوار میں سال بھر جمع رہنا شرط نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال کا نمو شرط ہے اور غلہ خود سراسر نامی ہی ہے یہ فیصلہ اجماعی ہے۔

مالک زمین کا عاقل اور بالغ ہونا بھی وجوب عشر کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک تو کسی مال کے مالک کا عاقل بالغ ہونا وجوب زکوٰۃ کی شرط نہیں ہے (یہاں تک کہ صغیر سن بچے اور دیوانے کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے) دونوں مسئلوں میں امام اعظمؒ کے فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مال کی زکوٰۃ خالص عبادت ہے اور ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے اور صحت نیت کے لئے نیت کرنے والے کا عاقل بالغ ہونا لازم ہے لہٰذا نابالغ اور دیوانے کے مال پر زکوٰۃ کا وجوب نہیں جس طرح ان دونوں پر نماز واجب نہیں) لیکن عشر عبادت ضرور ہے مگر مؤنت آمیز (گویا عشر کی دو خصوصیتیں ہیں عبادت ہونا اور مشقت آمیز ہونا) پس عبادت ہونے کے لحاظ سے عشر دینے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے کافر پر عشر نہیں خراج لازم ہے جیسے عشری زمین کو اگر غیر مسلم خرید لے تو جمہور کے نزدیک اس کے ذمہ خراج ہوگا عشر نہ ہوگا۔ امام محمد عشری زمین میں عشر ہی لازم ہونے کے قائل ہیں (خواہ اس کا مالک مسلم ہو یا غیر مسلم) اور مؤنت مالی ہونے کے لحاظ سے بچے اور دیوانے پر بھی عشر واجب ہے جیسے بیوی کا نفقہ وغیرہ ان کے مال میں لازم ہے۔

کیا پیداوار پر عشر لازم ہونے کے لئے مقدار نصاب شرط ہے؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقدار نصاب شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کتنی ہی ہو عشر واجب ہے کیونکہ احادیث مذکورہ میں الفاظ عام ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہؒ نے موخر الذکر تینوں حضرات کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے پیداوار کم ہو یا زیادہ نخعی کے قول میں اتنا زائد ہے یہاں تک کہ دس دسته میں بھی ایک دستہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بوساطت حماد، ابراہیم نخعی کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک عشر کے لئے نصاب شرط ہے اور مقدار نصاب پیمانہ سے ناپ کر بیچے جانے والی چیزوں میں پانچ وسق ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے (اور ایک صاع رائج الوقت وزن سے تقریباً چار سیر ہوتا ہے) اور جو چیزیں وسق کے ناپ سے نہیں فروخت ہوتیں۔ ان میں وہ مقدار عددی معتبر ہے جس سے ان چیزوں کی فروخت ہوتی ہے پس ہر پانچ عدد ان کی مقدار نصاب ہوگی مثلاً روئی کی پانچ گانٹھیں مقدار نصاب ہیں ہر گانٹھ کا وزن تین سو سیر، زعفران پانچ سیر وغیرہ، پانچ وسق غلہ کی قیمت کا اندازہ ادنیٰ غلہ سے کیا جائے گا۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔ جمہور کے نزدیک جو عشر کے لئے مقدار نصاب شرط ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابی سعید الخدری، مسلمؒ نے یہ روایت حضرت جابرؓ کے حوالہ سے بھی اور بیہقی نے حضرت عمرو بن حزم کی روایت سے۔

مسئلہ:- ہر زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے آیت کا حکم مطلق ہے کسی خاص قسم کی زمین کی قید نہیں ہے اگر مسلمان خراجی زمین کا مالک ہو جائے تو (دو صورتیں ہیں) یا خراج ساقط ہو جائے گا صرف عشر قائم رہے گا یا خراج و عشر دونوں قائم رہیں گے خراج زمین کا اور عشر پیداوار کا۔ موخر الذکر قول جمہور کا ہے کیونکہ خراج زمین کا ٹیکس ہے پیداوار سے اس کا تعلق نہیں اور عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے زمین کی زکوٰۃ نہیں۔ اسی لئے پیداوار میں (بصورت مذکورہ) نصاب کی شرط ہے۔ امام اعظمؒ نے فرمایا خراجی زمین کا خراج کبھی ساقط نہیں ہو سکتا اور عشر و خراج جمع بھی نہیں ہو سکتے عشر زمین کی زکوٰۃ ہے کھیتی کی نہیں اسی لئے

پیداوار کا نصاب تک پہنچنا امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں ہے۔ حقیقت میں خراج کے ساقط ہونے یا نہ ہونے کی بحث کا یہ مقام ہی نہیں (یہ مقام صرف بیان عشر کا ہے) اور عشر و خراج کے جمع ہونے کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل نہیں (لہٰذا جمہور کے نزدیک خراجی زمین میں دونوں واجب ہیں) رہی وہ حدیث جو ابن عدی نے کامل میں اور ابن جوزی نے بروایت یحییٰ بن عنبسہ ذکر کی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حماد بتوسط ابراہیم بحوالہ علقمہ بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان پر عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے تو یہ روایت ہی غلط ہے ابو حاتم نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہے۔ یحییٰ بن عنبسہ قرشی جھوٹا تھا اسے خود حدیث بنا کر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ سے اوپر والے لوگوں پر دروغ بندی کی ہے۔ ابن عدی نے کہا اس اسناد کے ساتھ اس حدیث کا راوی یحییٰ بن عنبسہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں یہ ابراہیم کے قول کی نقل ہے لیکن ابراہیم قابل حجت نہیں نہ ان کا قول حجت ہے، اسی طرح شعبی اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے نہ کسی ایک زمین میں نہ کسی ایک مال میں ان دونوں آثار کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔ صاحب ہدایہ کا یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کیونکہ ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے خراج و عشر کو جمع کیا تھا اور عمرؒ بن عبدالعزیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اگر مسئلہ اجماعی ہوتا تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے یہ اجماع مخفی نہ رہتا۔

"مسئلہ"

کے اطلاق میں معدن سے نکلنے والا چاندی سونا داخل ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مشہور قول یہی ہے اگر مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ کی طرح چالیسواں حصہ دینا ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصرف بھی زکوٰۃ ہی کی طرح ہے۔ مگر امام مالکؒ کے نزدیک اس کا مصرف مال فے (کافروں کا جو مال بغیر جنگ کے ہاتھ آئے) کی طرح ہے۔ ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہ اور (مشہور قول کے اعتبار سے امام احمدؒ کے نزدیک یہ آیت معدنی اشیاء (یعنی سونے چاندی) کو شامل نہیں ہے بلکہ مال غنیمت کی طرح اس میں بھی پانچواں حصہ واجب الادا ہے۔ اللہ جل شانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ بات یہ ہے کہ سونا چاندی زمین ہی کا ایک جزو ہے پہلے کفار کے قبضہ میں تھا پھر مسلمانوں کو مل گیا لہٰذا اس کا حکم وہی ہوگا جو کافروں کی دوسری چیزوں کا ہے اسی کی موافقت میں امام شافعیؒ کا بھی ایک قول مروی ہے۔ ہمارے نزدیک آیت مذکورہ معدنی اشیاء (چاندی سونے) کو شامل نہیں ہے ہمارے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اخراج کا حقیقی معنی ہے کسی ایسی چیز کو برآمد کرنا جو پہلے اندر موجود ہو غلہ اور پھل زمین کے اندر پہلے موجود نہیں ہوتے اس لئے ان کے لئے لفظ اخرج کا استعمال حقیقی نہیں مجازی ہے (یعنی اس جگہ اخرج کا معنی ہے پیدا کرنا) اور یہی مجازی معنی آیت میں باتفاق علماء مراد ہے اب یہ نہیں ہو سکتا کہ حقیقی معنی بھی مراد لیا جائے (اور معدنی اشیاء کو حکم آیت میں داخل قرار دیا جائے) ورنہ حقیقت اور مجاز دونوں بیک وقت ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور اصول فقہ کی صراحت اس کے خلاف ہے۔ حقیقت اور مجاز کا بیک وقت مراد لینا ناجائز ہے لیکن امام شافعیؒ حقیقت و مجاز کے اجتماع کو جائز کہتے ہیں۔ اسی آیت کی طرح (اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ) بھی ہے اس آیت میں لمس (چھونے) سے بالاجماع مراد مباشرت ہے یعنی مجازی معنی مراد ہے لہٰذا حقیقی معنی (یعنی چھونا) مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت کو صرف چھونا ناقض وضو نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک حقیقت و مجاز دونوں کو بیک وقت مراد لینا جائز ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک ہر معدنی چیز کا پانچواں حصہ واجب الادا ہے خواہ وہ جامد ناقابل سیلان ہو جیسے جست چونا یا جامد قابل سیلان ہو جیسے سونا چاندی لوہا وغیرہ یا سیال ہو جامد نہ ہو۔ جیسے مٹی کا تیل پیٹرول تارکول وغیرہ کیونکہ اس سب کو مال غنیمت قرار دیا جا سکتا ہے (اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ واجب الادا ہے) امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ صرف جامد قابل سیلان اشیاء

یعنی چاندی سونے لوہے وغیرہ میں پانچواں حصہ واجب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے فِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ رکاز میں پانچواں حصہ ہے اور لفظ رکاز کا اطلاق صرف ان ہی چیزوں پر ہوتا ہے جو جامد قابل سیلان ہوں، زمین کے اندر کی وہ چیزیں جو جامد نا قابل سیلان ہوں (وہ رکاز نہیں ہیں) ان سے تیمم بھی جائز ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب صرف سونے چاندی میں ہے لوہے وغیرہ کی کان حکم وجوب سے خارج ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ثمنیت (یعنی اشیاء کی قیمت بننے کی صلاحیت) جو زکوٰۃ کے لئے شرط ہے وہ صرف نمو پذیر ہونے کی وجہ سے ہے اور زمین سے جو چیز برآمد ہوتی ہے وہ تو سراسر نمو ہی ہے اس لئے غلہ، پھل وغیرہ کی زکوٰۃ کے لئے باتفاق علماء سال کا دوران شرط نہیں ہے باوجودیکہ یہ چیزیں نقود میں سے نہیں ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ معدنی اشیاء کی زکوٰۃ کے لئے ان کا نقدی ہونا (یعنی قیمت بننے کی صلاحیت رکھنا) ضروری قرار دیا جائے۔

امام شافعیؒ معدن میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں ان کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام مالکؒ نے موطا میں لکھی ہے کہ ربیعہ بن عبدالرحمان نے کئی (نامعلوم الاسم) کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث مزنی کو قبلہ کی طرف والی کانیں بطور جاگیر عطا فرمادیں یہ کانیں فرع کی طرف تھیں اس وقت تک ان کانوں سے سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ (سرکاری طور پر) نہیں لیا جاتا تھا۔ ابن عبدالبر نے کتاب الاستذکار میں یہ حدیث منقطع ہے ابن جوزی نے کہا ربیعہ نے صحابہؓ کو پایا تھا اسی حالت میں صحابی (کے نام) کو نہ جاننا (روایت میں) نقصان رساں نہیں اور اس کو مرسل نہیں کہا جا سکتا۔ ابوعبیدؒ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور منقطع ہونے کے باوجود اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں زکوٰۃ لینے کا حکم دیا تھا بلکہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آج تک ان کی زکوٰۃ لی جاتی ہے اس لئے جائز ہے کہ وصول زکوٰۃ حاکموں کا اجتہاد ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ علماء حدیث نے اس حدیث کو نہیں لیا ہے اور نہ (اپنی کتابوں میں) نقل کیا ہے نہ بطور جاگیر عطا کرنے سے زائد رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم اس میں ہے کانوں میں وجوب زکوٰۃ کا حکم رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔

حاکم نے مستدرک میں دراوردی کا بیان لکھا ہے کہ ربیعہ نے بروایت حارث بن بلال بن حارث مزنی بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ نے قبلہ والی کانوں کی زکوٰۃ حارث کے باپ سے لی تھی ابن جوزی نے بھی دراوردی کی یہ روایت نقل کی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔ لفظ رکاز معدن کو بھی شامل ہے اور کنز (یعنی مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کے گڑے ہوئے خزانہ) کو بھی قاموس میں رکاز کے معنی کے ذیل میں ہے کہ رکاز وہ ہے جو کانوں کے اندر اللہ پیدا کرتا ہے اور جاہلیت کے دفینے (مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کے گڑے ہوئے خزانے) اور کان سے برآمد ہونے والے سونے چاندی کے ٹکڑے۔ نہایہ میں ہے کہ اہل حجاز کے نزدیک رکاز اس خزانہ کو کہتے جو جاہلیت کے زمانہ کا ہو (یعنی مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کافروں نے زمین کے اندر دبا دیا ہو) اور اہل عراق کے نزدیک رکاز کان کو کہتے ہیں لفظ رکاز میں دونوں احتمال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب رکاز کے ساتھ الف لام استغراق کا ہو تو رکاز کے تمام اقسام پر اس کا اطلاق واجب ہوگا لامحالہ کان سے برآمد ہونے والی اشیاء میں پانچواں حصہ واجب الادا ہوگا بخاری کے نزدیک لفظ رکاز مشترک ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں بلکہ رکاز کلی متواطی ہے لفظ رکاز ایک ہی معنی کے لئے موضوع ہے لیکن یہ معنی مشترک ہے (جاہلیت کے دفینوں کو بھی کہا جا سکتا ہے اور معدنی اشیاء کو بھی کیونکہ دونوں زمین کے اندر گڑے ہوئے ہوتے ہیں)۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رکاز میں خمس ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ رکاز کیا ہے؟ فرمایا سونا چاندی جو اللہ نے زمین کے اندر آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی پیدا کر دیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابو داؤد کی نقل کردہ روایت میں جو لفظ زکوٰۃ آیا ہے اس سے مجازاً خمس (پانچواں حصہ) مراد ہے دیکھو کہ رکاز میں بالاجماع خمس واجب ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مصرف زکوٰۃ کی طرح ہے اور لفظ زکوٰۃ کا خمس پر اطلاق ہوتا ہے منہاج میں ہے کہ فقہ شافعی کے مطابق رکاز کا مالک وہی ہے جس کو رکاز ملا ہو اور اس پر زکوٰۃ (خمس) لازم ہے اور بالفرض اگر دونوں حدیثوں میں تعارض مان بھی لیا جائے تب بھی حدیث (فی الرکاز الخمس) زیادہ صحیح اور قوی تر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَا تَيَمَّمُوا (اور قصد نہ کرو) لا تتیمموا اصل میں لا تتیمموا تھا ایک تاء کو ساقط کر دیا گیا۔ ابن کثیر نے بروایت بزی وصل کی حالت میں قرآن میں ۳۱ جگہ ساقط شدہ تا کو لوٹا کر تشدید تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلا یہی لفظ، نمبر ۲ آل عمران میں ولا تفرقوا، نمبر ۳ النساء میں ان الذین توفیھم، نمبر ۴ المائدہ میں ولا تعاونوا، نمبر ۵ انعام میں فتفرق بکم، نمبر ۶ الاعراف میں فاذا ھی تلقف، نمبر ۷ یہی طہ میں، نمبر ۸ یہی لفظ الشعراء میں، نمبر ۹ ولا تولوا، نمبر ۱۰ ولا تنازعوا یہ دونوں لفظ الانفال میں آئے ہیں، نمبر ۱۱ التوبہ میں ھل تربصون، نمبر ۱۲ ہود میں وان تولوا، نمبر ۱۳ اور فان تولوا، نمبر ۱۴ ولا تکلم نفس، نمبر ۱۵ الحجر میں ما تنزل، نمبر ۱۶ النور میں اذ تلقونہ، نمبر ۱۷ فان تولوا، نمبر ۱۸ الشعراء میں من تنزل نمبر ۱۹ الشیاطین تنزل، نمبر ۲۰ الاحزاب میں ولا تبرجن نمبر ۲۱ ولا ان تبدل، نمبر ۲۲ الصافات میں لا تناصرون، نمبر ۲۳ الحجرات میں ولا تنابزوا نمبر ۲۴ ولا تجسسوا نمبر ۲۵ لتعارفوا، نمبر ۲۶ الممتحنہ میں ان تولوھم، نمبر ۲۷ الملک میں تکاد تمیز نمبر ۲۸ ن میں لما تخیرون، ۲۹ عبس میں عنہ تلھی، نمبر ۳۰ واللیل میں نارا تلظی، نمبر ۳۱ القدر میں تنزل، بعض لوگوں نے بروایت بزی دو لفظ اور بھی نقل کئے ہیں نمبر ۱ آل عمران میں ولقد کنتم تمنون نمبر ۲ الواقعہ میں فظلتم تفکھون۔

اگر وصل نہ ہو اور ابتداء میں تاء واقع ہو تو سوائے تخفیف (یعنی ایک تاء کو ساقط کرنے کے) اور کوئی صورت نہیں اب اگر تاء سے پہلے حرف مد ہو گا جیسا کہ اس آیت میں ہے تو تمکین میں زیادتی کی جائے گی یہ تمام تفصیل شیخ ابن کثیر سے بروایت بزی منقول ہے دوسرے قاریوں کے نزدیک ہر جگہ وصل ہو یا ابتداء ایک تاء کو تخفیف کیا جائے گا۔

الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ یعنی ردی مال، خراب، تنفقون حال ہے تیمموا کی ضمیر فاعل ذوالحال ہے یہ بھی احتمال ہے کہ منہ کا تعلق تنفقون سے ہو اور منہ کی ضمیر الخبیث کی طرف راجع ہو۔ حاکم، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت براء کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ہمارے گروہ انصار کے متعلق ہوا تھا ہم نخلستانوں والے تھے ہم میں سے کچھ لوگ دل سے خیرات دینا نہیں چاہتے تھے اس لئے اپنے درختوں سے جا کر کم و بیش چھوہاروں کا خوشہ ٹوٹا ہوا لا کر دیتے تھے اور خوشہ بھی کمزور گٹھلی والے خراب ردی چھوہاروں کا ہوتا تھا۔ ابو داؤد نسائی اور حاکم نے حضرت سہیل بن حنیف کی روایت سے نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ اپنے بدترین پھل عشر میں لا کر دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حاکم نے حضرت جابر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر میں ایک صاع چھوہاروں کا حکم دیا، ایک شخص خراب چھوہارے لے آیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ارزاں غلہ خرید کر صدقہ میں دیتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ یعنی اللہ کی راہ میں تو تم برا مال دیتے ہو حالانکہ بغیر چشم پوشی کئے خود (باہم تبادلہ میں) ایسا مال نہیں لیتے۔ مطلب یہ کہ تم اپنے حق میں ردی مال نہیں لیتے اور راہ خدا میں دیتے ہو ایسا کرنے کا قصد بھی نہ کرو۔

اغماض کا معنی ہے آنکھ بند کرنا یہاں مجازاً درگزر کرنا مراد ہے (تفسیری مطلب عام اہل تفسیر کے نزدیک یہ ہے کہ) اگر کسی کا دوسرے پر حق ہو اور وہ ایسا خراب مال دے تو یہ شخص قبول نہیں کرتا ہاں قصداً اگر حق چھوڑ دینا چاہتا ہو تو لے لیتا

ہے۔ حسن بصری اور قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر ایسا ردی مال تم بازار میں بکتا دیکھتے ہو تو کھرے مال کی قیمت میں اس کو نہیں خریدتے۔ ایک روایت میں حضرت براء کی طرف اس (تشریح) کی نسبت کی گئی ہے کہ اگر ایسا مال تم کو ہدیہ میں بھیجا جاتا ہے تو قبول نہیں کرتے سوائے اس کے کہ بھیجنے والے کی شرم ہو تو ناراضگی کے ساتھ لے لیتے ہو تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں وہ اللہ کی راہ میں دینا کیوں پسند کرتے ہو۔ ردی مال راہ خدا میں دینے کی ممانعت اس وقت ہے جب سارا مال کھرا ہو لیکن اگر سب ہی خراب ہو تو عشر میں خراب مال ہی دینا ممنوع نہیں۔ اگر کچھ مال کھرا اور کچھ خراب ہو تو ہر قسم کے مال میں سے کچھ کچھ دینا چاہئے۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اور جان رکھو کہ اللہ کو تو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں تمہارے صدقات کا نفع تمہارے ہی طرف لوٹ کر آئے گا۔ اللہ کے تمام اعمال مستوجب حمد ہیں۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ شیطان تم کو مفلس ہو جانے سے ڈراتا ہے لفظ وعد کا استعمال خیر و شر (اچھے برے) دونوں میں ہوتا ہے لیکن اگر کوئی خصوصی قرینہ نہ ہو تو خیر کا وعدہ مراد ہوتا ہے اور شر کے لئے ایعاد (ڈرانا، باب افعال) استعمال ہوتا ہے، فقر کا معنی ہے بدحالی اور مال کی کمی یہ لفظ فقار الظہر سے بنا ہے (فقار الظہر پشت کے مہرے) مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کو ڈراتا ہے کہ اگر صدقات دوگے تو مفلس ہو جاؤ گے۔

وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ اور تم کو گناہ کا حکم دیتا ہے۔ الفحشاء سے مراد ہے زکوٰۃ نہ دینا یا عام معصیت کوئی ہو، کلبی نے کہا سوائے اس آیت کے قرآن میں ہر جگہ فحشاء سے مراد زنا ہے۔

وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ اور اللہ تم سے تمہارے گناہوں کی معافی کا اور تم کو بدل دینے کا وعدہ کرتا ہے (یعنی اگر تم راہ خدا میں خرچ کرو گے تو اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے اور جو کچھ تم دو گے اس سے بہتر دنیا میں یا (صرف) آخرت میں تم کو عطا کرے گا۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚۖ اور اللہ راہ خدا میں خرچ کرنے والے کے لئے اپنے فضل کو وسیع کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے الٰہی راہ خیر میں خرچ کرنے والے کو عوض عطا فرما، دوسرا کہتا ہے کہ الٰہی بخیل کو بربادی دے۔ (بخاری و مسلم)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا ہے گنتی نہ خرچ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے حساب سے دے گا اور جمع کر کے نہ رکھ ورنہ اللہ بھی جمع کرلے گا (تجھے نہیں دے گا) جہاں تک تجھ سے ہو سکے تھوڑی دے (کچھ نہ کچھ دیتی رہ) بخاری و مسلم۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے کعبہ کے مالک کی وہ گھاٹا پانے والے ہیں، میں نے عرض کیا وہ کون، فرمایا وہ جو زیادہ مالدار ہیں لیکن اس حکم سے وہ مالدار مستثنیٰ ہیں جو اس طرح اور اس طرح آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے دیتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ بخاری و مسلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، دوزخ سے قریب ہے اور جاہل سخی عبادت گذار بخیل سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت میں ایک درخت ہے۔ (جس کی ٹہنیاں جنت سے باہر جھکی ہوئی ہیں) پس جو شخص اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ اس آدمی کو جنت کے باہر نہیں رہنے دیتی (اٹھا کر اندر لے جاتی ہے) اور کنجوسی دوزخ میں ایک درخت ہے (جس کی شاخیں دوزخ سے باہر ہیں) پس جو شخص اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ اس آدمی کو دوزخ کے اندر لے جائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ بیہقی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان

مرفوعاً منقول ہے کہ خیرات دینے کی طرف جلد جلد آگے بڑھو کیونکہ مصیبت خیرات کو کود کر (تمہارے پاس) نہیں پہنچ سکتی، رواہ رزین۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ اللہ حکمت عطا فرماتا ہے، حکمت سے مراد ہے مفید صحیح علم اور اس کے مطابق عمل جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو، ایسا علم بغیر وحی کے نہیں حاصل ہو سکتا اور وحی انبیاء کے پاس آتی ہے لہٰذا حکمت سب سے پہلے انبیاء کو حاصل ہوتی ہے اور انبیاء کی معرفت دوسروں کو۔

ابن مردویہ نے بطریق جویبر از ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حکمت سے مراد قرآن ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن سے مراد ہے تفسیر قرآن کیونکہ قرآن تو نیک بد سب ہی پڑھتے ہیں۔

مَنْ يَشَاءُ (جس کو چاہتا ہے) یہ مفعول اول ہے (الحکمۃ مفعول دوم ہے) اس جگہ اہمیت مفعول دوم کی تھی اس لئے اس کو مفعول اول سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ میں فعل مجہول ذکر کیا کیونکہ اصل مقصد حکمت کا ذکر ہے، (فاعل کا ذکر اس جگہ اصل مقصد نہیں ہے) يُؤْتَ جمہور کی قرأت ہے یعقوب کی قرأت میں يُؤْتِ ہے۔

فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا جس کو حکمت عطا کی گئی بلاشبہ اس کو بہت بڑی خیر دے دی گئی، خیراً میں تنوین عظمت خیر کو ظاہر کر رہی ہے یعنی ایسی خیر جس کے اندر دونوں جہان کی بھلائیاں موجود ہوں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین (کے مسائل) کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں (دینی احکام) تقسیم کرنے والا (یعنی بتانے والا) ہوں دیتا (یعنی بھیجتا) اللہ ہے۔ متفق علیہ

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے صرف تین اعمال (کا سلسلہ باقی رہتا ہے)۔

۱۔ صدقہ جاریہ (جیسے کنواں، سبیل، مدرسہ، سڑک، مسافر خانہ وغیرہ)، ۲۔ وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں (جیسے تالیف کی ہوئی کوئی کتاب یا متقی عالم شاگرد) ۳۔ صالح اولاد جو والدین کے لئے دعا کرے۔ رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے اس کو بھی نیکی کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ رواہ مسلم

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے عابد پر عالم (دین) کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام ستاروں پر چودھویں کے چاند کی۔ علماء (اسلام) انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء نے میراث میں کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی ہے جو اس میراث کو لیتا ہے وہ بڑے نصیب والا ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابو امامہ باہلی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا دو آدمی ہیں ایک عابد دوسرا عالم، عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری برتری، پھر فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام زمین آسمان والے یہاں تک کہ سوراخوں کے اندر چیونٹیاں اور پانی کے اندر مچھلیاں سب اس شخص پر رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے (یعنی معلم خیر پر اللہ رحمت نازل کرتا ہے اور تمام مخلوق اس کے لئے دعاء رحمت کرتی ہے)۔ رواہ الترمذی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ یعنی نصیحت پذیر نہیں ہوتے مگر دانشمند، مراد یہ ہے کہ صرف خیر اور دوسرے احکام کے متعلق اللہ نے جو آیات نازل فرمائی ہیں ان سے نصیحت اندوز اور خداداد علوم پر غور کرنے والے صرف وہی سمجھدار لوگ ہوتے ہیں جن کا فہم وہم کی مداخلت اور شیطانی خیالات سے پاک ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ ایسا تفکر صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کامل طور پر نفس (امارہ) فنا ہو جائے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ ہو تھوڑا ہو یا بہت سب کے سامنے ہو یا چھپا کر

تو راستہ میں ہو یا غلط راستہ میں۔

أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ (اور جو اللہ کی نذر مانتے ہو یعنی اللہ کی فرمانبرداری کا جو کام (عبادت ہو یا مالی صرف) تم اپنے اوپر واجب کر لیتے ہو، خواہ نذر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو (جیسے اللہ اگر میرا یہ کام کر دے گا تو میں دس روزے رکھوں گا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دوں گا) یا بلا شرط ہو۔

فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ (بلا شبہ اللہ اس کو جانتا ہے) تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

وَمَا لِلظَّالِمِينَ یعنی جو لوگ بے جا حرکتیں کرنے والے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے مانی ہوئی نذریں پوری نہیں کرتے یا دکھاوٹ کے لئے دیتے ہیں یا گناہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

مِنْ أَنصَارٍ (ان کا کوئی مددگار نہیں کہ اللہ کے عذاب کو دفع کر سکے)۔

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ یعنی اگر تم لوگوں کے سامنے خیرات دو بشرطیکہ دکھاوٹ کے لئے نہ ہو تو یہ عمل اچھا ہے، (ابن کثیرؒ) ورشؒ اور حفصؒ نے اس آیت میں اور سورۃ النساء میں نِعِمَّا کو نون اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، قالون اور ابو بکر اور ابو عمرو نے نون کا تو کسرہ پڑھا ہے مگر عین کی حرکت کا اخفاء کیا ہے اور سکون عین بھی جائز ہے باقی قاریوں نے نون کا فتحہ اور عین کا کسرہ پڑھا ہے یہ سب لغات صحیح ہیں۔

وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور اگر اہل احتیاج کو تم چھپا کر دو تو یہ فعل سب کے سامنے دینے سے بہتر اور افضل ہے، حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھپا کر خیرات کرنا رب کے غضب (کی آگ) کو بجھاتی ہے اور عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھاتا ہے رواہ الطبرانی بسند حسن۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس روز اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا اس روز سات (قسم کے) آدمیوں کو اللہ اپنے سایہ میں لے لے گا۔

۱۔ خلیفہ عادل (یا منصف حاکم) ۲۔ وہ جوان جس کی اٹھان اللہ کی عبادت میں ہوئی ہے ۳۔ وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد بھی واپس آنے تک مسجد میں ہی اٹکا رہے ۴۔ وہ دو آدمی جو اللہ کی خوشنودی کے لئے باہم محبت کرتے ہیں، باہم اکٹھے ہوتے ہیں تب تو بھی اللہ اور الگ الگ چلے جاتے ہیں تب اسی غرض سے ۵۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کی یاد کرتا ہے اور روتا ہے ۶۔ وہ شخص جس کو کوئی بڑے حسب والی خوبصورت عورت اپنی طرف گناہ کے لئے بلاتی ہے اور وہ کہتا ہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۷۔ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں کچھ دیتا ہے اور اتنا چھپا کر دیتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا (بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی مرفوعاً روایت ہے فرمایا تین آدمی ہیں جو اللہ کو پیارے ہیں ایک وہ جو رات سے اٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے دوسرا وہ جو دائیں ہاتھ سے راہ خدا میں کچھ دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے بھی چھپا کر دیتا ہے، تیسرا وہ جو کسی جہادی دستہ میں ہو ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمن کے مقابل ثابت قدم رہے، (ترمذی)۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور تین آدمی ہیں جن سے اس کو نفرت ہے جن سے اللہ کو پیار ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس ایک آدمی بغیر کسی استحقاق قرابت کے محض اللہ کے واسطے کچھ مانگنے آیا لیکن کسی نے کچھ نہ دیا صرف ایک آدمی لوگوں کی نظر سے بچ کر ہٹ گیا اور جا کر سائل کو اتنا چھپا کر کچھ دیا کہ اللہ کے اور دینے والے کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوا، دوسرا یہ کہ ایک جماعت رات بھر (دشمن سے ڈرنے کے سبب) سفر کرتی رہی جب (آخر رات کو) ایسا وقت آیا کہ لوگوں کو ہر مساوی المرتبہ چیز سے نیند زیادہ محبوب ہو گئی اور سب نے سونے کے لئے اپنے سر رکھ دیئے تو ایک آدمی کھڑا ہو کر مجھ سے دعا کرنے اور میری آیات کی تلاوت کرنے لگا۔ تیسرا وہ شخص جو کسی جہادی دستہ میں تھا مقابلہ کے وقت (ساتھی) شکست کھا کر بھاگ نکلے مگر یہ شخص دشمن کے مقابل اس وقت تک

ثابت قدم رہا کہ شہید ہو جائے یا اللہ فتح عنایت کر دے۔ جن تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے وہ یہ ہیں: زنا کرنے والا بوڑھا، اترانے والا فقیر اور ظالم غنی (ان تینوں کے پاس اپنے گناہ کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، بڑھاپے میں جوش جوانی نہیں ہوتا کہ زنا پر مجبور ہو، فقیر کے پاس دولت نہیں ہوتی کہ فخر و غرور کرنے کا سامان ہو، مالدار اپنے گزارے کے لئے کسی کی حق تلفی پر مجبور نہیں ہوتا کیونکہ خود مالدار ہوتا ہے)۔ رواہ الترمذی والنسائی۔

وَيُكَفِّرُ یہ قرأت حفص اور ابن عامر کی ہے ابن کثیر، ابو عمرو اور ابو بکر نے نُكَفِّرُ پڑھا ہے بہر حال یہ جملہ فعلیہ ہے اور ماقبل پر معطوف نہیں، یہ جملہ اسمیہ ہے جس کا مبتدا محذوف ہے یعنی نَحْنُ نُكَفِّرُ، اللّٰهُ يُكَفِّرُ نافع، حمزہ اور کسائی نے نُكَفِّرْ پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف موضع فھو خیر لکم پر ہے اور دخول فاء مقام جزا ہے اس لئے جزم ہونا چاہئے۔

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ہم تمہارے گناہ ساقط کر دیں گے یعنی زائد ہو یعنی کہ ہم تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اس وقت بعض صغیرہ یا بعض صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھپا کر خیرات کرنا گناہ (کی آگ) کو بجھا دیتی ہے۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر من حدیث ابی سعید الخدریؓ۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۝ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یہ چھپا کر دینے کی ترغیب ہے، (کہ تمہاری پوشیدہ خیرات ضائع نہ ہوگی)۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ آپ پر ان کا ہدایت یافتہ ہو جانا لازم نہیں، نسائی، طبرانی، بزاز اور حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ لوگ اپنے رشتہ دار مشرکوں کو کچھ دینا پسند نہیں کرتے تھے، یہ بات حضور اقدس ﷺ سے دریافت کی تو آپ نے (رشتہ دار مشرکوں کو دینے کی) اجازت دے دی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی، ابن ابی شیبہ نے حضرت محمد بن حنفیہ کی مرسل روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے، ابن ابی حاتم نے حضرت عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اہل اسلام کو خیرات دینے کا حکم دیتے تھے اس پر یہ آیت اتری، اس کے بعد ہر مذہب کے آدمی کو خیرات دینے کا حکم حضور نے دے دیا، بغوی نے سعید بن جبیر کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مرسلاً سعید بن جبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اپنے دین والوں کے علاوہ کسی کو خیرات نہ دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد حضور ﷺ نے تمام مذاہب والوں کو خیرات دینے کی اجازت دے دی مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی غرض سے جو آپ غیر مسلموں کی امداد سے مسلمانوں کو روک رہے ہیں تو ایسا نہ کیجئے کیونکہ غیر مسلموں کو ہدایت یافتہ بنا دینا آپ کا ذمہ نہیں، کلبی نے شان نزول اس طرح نقل کی ہے کہ مسلمانوں کی کچھ سسرالی رشتہ داریاں یہودیوں سے تھیں اسلام سے پہلے یہ یہودیوں کی مدد کرتے تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے یہودیوں کو کچھ دینا مناسب نہیں سمجھا اور (ہاتھ روک لیا) مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں (کیونکہ ان کی امداد کے سوا ان یہودیوں کے گذران کا کوئی ذریعہ نہ تھا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے کیونکہ ہدایت اسی کی طرف سے اور اسی کی مشیت سے ہوتی ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ اور جو کچھ تم خیرات کرو گے یا مال خرچ کرو گے، خیر سے مراد ہے صرف خیرات یا مال۔

فَلِاَنْفُسِكُمْ تو خود اپنے لئے کرو گے یعنی اس کا نفع لوٹ کر تم کو ہی ملے گا لہٰذا دینے کے بعد نہ فقیر پر احسان رکھو نہ ناپاک مال راہ خدا میں خرچ کرو۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ واؤ حالیہ ہے تُنْفِقُوْا کی ضمیر فاعل ذوالحال ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو کچھ خیرات کرو جس کی غرض سوائے خوشنودی رب کے حصول کے اور کچھ نہ ہو تو وہ تمہارے ہی لئے مفید ہو گی یا واؤ عاطفہ ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانو تمہاری خیر خیرات تو صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے پھر کیا وجہ کہ اپنی خیرات کا احسان

فقیر پر رکھتے ہو یا پاک مال دیتے ہو گویا یہ جملہ خبریہ ہے کہ جس میں مسلمانوں کے حال کے تقاضے کو بیان کیا ہے یا وَمَا تُنْفِقُوْنَ لفظاً جملہ منفی ہے اور معنی کے لحاظ سے نہی ہے مراد یہ ہے کہ تمہاری خیرات کا مقصود خوشنودی رب کی طلب ہونی چاہئے سوائے رضائے خدا کی طلب کے اور کسی غرض کے لئے خیرات نہ دو، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ سوائے رضائے خداوندی کی طلب کے اور کسی غرض کے لئے خیرات کرنا ممنوع ہے ورنہ مفت میں مال کی بربادی ہو گی اور مفت مال کی بربادی ناجائز ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ اور جو مال راہ خدا میں تم صرف کرو گے وہ پورا پورا تم کو ادا کیا جائے گا یعنی اس کا ثواب کثیر چند در چند تم کو ملے گا، چونکہ یُوَفَّ کے اندر ادا کرنے کا معنی ہے اس لئے اس کے بعد الیٰ لایا گیا یا یہ مطلب ہے کہ جو مال راہ خدا میں تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا البدل تم کو دیا جائے گا (گویا اس آیت میں اس فرشتہ کی دعا کی قبولیت کی صراحت ہے جو کہتا ہے کہ الٰہی خیرات کرنے والے کو عوض عطا فرما، یہ حدیث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں جملوں کے درمیان حرف عطف ذکر کیا گیا ہے حالانکہ بظاہر یہ جملہ شرطیہ سابق جملہ شرطیہ کی تاکید ہے اس لئے حرف عطف نہ ہونا چاہئے، حرف عطف کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ آخری جملہ سے پہلے جملہ کی صرف تاکید ہی مقصود نہیں ہے بلکہ منت نہی اور بے زر رسانی کی برائی کو الگ الگ دلائل سے مدلل کرنا مقصد ہے پہلے جملہ کا مفاد یہ ہے کہ جس چیز کے دینے میں خود تمہارا فائدہ ہے اس کے دینے کا فقیر پر احسان رکھنا درست نہیں، دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو دینے سے تمہارے پیش نظر صرف اللہ کی خوشنودی کا حصول ہے اس کا فقیر پر احسان رکھنا تو گویا ایسے شخص سے عوض کی طلب کرنا ہے جس سے عوض مانگنے کے لئے عطا نہیں کی گئی تیسرا جملہ اس مضمون پر دلالت کر رہا ہے کہ جس چیز کا ایک بار بھی بدل لے لیا جائے اس کا احسان نہیں ہوتا جیسے بیع، جب اپنی چیز کی قیمت لے لیتا ہے تو خریدار پر اس کا احسان نہیں ہوتا اور تم کو تو کئی گنا معاوضہ ملے گا پھر فقیر پر تمہارا کیا احسان۔

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ اور تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی یعنی تمہارے اعمال کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا۔

صدقہ فرض (زکوٰۃ عشر وغیرہ) صرف مسلمانوں کو دیا جائے گا، غیر مسلم کو دینا جائز نہیں، ہاں صدقہ نفل (یعنی وہ خیرات جو فرض نہیں) غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے، صدقہ فطر، کفارہ اور مال نذر کے متعلق علماء کا مسلک مختلف ہے امام اعظمؒ کے نزدیک ذمی (غیر مسلم) کو بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کا حکم عام ہے لیکن ذمی کو زکوٰۃ دینے کا عدم جواز (اس آیت سے نہیں بلکہ) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نکلتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کو (وصول زکوٰۃ کے لئے) بھیجا تو فرمایا ان کے دولت مندوں سے فرض زکوٰۃ وصول کی جائے اور انہی کے غریبوں کو لوٹا کر دے دی جائے، (متفق علیہ) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے کتاب اللہ کے عمومی حکم کو اس سے مقید کیا جا سکتا ہے (لہٰذا حدیث کا تقاضا ہے کہ ذمی کو زکوٰۃ نہ دی جائے اگرچہ کتاب اللہ میں حکم عام ہے فقراء مسلم ہوں یا ذمی سب کو زکوٰۃ دینا آیت کی رو سے درست ہے مگر حدیث نے فقراء مسلمین کے لئے زکوٰۃ کو مخصوص کر دیا)

ابن ہمام (شارح ہدایہ) نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ عام ہے لیکن بالاجماع حربی کافر کو مخصوص کر لیا گیا ہے (اور حربی کافر کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار دے دیا گیا ہے) اس کی وجہ دوسری آیت کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ الخ (یعنی اس آیت کی وجہ سے حربی کافر کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار پایا) جب ایک آیت کے حکم کی دوسری آیت سے ایک بار تخصیص ہو گئی (اور عام مخصوص البعض ہو گیا) تو پھر (دوبارہ) خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز ہے (لہٰذا ذمی کو بھی اس حکم سے از روئے حدیث خارج کر دیا گیا اور ذمی کافر کو بھی زکوٰۃ دینا ناجائز قرار دے دیا گیا)۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اس کا تعلق وَمَا تُنْفِقُوْا سے ہے یعنی جو مال راہ خدا میں تم فقراء کو دو گے یا اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے گزشتہ فعل اس محذوف پر دلالت کر رہا ہے اس لئے دوبارہ ذکر فعل کی ضرورت نہیں یعنی فقراء کو دینے کا قصد کر دیا ہو کچھ خرچ کرو وہ فقراء کیلئے خاص کر دو یا لِلْفُقَرَآءِ خبر مقدم ہے اور جملہ مؤخر محذوف ہے یعنی فقیروں کا تم پر حق ہے۔

أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (ان فقراء کے لئے جن کو راہ خدا میں روک دیا گیا ہے (کہ دوسرے کام نہیں کر سکتے) یعنی ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل یا جہاد میں مشغول ہیں۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ کہ وہ علم اور جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتے (اور روزی نہیں کما سکتے)۔

يَحْسَبُهُمُ ابو جعفر، ابن عامر، عاصم اور حمزہ نے يَحْسَبُ بروزن يَسْمَعُ سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے يَحْسِبُ بکسر سین لیکن اگر فعل میں بجائے فاء کلمہ کے حرف علت نہ ہو تو مضارع مکسور العین ہونا شاذ ہے۔

الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ یعنی ان کے حال سے ناواقف لوگ ان کو اس وجہ سے غنی سمجھتے ہیں کہ وہ سوال سے بچتے ہیں، تعفف (باب تفعل کا مصدر) عفت سے بنا ہے اس سے مراد ہے قناعت کی وجہ سے سوال کو ترک کر دینا۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ یعنی اے پیغمبر آپ ان کو محتاجی اور مفلسی کو ان پر ہونے والی نشانیوں سے پہچان سکتے ہیں مطلب یہ کہ بھوک اور دکھ کی وجہ سے چہروں کی زردی اور لباس کی بوسیدگی فرسودگی سے ہی وہ پہچانے جا سکتے ہیں، سیما کسی چیز کی وہ خصوصی علامت جس سے وہ چیز پہچانی جاتی ہے۔

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، الحاف سے مراد ہے سائل کا مسئول سے چمٹ جانا اور بغیر لئے نہ چھوڑنا، مطلب یہ ہے کہ وہ عموماً لوگوں سے سوال نہیں کرتے اسی وجہ سے ناواقف ان کو غنی جانتے ہیں مگر ان کی خصوصی نشانیاں ان کی محتاجی کو بتاتی ہیں اور اگر کبھی مانگتے بھی ہیں تو لپٹ کر چمٹ کر نہیں مانگتے بعض علماء نے کہا آیت میں مطلق سوال کی نفی مراد ہے یعنی وہ کسی سے مانگتے ہی نہیں کہ اصرار کرنا پڑے۔

إِلْحَافًا مفعول مطلق بیان نوع کے لئے ہے گویا الحاف (اصرار) ایک طرح کا سوال ہی ہے یا مصدر بمعنی اسم فاعل ہو کر لَا يَسْأَلُونَ کی ضمیر سے حال ہے یعنی لپٹتے ہوئے لوگوں سے نہیں مانگتے۔

ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ یہ لوگ اہل صفہ (چبوترہ پر پڑے رہنے والے) تھے ان کی تعداد کوئی چار سو تھی، یہ لوگ مہاجر تھے مدینہ میں نہ ان کا کوئی گھر کا تھا نہ خاندان، قبیلہ، مسجد میں رہتے تھے اور ہر وقت عبادت اور مسائل دین سیکھنے میں لگے رہتے تھے (جبکہ جہادی دستوں میں بھی رسول اللہ ﷺ ان کو بھیج دیا کرتے تھے۔ اللہ نے لوگوں کو ان کی امداد کی ترغیب دی تھی اس لئے شام کو جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانے کی چیز ہوتی وہ لاکر ان کو دے دیتا تھا۔

عطا بن یسارؒ نے قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے مساوی (چاندی) موجود ہو اور وہ سوال کرے تو وہ سائل بالالحاف ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والنسائی۔

حضرت زبیر بن عوام راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی رسی لے کر (جنگل کو جاکر لکڑی کاٹ کر) گٹھا باندھ کر پشت پر لاد کر (بازار میں) لائے (اور فروخت کرے) اور اس طرح اللہ اس کی آبرو بچالے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے وہ دیں یا نہ دیں (رواہ البخاری)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور کچھ خیرات اور سوال کرنے سے پرہیز رکھنے کا بیان فرما رہے تھے دوران بیان میں فرمایا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص لوگوں سے کچھ مانگے حالانکہ

(سوال سے) غنی بنا دینے والی (مقدار) اس کے پاس موجود ہو تو قیامت کے دن اس سوال سے اس کے منہ پر خراشیں پڑی ہوں گی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ غنی کر دینے والی مقدار کیا ہے فرمایا پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی۔

حضرت سہل بن حنظلہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں سوال کرے کہ اس کے پاس غنی کر دینے والی (مقدار رزق) موجود ہو تو سمجھنا وہ (بچنے کے لئے) آگ بڑھانا چاہتا ہے۔ نفیلی راوی کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ (کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ مقدار کیا ہے جس کی موجودگی میں سوال کرنا درست نہیں فرمایا جس سے صبح اور شام کا کھانا بن سکے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ایک دن رات کی پوری خوراک۔ رواہ ابو داؤد۔

میں کہتا ہوں کہ (احادیث مذکورہ میں بظاہر اختلاف ہے) کتنے مال کی موجودگی سوال کو حرام کر دیتی ہے اس کی تعیین میں احادیث مذکورہ کا باہم تعارض ہے اس تعارض کو اس طرح اٹھایا جا سکتا ہے کہ احادیث کے اختلاف کو لوگوں کے احوال کے اختلاف پر محمول کیا جائے مثلاً جس کے پاس آج کے لئے کھانا پورا ہو اور کل کے لئے مل جانے کی امید ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں لیکن اگر کل کو بھی میسر آنے کی امید نہ ہو تو سوال کرنا حلال ہے اور اس وقت تک سوال کرنا جائز ہے کہ جب تک آئندہ کھانا میسر آنے کی امید نہ ہو جائے جس کے پاس کھانا تو بقدر ضرورت ہو مگر ستر عورت کے لئے لباس نہ ہو یا دوسری ضرورتیں پوری کرنے کی سبیل نہ ہو اس کے لئے اپنی ضرورت کے موافق سوال کرنا درست ہے۔ رہی چالیس درہم کی مقدار تو یہ ہر سوال کو حرام کر دیتی ہے (چالیس درہم کا مالک نہ کھانا مانگ سکتا ہے نہ کپڑا نہ کوئی اور ضرورت کی چیز۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (تم جو مال راہ خدا میں خرچ کرو گے اللہ اس سے بخوبی　ع ۵

واقف ہے۔ اس کلام میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب ہے خصوصاً مذکورہ بالا فقراء کو دینے کی (یعنی) تمہارا دیا ہوا اللہ کے علم میں ہے کبھی اس کا ثواب ضائع نہ ہوگا اس لئے بے تردد خدا کی راہوں میں صرف کرو۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال رات دن پوشیدہ اور ظاہر صرف کرتے ہیں یعنی ہر وقت اور ہر حالت میں دیتے ہیں جب کسی محتاج کی حاجت سامنے آتی ہے فوراً اس کو پورا کرتے ہیں قطعاً تاخیر نہیں کرتے　نہ وقت کو ساعت ملتے ہیں بالکل)

ابن منذرؒ نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق ہوا ان دونوں بزرگوں نے جیش عسرت (تبوک کو جانے والے تنگ حال مجاہدین کے لشکر) کو خرچ دیا تھا۔

ابن جریر، عبدالرزاق، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) کے حق میں ہوا۔ آپ کے پاس چار درہم تھے آپ نے ایک درہم رات کو ایک درہم دن کو ایک چھپا کر اور ایک علانیہ خیرات کیا تھا بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ جب آیت للفقراء الذین احصروا الخ نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے بہت سارے دینار اصحاب صفہ کو بھیجے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رات میں ایک وسق چھوارے بھیجے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ دن میں علانیہ خیرات سے حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف کا بھیجا ہوا روپیہ اور رات کو پوشیدہ خیرات سے

۱؎ امام احمدؒ نے بروایت ابن ابی ملیکہ نقل کیا ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار چھوٹ کر گر گئی تو آپ نے اونٹ کو بٹھا کر خود اتر کر اٹھائی لوگ کہتے کہ حضرت آپ نے ہم کو حکم کیوں نہ دے دیا ہم اٹھا دیتے فرماتے میرے حبیب ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگوں۔ مفسر رحمہ اللہ

۲؎ خموش یا خدوش خراشیں، خدوش خدش کی جمع ہے، خدش کا معنی ہے لکڑی یا کسی اور چیز سے کھال کو اکھاڑ دینا۔ کدوح بھی خموش کا ہم معنی ہے اور کدوح اس نشان کو بھی کہتے ہیں جو خراش یا دانت سے کاٹنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ کدوح صحت جمع کا صیغہ ہے۔ نہایہ۔ مفسر رحمہ اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیچے ہوئے چھوڑے مراد ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو
درداء رضی اللہ عنہ، مکحول اور اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو جہاد کے لئے
گھوڑے پالتے تھے گھوڑوں کو رات دن پوشیدہ اور علانیہ چارہ دیا جاتا تھا۔ یہ قول ابن ابی حاتم اور طبرانی نے بحوالہ یزید بن عبد اللہ
بن غریب، رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے مگر یزید اور عبداللہ دونوں مجہول ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی
ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھتے ہوئے کوئی گھوڑا راہ خدا میں
کام کرنے کیلئے پرورش کرتا ہے تو گھوڑے کا کھانا، پینا، لید، پیشاب (سب کچھ) قیامت کے دن اس کی میزان میں رکھا جائے گا۔ (
اور نیکیوں کی تول میں آئے گا) رواہ بخاری۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (تو ان کا اجر اللہ کے پاس
مخصوص ہے نہ ان کو (کسی حق تلفی یا عذاب کا) خوف ہوگا نہ وہ (کسی فوت شدہ چیز پر) غمگین ہوں گے) فَلَهُمْ خبر ہے اور
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ مبتدا۔ فاء سببیت کے لئے ہے (یعنی فاء کا ماقبل فاء کے مابعد کا سبب ہے) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی مِنْهُمْ اس صورت میں فَلَهُمْ کی فاء عاطفہ ہوگی اور جملہ کا جملہ پر عطف
ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (جو لوگ سود کھاتے ہیں) اَلرِّبٰوا کو الصَّلٰوة کی طرح واؤ کے ساتھ ان لوگوں کے
نزدیک لکھا جاتا ہے جو اس کو مُفَخَّم پڑھتے ہیں اور الربوا کی کتابت میں واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ واؤ جمع کے
مشابہ ہے۔

لَا يَقُوْمُوْنَ (یعنی وہ اپنی قبروں سے نہیں اٹھیں گے عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن سلام کی
روایت سے یہی مطلب لکھا ہے۔

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (مگر اس طرح اٹھیں گے جیسے جن کے چھپٹے
میں آیا ہوا شخص اٹھتا ہے، شیطان سے مراد جن۔ خبط کا معنی ہے سخت ضرب جس کے ساتھ بگاڑ بھی ہو۔ قاموس میں ہے
خَبَطَهُ الشَّيْطٰنُ وَتَخَبَّطَهُ (الشيطان) مَسَّهُ بِأَذًى فلاں شخص کو جن نے چھو کر دکھ پہنچایا۔ اَلْمَسُّ سے مراد ہے جنون یا چھو جانا،
من المس کا تعلق یقوم سے ہے یا یتخبط سے مطلب اس طرح ہوگا کہ سود خور قبروں سے اس طرح ہی اٹھیں گے جیسے
جن کے چھپٹے میں آیا ہوا آدمی جنون زدہ ہو کر اٹھتا ہے اور شیطان اس کی عقل خراب کر دیتا ہے یا (اگر مس کا معنی لمس یا
جائے تو) یہ معنی ہوگا کہ وہ اس طرح اٹھیں گے جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان کے چھو جانے سے دکھ پہنچ گیا ہو یعنی
جن کے چھو جانے سے اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ جسمانی بیماری، مرگی اور جنون بھی جن کے چھو جانے سے پیدا ہو جاتا ہے
اس لئے آیت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ جن کے چھو جانے سے مرض کا پیدا ہو جانا قرآن سے بھی ثابت ہے اور
حدیث سے بھی۔ قرآن میں حضرت ایوب کے قصہ میں آیا ہے رَبِّ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ اور حدیث
رسول اللہ ﷺ میں استحاضہ کے بیان میں ہے کہ یہ شیطان کی ایک رکز (ایڑ) لگنے سے ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ
عرب کا خیال تھا کہ جن انسان کو خبطی بنا دیتا ہے۔ عرب ہی کے گمان کے موافق آیت میں اظہار کیا گیا (یعنی واقع میں تو جن
انسان کا کچھ نہیں بگاڑتا یہ صرف دور جاہلیت کا مفروضہ اور مسلمہ تھا اسی مفروضہ کے ساتھ سود خور کے قیام کو تشبیہ دی) لیکن
جب مس جن سے مرض پیدا ہو جانا کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں۔ سود خوروں کے
پیٹوں کو بھی بڑھا چڑھا کر اللہ ان کو کوٹھڑیوں کی طرح کر دے گا جن کے اندر سانپ بھرے ہوں اس لئے وہ بوجھل ہو کر ٹھیک
طرح کھڑے نہ ہو سکیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج کے قصہ میں فرمایا پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے

کر بہت سارے آدمیوں کے پاس پہنچے ان میں سے ہر ایک کا پیٹ بڑی کوٹھڑی کی طرح تھا یہ لوگ فرعون کے ساتھیوں کی گزرگاہ میں بالکل سامنے تھے فرعونیوں کی پیشی صبح شام دوزخ پر ہوتی ہے۔ فرعونی لوگ بھڑکائے ہوئے اونٹوں کی طرح جو اندھا دھند پتھروں اور (چھوٹے موٹے) درختوں کو روندتے چلے جاتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں سامنے سے (دوڑے) آرہے تھے جب ان ثقیل لوگوں کو ان کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ کھڑے ہونے لگے (تاکہ راستے سے ہٹ جائیں) لیکن ان کے پیٹ ان کو لے جھکے آخر وہ پچھڑ گئے پھر ایک شخص اٹھنے لگا لیکن اس کا پیٹ اس کو لے جھکا اور وہ پچھڑ گیا غرض وہ ہٹ نہ سکے اور فرعونی ان پر آپہنچے اور آتے جاتے ان کو روندتے رہے ان پر یہ عذاب برزخ میں دنیا و آخرت کے درمیان ہو رہا تھا حضور ﷺ نے فرمایا فرعونی کہہ رہے تھے الٰہی کبھی قیامت برپا نہ کرنا کیونکہ قیامت کے روز اللہ فرمائے گا کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے یہ نہیں اٹھیں گے مگر اس طرح جیسا کہ جن زدہ آدمی جن کے چھونے کی وجہ سے اٹھتا ہے۔ (رواہ البغوی)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں میں ایسے لوگوں پر پہنچا جن کے پیٹ سانپ بھری کوٹھڑیوں کی طرح تھے اور پیٹ کے باہر ہی سے سانپ نظر آرہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ سود خور ہیں (رواہ احمد وابن ماجۃ) ابو یعلیٰ نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن وہ لوگ اسی علامت سے پہچان لئے جائیں گے وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر جس طرح جن زدہ لرزتا اٹھتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ سود خور قیامت کے دن پاگل دیوانہ (ہو کر) اٹھے گا۔ طبرانی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی اسی طرح نقل کیا ہے مگر اس روایت میں مجنون خبطی کا لفظ ہے۔

آیت کا معنی اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ سود خور سود خوری کے مقام سے دیوانہ کی طرح ہی اٹھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سود کا لقمہ کھاتے ہی سود خور کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز اس کو جاتی رہتی ہے جس طرح دیوانہ کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔

بات یہ ہے کہ لقمہ حرام اس کے بدن کا جز بن جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے دوسرے گناہ چونکہ بیرونی ہوتے ہیں اس لئے ان سے اندرونی جوہر نہیں بدلتا عارضی احوال کا تغیر ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سود خور پر لعنت کی ہے اور سود خوری کو زنا سے بھی سخت قرار دیا ہے۔ مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اتنا زائد نقل کیا ہے کہ (حضور ﷺ نے لعنت کی ہے) سود کے لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر (بھی) اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔ نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے لیکن اس روایت میں گواہان سود کی جگہ زکوٰۃ روکنے والے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی جو سود کا ایک درہم دانستہ کھاتا ہے اس کا جرم چھتیس بار زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ احمد والدارقطنی۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی اسی طرح منقول ہے اس روایت میں حسب نقل بیہقی اتنا زائد ہے۔ جس کا گوشت حرام کی پرورش ہو آگ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود ستر گناہ (کا

مجموعہ) سے جس میں سب سے چھوٹا گناہ ماں سے زنا کرنا ہے۔ رواہ ابن ماجہ والبیہقی

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ یہ عذاب اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ یعنی یہ عذاب ان کے کفر اور حرام کو حلال قرار دینے کی وجہ سے ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عذاب مذکورہ صرف کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مؤمن سود خور جس کو اپنے گناہ کا اقرار ہو اس عذاب میں نہیں پڑے گا۔ آیت میں عذاب کے دوامی ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ لا یقومون میں غیر معین مستقبل کی نفی ہے مستقبل کا کوئی حصہ مقرر نہیں اور نفی کے اندر مصدر ہوتا ہے تو گویا غیر معین مصدر کی نفی ہوئی اور نکرہ جب نفی کے بعد آتا ہے تو نفی عمومی اور استغراقی ہوتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ دوامی عذاب صرف کافروں کے لئے ہے۔ اگر کوئی مؤمن سود خوری کا مرتکب ہو تو اس کو یہ عذاب ہوگا ضرور مگر (دوامی نہ ہوگا) نبی کی شفاعت یا رب کی (براہ راست) رحمت اور توحید و رسالت محمدیہ ﷺ کے اقرار کی وجہ سے جاتا رہے گا۔

آیت میں کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے ترتیب الفاظ کو الٹ دیا ہے ہونا تو چاہئے انما الربوا مثل البیع سود بیع کی طرح ہے لیکن انہوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح تھا گویا سود کو اصل قرار دیا اور بیع کو اس کے مشابہ۔ (مطلب یہ کہ سود تو حلال ہی ہے اور بیع بھی منفعت خیزی میں کسی قدر سود کی طرح ہوتی ہے اس لئے وہ بھی درست ہے غرض اصلی صرف فائدہ اندوزی ہے)۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ فخر الاسلام (بزدوی) نے لکھا ہے کہ لغت میں بیع مالی تبادلہ کو کہتے ہیں شریعت میں بھی اسی تبادلہ مالی کو بیع کہا گیا ہے۔ مگر باہم رضامندی کی شرط شرعاً اندر لگا دی گئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لغوی معنی میں تراضی کی شرط خود ہے بغیر رضامندی کے اگر مالی تبادلہ ہو تو اس پر غصب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اختیار اور تراضی کے لئے اچھے برے اور نفع نقصان کی تمیز ضروری ہے اسی لئے پاگل اور نا سمجھ بچہ کی بیع اجماعاً درست نہیں (کیونکہ ان کے اندر قوت تمیز نہیں ہوتی) البتہ سمجھدار بچہ کی بیع کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی بیع بھی درست نہیں کیونکہ اس کی سمجھ ناقص ہوتی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمدؒ کے نزدیک درست ہے مگر اس کے سرپرست کی رائے کا شامل ہونا ضروری ہے کیونکہ نقصان عقل کی وجہ سے اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے جب سرپرست کی رائے بھی اس کے موافق ہو جائے گی تو ضرر کا اندیشہ جاتا رہے گا۔ یہ شرط شریعت نے خود لگائی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ دوسری آیت میں ہے وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ۔

بیع سے مبادلہ مالی کا ایجاب و قبول ہوتا ہے اور ایجاب و قبول حقیقت میں کلام ہے (بائع مشتری سے کہتا ہے یہ مال اتنے کو لے لے اور مشتری بائع سے کہتا ہے کہ یہ مال اتنے کو دیدے) لیکن شرعاً ایجاب و قبول کے لئے ماضی کے صیغے مقرر کئے گئے ہیں ایک کہتا ہے میں نے بیچ ڈالا دوسرا کہتا ہے میں نے قبول کیا خرید لیا۔ لیکن اگر (دست بدست) لین دین ہو اور الفاظ نہ استعمال کئے جائیں (جس کو بیع بالتعاطی کہتے ہیں) تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ لین دین لفظی ایجاب و قبول کے قائم مقام مان لیا جائے گا۔ ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بیع بالتعاطی کم قیمت چیز کی تو ہو جائے گی اعلیٰ چیز کی نہ ہوگی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا (قوی) قول یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قوی قول یہ ہے کہ بیع بالتعاطی قطعاً نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اصل مقصد باہمی رضامندی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ اور تعاطی بھی باہمی رضا پر دلالت کرتی ہے۔

عقد بیع کرنے والے کو شرعی ولایت حاصل ہونا ضروری ہے خواہ مالک ہو یا وکیل (مختار ایجنٹ) یا وصی یا عزیز قریب وغیرہ (یعنی مشتری اور بائع خود روپیہ اور مال کے مالک ہوں یا طرفین میں سے کسی نے ان کو خرید و فروخت کیلئے مقرر کیا ہو وغیرہ)۔

مسئلہ - بیع فضولی (کوئی غیر متعلق شخص جو بائع اور مشتری کی اجازت دینے سے پہلے بائع مشتری کے نام پر کچھ لین دین کرے) کے متعلق علماء کا اختلاف ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کے نزدیک اس کی فروخت درست ہے (اور بائع بعد میں اس کی خرید فروخت کو جاری اور قائم رکھ سکتا ہے) کیونکہ بعد میں حاصل ہونے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہو جائے گی (گویا اس کو پہلے سے فروخت کا اختیار حاصل تھا) مگر بعد میں مالک کی اجازت ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک فضولی کی خریداری بھی بعد میں مشتری کی اجازت پر موقوف ہے بشرطیکہ فضولی نے یہ کہا ہو کہ میں فلاں شخص کیلئے خرید رہا ہوں تم فلاں شخص کیلئے اپنا یہ مال فروخت کردو لیکن اگر فضولی نے خریدتے وقت یہ نہ کہا ہو کہ میں فلاں شخص کیلئے خرید رہا ہوں تو خریداری اسی فضولی کی مانی جائے گی (اور اصل مشتری اس کو نہیں سمجھا جائے گا) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قدیم قول یہی ہے لیکن شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قوی قول یہ ہے کہ فضولی کی بیع ہی درست نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دونوں قول مروی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکیم بن حزام سے فرمایا تھا جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کو فروخت نہ کر۔ ابن جوزی نے بسند عمرو بن شعیب نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز تیرے پاس نہ ہو اس کی بیع (تیرے لئے) جائز نہیں ورنہ اس چیز کا تجارتی نفع (تیرے لئے) جائز ہے جو تیری ذمہ داری میں نہ ہو۔

ہم کہتے ہیں اس حدیث میں بیع سے مراد وہ بیع ہے جس میں بائعیت (یعنی جن کے لئے خرید و فروخت کی گئی ہو) کی طرف سے مطالبہ ہو سکے یعنی بیع بالذات۔ پس حدیث کی مراد یہ ہے اس بیع کی ممانعت جس کا مال وقت بیع بائع کے پاس موجود نہ ہو بلکہ بیع پہلے کر دے اور پھر کہیں سے خرید کر لا کر مشتری کو دیدے۔

حضرت حکیم بن حزام کا قصہ ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ بعض لوگ میرے پاس کیا سامان خریدنے آتے ہیں جو میرے پاس (اس وقت) نہیں ہوتا میں فروخت کر دیتا ہوں پھر بازار جا کر خرید کر ان کو دیدیتا ہوں سرکار عالی ﷺ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو فروخت کیا کرو۔ بروایت یوسف رضی اللہ عنہ بن مالک از حکیم یہ حدیث امام احمد اور اصحاب سنن نے نقل کی ہے اور ابن حبان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی صحیح میں بیان کی ہے اس روایت میں یوسف رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ مجھ سے حکیم نے یہ حدیث بیان کی۔ بعض اسنادوں میں یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان عبد اللہ بن عصمہ کا نام آتا ہے لیکن شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ کو ضعیف اور ابن حزم نے مجہول قرار دیا ہے مگر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جرح کی تردید کی ہے۔ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت لی ہے اور نسائی نے اس کی روایت حجت میں پیش کی ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ ہم دلیل میں عروہ بارقی کی روایت کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکیم کو ایک دینار دے کر ایک بکری خریدنے بھیجا حکیم نے ایک دینار کی دو بکریاں خریدیں۔ ایک بکری تو ایک دینار کو فروخت کر دی اور دوسری بکری اور ایک دینار لا کر خدمت اقدس میں پیش کر دی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تمہارے ہاتھ کی خرید و فروخت میں برکت عطا فرمائے چنانچہ (اس کے بعد) اگر حکیم مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا تھا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی و ابن ماجہ والدار قطنی۔

لیکن اس کی اسناد میں ایک راوی سعید بن زید بھی ہے جس کو قطان اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے مگر ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے مسلم نے بھی (یہ حدیث) سعید ہی کے واسطہ سے اپنی صحیح میں نقل کی ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک راوی ابو سعید لمازہ بن زیاد واشی ہے جس کو مجہول کہا گیا ہے مگر ابن سعد نے اس کی توثیق اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف کی ہے اور منذری و نووی نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد حسن صحیح ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو دوسرے سلسلہ سے نقل کیا ہے جس کی اسناد یہ ہے کہ ابن عیینہ نے شبیب بن غرقدہ سے سنا اور شبیب نے اپنی

قوم سے اور اس کی قوم نے عروہ بارقی سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر یہ صحیح ہوتی تو میں اس کا قائل ہو جاتا۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ شبیب کی قوم چونکہ معروف نہ تھی اس لئے شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا لامحالہ یہ حدیث مرسل ہے (اور شافعی کے نزدیک مرسل قابل حجت نہیں ہے) کذا قال الخطابی بکر خی نے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس اسناد میں شبیب اور عروہ کے درمیان حسن کا نام صراحۃً آیا ہے لہٰذا حدیث کا سلسلہ متصل ہو گیا اور روایت مرسل نہیں رہی اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے اور اس کی تائید تو مسند روایت سے ہو رہی ہے جو بحوالہ ابو لبید از عروہ

ہم نے اوپر نقل کر دی ہے۔

ترمذی نے حبیب بن ابی ثابت کی وساطت سے حضرت حکیم بن حزام کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے ایک دینار دیا میں نے ایک بکری خرید کر دو دینار کو فروخت کر دی پھر ایک دینار کی ایک بکری خرید کر خدمت والا میں لا کر حاضر کر دی اور ایک دینار بھی پیش کر دیا اور حضور ﷺ سے واقعہ عرض کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تجھے خرید و فروخت میں برکت عطا فرمائے۔ پھر آپ نے بکری کی قربانی کر دی اور دینار خیرات کر دیا۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صرف اسی طریق اسناد سے آئی ہے اور کسی طریقہ سے معروف نہیں۔ لیکن میرے خیال میں حبیب نے (خود) حضرت حکیم سے سماعت نہیں کی۔ ابو داؤد نے کسی مدنی بوڑھے کی وساطت سے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بیان نقل کیا ہے بیہقی نے لکھا ہے کہ اسی (غیر معروف) بوڑھے کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

بیع کی حقیقت مبادلہ مال ہے اور مال دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) وہ مال جو بعینہ مقصود ہوتا ہے یعنی اس کی شخصیت اور ذات مطلوب ہوتی ہے اس کو عین کہتے ہیں۔

(۲) وہ مال جو بعینہ مقصود نہیں ہوتا (وہ ہو یا اس کی شکل دوسرا ہو) ایسا مال کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے اور فطری طور پر وہ دوسری (ضرورت زندگی کی) چیزیں حاصل کرنے کے کام میں آتا ہے یہ ثمن یعنی قیمت کہلاتا ہے (ثمن بننے کے لئے فطرۃً سونا چاندی معین ہے اس تقسیم کی روشنی میں بیع کی چار قسمیں ہو گئیں۔ (۱) کسی عین کی فروخت سونے چاندی کے عوض۔ اسی کو عموماً بیع کہتے ہیں لفظ بیع سے اسی مفہوم کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔ ایسی بیع میں عین مبیع (فروخت شدہ چیز) ہوتا ہے اور سونا چاندی اس کی قیمت۔ اس بیع کے لئے ضروری ہے کہ بیع کے وقت مبیع موجود اور معین ہو کیونکہ اس وقت مبیع کی ذات، صورت اور مالیت ہی مقصود ہوتی ہے۔ حضرت حکیم والی حدیث سے مبیع کا بوقت بیع موجود ہونا ضروری قرار پاتا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الکالی بالکالی کی ممانعت فرمائی ہے (کالی نسیہ کو کہتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی بعینہ سپردگی ضروری نہ ہو بلکہ وہیا اس جیسی دوسری چیز دینا اس شخص کے ذمہ میں واجب ہو جیسے کسی چیز کی قیمت دس روپیہ ہو تو کوئی معین اور خاص دس روپیہ کا نوٹ دینا ضروری نہیں کوئی ایک نوٹ ہو یا ایک ایک روپیہ کے دس نوٹ ہوں یا پانچ پانچ کے دو ہوں بہر حال دس روپیہ کی حیثیت ہو اس کا ادا کرنا خریدار کے ذمہ لازم ہوتا ہے مگر مبیع اگر موجود نہ ہو گا تو اس کی ذات معین نہ ہو گی بیچنے والے کے پاس موجود ہی نہیں ہے تو تعیین کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے لہٰذا وہ بھی کالی ہو جائے گا اور اس طرح یہ بیع الکالی بالکالی ہو گی جو بحکم حدیث ناجائز ہے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث دار قطنی نے نقل کی ہے۔ ثمن کا مشتری کے پاس موجود ہونا ضروری نہیں ہے نہ سامنے حاضر اور معین ہونا بلکہ مشتری کے ذمہ پر اس کی ادائیگی ضروری ہے کیونکہ بعینہ اس کی شخصیت اور ذات مقصود نہیں۔ قیاس کا تو تقاضا تھا کہ اگر مشتری کے پاس ثمن نہ ہو تو بیع جائز نہ ہو کیونکہ جو چیز موجود نہیں وہ (مشتری کا) مال ہی نہیں ہے (اور تبادلہ کے لئے دونوں طرف مال ہونا چاہئے)۔

لیکن اہل مدینہ کی دشواری کو دور کرنے کے لئے ثمن میں شارع علیہ السلام نے موجود ہونے کی شرط نہیں لگائی بلکہ مشتری کے ذمہ ثمن کا وجوب کافی قرار دیا لیکن اگر قیمت فوری ادا نہ کی جائے تو چار چیزوں کو بیان کرنا لازم ہے۔ مدت ادا کی تعیین، جنس ثمن، مقدار ثمن، صفات ثمن۔ تاکہ آئندہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔ آئندہ نزاع کا اندیشہ جواز بیع کو روک دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی یہودی سے کچھ غلہ خرید اور اس کے پاس اپنی فولادی زرہ رہن رکھ دی اور قیمت ادا کرنے کی مدت مقرر کر دی۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ (رواہ البخاری) اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

یہ فیصلہ باتفاق علماء ہے کہ مبیع کی تعیین ضروری ہے اور ثمن کی تعیین (سامنے موجود ہونا یا قبضہ مشتری میں ہونا) ضروری نہیں البتہ (موجود یا بعد مذکور ہونا) معلوم ہونا لازم ہے۔

(۲) دوسری بیع عین بعین (یعنی ایک جنس کا دوسری جنس سے تبادلہ) ہے اس بیع میں دونوں جانب بیع ہوتا ہے (نقد یعنی ثمن نہیں ہوتی) اس لئے جو مبیع میں شرط ہے وہی دونوں طرف یہاں شرط ہوتی ہے بشرطیکہ دونوں جانب ایسی چیزیں ہوں جو قیمت والی ہوں مثلی نہ ہوں لیکن اگر ایک جانب قیمت والی چیز ہو اور دوسری طرف مثلی ہو تو مثلی چیز ثمن اور قیمت والی چیز ثمن قرار پائے گی کیونکہ ثمن کا موجود ہونا تو ضروری نہیں ہے بلکہ مشتری کے ذمہ اس کا وجوب ہوتا ہے اور ذمہ میں کسی چیز کا وجوب اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس چیز کی مقدار اور صفت معلوم ہو لہٰذا قیمت والی چیز کا ثمن ہونا متعین ہے اور مثلی چیز کا بیع ہونا متعین ہے لیکن دونوں طرف اگر قیمت والی چیز ہو تو علماء حنفیہ کے نزدیک ایک کا وجود اور تعیین یعنی مبیع قرار پانا اور دوسری کا وجوب فی الذمہ یعنی ثمن قرار دیا جانا ضروری ہے میرے نزدیک دونوں کا موجود اور معین ہونا لازم ہے کیونکہ ایک کا ثمن اور دوسری کا مبیع ہونا یا برعکس ہونا بلا دلیل ہے ہر ایک ثمن یا مبیع بن سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے جب دونوں جنسیں مختلف ہوں تو جس طرح چاہو (کمی بیشی کے ساتھ) فروخت کرو مگر دست بدست ہونا چاہئے۔ دوسری روایت میں دست بدست کی جگہ عین بمقابلہ عین آیا ہے (یعنی دونوں موجود اور معین ہوں) دست بدست کا بھی یہی معنی ہوگا۔ اس بیع کو مقایضہ کہتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم بیع صرف ہے اس میں دونوں طرف قیمت (یعنی سونا یا چاندی) ہوتی ہے کسی جانب بیع (سونے چاندی یعنی نقود کے علاوہ کوئی چیز) نہیں ہوتی نہ تعیین کے ساتھ کسی ایک کو مبیع اور دوسرے کو ثمن قرار دیا جا سکتا ہے (کیونکہ حقیقت میں دونوں طرف ثمن ہے اور فرضی طور پر ہر ایک کو مبیع کہا جا سکتا ہے) دونوں کو مبیع کہہ سکتے ہیں لہٰذا دونوں کا موجود اور معین ہونا ضروری ہے (کیونکہ مبیع کا موجود اور معین ہونا لازم ہے) بلکہ دونوں پر مجلس عقد کے اندر ہی قبضہ واجب ہے (کیونکہ مجلس بیع کے اندر مبیع پر قبضہ کرنا لازم ہے) تاکہ قبضہ کی وجہ سے ثمن کی تعیین ہو جائے اور اس کو مبیع قرار دیا جا سکے)۔

(۴) چوتھی قسم بیع سلم ہے یہ بیع مطلق کے بالکل برعکس ہوتی ہے (بیع مطلق میں مبیع موجود ہوتی ہے اور قیمت مشتری کے ذمہ واجب ہوتی ہے قیمت کا موجود اور معین ہونا ضروری نہیں ہوتا) بیع سلم میں مبیع (یعنی خریدی ہوئی چیز) بالفعل موجود نہیں مگر قیمت موجود ہوتی ہے اور مشتری پر قیمت فی الفور ادا کرنا اور بائع کا اس پر قبضہ کر لینا ضروری ہوتا ہے) گویا قیمت مبیع کا حکم رکھتی ہے۔ مبیع کی جانب کچھ مخصوص شرطیں ہوتی لازم ہیں جن کا تذکرہ ہم آیت اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى کی تفسیر میں کریں گے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ بیع میں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے تو یہ امر واضح ہو گیا کہ مردار یا خون یا شراب یا خنزیر کی بیع درست نہیں (کیونکہ شریعت کی نظر میں یہ چیزیں مال ہی نہیں ہیں) بلکہ ہر وہ چیز جو واقع میں مال نہ ہو یا لوگ اس کو مال جانتے

ہوں مگر شریعت نے ان کی مالیت کو لغو قرار دیا ہو اس کی بیع باطل ہے۔ کیونکہ بیع کی حقیقت ہی موجود نہیں اگر ان اشیاء کو قیمت قرار دیا جائے اور کپڑا، جو تا اور اسی طرح کی دوسری (حلال) چیزوں کو مبیع بنایا جائے تب بھی بیع باطل ہے۔ مگر امام اعظم کا قول ہے کہ شراب اور خنزیر کو اگر ثمن قرار دیا ہو اور کپڑے وغیرہ کو مبیع تو بیع لغو باطل نہ ہوگی ہاں فاسد الحکم ضرور ہو جائے گی جس کو فسخ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر مشتری نے کپڑے وغیرہ پر قبضہ کرے تو کپڑے کا مالک ہو جائے گا مگر اس وقت کپڑے کی طے شدہ قیمت یعنی شراب یا خنزیر وغیرہ بائع کو نہیں دی جائے گی بلکہ کپڑے کی جو قیمت بازاری ہوگی وہ ادا کی جائے گی لیکن بیع فاسد بھی (اگرچہ مبیع پر قبضہ کے بعد مفید ملک ہو جاتی ہے مگر) گناہ ہے اس لئے بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو فسخ کر دینے کا حق ہوگا۔

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا اور اللہ نے سود کو حرام کر دیا ربوا کا لغوی معنی ہے "بیشی" اللہ نے فرمایا ہے وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ اور اللہ صدقات (خیرات) کو بڑھاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرض میں دی ہوئی رقم سے زیادہ لینے کو اور خرید و فروخت میں کسی ایک عوض کو دوسرے عوض کے مقابل زیادہ لینے دینے کو حرام کر دیا ہے۔

جمہور علماء کا قول ہے کہ آیت کا حکم مجمل ہے کیونکہ تجارتی نفع تو شرعاً حرام نہیں ہے ایک آیت میں صاف صراحت ہے کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کا فضل (تجارتی نفع) طلب کرنے میں تم پر گناہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ تجارتی نفع کی کوئی مخصوص شکل حرام ہے (جس کو آیت میں بیان نہیں کیا گیا) اور اس کا علم شارع کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا آیت مذکورہ مجمل قرار پائی (اور دوسری جگہ شارع کے بیان سے اس کی توضیح ہوئی ہے) حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت کردہ مندرجہ ذیل حدیث میں جن چھ چیزوں کے تبادلہ میں کمی بیشی کو ممنوع قرار دیا ہے وہ اجمال آیت کا بیان ہو جائے گا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض، جو جو کے عوض، چھوارے چھواروں کے عوض اور نمک نمک کے عوض برابر برابر دست بدست فروخت کرو اور جب یہ اقسام مختلف ہوں تو جیسے (کمی بیشی کے ساتھ) چاہو فروخت کرو (مگر) دست بدست (رواہ مسلم) دوسری روایت میں ہے "مت فروخت کرو سونے کو سونے کے عوض نہ چاندی کو چاندی کے عوض، نہ گیہوں کو گیہوں کے عوض نہ جو کو جو کے عوض نہ چھواروں کو چھواروں کے عوض نہ نمک کو نمک کے عوض مگر برابر برابر نقد بہ نقد دست بدست"۔ ہاں سونا چاندی کے عوض، چاندی سونے کے عوض، گیہوں جو کے عوض، جو گیہوں کے عوض، چھوارے نمک کے عوض، اور نمک چھواروں کے عوض (یعنی اختلاف جنس کے ساتھ) فروخت کرو، دست بدست جس طرح چاہو نمک کم ہو یا چھوارے یا دونوں میں سے کوئی زیادہ (اتحاد جنس کی صورت میں) جو زیادہ دے گا یا زیادہ لے گا وہ سود دے گا اور لے گا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کی طرح نقل کی ہے لیکن اس روایت کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سود دیا لیا اس میں لینے والا اور دینے والا (دونوں) برابر ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے دوسرے سلسلہ اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر ایک کو دوسرے سے نہ بڑھاؤ اور چاندی کو چاندی کے عوض نہ بیچو مگر برابر ایک کو دوسرے سے نہ بڑھاؤ اور غائب کو نقد (حاضر) کے عوض نہ فروخت کرو (رواہ البخاری و مسلم)۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نہ فروخت کرو سونے کو سونے کے عوض اور نہ چاندی کو چاندی کے عوض مگر برابر وزن کے ساتھ۔ چھ چیزوں میں حرمت ربوا کی احادیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحاح ستہ میں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے (حاکم کی) مستدرک میں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم میں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے دار قطنی میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ علیہ کی روایت سے صحیحین میں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت

سے بزاز میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیہقی میں مذکور ہیں۔ حدیث مذکورہ میں تعداد اشیاء کے پیش نظر اصحاب ظواہر (داؤد ظاہری اور ان کے متبعین) اور ابن عقیل حنبلی کا قول ہے کہ حرمت سود صرف انہی چھ چیزوں میں ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور طاؤس کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

جمہور کے نزدیک مذکورہ اشیاء میں تو حرمت منصوص ہی ہے لیکن حکم کی بنا سبب پر ہے لہٰذا جہاں سبب حرمت موجود ہوگا حکم حرمت بھی ہوگا چنانچہ ایک گروہ کے نزدیک محض مالیت علت ربوا ہے اس قول پر تمام اموال میں ربوا حرام ہوگا۔ اکثر علماء کا مسلک ہے کہ ہر جگہ علت ایک نہیں بلکہ سونے چاندی میں علت جدا ہے اور باقی چار چیزوں میں جدا ہے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چاندی سونے میں ثمنیت کو علت قرار دیتے ہیں پس سونے چاندی کے علاوہ جو چیزیں بطور ثمن استعمال کی جاتی ہوں ان میں بھی کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک وزن علت ہے پس جو چیزیں وزن سے فروخت ہوتی ہوں جیسے لوہا، رنگ، زعفران وغیرہ ان سب میں ربوا حرام ہے۔ باقی چاروں چیزوں میں جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں کا پیمانہ اور ناپ سے فروخت ہونا حرمت ربوا کی علت ہے خواہ وہ کھائی جاتی ہوں یا نہ کھائی جاتی ہوں یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے دوسری روایت کے اعتبار سے امام احمدؒ کے نزدیک جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں کا مطعوم ہونا علت ربوا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنسیت اور غذائیت علت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق کسی چیز کا مطعوم ہونا اور مکیل یا موزونی ہونا علت حرمت ہے لہٰذا جو مطعوم (کھائی جانے والی) چیز ناپنے یا وزن سے بکتی ہو اس میں حکم ربوا ثابت ہے لیکن اگر مکیل یا موزونی نہ ہو جیسے انڈے تو اس میں ربوا حرام نہیں۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول یہ ہے کہ جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں چیزوں کا مطعوم ہونا علت ربوا ہے لہٰذا تمام کھائی جانے والی چیزوں میں پھل ہوں یا سبزیاں، ترکاریاں، دوائیں (مثلاً سقمونیا وغیرہ) جنسی اتحاد کی صورت میں ربوا حرام ہے گویا شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اثمان میں ثمنی ہونا اور باقی چیزوں میں خوردنی ہونا علت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک خوردنی اشیاء میں قابل غذائیت ہونا علت ہے۔ دونوں قولوں کی دلیل یہ ہے کہ شارع نے ان چیزوں میں برابر برابر ہونے اور دست بدست قبضہ کر لینے کی شرط لگائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کی نظر میں یہ چیزیں عظمت اور وقعت رکھتی ہیں جیسے نکاح کے لئے شہادت کی شرط بتا رہی ہے کہ عورت سے تمتع اندوزی ایک باوقعت چیز ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس حکم کی علت بھی ایسی مستنبط کی جائے جو باوقعت اور عظمت والی ہو اور ظاہر ہے کہ اشیاء کا خوردنی بلکہ غذائی ہونا بہت ہی وقعت رکھتا ہے کیونکہ اس سے بقاء حیات وابستہ ہے اور ثمنیت میں بھی غیر معمولی اہمیت ہے کیونکہ ثمنیت سے ہی تمام چیزوں کا حصول ہوتا ہے لہٰذا یہی دونوں چیزیں علت ربوا ہیں، اتحاد جنسی اور وزن یا پیمانہ سے فروخت ہونے کی اس میں کوئی دخل نہیں اس سے ان اوصاف کو ہم نے اصل علت نہیں قرار دیا بلکہ شرط ضروری قرار دیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حکم کا تحقق شرط پر موقوف ہوتا ہے شرط مفقود ہو تو حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے جیسے زناء کی سزا سنگسار کرنا ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ زناء کرنے والا محصن ہو (اگر محصن نہ ہوگا تو اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا)۔

اس کے علاوہ حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خوردنی ہونا علت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا طعام طعام کے عوض برابر برابر فروخت کرو رواہ مسلم۔

دیکھو (طعام مشتق ہے طعم سے اور) مشتق پر حکم کا لگانا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ ماخذ اشتقاق (یعنی مصدر) علت حکم ہے۔ لہٰذا طعام سے طعام کے تبادلہ کی حرمت کی علت دونوں کا مطعوم ہونا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علت کا مناسب حکم ہونا ضروری ہے، ماخذ اشتقاق بھی مشتق پر حکم مرتب ہونے کی علت اسی وقت ہوگا جب مناسبت رکھتا ہو لیکن یہاں آپ کی بیان کردہ علت غیر مناسب ہے کیونکہ جس چیز سے بقائے حیات وابستہ ہے اور جس کی حاجت بیش از بیش ہے اس میں تو عمومی اجازت ہونی چاہئے (شرائط اور قیود سے) تنگی نہ ہونی چاہئے جیسے پانی گھاس (وغیرہ) کی حلت عمومی اور مطلق ہے اس کے علاوہ یہ کہ طعام

مشتق ہی نہیں ہے (ہر وہ چیز جس میں طعم ہو طعام نہیں ہوتی) بلکہ گندم اور جو جیسی چند اجناس کو طعام کہتے ہیں، مخاطب لفظ طعام سے انہی چیزوں کو سمجھتا ہے۔ عرب باوجودیکہ چھوہاروں اور کھجوروں کے زیادہ ضرورت مند تھے اور زیادہ تر ان کی خوراک انہی سے ہوتی تھی لیکن لفظ طعام سے وہ چھوہارے نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتحاد جنسی اور مکیلی یا موزونی ہونا، علت حرمت ہے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حرمت سود کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا مال تلف ہونے سے محفوظ رہے۔ اس حفاظت کے لئے ہی ناپ تول کی شرط ہوئی ہے اور ناپ تول میں عدل رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے فرمایا وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ دوسری جگہ فرمایا، وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ، رسول اللہ ﷺ نے بیشی کو حرام قرار دیا اور برابر برابر لین دین کو واجب کیا اور مساوات کی شناخت صرف پیمانہ کی ناپ یا تول سے ہوتی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ کیل اور وزن کو ہی علت قرار دیا جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کا اعتبار کیا ہے اور فرمایا ہے جو موزون ہو اس کو برابر برابر جبکہ وہ ایک نوع کی ہو اور جو مکیل ہو اس کا بھی اسی طرح تبادلہ کرو اور جب نوعیں الگ الگ ہوں تو کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبادہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث دار قطنی نے بیان کی ہے حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سواد بن غزیہ کو خیبر کا امیر بنا کر بھیجا سواد نے وہاں کے عمدہ چھوہارے خدمت مبارک میں پیش کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہوتے ہیں سواد نے عرض کیا جی نہیں حضور (ﷺ) ہم گھٹیا کے مخلوط کے دو صاع دے کر ایک صاع اور تین صاع دے کر دو صاع خرید لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو بلکہ اس کو قیمت سے بیچ دیا کرو پھر اس قیمت سے یہ خرید لیا کرو، یہی حکم ترازو کا یعنی ان چیزوں کا ہے جو تولی جاتی ہیں۔ (رواہ دار قطنی)

میری رائے میں آیت (ربوا مجمل نہیں ہے کیونکہ مجمل وہی ہوتا ہے جس کے معنی دماغی کاوش اور غور کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکیں بلکہ صرف شارع کے بیان سے ہی معلوم ہوں لیکن آیت (ربوا ایسی نہیں ہے ہاں اس میں ایک طرح کا اشکال ضرور ہے جو غور کرنے سے حل ہو جاتا ہے توضیح مقصد یہ ہے کہ (ربوا کا لغوی معنی ہے زیادتی جس کے مقابلہ میں کمی اور نقصان کا لفظ آتا ہے مساوات اور برابری سے بیشی ہو جانا اور بڑھ جانا۔ مثلیت کا یہی مفہوم دوسری آیت میں بھی مراد ہے اللہ نے فرمایا فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ یعنی جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو اور اتنی ہی تم اس پر کرو گویا عدوان کا بدلہ برابر اور مساوی واجب ہے، بیع اور قرض میں بھی یہی مساوات اور برابری واجب ہے۔ اب جو چیزیں مکیل یا موزونی ہیں یعنی پیمانوں سے ناپ کر یا وزن کر کے لی جاتی ہیں ان میں تعدی کا ضمان تعدی کے برابر ہوگا اور یہ برابری ظاہری بھی ہوگی اور معنوی بھی یعنی ویسی ہی جنس اتنی ہی مقدار میں۔ یہی ہوگی لیکن جو چیزیں مثلی نہیں ہیں بلکہ قیمت سے ان کا تعین ہوتا ہے ان میں ظاہری مثلیت تو ممکن ہی نہیں صرف معنوی برابری ملحوظ ہوگی اور ایسی چیزوں میں عدوان کے عوض ان کی قیمت دی جائے گی قیمت سے مراد ہے وہ قیمت جو بازار کے بصیرت رکھنے والے لوگ اس چیز کی قرار دیتے ہوں اور چونکہ زمانہ کے اختلاف اور خواہش مندوں کی کمی بیشی سے قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے قیمت والی چیزوں میں نقصان کرنے کا بدلہ بھی کم و بیش ہوتا رہتا ہے یہ تو ضرر رساں کے تاوان کی صورت تھی۔ رہے اشیاء کے تبادلے تو مثلی چیزوں کے باہمی تبادلہ میں اتحاد جنسی کی صورت میں مقداری برابری ہونا لازم ہے اور اختلاف جنسی کی صورت میں صرف معنوی برابری ہونا کافی ہے خواہ دونوں چیزیں مثلیات میں سے ہوں یا ایک مثلی ہو اور دوسری غیر مثلی کیونکہ اختلاف جنسی ہونے کی وجہ سے ظاہری برابری ممکن ہی نہیں ہے۔

ضرر رسانی کے تاوان اور تبادلہ اشیاء (بیع وغیرہ) دونوں کا حکم اس صورت میں ایک ہی ہے دونوں میں معنوی مساوات کافی ہے فرق یہ ہے کہ ضرر کے تاوان کی مثلیت کا فیصلہ اہل بصیرت اور قدر مالی کے ماہروں کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ مالک نے

سے مال کی کوئی قیمت پیسے سے مقرر نہیں کی اور تبادلہ اشیاء کی صورت میں فریقین اپنے اپنے مال کی قیمت کی تعیین پیسے سے کر چکتے ہیں اور ایک چیز کو دوسری کے مثل قرار دے چکتے ہیں لہٰذا ان کا باہمی فیصلہ مثلی اقدار معلوم کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جنس مختلف ہو تو جس طرح (کمی بیشی کے ساتھ) چاہو فروخت کرو اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مکیلی اور موزونی چیزیں اگر متحد الجنس ہوں تو ان کی باہمی خرید و فروخت مساوات مقداری کے ساتھ ہونی چاہئے کمی بیشی ناجائز ہے (ربو حرام ہے) نیز ایک طرف سے فوری قبضہ اور دوسری طرف سے ادھار بھی درست نہیں طرفین کا دست بدست قبضہ ہونا چاہئے کیونکہ فوری قبضہ اور عدم قبضہ سے اشیاء کی اقداریت میں فرق آ جاتا ہے نقد کی مالی قدر ادھار سے زائد ہوتی ہے اس لئے اگر ایک طرف سے فوری قبضہ اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد قبضہ کا وعدہ ہو گا تو سود کی شکل پیدا ہو جائے گی اور مساوات باقی نہیں رہے گی یہ بھی درست نہیں کہ فوری ادا کرنے والا تاخیر ادا کے عوض مقدار میں کچھ بیشی کر دے اور اس طرح فوری لینا اور تاخیر سے اس کا معاوضہ دینا باہم برابر ہو جائیں کیونکہ تاخیر ادا کے عوض مقدار کی بیشی کوئی معنی نہیں رکھتی تاخیر تو ایک وصف (یعنی عرض) ہے اور مقداری بیشی نفس شی کی بیشی ہوتی ہے تاخیر ادا کا مقابلہ نفس شے کی بیشی سے کس طرح کیا جا سکتا ہے دس درہم نقد لے کر گیارہ درہم ادا کرنے کا وعدہ کرنا اور ایک زائد درہم کو مدت کی تاخیر کا عوض قرار دینا دس کو گیارہ کے مساوی نہیں بنا سکتا شریعت نے اس کی ممانعت کی ہے اسی طرح کھری چیز کے عوض بری چیز زیادہ دینا اور اول الذکر چیز کے کھرے پن کا عوض بری چیز کی بیشی کو قرار دینا بھی درست نہیں، مقدار زائد تو زائد ہی رہے گی ہم مقدار والی کھری چیز کا وزن کھرے پن سے نہیں بڑھ جاتا اور نہ بری چیز اپنی بیشی کی وجہ سے کھری بن سکتی ہے۔

حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بروایت حضرت ابو سعید و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جو حدیث ہم نقل کر چکے ہیں اس میں اس کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

لیکن اگر ناپ تول میں دونوں چیزیں برابر ہوں لیکن ایک کھری ہو اور دوسری خراب تو کیا ایک کا کھرا پن سود پیدا کر دیتا ہے۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ کھرے پن کا کوئی اعتبار نہیں مقدار کی مساوات میں کسی ایک چیز کے کھرے پن سے کوئی فرق نہیں آتا اس لئے وصف جودت موجب ربو نہیں۔

صاحب ہدایہ نے اس قول کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ کھری اور بری (اجناس) برابر ہیں، اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یقیناً کافی دلیل ہے لیکن اگر حدیث کی صحت ثابت نہ بھی ہو تب بھی ہم کہیں گے کہ اوصاف کا صحیح اندازہ اور قدر اصلی کی حدود کی تعیین ممکن نہیں اس لئے وصف جودت و ردائت ناقابل اعتبار ہے، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر وصف کے تفاوت کو موجب (ربو) قرار دیا جائے گا تو بیع شراء کا دروازہ بند ہو جائے گا میں کہتا ہوں کہ دروازہ تو بند نہیں ہو گا کیونکہ ردی چیز کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے کھری چیز خریدی جا سکتی ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سواد بن غزیہ کو) حکم دیا تھا ہاں قرض کا دروازہ بند ہو جائے گا اللہ نے فرمایا ہے وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ یعنی اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق قرض وغیرہ ہو تو وہ کھری چیز کے عوض ردی چیز نہیں لیتا مگر چشم پوشی اور اغماض کرے تو خیر، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرض میں جنس کے کھرے برے ہونے کا لحاظ ضروری نہیں (کھرے کے عوض برا بھی اغماض کی صورت میں لیا جا سکتا ہے) لیکن اگر حق دار اپنے کھرے قرض کے عوض ردی چیز لینے سے انکار کر دے تو اس کو اس کا حق ہے۔

مسئلہ — کھجوروں کی چھوہاروں کے عوض اور کشمش کی انگوروں کے عوض بیع بظاہر کسی طرح درست نہ ہونی چاہئے برابر سرابر یا کمی بیشی کے ساتھ۔ جمہور کا یہی قول ہے، اسی طرح تر اور خشک گندم کا تبادلہ یا خشک اور ابالے ہوئے یا بھونے ہوئے گیہوں کا باہم معاوضہ صحیح نہ ہونا چاہئے۔ کشمش کی انگوروں کے عوض بیع کے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول (مثبت اور منفی) روایت میں آئے ہیں اور کھجوروں کی چھوہاروں کے عوض بیع کو امام جائز کہتے ہیں۔

جمہور کے قول کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

کھجوروں کے عوض بیع کے متعلق دریافت کیا گیا حضور ﷺ نے فرمایا کیا کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا تو اس وقت (جائز) نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کی ممانعت فرما دی۔ رواہ الشافعی واحمد بن حنبل ومسلم وابن حبان والحاکم والدارقطنی والبزار والبیہقی واصحاب السنن۔ من حدیث زید ابی عیاش۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ علماء روایت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کسی روایت میں ثابت نہیں کہ کسی نے اس کو ضعیف کہا ہو۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابو حنیفہ نے کہا زید ابو عیاش مجہول ہے اگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زید ابو عیاش کو نہیں جانتے تھے تو نقاد حدیث کے نزدیک تو زید مجہول نہیں۔ ابن حجر نے کہا کہ زید کی روایت ترمذی نے ذکر کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور مسلم نے کتاب الکنی میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ زید نے حضرت سعد اور حضرت عبد اللہ بن یزید کی روایت بیان کی ہے ابن خزیمہ نے عدول کی روایت کے مسند میں زید کی روایت کو نقل کیا ہے۔ دار قطنی نے زید کو ثقہ (معتبر) کہا ہے حاصل یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کی رطوبت کا شمار کھجور کے اصلی اجزاء میں نہیں ہے اور اصلی اجزاء میں مساوات معتبر ہے لیکن یہ پتہ نہیں کہ کھجور کے اندر اجزاء اصلیہ کتنے ہیں اور رطوبت کتنی ہے اس لئے چھواروں کے عوض نہ برابر برابر اس کی بیع درست ہے نہ کمی بیشی کے ساتھ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھجوریں چھواروں کی جنس سے اگر ہوں گی تو برابری کے ساتھ ان کی بیع درست ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ (اتحاد جنس کی صورت میں) برابر برابر فروخت کرو اور اگر دونوں کی جنس الگ مانی جائے تو تب بھی بیع درست ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ (اختلاف جنس کی صورت میں) جس طرح چاہو فروخت کرو۔

ہم (جمہور کی طرف سے) اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ کھجوریں اور چھوارے ہم جنس ہیں لیکن کھجوروں میں رطوبت ہوتی ہے اور اس کے اجزاء میں کھوکھلا پن ہوتا ہے اس لئے پیمانہ کی برابری کے باوجود ناپ سے کھجوروں کا چھواروں کے برابر ہونا معلوم نہیں ہو سکتا ایسا ناپ تخمین اور اندازہ کی طرح ہوتا ہے (اور دو ہم جنس چیزوں کا اندازہ سے تبادلہ درست نہیں)

جو چیزیں عددی ہیں اور مقدار کا تفاوت ان میں کم ہوتا ہے جیسے اخروٹ اور ایک ہی نوع کے جانور کے انڈے ان کا بھی (بصورت اتحاد جنس) شمار سے تبادلہ ناجائز ہونا چاہئے ظاہر حکم یہی ہے کیونکہ اجزاء کی کمی بیشی کا احتمال باقی ہے (خواہ عدد کی کمی بیشی نہ ہو) ہاں وزن سے ان کا تبادلہ درست ہونا چاہئے کیونکہ دو چیزوں میں مساوات قائم کرنے کے لئے شریعت نے وزن کا اعتبار کیا ہے۔ وزن سے ہی اس میں مساوات ہو سکتی ہے اگرچہ وزن سے ان کی خرید و فروخت نہ ہوتی ہو۔ ہاں اگر انڈے دو مختلف نوع جانوروں کے ہوں تو ان کو مختلف الجنس قرار دیا جائے گا اور ان کا تبادلہ شمار سے ہو سکتا ہے۔

مسئلہ - گندم جو کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا اور خریدنا جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک جنس سے مقرر کردہ ہر مقدار دوسری جنس کی مقرر کردہ مقدار کے مقابل مان لی جائے گی لیکن طرفین کا قبضہ فوراً ہو جانا چاہئے کسی چیز کو کچھ مدت کے بعد دینے کا وعدہ کرنے سے اس چیز کی وقعت گھٹ جاتی ہے اور نقد ادا کی ہوئی جنس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ ادھار کی یہ کمی بیشی سود ہے۔ اب اگر ایک جنس کی نقدیت کے مقابل دوسری جنس کی مقدار بڑھا دی جائے گی تو وصف نقدیت کے عوض بعض اجزاء مقدار کی زیادتی میں آئے گی اور یہ درست نہیں۔

مسئلہ - اگر لوہے یا سیسے کے عوض گیہوں فروخت کئے جائیں تو (چونکہ لوہا وزنی ہے اور گیہوں کیلی اس لئے) کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ تو بلاشبہ درست ہے لیکن قبضہ دونوں چیزوں پر دست بدست ہونا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے جب دونوں کی جنسیں الگ الگ ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو۔ یہ فرمان عام ہے۔

مسئلہ - اگر کسی جانور کا تبادلہ کیلی یا موزونی چیز سے کیا جائے تو جانور مبیع اور اس کے مقابل والی جنس ثمن قرار دی جائے گی اور ثمن کا فی الفور موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ مدت معین کے اندر قیمت ادا کرنے کا وعدہ باجماع علماء کافی ہے اور رو ئے قیاس

یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے لیکن نص اور اجماع کا فیصلہ تو قیاس کے خلاف ہو چکا ہے اس لئے قیاس واجب الترک ہے۔

مسئلہ۔ اگر کسی جانور کا تبادلہ دوسرے ہم جنس یا غیر جنس کے جانور سے کیا جائے تو بالاجماع کمی بیشی جائز ہے، لیکن کیا قبضہ طرفین کا دست بدست ہونا چاہئے یا کسی طرف تاخیر قبضہ جائز ہے اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تاخیر قبضہ بہر صورت ناجائز ہے امام شافعی اور امام احمدؒ بہر طور جواز کے قائل ہیں امام مالکؒ کا قول ہے کہ اگر جانور ہم جنس کا ہو تو تاخیر قبضہ کمی بیشی کی صورت میں ناجائز ہے اور بغیر کمی بیشی کے جائز ہے اور اگر تبادلہ غیر جنس کا ہو تو تاخیر قبضہ بہر صورت جائز ہے۔ مطلق جواز کے قائل اپنے استدلال میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا عبداللہ بن عمرو نے عرض کیا میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے، حضور ﷺ نے حکم دیا کہ تمہیں دو اونٹوں کی واپسی تک قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر کوئی سواری خرید لو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے دو اونٹ دینے کے وعدہ پر ایک اونٹ خرید لیا۔ یہ حدیث آیت اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ کی تفسیر میں بسلسلہ بیع سلم ہم ذکر کریں گے۔

امام اعظمؒ کے قول کی دو دلیلیں ہیں ایک قیاسی دوسری نقلی۔ (۱) جانور میں یہ صلاحیت نہیں کہ نقد کی طرح ثمن بن سکے اور ثمن کی طرح اس کی ادائگی بذمہ مشتری واجب ہو جائے (یہاں تک کہ تعیین کے بعد بھی اس کی تعیین نہ ہو) کیونکہ یہ نہ کیلی اور وزنی چیز ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو سکے۔ بیان سے اس کے اوصاف معلوم ہو سکتے ہیں جنس نوع اور وصف کے لحاظ سے اس کی معین حد بندی نہیں ہو سکتی حد بندی اور تعیین اصلی نہ ہونے کی وجہ سے ہی اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

(۲) امام احمد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے حضرت سمرۃ بن جندب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کے تبادلہ کی بصورت تاخیر قبضہ (خواہ ایک طرف سے تاخیر قبضہ ہو یا دونوں طرف سے) ممانعت فرمائی ہے، دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے، ترمذی اور امام احمد نے بسلسلہ حجاج بن ارطاۃ از ابوالزبیر بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جانوروں کو ایک کے عوض بیچنا خریدنا بصورت تاخیر قبضہ درست نہیں (لیکن) اگر دست بدست ہو تو کوئی حرج نہیں، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

ابن جوزی نے حضرت سمرہ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت کردہ حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان کی اسناد میں کوئی خرابی نہیں بیان کی، مثبتین جواز کی پیش کردہ حدیث سے ان احادیث کا تعارض ہو رہا ہے تو ایک اونٹ کی دو اونٹوں کی بیع والی حدیث پر ان احادیث کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ احتیاطاً حرمت والی حدیث حلت والی حدیث پر راجح ہوتی ہے اس کے علاوہ یہ کہ ہماری بیان کردہ احادیث قیاس کے موافق ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ والی حدیث مخالف قیاس ہے نیز اس حدیث کو بیع قرار دینے کی صورت میں سود کی تکرار لازم آتی ہے۔

مسئلہ۔ اگر مقتضائے بیع کے خلاف بیع میں کوئی شرط لگا دی گئی ہو اور بائع یا مشتری کا ان شرطوں میں فائدہ ہو تو ایسی بیع فاسد ہے اور حکم یہی ہے، قیاس بھی یہی ہے۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ، نخعی اور حسن کے نزدیک بیع ہو جائے گی۔ شرط فاسد ہو جائے گی (اس کو لغو قرار دیا جائے گا) ابن شبرمہ اور امام احمد کے نزدیک بیع اور شرط دونوں جائز ہیں۔ امام مالک نے فرمایا اگر شرط میں بائع کا کچھ تھوڑا نفع ہو تو درست ہے باقی شروط درست نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ ربوا میں مدت تاخیر قبضہ ایک چیز کا کم ہونا قابل اعتبار ہے ان اوصاف کے مقابل اصل بدل کے اجزاء میں اصلی مقدار ہوتی ہے جو مثلی چیزیں ہوں اور متحد الجنس ہوں ان میں مقدار کی برابری ضروری ہے اور غیر جنس ہوں تو جو قیمت مقرر ہوئی تجویز کر دی گئی ہو اس پر فی الفور قبضہ لازم ہے پس کسی قسم کی شرط جس میں فریقین میں سے کسی کا فائدہ ہو وہ بھی وصف جودت اور تاخیر قبضہ کی طرح ہے بلکہ جو شرط تقاضائے عقد کے خلاف ہو اور اس

میں بیچ کا فائدہ ہو اور بیچ فائدہ اندوز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ایسی شرط خود بھی فاسد ہے اور عقد کو بھی فاسد کر دیتی ہے جیسے کسی باندی، غلام کو اس شرط پر فروخت کرنا کہ مشتری خریدنے کے بعد اس کو آزاد کر دے گا یا باندی کو ام ولد بنالے گا۔ ابن حزم نے محلی میں، طبرانی نے اوسط میں، حاکم نے علوم حدیث میں نیز خطابی نے بروایت محمد بن سلیمان ذہلی عبد الوارث بن سعید کا قول نقل کیا ہے۔ ابن سعید نے کہا میں مکہ پہنچا تو وہاں ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سے ملا، میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا کہ کسی نے اگر بیع میں شرط فاسد لگائی ہو تو کیا حکم ہے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل۔ پھر میں نے جا کر ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ بیع جائز ہے اور شرط باطل ہے پھر ابن شبرمہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا بیع درست ہے اور شرط بھی درست ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ عراق کے تین فقیہ ایک ہی مسئلہ میں مختلف ہیں۔ آخر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر میں نے ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کی رائے بیان کی تو انہوں نے فرمایا مجھے نہیں معلوم وہ دونوں ایسا کیوں کہتے ہیں مجھ سے تو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کی روایت اور اپنے دادا کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرط (فاسد) والی بیع کی ممانعت فرمائی ہے بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل۔

اس کے بعد میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس گیا اور ان سے دونوں کی رائے بیان کی۔ ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ دونوں ایسا کیوں کہتے ہیں، مجھ سے تو ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ بریرہ کو (اس شرط پر کہ حق ولاء اس کے مالکوں کا ہوگا) خرید لوں اور آزاد کر دوں (اور شرط کے باوجود حق ولاء مالکانہ ہوگا) پس بیع جائز ہے اور شرط باطل پھر ابن شبرمہ سے جا کر میں نے واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ دونوں ایسا کیوں کہتے ہیں مجھ سے تو مسعر نے بروایت محارب بن دثار حضرت جابر کا قول نقل کیا تھا حضرت جابر کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ایک اونٹنی فروخت کی تھی اور شرط کر لی تھی کہ اس پر سوار ہو کر مدینہ تک جاؤں گا لہٰذا بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے۔

سوال

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ حدیث عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے، اکثر علماء کے نزدیک یہ مرسل ہے اور اس کے مقابل دونوں حدیثیں مسند ہیں اور مسند مرسل کے مقابل راجح اور اقوی ہے۔

جواب

کسی حدیث کو اس وقت مرسل کہا جاتا ہے جب جدہ کی ضمیر کا مرجع صراحۃً کسی روایت میں مذکور نہ ہو لیکن ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کی نقل کردہ سند میں عن جدہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص صراحۃً مذکور ہے اور اس اسناد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال نہیں ہے بیع کے ساتھ سلف (قرض) اور نہ بیع کے اندر دو شرطیں اور نہ ذمہ داری میں آئے بغیر کسی چیز کا نفع اور نہ اس چیز کی فروخت جو قبضہ میں نہ ہو۔ ترمذی نے لکھا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام مالکؒ نے مؤطا میں حضرت حکیم بن حزام کی روایت سے بیان کی ہے اور طبرانی نے بوساطت محمد بن سیرین حضرت حکیم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع کے اندر چار باتوں سے مجھے منع فرما دیا۔ بیع کے اندر سلف، بیع کے اندر دو شرطیں، جو چیز قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع، جو چیز ذمہ داری میں نہ آئی ہو اس کا نفع، (انتہی)۔ بیع کے اندر سلف ہونے کا معنی یہ ہے کہ بائع مشتری کے ہاتھ کوئی چیز اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ مشتری بائع کو کچھ روپیہ قرض دے دے یہ منفعت احد المتعاقدین (بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کی منفعت) کی ایک خاص صورت ہے۔

ابن ابی لیلیٰ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ صحیحین میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا بریرہؓ نے مجھ سے آکر کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ ادائیگی پر عقد کتابت کیا ہے سالانہ ایک اوقیہ دیا کروں گی۔ آپ اس روپیہ کی ادائیگی میں

میری مدد کیجئے میں نے کہا اگر تیرے مالک پسند کریں تو میں یکدم کل روپیہ گن دوں گی اور تجھے آزاد کر دوں گی لیکن حق ولاء میرا ہوگا۔ بریرہ نے جا کر اپنے گھر والوں سے یہ بات کہی انہوں نے اس شرط پر مکاتب کرنے سے انکار کر دیا اور حق ولاء کے بغیر راضی نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم بریرہ کو (اس کے مالکوں کی شرط پر) لے کر آزاد کر دو۔ اس کے بعد لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر (خطبہ دیا اور) حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگ ایسی شرطیں کیوں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں اگر کوئی ایسی شرط ہو جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ باطل ہے خواہ سو (بار) شرط (کر دی گئی) ہو۔ اللہ کا حکم (ہر حکم سے زیادہ) مستحق ہے اور اللہ کی قائم کی ہوئی شرط سب سے زیادہ محکم ہے۔ ولاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ بریرہؓ کے آقا اس شرط کے بغیر اس کو نہیں فروخت کر رہے ہیں کہ حق ولاء ان ہی کے لئے رہے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم خرید لو اور ان کے لئے شرط ولاء مان لو ولاء تو صرف اسی کا ہے جو آزاد کرے۔ بخاری، مسلم

رافعی نے کہا شرط مان لو کے لفظ کی روایت صرف ہشام نے کی ہے اور کسی راوی نے یہ لفظ نہیں بیان کیا ہے۔ ابن حجر کا بیان ہے کہ بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ لفظ عبدالرحمن بن ایمن کی روایت میں بھی آیا ہے۔ عبدالرحمن کی روایت از زہری مروی ہے۔ حضرت جابر والی حدیث شیخین (بخاری و مسلم) نے اس تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب مجھے جانا ہوا میں تھا تو اونٹ پر مگر میرا اونٹ کچھ کمزور ہو گیا تھا اس لئے (تیز) چل نہ سکتا تھا رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تیرے اونٹ کو کیا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کچھ کمزور ہو گیا ہے حضور ﷺ نے اونٹ کے پیچھے جا کر ڈانٹا اور اس کے لئے دعا فرمائی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا اونٹ سب اونٹوں سے آگے چلنے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب تمہارے اونٹ کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا بہت بہتر ہے آپ کی برکت کا اثر ہے۔ فرمایا کیا ایک اوقیہ قیمت پر تم میرے ہاتھ اس کو بیچتے ہو میں نے (حضور ﷺ کے ہاتھ) اس شرط پر بیچ دیا کہ مدینہ تک مجھے اس پر سوار ہو کر پہنچنے کا حق رہے گا چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ پہنچ گئے تو میں اونٹ پر سوار خدمت گرامی میں پہنچا، حضور ﷺ نے مجھے قیمت عطا فرما دی اور اونٹ بھی مجھے واپس کر دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے ہاتھ اس کو ایک اوقیہ میں فروخت کر دو میں نے فروخت کر دیا لیکن گھر تک اس پر سوار ہو کر پہنچنے کی شرط لگا لی۔ بخاری، مسلم۔ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کو اس کا قرض چکا دو اور زیادہ بھی دے دو چنانچہ حضرت بلالؓ نے ایک قیراط زیادہ دے دیا۔ ابن جوزی نے اسی حدیث سے بیع مع شرط کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ابن جوزی کی ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں جبکہ وہ حق کے مطابق ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے الفاظ یہ ہیں مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں جو شرطیں حق کے موافق ہوں۔ احادیث مذکورہ بالا میں چونکہ تعارض ہے اس لئے غور کر کے توافق پیدا کرنے کی کوشش لازم ہے تاکہ اصل مقصد واضح ہو جائے۔

پہلی حدیث ہے ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط۔ دوسری حدیث ہے المسلمون علی شروطھم ماوافق الحق من ذلک۔ حقیقت میں ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہی نہیں ہے۔ دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیع میں کچھ شرطیں باطل ہیں اور کچھ صحیح ہیں۔ خیار رد کی شرط باجماع علماء درست ہے اور ولاء کو بائع کے لئے مشروط کرنا باجماع باطل ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں جو بیع مع شرط کی ممانعت آئی ہے اس میں ہر شرط عموماً مراد نہیں ہے بلکہ بعض مخصوص قسم کی شرطیں مراد ہیں۔ لہٰذا شرطوں کی توضیح ضروری ہے کچھ شرطیں ایسی ہوتی ہیں جو خود ہی باطل قرار پاتی ہیں، بیع ان کی وجہ سے باطل نہیں ہوتی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی شرط اسی نوع کی تھی۔ کچھ شرطیں ایسی ہوتی ہیں جن سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، حضرت سمرہ والی

حدیث میں ایسی ہی شرط مراد ہے۔ بعض شرطیں ایسی ہوتی ہیں جو خود صحیح ہوتی ہیں اور ان کا مشروط بھی صحیح ہوتا ہے، حضرت س رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں جس شرط کا ذکر ہے وہ اسی نوع کی ہے۔

جو شرط خود لغو قرار پاتی ہے اور اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی اس کی ایک صورت وہ ہوتی ہے کہ مشروط علیہ کے لئے اس شرط کی پابندی ممکن ہی نہ ہو۔ جیسے بیع کے وقت یہ شرط کر لی جائے۔ مشتری اگر غلام کو خریدنے کے بعد آزاد بھی کر دے گا تو ولاء کی مستحق ہوگی یا وہ ولاء بائع کا ہوگا۔ اسی طرح اگر سو شرطیں بھی لگا دی جائیں تو نا قابل اعتبار و لغو ہیں۔ ایسی شرطوں سے بیع فاسد نہیں ہوتی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اس کا شاہد ہے۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قصہ میں شرط عتق کی صراحت نہیں ہے بلکہ بائع کے لئے ولاء کی شرط کی صراحت ہے۔ اسی نوع میں اس شرط کا بھی شمار ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہے اور بائع مشتری میں سے کسی کا کوئی خاص فائدہ بھی اس میں نہیں ہے حکم یہ ہے کہ اس کو باطل قرار دیا جائے ایسی شرط لغو ہے اس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی جیسے بائع کوئی چیز اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ مشتری عید کے موقع پر اس کو استعمال کرے یا کوئی گھوڑا اس شرط پر فروخت کرے کہ مشتری اس کو دانہ کھلا کر خوب موٹا کر دے گا۔ یہ شرطیں لغو ہیں بیع کی صحت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دوسری حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں شرط کا قابل اعتبار نہیں ہوتی بلکہ اس کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اس شرط کے ذیل میں مندرجہ ذیل صورتیں آتی ہیں مثلاً کسی نے ایسی شرط لگائی جو تقاضائے عقد میں پہلے سے داخل تھی مثلاً بائع شرط کرے کہ جب تک میرا قبضہ ثمن پر نہ ہو جائے گا۔ میں مبیع پر قبضہ رکھوں گا۔ ایسی شرط میں کوئی خرابی نہیں یہ تو تقاضائے عقد کی مؤکد ہے۔ یا مثلاً ایسی شرط جس کا اعتبار شرعاً ثابت ہے اور اس کی تردید ممکن نہیں جیسے بیع مطلق میں ادائے ثمن کی کوئی میعاد مقرر کرنا یا بیع سلم میں مبیع دینے کا کوئی وقت مقرر کرنا۔ ایسی شرط اگرچہ خلاف قیاس ہے لیکن احادیث میں اس کے جواز کی اصل موجود ہے اس لئے جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے ذیل میں ان شرائط کو بھی شمار کیا ہے جو قرن اول میں موجود تھیں مثلاً اس شرط پر جوتا خریدنا کہ بائع اس میں تسمہ ڈال کر دیگا۔

شرائط جائزہ نافذہ میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیع کے وقت بائع مشتری سے ادائے قیمت کا کوئی کفیل طلب کرے یا کچھ مال بطور رہن اپنے پاس رکھنے کی شرط کرے یہ بھی تقاضائے عقد کے خلاف نہیں بلکہ مؤکد ہے اس لئے جائز ہے۔ مقتضائے عقد ادائے ثمن ہے اور کفالت یا رہن سے ادائے ثمن کے وعدہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب اگر کفیل بیع کے وقت موجود ہو اور کفالت کو قبول کرے یا مال رہن متعین ہو اور مشتری کی اجازت سے اس پر بائع کا قبضہ ہو گیا ہو تو بیع اور کفالت اور رہن ہر ایک صحیح ہو جائے گا ورنہ (یعنی اگر کفیل وقت بیع موجود نہ ہو یا کفالت نہ کرے یا مطلوبہ رہن نہ ہو اور مشتری نے بائع کو نہ دیا ہو) اگر مشتری (عقد کے بعد) شرط پوری کر دے تو بہتر (بیع صحیح ہو جائے گی) اور ایسا بھی نہ ہو سکے تو مشتری کو ادائے ثمن کا حکم دیا جائے گا۔ ثمن ادا نہ کرے گا تو بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا۔

جو شرط بیع کو باطل کر دیتی ہے اس کی صورت مندرجہ بالا شرط کے خلاف ہوتی ہے اس میں بائع یا مشتری یا کسی اجنبی یا مبیع کا نفع ہوتا ہے اور مبیع نفع اندوزی کے قابل ہوتا ہے تو اس طرح کی شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جیسے گیہوں اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع ہی پیس کر دے گا یا اپنے گھر ایک دن یا ایک ماہ یا ایک سال رکھے گا یا کوئی کپڑا اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع ہی اس کو سی کر دے گا یا کوئی اونٹ اس شرط پر بیچنا کہ بائع اس پر سوار ہو کر مقررہ مسافت تک جائے گا یا مشتری خریدنے کے بعد مبیع کو کسی مقرر شخص کے ہاتھ فروخت کر دے گا ایسی شرط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اس میں زیادتی بلا معاوضہ ہے جو ربا ہے۔

اس توضیح کے بعد احادیث میں تعارض باقی نہیں رہا اور آیت ربوا کا مفہوم واضح ہو گیا ہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی

حدیث [illegible] مطلب [illegible] (جس شخص [illegible] کے سود [illegible] ہو)
[illegible] سے جواب [illegible] علماء نے کہا ہے کہ سود [illegible] جانے کی [illegible] ہیں۔ [illegible] شروع سے
[illegible] امام [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] ہے
[illegible] حدیث [illegible]
[illegible]
[illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] حدیث [illegible] حدیث [illegible]
[illegible] حدیث [illegible]
[illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت [illegible] رضی اللہ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

(۲) [illegible] (۳) [illegible]
[illegible] (۴) [illegible] (۵)
[illegible] اللہ و رسولہ

حضرت عمر [illegible] حضور ﷺ سے
وفات تک [illegible] سود [illegible]

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ (یعنی رسول اللہ ﷺ [illegible])
[illegible] (ﷺ کیا)

فَانتَهَىٰ (اور سود [illegible])

فَلَهُ مَا سَلَفَ (اور [illegible])
[illegible]

وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ (یعنی [illegible] اللہ کے [illegible])
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وَمَنْ عَادَ (اور [illegible])

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ([illegible])
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا (یعنی اللہ سود کی برکت دور کر دیتا ہے) اور جس مال میں سود داخل ہو جائے اس کو تباہ کر دیتا ہے حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی کا مال سود سے زیادہ ہو گا آخر کار وہ قلت کی طرف جائے گا۔ رواہ ابن ماجہ و صحیح حاکم دوسری روایت میں آیا ہے کہ سود کتنا ہی زیادہ ہو جائے اس کا انجام کمی کی جانب ہو گا۔

وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (اور بڑھاتا ہے خیرات کو) یعنی جس مال میں سے خیرات نکالی جاتی ہے اس میں برکت عطا فرماتا ہے اور ثواب چند گنا کر دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت اوپر ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور اس کو اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو۔ (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور معاف کر دینے سے اللہ عزت ہی بڑھاتا ہے اور اللہ کے لئے جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو اور اونچا کرتا ہے۔ رواہ مسلم والترمذی۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف کی روایت میں حسب صراحت امام احمد حدیث مذکورہ کے یہ الفاظ ہیں کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ روزانہ دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک کہتا ہے الٰہی خیرات کرنے والے کو عوض عنایت فرما۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ اور اللہ محبت نہیں کرتا یعنی نفرت کرتا ہے۔ اللہ قیوم ہے اور قیومیت کا تقاضا ہے کہ اس کو اس عالم سے محبت ہو لیکن محبت نفرت (بعض) میں کسی عارض کی وجہ سے ہی بدل جاتی ہے اور ایسا عارض جو محبت کو نفرت سے بدل دینے کا سبب ہو صرف کفر ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کی عیال ہے جو اللہ کی عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے وہی اس کو سب سے پیارا ہوتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن عبد اللہ۔

كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ہر اس سخت کافر سے جو حرام کو حلال بنانے پر اڑا رہتا ہے اور گناہوں میں منہمک ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی جو لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ کی طرف سے پیغمبر لے کر آئے ایمان لائے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی پیغمبروں کی زبانی اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کی پابندی کی۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور نماز ٹھیک ٹھیک پڑھی اور زکوٰۃ ادا کی نماز اور زکوٰۃ کی خصوصی بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے اعمال صالحہ کے بعد ان کا خصوصی ذکر کیا بدنی عبادتوں کی سردار نماز ہے اور مالی عبادت کی چوٹی زکوٰۃ۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ انہی کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے نہ ان کو آئندہ کا خوف ہو گا نہ گذشتہ کا غم جب کہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان اور اعمال صالحہ حاصل ہو چکی تو پھر گذشتہ زندگی اور مصائب و آلام کا کیا غم۔

ابن مندہ اور ابو یعلیٰ نے مسند میں بحوالہ کلبی بروایت ابو صالح حضرت ابن عباس کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی تھی کہ اسلام سے پہلے عمرو بن عوف ثقفی کے قبیلہ والے مغیرہ بن عبد اللہ بن عمیر بن مخزوم کے خاندان کو سودی قرض دیا کرتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عنایت فرما دی اور آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن تمام سود کو ساقط کر دیا تو بنو عمرو اور بنی مغیرہ حضرت عتاب بن اسید گورنر مکہ کے پاس آئے اور بنی مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں سے سود ساقط فرما دیا۔ تو یقیناً ہم ہی ایسے بدنصیب نہیں کہ ہم پر سود قائم ہو۔ بنی عمرو بولے ہم سے تو مصالحت اس شرط پر ہوئی ہے کہ ہمارا سود (جو لوگوں پر ہے وہ) قائم رہے گا حضرت عتاب نے یہ واقعہ حضور ﷺ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا تو مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا (اے مسلمانو اللہ سے ڈرو اور بقیہ سود چھوڑ دو) یعنی تم اللہ کے حکم کے مطابق تمہارا جو سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہو اس کو وصول نہ کرو چھوڑ دو۔

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ اگر تم دل سے ایمان رکھتے ہو کیونکہ اللہ کے حکم کی تعمیل اور اللہ کے احکام کی پابندی ہی صدقِ ایمان کی علامت ہے۔

[illegible] رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت [illegible] قبیلہ ثقیف کے چار بھائیوں کے متعلق [illegible] مسعود، عبد یالیل، حبیب، ربیعہ، یہ چاروں عمرو بن عمیر کے بیٹے تھے [illegible] [illegible] بنی مغیرہ [illegible] سود [illegible] حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید [illegible] [illegible] زمانہ جاہلیت میں قبیلہ ثقیف کے بنی عمرو [illegible] سود پر قرض دیتے تھے [illegible] [illegible] سود [illegible] ان لوگوں پر تھا اس کے متعلق [illegible] یہ آیت نازل ہوئی [illegible] [illegible] رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا خوب سن لو جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے (پامال ہو چکی) [illegible] جاہلیت کے [illegible] ساقط [illegible] (کہ اب ان کا کوئی قصاص نہ ہوگا) [illegible] [illegible] قبیلہ [illegible] [illegible] جاہلیت کا سود (بھی) ساقط [illegible] سب سے پہلے عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا سود ساقط [illegible] [illegible]

[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible] حضرت جابر رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] اس طرح نقل کیا ہے [illegible] آیت [illegible] نازل ہوئی [illegible]

[illegible] کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما [illegible] کھجوریں [illegible] [illegible] آپ لوگ اپنا [illegible] [illegible] جب [illegible] [illegible] حضرات [illegible] [illegible] (حسب وعدہ) [illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible] [illegible] آیت نازل فرمائی [illegible] حکم کی تعمیل [illegible]

(سود چھوڑ دیا)۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا یعنی اگر تم نے بقیہ سود نہ چھوڑا تو آگاہ ہو جاؤ [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] رضی اللہ [illegible] [illegible] [illegible] کو اطلاع [illegible] [illegible]

باقی [illegible] [illegible] ہو جاؤ [illegible]

بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا [illegible] کی طرف سے جنگ کی

[illegible] سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے [illegible] سود خور سے کہا جائے گا [illegible] لڑنے کے لئے ہتھیار لے لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے [illegible] رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کو پکنے کے قابل ہونے سے پہلے خریدنے کی ممانعت فرمائی [illegible] فرمایا جب کسی بستی میں سود [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] [illegible]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جس قوم میں سود [illegible] [illegible] [illegible] رشوت [illegible] دشمنوں کے خوف (کے عذاب) میں پکڑے جاتے

[illegible]

اہل حقیقت نے بیان کیا ہے۔ اللہ کی طرف سے جنگ دوزخ ہے اور اللہ کے رسول کی طرف سے جنگ تلوار ہے۔ اسی بنیاد پر بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ باغی کی طرح سود خور سے توبہ طلب کی جائے تاکہ وہ امر خداوندی کی طرف لوٹ آئے توبہ نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ سود خور کے پاس اگر اپنی حفاظت کی طاقت نہ ہو تو امام پر واجب ہے کہ اس کو قید کر دے اور جب تک توبہ نہ کرے قید رکھے اور اگر اس کے پاس حفاظتی طاقت ہو اور امام اس کو گرفتار نہ کر سکے تو وہ باغی قرار دیا جائے گا اور اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ یہی حکم ہر تارک فرض کا ہے نماز زکوٰۃ وغیرہ کا تارک اور کبیرہ گناہ کا مرتکب بشرطیکہ علی الاعلان دوسروں پر حملہ کرے سب کا یہی حکم ہے۔

رزین نے مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب اسلام سے پھر گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ لوگ (زکوٰۃ کے) اونٹ کے پاؤں کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو ملائے رکھیے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے فرمایا کیا تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے اور اسلام میں آکر کمزور ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا دین مکمل ہو گیا اب کیا میرے جیتے جی دین میں نقصان ہو سکتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ زکوٰۃ مالی فریضہ ہے اگر یہ لوگ وہ بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کریں گے جو رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو خدا کی قسم اس کی یادداشت پر میں ان سے لڑوں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق ہے۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿﴾ (یعنی اگر تم توبہ کرو گے تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے اصل سے زیادہ لے کر تم (قرض داروں پر) ظلم نہیں کرو گے اور نہ ٹال مٹول یا اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ادائے اصل میں) غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ متفق علیہ۔

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر (سود خوری کو حلال سمجھنے والے) توبہ نہ کریں تو اصل مال بھی ان کا نہ رہے گا کیونکہ حرام کو حلال قرار دینے پر اڑ جانے والا مرتد ہے اور اس کا مال مفت کی غنیمت ہے۔ بیضاوی کا یہ قول ہمارے بیان مذکور یعنی شافعی کے قول کے مطابق ہے کیونکہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتد کا کل مال غنیمت مفت ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مرتد کو قتل کر دیا گیا ہو یا بھاگ کر ... دار الحرب میں چلا گیا ہو تو اس کی حالت اسلام کی کمائی اس کے مسلمان وارثوں کو تقسیم کر دی جائے گی اور حالت ارتداد کی کمائی غنیمت مفت کے حکم میں ہو گی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی حکم کا مفہوم (مخالف) حجت نہیں ہے۔ پھر حالت اسلام کی کمائی جو وارثوں کو تقسیم ہو گی مرتد کی تو بہرحال نہ رہے گی۔ بیت المال میں داخل کی جائے یا وارثوں کو تقسیم کر دی جائے مرتد کے لئے تو دونوں صورتیں برابر ہیں اس کی ملک سے تو خارج ہو ہی جائے گا۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنی عمرو اور دوسرے سود خوروں نے کہا ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنے کی طاقت نہیں چنانچہ سب لوگ صرف اپنا اصل مال لینے پر راضی ہو گئے۔ یہ ابو یعلیٰ کی روایت کردہ حدیث کا تتمہ ہے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد بنی مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مہلت

کے جو تنگدست ہوئے مگر قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ (اور اگر کوئی تنگدست ہو) اس جگہ کَانَ تامہ ہے خبر کی ضرورت نہیں ہے یعنی اگر کوئی تنگدست قرض دار ہو۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کان کی خبر اس جگہ بھی ذکر کی گئی اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کو ذکر نہ کرنا جائز ہے جیسے اس جملہ میں ہے اِنْ كَانَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَاَكْرِمْهُ میں کہتا ہوں کہ بغوی کی مراد یہ ہے کہ غریمًا خبر محذوف ہے اصل عبارت اس طرح تھی اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ غَرِيْمًا اگر کوئی تنگدست قرض دار ہو۔ ابو جعفر کی قرات میں عُسُرَةٍ اور باقی ساتوں کی قرات میں عُسْرَةٍ آیا ہے۔

فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ تو فراخ دستی تک انتظار کا حکم ہے یا تم پر فراخ دستی تک انتظار لازم ہے (اول صورت میں جملہ محذوف ہے اور نظرۃ اس کی خبر ہے اور دوسری صورت میں نظرۃ مبتدا مؤخر ہے) یا یہ معنی ہے کہ انتظار ہونا چاہئے (اس صورت میں فعل محذوف ہوگا اور جملہ فعلیہ ہو جائے گا)۔ نافع نے مَيْسُرَةٍ کو سین کے پیش کے ساتھ اور باقی قراء نے سین کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تنگدست کو سہولت دیگا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو سہولت عطا کرے گا۔ رواہ مسلم اور ابن حبان رضی اللہ عنہ مختصراً۔

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی قرض معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اس کی مہلت دینے سے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تصدیق سے مراد مہلت دینا ہی ہو کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی مرفوع حدیث ہے جس کی مسلمان کے قرض کی ادائیگی کا وقت آ جائے اور وہ (قرض دار کو) مہلت دیدے تو ہر دن کے عوض اس کو ایک صدقہ (کا ثواب) ہوگا۔ رواہ احمد۔ مطلب یہ ہوگا کہ (وقت مقررہ پر) لینے سے مہلت دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ واضح مطلب وہی ہے جو ہم نے ترجمہ میں بیان کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن جس شخص پر سب سے پہلے اللہ کا سایہ ہوگا وہ شخص وہ ہوگا جس نے کسی تنگ دست کو ادائے قرض کی مہلت اس وقت تک دی ہو جب تک اس کو میسر آئے یا اپنا مطالبہ بالکل معاف کر دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ میں اپنے حق سے اللہ واسطے تجھے سبکدوش کرتا ہوں اور (معافی کے بعد) قرض کی تحریر جلا دی۔ رواہ الطبرانی۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ میں حدیث مذکور کی روایت ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ جو قرض دار سے (قرض کو) دور کر دے گا یا مٹا دے گا تو قیامت کے دن وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ بغوی نے حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت اسعد بن زرارہ کی اور اوسط میں حضرت شداد بن اوس کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح نقل کی ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کسی شخص سے اپنا قرض طلب کرتے تھے وہ آدمی چھپ گیا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا تنگدستی کی وجہ سے۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تنگدست ہونے کی قسم لی۔ اس نے قسم کھائی آپ نے اس کی تحریر منگوا کر اس کو دیدی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کو قرض معاف کر دے اللہ اس کو روز قیامت کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔[1]

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کی سختی دور کر دے تو چاہئے کہ وہ تنگدست کو (ادائے قرض کی) مہلت دے اور قرض (کے مطالبہ) کو ترک کر دے اور جس شخص کو اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کو قعر جہنم سے بچا کر اپنے سایہ میں لے لے اور اس پر اپنا سایہ کر دے تو اس کو چاہئے کہ مومنوں پر درشت خو نہ ہو بلکہ ان کے لئے رحم دل ہو۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ گزشتہ اقوام میں سے ایک آدمی کی جان ملائکہ نے قبض کی اور روح سے پوچھا گیا تو نے کبھی کوئی نیک کام کیا ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ ملائکہ نے کہا یاد کر لے اس نے کہا اور تو کوئی نیکی نہیں کی۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ میں لوگوں کو قرض دیدیا کرتا تھا اور میں نے اپنے کارندوں سے کہہ دیا تھا کہ فراخدست کو (ادائیگی کی) مہلت دیدیا کرو اور تنگدست سے (بالکل ہی) درگزر کر دیا کرو اللہ نے فرشتوں سے فرمایا تم بھی اس شخص سے درگزر کرو۔ (رواہ مسلم) حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت بھی مسلم میں اسی طرح ہے اور صحیحین میں حضرت حذیفہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ یعنی اگر مہلت دینے اور معاف کر دینے کی فضیلت تم جان جاؤ تو پھر یہ کام تم پر دشوار نہ ہوگا۔ (یعنی آیت میں شرط مذکور ہے جس کی جزا محذوف ہے)۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ اور اس روز سے ڈرتے رہو جس میں تم کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس سے مراد ہے قیامت کا دن یا مرنے کا دن۔ یعنی اللہ کی طرف جانے کی تیاری کرو۔ ابو عمرو اور یعقوب کی قرأت تَرْجِعُوْنَ آتا ہے اور باقی قراء تُرْجَعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ تم لوٹو گے یا لوٹائے جاؤ گے۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ پھر ہر شخص کو اس کے اچھے برے کرتوت کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ثواب گھٹا کر یا (جرم سے زیادہ) عذاب بڑھا کر ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا (سورۂ بقرہ کی) یہ آخری آیت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا اس کو سورۂ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے کنارہ پر رکھو۔ کذا قال البغوی۔ ع

ثعلبی نے بحوالہ سدی صغیر بروایت کلبی از ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اکیس روز زندہ رہے۔ فریابی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول بیان کیا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ (صرف) سات رات زندہ رہے اور وفات مبارک پیر کے دن ۳ ربیع الاول کو زوال کے بعد ۱۱ھ میں ہوگئی۔ ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ نے آیت تمدید پر وحی کو ختم کر دیا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ

(یعنی مسلمانو! جب تم آپس میں کوئی ایسا لین دین کرو جس میں دونوں میں سے کسی ایک کے ذمہ کچھ قرض ہو) ہم نے کسی ایک کی قید اس لئے لگائی کہ دونوں کے ذمہ قرض کا معاملہ ہو نادرست نہیں بازجماع غیر مقبوض کی بیع غیر مقبوض کے عوض صحیح نہیں۔ بیع الکالی بالکالی کی ممانعت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے جس کو دار قطنی نے بیان کیا ہے۔ اس آیت کا حکم بیع، سلم، اجارہ، قرض بلکہ نکاح، خلع اور صلح سب کو شامل ہے۔

بِدَيْنٍ (کسی قرض) کا اس لفظ کے اضافہ سے معلوم ہوا کہ تَدَايَنْتُمْ سے مراد بدلہ دینا نہیں ہے کیونکہ مداینہ کا معنی بدلہ دینا بھی آتا ہے (بلکہ عقد مراد ہے یعنی لین دین کا معاملہ) نیز یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آئندہ فَاكْتُبُوْهُ آرہا ہے اس میں ضمیر ہے جس کا مرجع متعین کرنا مقصود ہے۔

بِدَيْنٍ نکرہ ہے اور شرط (اذا) کے تحت آیا ہے اسلئے اس لفظ کے اندر ہر قسم کا دین داخل ہے۔ ثمن ہو یا مبیع۔ درت سے فروخت ہونے والی چیز ہو یا ناپ کے ناپ سے یا کچھ اور ہو (عددی ہو تخمینی ہو) الوجاد واجب فی الذمہ ہو یا فی الفور مقبوض ہو۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مقررہ مدت میں ادائیگی پر۔ اس لفظ کی وجہ سے وہ معاملہ خارج ہو گیا جس میں طرفین سے فوری ادائیگی ہو اس لئے مقبوض طرفین بیع کو لکھنے کی ضرورت نہیں۔

مُسَمًّى سے مراد ہے معین۔ جس دن مہینہ سنہ مقرر کر دیا گیا ہو۔ اس قید کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بیع جس میں

ثمن بذمہ مشتری قرض ہو اور سلم (جس میں ادائیگی مبیع بذمہ بائع شرط ہو) بغیر تقرر مدت کے تیج نہیں مدت اگر مقرر نہ ہو گی تو جھگڑا پیدا ہو گا۔ مدت کا تعین ہر جگہ ضروری ہے بیع میں ادائیگی ثمن کے لئے سلم میں ادائیگی مبیع کے لئے اور نکاح میں (ادائیگی مہر کے لئے) ہاں قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنی ضروری نہیں۔ وقت ادا آنے سے پہلے صاحب حق کو تقاضے کا حق نہیں اور مدت ادا ختم ہونے کے بعد مطالبہ دار کو روکنے کا حق نہیں۔ ادائے قرض کی اگر مدت مقرر کر بھی دی جائے تو مقرر نہیں ہوتی (قرض خواہ کو ہر وقت مطالبہ کا حق رہتا ہے) گویا ادا کرنے والا معین مال کو ادا کرتا ہے اگر یہ اعتبار نہ کیا جائے تو نسیہ در نسیہ کی بیع کا جواز ایک طرح کا سود ہے۔

اس آیت کی عبارت سلم کو (جس میں مبیع کی ادائیگی ایک مقرر مدت کے بعد ہوتی ہے) شامل ہے اور اس بیع کو بھی جس کی ثمن (فی الفور ادا نہیں کی جاتی بلکہ اس کی ادائیگی) کی ایک مدت مقرر کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا بھی یہی مطلب ہے آپ ﷺ نے فرمایا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ سلم جس کی ادائیگی ثمن کی ایک مدت مقرر کی جاتی ہے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور اس کی اجازت دی ہے فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ۔

یہ روایت حاکم نے مستدرک میں بیان کی ہے اور شرائط شیخین کے مطابق اس کو قرار دیا ہے اس کے راوی قتادہ از ابو حسان اعرج از ابن عباس ہیں۔ شافعی نے اپنی مسند میں اور طبرانی و ابن ابی شیبہ نے اس کو بیان کیا ہے بخاری نے بصورت تعلیق اس کو نقل کیا ہے۔

قیاس چاہتا ہے کہ سلم جائز نہ ہو یہ معدوم کی بیع ہے بیع کا اصل مقصد حصول مبیع ہے ثمن تو حصول مبیع کا ذریعہ ہوتا ہے اس کے لئے تو صرف واجب فی الذمہ ہونا کافی ہے۔ نقد کی ضرورت نہیں۔ مبیع ہی ایک چیز ہے جس پر عقد ہوتا ہے اس لئے اگر مبیع ہی موجود نہ ہو تو بیع کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کی بیع کرنے کی ممانعت فرما دی تھی جو بائع کے پاس موجود نہ ہو، لیکن بیع سلم کے جواز کی صراحت نص میں موجود ہے اور اجماع بھی اس پر ہے اس لئے تقاضائے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (مدینہ میں) تشریف لائے تو (دیکھا کہ) لوگ سال دو سال کے وعدہ پر چھواروں کی بیع سلم کرتے تھے۔ بعض روایت میں تین سال کا لفظ بھی آیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا جو پھلوں میں بیع سلم کرے تو معین پیمانے، معین وزن اور معین مدت کے ساتھ کرے، متفق علیہ۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں گیہوں، جو، چھوارے اور کشمش کی بیع بطور سلم کرتے تھے، (رواہ البخاری) ابن جوزی نے امام احمد کی روایت اس طرح نقل کی ہے، میں نے ابن ابی اوفی سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تم گیہوں، جو اور روغن زیتون کی بیع سلم کرتے تھے ابن ابی اوفی نے کہا جی ہاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم کو مال غنیمت ملتا تھا تو ہم وہ مال دے کر گیہوں، جو، چھوارے اور روغن زیتون بطور سلم خریدتے تھے میں نے کہا (کس سے خریدتے تھے) کیا اس شخص سے جس کے کھیتی ہوتی تھی یا اس شخص سے جس کے ہاں کھیتی نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے جواب دیا ہم ان سے یہ بات پوچھتے ہی نہ تھے (کہ تم کاشت کرتے ہو یا نہیں کرتے) اس قصہ کے بعد راوی نے عبد الرحمن بن ابزی سے دریافت کیا انہوں نے بھی ابن ابی اوفی کی طرح جواب دیا۔

جواز سلم چونکہ تقاضائے قیاس کے خلاف ہے اس لئے صرف اسی صورت میں جائز ہو گا۔ جب مبیع دست بدست نہ دی جائے کیونکہ نص شریعت میں اتنا ہی آیا ہے لہٰذا حکم سلم صرف اسی صورت میں ہو گا جس صورت کی صراحت شریعت نے کی ہے۔ اگر مبیع کی ادائیگی فوراً ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سلم درست نہیں ہاں امام شافعی کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ جب مبیع کی ادائیگی ایک مدت کے بعد ہونے کی صورت میں سلم درست ہے تو فی الفور ادائیگی کی صورت تو بدرجہ اولیٰ درست ہونا چاہئے یا صورت ثانیہ کو صورت اولیٰ کی طرح ہی مان لیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ سلم کا جواز صرف اس لئے ہوا تھا کہ جو نادار آدمی اپنے گھر کے مصارف سے مجبور ہو اس کو بچوں کے صرف کے لئے کچھ فوراً مل جائے آئندہ مبیع جب اس کے ہاتھ میں آئے گا (مثلاً چھ ماہ کے بعد اس کو غلہ میسر ہو گا) تو وہ ادائگی کردے گا اور مشتری کو اپنے گھر والوں کے لئے آئندہ کچھ نفع مل جائے۔ کیونکہ سلم میں اکثر مبیع کا نرخ سستا طے کیا جاتا ہے لہٰذا مبیع پر گرانی بدست قبضہ ہو اور اسی کی ادائیگی فی الفور ہو جائے تو نادار کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مسئلہ۔ باجماع علماء جواز سلم کیلئے ضروری ہے کہ مبیع کی جنس، نوع، حالت اور مقدار اس طرح بیان کردی جائے کہ اس کو ذہنی تعیین حاصل ہو جائے، پھر مدت ادا کی تعیین بھی ضروری ہو، تاکہ بقدر امکان مبیع کی تعیین ہو جائے اور آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔

جمہور کے نزدیک قیمت (راس المال) کی مقدار جاننا بھی ضروری ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر راس المال کو مشارہ سے بتا دیا ہو تو مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں، ہم اس کی تردید میں کہتے ہیں کہ کبھی قیمت کا کچھ حصہ کھوٹا ہوتا ہے اور اس جگہ تو کھوٹا ہونا معلوم ہی ہو گا کہ وہ کر کر لے لیا جائے اب اگر مقدار قیمت معلوم نہ ہو گی تو یہیں کہا جا سکتا کہ بیع سلم کے لئے کتنی قیمت ادا کی گئی اور کتنی مبیع خرید کیا اس کے علاوہ بائع بھی مبیع کو ادا نہیں کر سکتا (اس کے پاس ادا کرنے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہیں) اس لئے اصل مال واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے قیمت کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ تو محض امکانات ہیں ایسا ہوتا نہیں ہے (اور اگر ہوتا ہے تو محض اتفاقاً ہزاروں میں بھی ایک بار) تو ہم کہتے ہیں کہ سلم کا جواز قیاس کے تو خلاف ہی ہے (بظاہر اس میں سود کا شبہ نظر آتا ہے پھر اصل رکن بیع بھی مفقود ہے) لیکن شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس لئے اس کے اندر محض الوقوع صورت کو بھی واقع کی طرح مانا جائے گا (اور ممکن الوقوع احتمال سے بھی پرہیز لازم ہو گا)۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحت سلم کی ساتویں شرط یہ ہے کہ اگر بار برداری میں کچھ خرچ اور محنت پڑتی ہو تو مبیع کی سپردگی کا مقام بھی وقت عقد معلوم ہونا لازم ہے، باقی ائمہ کے نزدیک مقام سپردگی وہی متعین ہے جو مقام عقد ہے (جس جگہ بیع ہوئی ہے اسی جگہ مبیع کی ادائیگی ہو گی) امام اعظمؒ کے نزدیک آٹھویں شرط یہ بھی ہے کہ وقت عقد سے وقت ادا تک مبیع (بازار میں یا ملک میں) موجود رہنا چاہئے، جمہور کے نزدیک یہ شرط ضروری نہیں صرف ادائیگی کے وقت مبیع کا (بازار یا شہروں وغیرہ میں) پایا جانا کافی ہے (تاکہ اگر بائع کے پاس اپنی پیداوار نہ ہو تو وہ دوسری جگہ سے خرید کر ادا کر دے) کیونکہ یہ شرط شریعت کی طرف سے عائد کردہ نہیں (کسی حدیث میں مذکور نہیں) اور قاعدہ یہی ہے کہ جو شرط مذکور نہ ہو اس کو ضروری نہیں قرار دیا جاتا۔ عام احکام (جن میں کوئی قید اور شرط نہ ہو) مباح ہونے کے لئے کافی ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بناء اس حدیث پر ہے جو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ ایک نجرانی (یمنی) شخص نے بیان کیا، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میں چھوارہ کی بیع سلم اس وقت کر سکتا ہوں جب کہ درختوں پر ان کے شگوفے بھی برآمد نہ ہوئے ہوں۔ فرمایا نہیں، میں نے کہا کیوں۔ فرمایا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اس طرح کی بیع سلم کی تھی مگر اس سال ان درختوں پر شگوفے برآمد ہی نہیں ہوئے مشتری کہنے لگا میں اس وقت تک مہلت دیتا ہوں کہ (آئندہ یا تیسرے سال) درختوں میں شگوفے برآمد ہو جائیں (اس وقت میں مبیع وصول کرلوں گا) بائع نے کہا اسی سال کیلئے درحقیقت کا سودا ہوا تھا (اس سال پھل نہ آئے تو معاملہ ختم ہوا) دونوں جھگڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے آپ ﷺ نے بائع سے فرمایا کیا اس نے تیرے درختوں سے کچھ حاصل کیا ہے، اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو پھر تو کیسے اس کے مال کو حلال سمجھتا ہے جو کچھ اس سے لیا ہے واپس دے دے جب تک درختوں پر صلاح (قابل استعمال پھل) برآمد نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی بیع سلم نہ کیا کرو۔

بخاری نے ابوالبختری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کھجور کے درختوں کی بیع سلم کا

حکم پوچھا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درختوں (کی بہار) کی بیع کرنے کی ممانعت فرمادی ہے جب تک کہ ان میں صلاحیت نہ ہو جائے (یعنی قابل استعمال نہ ہو جائیں) اور نقد کے مقابل نسیئۃ چاندی کی بیع کی بھی ممانعت فرمادی ہے (یعنی چاندی بصورت نقدی دی جائے اور مبیع بصورت چاندی فی الفور ادا نہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی ممنوع ہے) میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کھجور کے درختوں کی (بہار کی) بیع سلم کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درختوں کی (بہار کی) بیع کی ممانعت کی ہے جب تک کہ وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔ میں کہتا ہوں (یہ حدیث مجروح ہے) اس میں نجرانی شخص مجہول ہے اور ابن اسحاق کے معتبر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے اور آثار کو دلیل میں نہیں پیش کیا جا سکتا لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول احتیاطاً بہتر ہے کیونکہ سلم عقد ہی ایسا ہے جس کا جواز خلاف قیاس ہے لہٰذا زیادہ سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

مسئلہ :- علماء کا اتفاق ہے کہ پیمانہ سے ناپ کر یا گز سے ناپ کر یا وزن کر کے فروخت کی جانے والی چیزوں کی بیع سلم درست ہے۔ لہٰذا اس ملک میں وہ موٹا کپڑا (جس کا عرض ۳۶ انچ یا چوالیس انچ یا ۶۰ انچ ہوتا ہے) بیع سلم کے طور پر فروخت کیا جا سکتا ہے (بشرطیکہ عرض بتادیا جائے) کیونکہ اس کپڑے میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے مگر ایسے کپڑے کے علاوہ دوسرے (متفاوت) کپڑوں کی سلم صحیح نہیں۔ رہیں وہ چیزیں جو شمار کر کے بکتی ہیں اور ان کے افراد میں تفاوت نہیں ہوتا (یا تفاوت نا قابل اعتبار ہوتا ہے) جیسے اخروٹ اور انڈے وغیرہ ان کی بھی سلم درست ہے البتہ امام احمدؒ کی طرف ایک روایت میں عدم جواز کی نسبت کی جاتی ہے اور وہ عددی چیزیں جن میں (نمایاں) تفاوت ہوتا ہے جیسے خربوزہ، تربوز، انار وغیرہ ان میں امام اعظمؒ کے نزدیک بیع سلم کسی طرح درست نہیں نہ گنتی کے اعتبار سے نہ وزن کے لحاظ سے۔ لیکن یہ حکم ان ممالک میں ہوگا جہاں یہ چیزیں گنتی سے بکتی ہیں ہمارے ملک میں تو ان کی بیع وزن سے ہوتی ہے لہٰذا ان میں یہاں بیع سلم درست ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک معدودات متفاوتہ کی بیع سلم ہر طرح جائز ہے وزناً بھی اور شماراً بھی۔ امام شافعیؒ صرف وزناً جواز کے قائل ہیں، امام احمدؒ کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے۔

مسئلہ :- امام اعظمؒ کے نزدیک جانور کی بیع سلم درست نہیں دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک درست ہے۔ موخر الذکر مسلک کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت کردہ حدیث سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو لشکر کی تیاری کا حکم دیا مگر اونٹ ختم ہو گئے (فوج کے لیے کافی نہ ہوئے) تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں (کی آمد) کی مدت کے ساتھ مشروط کر کے (لوگوں سے) لے لو (یعنی سب بقدر ضرورت اونٹ لے لو اور یہ شرط کر لو کہ جب زکوٰۃ کے اونٹ آئیں گے تو معاوضہ میں دے دیئے جائیں گے) چنانچہ حضرت عبداللہ ایک ایک اونٹ کے بدلے دو دو اونٹوں کے دینے کی شرط پر لینے لگے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے نقل کی ہے، اس کی اسناد اس طرح ہے محمد بن اسحاق، یزید بن ابی حبیب، مسلم بن جبیر، ابو سفیان، عمرو بن حریش، عبداللہ بن عمرو، حاکم نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے موافق صحیح کہا ہے۔

ابن قطان کے نزدیک یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے۔ حماد بن سلمہؒ کی روایت تو مذکورہ اسناد کے ساتھ ہی ہے۔ لیکن جریر بن حازم کی روایت میں یزید بن ابی حبیب کا ذکر نہیں ہے اور ابو سفیان کے ذکر سے پہلے مسلم بن جبیر کا ذکر ہے۔ میں کہتا ہوں ابن جوزی نے بھی تحقیق میں اسی طرح بیان کیا ہے عفان نے بروایت حماد بن سلمہ اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے ابن اسحاق، یزید، ابو حبیب، مسلم ابو سفیان عمرو بن حریش (گویا یزید سے ابو حبیب نے کہا اور ابو حبیب سے مسلم نے) ابو بکر ابی شیبہ نے عبد الاعلیٰ کی روایت نقل کی ہے اس روایت میں یزید بن ابی حبیب کا نام نہیں ہے اور ابو سفیان کا ذکر مسلم سے پہلے ہے اور مسلم کی ولدیت جبیر نہیں، کثیر بیان کی ہے۔

اس سند کی اضطراب کے ساتھ ساتھ ایک خرابی یہ ہے کہ عمرو بن حریش مجہول شخص ہے اور مسلم بن جبیر کا ذکر مجھے کہیں نہیں ملا اور ابو سفیان کی حالت محل تامل ہے۔ شیخ ابن حجر نے ابن اسحاق کی شخصیت کو مختلف فیہ کہا ہے۔ بیہقی نے اس

حدیث کو سنن اور خلافیات میں باسناد عمرو بن شعیب از شعیب از جدہ نقل کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سلسلہ کو ابن جوزی نے بھی نقل کیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جو حضرت سمرہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کو جانور کے عوض بطور نسیہ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا حسب قاعدہ تحریم والی حدیث کو حلت والی حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جانور کی بیع سلم کے عدم جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حاکم اور دار قطنی نے بروایت اسحاق بن ابراہیم بن جوتا از عبد الملک ذماری از سفیان ثوری از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کی بیع سلم سے منع فرما دیا۔ حاکم نے اس اسناد کو صحیح کہا ہے۔ ابن جوزی نے ابو زرعہ کا قول نقل کیا ہے کہ عبد الملک ذماری منکر الحدیث ہے۔ رازی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ لیکن فلاس نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اسحاق بن ابراہیم مجہول شخص ہے۔

میں کہتا ہوں شاید حاکم کو اسحاق کا علم ہو کہ اسکی روایت کو انہوں نے صحیح کہا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کا ابن جوتا کو ضعیف قرار دینا محل تامل ہے، جبکہ متعدد صحیح اور حسن طریقوں سے ابن جوتا کی روایت کردہ حدیث ثابت ہے۔ متعدد طرق سے روایت معنوی اس حدیث کے معنی کو پایہ حجت تک پہنچا دیتی ہے اس لئے ایسی حدیث سے حجت پیش کی جا سکتی ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کے ایک اثر سے بھی ہوتی ہے جس کو حماد بن ابی سلیمان نے بروایت ابراہیم نخعی بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے زید بن خویلد بکری کو کچھ مال شرکت مضاربت کے طور پر دیا، زید نے عریس بن عرقوب شیبانی سے کچھ اونٹنیاں بطور سلم خریدیں۔ جب سپردگی کا وقت آگیا تو زید نے کچھ اونٹنیوں پر قبضہ کر لیا اور کچھ اونٹنیاں واجب الادا رہ گئیں۔ عریس نادار ہو گیا، اور عمر اس کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ اصل مال حضرت عبد اللہ کا تھا اس لئے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں مطالبہ میں نرمی کا طلبگار بن کر حاضر ہوا حضرت نے فرمایا کیا زیدؓ نے ایسا کیا ہے عریس نے عرض کیا جی ہاں آپ نے دریافت کیفیت کے لئے زیدؓ کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہو گیا تو فرمایا جو کچھ تم نے لیا ہے واپس کر دو صرف اپنا اصل مال لے لو۔ اور ہمارے مال سے کسی جانور کو بطور سلم نہ خریدو۔ صاحب استنقیح نے لکھا ہے کہ اس سند میں انقطاع ہے یعنی ابراہیم نخعی اور حضرت عبد اللہ کا درمیانی راوی مذکور نہیں کیونکہ ابراہیم یا تو علقمہ کی روایت بیان کرتے ہیں یا اسود کی (علقمہ اور اسود کی وساطت کے بغیر براہ راست حضرت عبد اللہ بن مسعود کا اثر نہیں بیان کرتے)۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ ایسے بیان میں ہمارے نزدیک کوئی خرابی نہیں۔ خصوصاً ابراہیم نخعی کی مرسل حدیث تو یقیناً صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کی بیع سلم کی ممانعت فرما دی ہے تو یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ایک اور اختلافی مسئلہ بھی کرتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جانور کو بطور قرض دینا درست نہیں۔ لیکن ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے قائل ہیں اور حضرت ابو رافع کی روایت کردہ حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے ایک نوجوان اونٹ بطور قرض لیا تھا۔ جب حضور ﷺ کے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آگئے تو آپ نے فرمایا اس شخص کو دے دو صحابہؓ نے عرض کیا ہمارے پاس (وصول شدہ اموال زکوٰۃ میں) تو صرف چار سالہ عمدہ اونٹ ہیں (اور اس سے قرض نوجوان اونٹ لیا گیا تھا) فرمایا وہی دے دو، سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو بہت اچھی طرح قرض چکاتا ہے۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک آدمی کا رسول اللہ ﷺ پر کچھ حق (یعنی قرض) تھا اس نے کلام میں کچھ درشتی کی صحابہؓ نے اس (کو مارنے) کا ارادہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کو رہنے دو، حقدار کو کچھ کہنے کا حق ہے اور فرمایا اس کو یکسالہ اونٹ خرید دو، صحابہؓ نے عرض کیا ہم کو تو اس کے اونٹ سے بہتر یکسالہ اونٹ مل رہا ہے، فرمایا وہی خرید کر دے دو، تم میں سب

سے اچھا وہی آدمی ہے جو قرض چکانے میں سب سے بہتر ہو۔ بخاری و مسلم۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جانور کے اوصاف کا تعین بیان نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کو قرض دینا درست نہیں۔ جس طرح بیع نسیہ میں جانور کو ثمن بنانا یا سلم میں مبیع بنانا درست نہیں، لیکن مذکورہ بالا دو صحیح حدیثوں کے مقابل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیاسی وجہ قابل قبول نہیں، جب تک کہ یہ حدیث صحیح ثابت نہ ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان میں سلف کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو جائے گی تو جانور میں سلم کرنا اور قرض دینا دونوں ناجائز ہو جائیں گے، کیونکہ سلف کا لفظ سلم کو بھی شامل ہے اور قرض کو بھی پس بر تقدیر صحت روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ تحریم والی حدیث حلت والی حدیث سے راجح ہو گی، اور بر تقدیر عدم صحت صرف نوجوان اونٹ کو بطور قرض لینا جائز قرار پائے گا۔ کیونکہ حدیث میں اسی کا ذکر ہے اور جو حکم نص میں آجائے مگر ہو مخالف قیاس اس حکم کو اسی مسئلہ پر محدود کر دیا جاتا ہے اس پر قیاس نہیں کیا جاتا پس اونٹ پر دوسرے جانوروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اونٹ کا قرض کے طور پر لین دین بجائے خود تقاضائے قیاس کے خلاف ہے۔

... ایک شبہ ...

اگر جانور کے اوصاف بیان کرنے کے بعد بھی اس کی ذہنی تعیین نہیں ہو سکتی اور بائع کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب نہیں ہو سکتا، تو کس طرح نکاح کے مہر اور خلع کے بدل میں غلام یا باندی یا گھوڑا مقرر کیا جا سکتا ہے اور غلام یا باندی اور گھوڑا متوسط قسم کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ازالۂ شبہ :- اس جگہ دو قیاس ہیں ایک تو بیع پر قیاس (اس لحاظ سے جانور میں بیع سلم قطعاً ناجائز ہو گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیع نسیہ سے منع فرمایا ہے۔

دوسرا قیاس دیت پر (اس لحاظ سے جانور کی بیع سلم جائز ہونی چاہئے کیونکہ دیت میں اونٹوں کی ادائیگی شرعاً واجب ہے، دونوں قیاسوں میں تضاد ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جہاں مال بمال کی صورت میں اوصاف مال کی تعیین پوری پوری ہونی چاہئے (کیونکہ مال کا مال سے مقابلہ ہے) جیسے بیع اور اجارہ اور اقرار مال کے دعوے میں کچھ مال دے کر مصالحت (ان سب صورتوں میں مال کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے) لیکن جہاں تبادلہ مال بمال نہ ہو جیسے نکاح، خلع، قتل عمد کے عوض کچھ مال دے کر مصالحت اور نکاح مالی کی صورت میں کچھ مال دے کر صلح ان صورتوں میں مالی اوصاف کا تعین بیان ضروری نہیں اور دیت پر قیاس کرتے ہوئے جانور کی خرید و فروخت بطور سلم جائز ہے۔

اسی لئے علماء اسلام کا اجماع ہے کہ حرۂ حاملہ کا حملی بچہ ضرب سے ساقط کر دینے کی دیت ایک غلام یا باندی ہے اور حاملہ باندی کا جنین ضرب سے گرا دینے کی دیت غلام یا باندی نہیں بلکہ نقد روپیہ ہے جس کی مقدار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیمت جنین کا دسواں حصہ (اگر جنین لڑکا ہو) یا بیسواں حصہ (اگر جنین لڑکی ہو) ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک دیت کی مقدار جنین کی ماں کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اور جانور کے بچے کے اسقاط کی دیت اتنی ہے جتنی اسقاط سے اس جانور کی قیمت کم ہو گئی ہو، دونوں میں فرق یہ ہے کہ مال تبادلہ کی صورت میں اکثر نزاع (جھگڑا) اور ادلہ میں ٹال مٹول ہوتی رہتی ہے اور مال کا مال سے تبادلہ نہ ہو تو تاخیر اور جھگڑا کم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت مال مقصود نہیں ہوتا بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اونٹ کو قرض دینے اور بیع سلم کے طور پر خریدنے کے جواز کی وجہ شاید یہ ہو کہ عمر اور دوسرے اوصاف کے بیان کے بعد اس ملک میں اونٹوں کا باہمی تفاوت کم رہ جاتا ہو اور حقیر تفاوت ضرورت معاملات میں ناقابل توجہ ہوتا ہے (اس لئے خصوصیت کے ساتھ اونٹوں کا قرض اور بیع سلم جائز ہو)۔

تنقیح

ہر قسم کے قرض کا لین دین مقتضائے قیاس کے خلاف ہے کیونکہ اگر نقد روپیہ قرض دیا جائے گا تو بیع صرف میں نسیہ لازم آئے گا (ایک طرف سے روپیہ کی نقد سپردگی ہوگی اور دوسری طرف سے اس کے عوض کچھ مدت کے بعد نقد روپیہ کی شکل میں واپسی) اور اگر روپیہ کے علاوہ کوئی اور جنس قرض دی جائے (جس کے عوض کچھ مدت کے بعد وہی جنس واپس لی جائے) تو معدوم کی بیع لازم آئے گی اور بعض صورتوں میں نسیہ لازم آئے گا جو (بیع) سود کے حکم میں ہے لیکن ضرورت کے پیش نظر قرض لینے دینے کی اجازت شریعت کی نص میں بھی آئی ہے اور اجماع بھی اس پر ہے اس لئے علماء نے قرض کو جائز قرار دینے کیلئے ایک تاویل کی ہے۔

تاویل یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں قرض عاریت (کے حکم میں) ہے گویا قرض لینے والا قرض دینے والے کی ایک چیز استعمال کے لئے لیتا ہے (جس کو عند الطلب واپس کرنا ضروری ہے) لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو خرچ نہ کر دیا جائے تو (صرف رکھنے یا کسی اور طریقہ سے استعمال کرنے سے) کوئی فائدہ نہیں جیسے روپیہ پیسہ اور کھانے کی چیزیں۔ یہی چیزیں اگر خرچ کر دی جائیں تو بعینہ ان چیزوں کی واپسی ناممکن ہے۔ پس شریعت نے اس ضرورت کے تحت اجازت دے دی کہ نفس شئے خرچ ہو جانے کی صورت میں بالکل اسی کی طرح کوئی دوسری چیز واپس کر دی جائے (جیسے اگر ایک روپیہ یا کچھ کھانا لیا ہے اور اس کو خرچ کر دیا ہے تو ایک روپیہ دوسرا اور ویسا ہی کھانا واپس کیا جائے) قرض کا عاریت کے حکم میں ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رعایت دینے والے کی طرح قرض دینے والا بھی جب چاہے اپنا قرض واپس لے سکتا ہے خواہ قرض میعادی ہی دیا ہو جیسے عاریت دینے والا اپنی عاریت کا مطالبہ ہر وقت کر سکتا ہے۔ لہٰذا جن چیزوں کے مثل کی واپسی ممکن ہو (اصل شئے کی واپسی ممکن نہ ہو جیسے روپیہ پیسہ کھانا پھل وغیرہ) تو ان کو قرض دینا بھی جائز ہے اور جن کے مثل کے واپسی نہ ہو بلکہ اصل شئے کو واپس کرنا ضروری ہو اس کو قرض دینا بھی جائز نہیں، جیسے باندی، غلام، کپڑا، چوپایہ، مکانات وغیرہ کیونکہ اس صورت میں نفس شئی کو واپس کرنا لازم ہے ایسی چیزیں اگر کسی کو استعمال کے لئے دی جائیں تو اس کو قرض نہیں بلکہ عاریت کہا جائے گا۔ یہی بنیاد ہے جس کی وجہ سے امام اعظمؒ نے جانور، لباس اور باندی، غلام کے بطور قرض دینے کو ناجائز کہا ہے اور علماء کا اجماع ہے کہ قربت منسی کیلئے کسی کو اپنی باندی قرض دینا جائز ہے۔

مسئلہ۔ اگر قرض دار قرض خواہ کو کچھ تحفہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرے یا اپنا گھر رہنے کو دیدے اور اس سے پہلے ان کے آپس میں اس قسم کے تعلقات نہ ہوں یا جتنا قرض لیا ہو اس سے بڑھا کر (کچھ اپنی طرف سے بغیر شرط کئے) یا اس سے اعلیٰ اور کھری چیز دیدے تو کیا قرض خواہ کے لئے یہ صورتیں جائز ہیں؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں اگر بغیر شرط کئے قرضدار نے دیا ہو تو قرض خواہ کے لئے جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

آئمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ تحفہ دے تو قبول نہ کرے اور اپنی سواری پر سوار کرے تو سوار نہ ہو ہاں۔ اگر پہلے سے اس سے ایسے تعلقات ہوں (تو خیر) رواہ ابن ماجہ۔ بخاری نے تاریخ میں اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہدیہ نہ لے۔

سالم بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا میں نے ایک ماہی فروش کو بیس درہم قرض دیئے تھے پھر اس نے تحفہ میں مجھے ایک مچھلی دی، جس کی قیمت میرے اندازہ کے مطابق تیرہ درہم تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تو اب اس سے (صرف) سات درہم لینا رواہ ابن الجوزی۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارا کسی پر کچھ حق (قرض) ہو اور وہ تم کو گون بھر انجیر یا جو وغیرہ دے تو تم مت لو وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے قرض کی ممانعت فرمائی ہے، جو نفع کو کھینچ کر لائے۔ (رواہ الحارث بن اسامہ فی مسندہ) اس روایت کی سند میں ایک راوی سوار بن مصعب ہے جو متروک الحدیث ہے۔

بیہقی نے المعرفۃ میں بروایت فضالہ بن عبید ان الفاظ کے ساتھ موقوفاً حدیث نقل کی ہے۔ ہر قرض جو کسی قسم کے نفع کو کھینچ کر لائے وہ ایک قسم کا سود ہے۔ سنن کبیر میں بیہقی نے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم پر موقوفاً درج کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو رافع اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے کہ (جب) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم کو تو اس کی یک سالہ اونٹنی سے بہتر ہی دستیاب ہو رہی ہے (اس کی اونٹنی کی طرح نہیں ملتی تو) حضور ﷺ نے فرمایا وہی دیدو، تم میں بہترین شخص وہی ہے جو ادائے قرض میں سب سے اچھا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید حضرت عائشہؓ کے بیان سے بھی ہوتی ہے، ام المومنینؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کچھ خمیر یا روٹی ہمسائے باہم قرض دے دیتے ہیں اور واپسی کے وقت کم یا زیادہ واپس کرتے ہیں۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو ہمسایوں کا باہمی حسن سلوک ہے اس سے مقصود بیشی نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے خمیر اور روٹی کو بطور قرض لینے دینے کا مسئلہ پوچھا گیا، تو فرمایا سبحان اللہ یہ تو اچھے اخلاق ہیں کم لے لو زیادہ دیدو، زیادہ لے لو کم دیدو۔ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ابن جوزی نے نقل کی ہیں۔ امام شافعیؒ کے استدلال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ہمسایوں کے تعلقات میں یہ خوشگواری اور (کمی بیشی کے ساتھ) لین دین تو ہوتا ہی ہے (خواہ کوئی کسی سے قرض لینا نہ لے) اور ہماری گفتگو کا موضوع وہ صورت ہے جب پیسے سے پیسے تعلقات نہ ہوں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روٹی اور خمیر کا لین دین بطور قرض ناجائز ہے۔ جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کی روشنی میں درست ہے۔ قائلین جواز میں سے کوئی قائل ہے کہ وزن کر کے قرض کا لین دین ہونا چاہئے اور کسی نے کہا کہ شمار سے ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

فَاكْتُبُوْهُ ۔ یعنی آئندہ نزاع کو دور کرنے اور معاملہ کو پختہ کرنے کے لئے عقد کو (مع تفصیل) لکھ لیا کرو۔ جمہور کے نزدیک لکھنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ اگر نہ لکھا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں جیسے آیت فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا میں نماز ختم ہو جانے کے بعد منتشر ہو جانے کا حکم ہے۔ بعض علماء نے امر کو وجوبی کہا ہے یعنی لکھ لینا واجب ہے۔ شعبی نے کہا دین اور قرض کو مع گواہوں کے لکھنا فرض تھا لیکن آیت فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ سے وجوب منسوخ ہو گیا۔

میں کہتا ہوں ناسخ کا زمانہ منسوخ سے پیچھے ہونا چاہئے اور مذکورہ دونوں آیتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریر وغیرہ کا حکم استحبابی ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۔ یعنی لکھنے والا انصاف کے ساتھ طرفین کے حقوق کا لحاظ رکھ کر تحریر لکھے، کمی بیشی نہ کرے۔ کاتب کو عدل کے ساتھ لکھنے کا حکم وجوبی ہے۔ ذیلی طور پر فریقین کے معاملہ کے لئے بھی یہ حکم نکلتا ہے کہ سمجھدار دیندار کاتب کا انتخاب کریں۔

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ۔ یعنی جس کو لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے جس طرح اپنے کرم سے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔ ویسا ہی وہ بھی دوسروں کو اپنے فن سے فائدہ پہنچائے۔ دوسری آیت ہے اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی لوگوں سے بھلائی کرو۔

فَلْيَكْتُبْ نہی کے بعد تاکید کے لئے حکم دیا یعنی سیکھی ہوئی تحریر کے موافق (لوگوں کے لئے) لکھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کَمَا عَلَّمَهُ کا تعلق اس فلیکتب سے ہو یعنی لکھے جیسا اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ گویا پہلے نہی انکار کے ذیل میں کتابت کا عام حکم تھا اب حکم کتابت کو مقید کر دیا کہ اس طرح لکھے جس طرح اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ کیا کاتب پر تحریر اور شاہد پر شہادت دینا واجب ہے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

مجاہدؒ وجوب کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ کاتب سے لکھنے کا اور شاہد سے شہادت کا مطالبہ کیا جائے۔ حسن بصریؒ بھی وجوب کے قائل ہیں۔ لیکن وجوب کفایہ کے یعنی اس کاتب پر تحریر واجب ہے جو تحریر کیلئے مقرر ہو۔ ضحاکؒ کا قول ہے کہ کاتب پر کتابت اور شاہد پر شہادت واجب ہے لیکن آیت وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ سے منسوخ ہو گئی اس قول پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ ناسخ کا زمانہ منسوخ سے پیچھے ہونا چاہئے اور یہ دونوں آیتیں ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں)۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ املال اور املاء ہم معنی ہیں یعنی لکھوانا۔ مطلب یہ کہ مدیون لکھوائے، اسی کا اقرار حجت الزامی ہے۔ قرض دینے والے کا قول اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک قرض لینے والا اقرار نہ کرے یا عدالتی ڈگری نہ ہو جائے۔

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ اور لکھوانے والا یا کاتب اللہ سے ڈرتا رہے۔

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا اور واجبی حق سے نہ کاتب کم لکھے نہ لکھوانے والا کم لکھوائے۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا پس اگر مدیون سفیہ ہو یعنی ناقص العقل بربادکن ہو۔ سفیہ کا لفظ پاگل اور خبطی کو بھی شامل ہے۔

أَوْ ضَعِيفًا یا ضعیف ہو یعنی بچہ یا اتنا بوڑھا ہو کہ حواس میں خرابی آگئی ہو۔ بعض نے کہا کہ ضعیف سے مراد ہے ضعیف العقل۔ خواہ ضعف عقل بچپن کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے یا بدحواسی کی وجہ سے۔

أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ یا خود نہ لکھوا سکتا ہو۔ خواہ گونگے ہونے کے سبب سے یا صحیح طور پر مطلب کو ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے یا زبان نہ جاننے کی وجہ سے یا قید، بیماری یا غیر حاضری کی وجہ سے کہ کاتب اس کے پاس نہ پہنچ سکتا ہو یا پردہ نشیں عورت ہو کہ کاتب اندرون پردہ نہ جا سکتا ہو۔

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ تو اس کا ولی لکھوا دے یعنی بچہ اور دیوانہ کا سرپرست یا وکیل یا ترجمان۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک ولی سے مراد ہے قرض دینے والا یعنی اگر مدیون لکھوانے سے عاجز ہو تو قرض دینے والا لکھوا دے۔

بِالْعَدْلِ انصاف کے ساتھ یعنی بغیر زیادتی کے کیونکہ دوسروں کے مقابلہ میں مدیون کا ولی ہی حق سے زیادہ واقف ہوتا ہے اور اسی کو لکھوانے کا سب سے زیادہ استحقاق ہوتا ہے۔

... ایک شبہ ...

قرض دینے والے کے لکھوانے سے کیا فائدہ، اس کا قول تو قرض لینے والے کو مجبور نہیں کر سکتا۔

... ازالہ ...

حجت تو شہادت ہے، ثبوت شہادت سے ہوتا ہے، مگر قرض دینے والے کے لکھوانے سے اتنا تو فائدہ ہوتا ہے کہ تحریر کے بعد فریقین میں سے کوئی بھولتا نہیں قیمت، اصل مال کی مقدار، مبیع کی مقدار، مدت وغیرہ بیع سلم میں دونوں کو یاد رہتی ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ اور دو گواہ بنا لو یعنی عقد سلم پر شہادت دینے کے لئے دو گواہ مقرر کر لو۔

مِنْ رِّجَالِكُمْ اپنے مردوں میں سے یعنی آزاد، مسلمان، مرد۔ مسلم کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ آیت یاایہا الذین امنوا اذا تداینتم میں مسلمانوں کو ہی خطاب ہے۔ آزادی کی قید کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ مسلم خرید فروخت صرف حر ہی میں ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا بچہ کی شہادت ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے وہ مرد نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ بچہ کی شہادت ناقابل قبول اس وجہ سے ہے کہ اس میں عقل اور پرکھ کم ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر بھول اور غلطی کی شہادت بھی غیر مقبول ہے یہ بھی بچے کے حکم میں ہیں بلکہ (دماغی توازن نہ رکھنے کی وجہ سے) اس کی شہادت بچہ کی شہادت سے بھی زیادہ ناقابل قبول ہے یہ فیصلہ اجماعی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کی شہادت بھی قابل رد ہے۔ امام احمد غلام کی شہادت قبول کرتے ہیں خواہ کسی غلام کے خلاف ہو یا آزاد کے۔ حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اسحاق اور داؤد (ظاہری) بھی اسی کے قائل ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا غلام کی شہادت جائز ہے بشرطیکہ وہ فاسق نہ ہو۔ شریح رضی اللہ عنہ اور زرارہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفی نے اس کو جائز کہا ہے۔ ابن سیرین نے فرمایا غلام کی شہادت جائز ہے مگر اپنے آقا کے نفع کی شہادت ناجائز ہے۔ حسن اور ابراہیم نے اس کو بھی جائز کہا ہے۔ شریح نے کہا تم سب غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہو۔ انتہی نقل البخاری

مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت بالاجماع جائز نہیں۔ کسی کافر کی کافر کے خلاف بھی شہادت جائز نہیں کیونکہ کافر فاسق ہے (اور فاسق کی شہادت غیر مقبول ہے) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ اللہ نے فرمایا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفار کی شہادت آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جائز ہے خواہ ان کے مذاہب اور ملتیں جدا جدا ہوں کیونکہ ذمی کا فردولی بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ دیکھو ذمی اپنے نابالغ بچوں کا ولی مانا جاتا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (لہٰذا ملت کے اختلاف کے باوجود ایک ملت والے کافر کی شہادت دوسری ملت والے کافر کے خلاف درست ہے) پھر (اپنے مال کی) کافر کو ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ رہا کافر کا فاسق ہونا تو حقیقت اور نفس الامر میں وہ فاسق ہی ہوتا ہے (امر الٰہی سے خارج) لیکن کافر کے خیال میں تو اس کا کفر دین ہے اور جھوٹ بولنا تمام مذاہب میں حرام ہے۔ ابن ابی لیلیٰ اور ابو عبیدہ نے کہا ایک ملت والے کافر کی شہادت دوسری ملت والے کافر کے خلاف درست نہیں جیسے یہودی کی شہادت عیسائی کے خلاف۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ مِنْ رِّجَالِكُمْ کا لفظ اسلام کی شرط کو چاہتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہے کہ گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے بشرطیکہ مدعی علیہ مسلمان ہو۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سوائے مسلمانوں کے کسی ملت والے کی شہادت کسی ملت والے کے خلاف صحیح نہیں۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی ملت دوسری ملت کی وارث نہیں اور میری امت کے علاوہ کسی ملت والے کی کسی دوسری ملت والے کے خلاف شہادت جائز نہیں۔ صرف میری امت والوں کی شہادت دوسری ملت والوں کے خلاف جائز ہے۔ رواہ الدار قطنی وابن ماجہ و ابن عدی۔ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو ابن ابی لیلیٰ کے مسلک کی دلیل ہو جائے گی۔ مگر امام احمد کے مسلک کا اس سے ثبوت نہ ہو سکے گا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا (تمام) کفر ایک ہی ملت ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ (مومن ایک فریق اور کافر دوسرا فریق ہے) اس صورت میں حدیث مذکور امام ابو حنیفہ کے مسلک کی بھی (فی الجملہ) دلیل ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کی سند میں چونکہ ایک راوی عمر بن راشد بھی ہے اس لئے حدیث ضعیف ہے۔ دار قطنی نے عمر بن راشد کو ضعیف کہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے اہل کتاب کے باہم ایک فریق کی دوسرے فریق پر شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔

تفصیلی حدیث اس طرح ہے کہ یہودی ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ دونوں باہم زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم خود ان دونوں کو شرعی سزا نہیں دیتے۔ کہنے لگے جب ہماری حکومت تھی تو ہم خود ایسا کیا کرتے تھے اب ہماری حکومت نہیں رہی اس لئے ہم خود ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ فرمایا تم اپنے سب سے بڑے دو عالم میرے پاس لے آؤ۔ یہودی صوریا کے دونوں بیٹوں کو لے آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اپنے لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہو انہوں نے جواب دیا لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ فرمایا میں تم کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے توریت موسیٰ پر نازل کی تھی کہ توریت میں تم کو ان دونوں کی سزا کیا ملتی ہے انہوں نے عرض کیا کہ اگر چار آدمی شہادت دیں کہ انہوں نے مرد کو عورت کے اندر داخل کرتے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی داخل کی جاتی ہے تو مرد کو سنگسار کر دیا جائے۔ ارشاد فرمایا تو گواہ پیش کرو۔ چنانچہ چار آدمیوں نے شہادت دی اور حضور ﷺ نے ان دونوں مجرموں کو سنگسار کرا دیا۔ رواہ ابو داؤد و اسحاق بن راہویہ و ابو یعلی الموصلی والبزار والدارقطنی۔ طحاوی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں میرے پاس اپنے میں سے چار مرد لے آؤ جو شہادت دیں۔ یہ دونوں حدیثیں سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں دونوں میں اختلاف مجالد بن سعید پر ہوتی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مجالد کے متعلق فرمایا وہ کچھ نہیں ہے۔ اور یحییٰ نے کہا اس کی حدیث حجت میں نہیں پیش کی جا سکتی۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ (یعنی اگر دو گواہ دو مرد نہ ہوں یعنی دو مردوں کو گواہ بنانا میسر نہ آ سکے۔)

فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے۔ دو مردوں کے میسر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو شاہد بنانے کی صراحت بتا رہی ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ عورتوں کی شہادت نہ لی جائے لیکن ایک مرد کا بدل دو عورتوں کو مان لیا گیا ہے اسی شبہ بدلیت کی بنا پر ان حدود و قصاص میں جن کا سقوط ہونی اشتباہ سے ہو جاتا ہے۔ عورتوں کی شہادت اجماعاً غیر معتبر ہے۔ اس کی تائید زہری کے اس قول سے ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہ نے بروایت حفص از حجاج بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد دونوں خلفاء کا طریقہ یہی رہا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل قابل احتجاج ہے۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انہی حضرات کے زمانہ میں بیشتر قوانین شرع کا قیام اور اجتماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہوئے ہیں۔ ان کے بعد تو صرف اتباع (سابق) ہوا (نئے) قوانین، ضوابط اور انعقاد اجماع بہت کم ہوا) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ان دونوں کی اقتدا کرنا جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے ابو بکر و عمر۔ رواہ الترمذی عن حذیفہ۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت کی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت عقیل زہری کا قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود و قصاص میں جائز نہیں اور نہ نکاح میں اور نہ طلاق میں۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت پایہ صحت کو نہیں پہنچی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ صرف مالی معاملات میں یا ان کے توابع میں عورتوں کی شہادت درست ہے۔ جیسے اجارت، خیار کی شرط، شفعہ، اجارہ، قتل خطاء اور ہر زخم جس میں مالی تاوان دینا پڑتا ہے۔ ان کے سوائے دوسرے امور میں عورتوں کی شہادت درست نہیں جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، غلام کی آزادی، طلاق سے رجوع اور ثبوت نسب وغیرہ۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں کہ سوائے حدود و قصاص کے تمام حقوق میں عورتوں کی شہادت درست ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتیں بہر حال یہ شہادت ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے جس میں غلطی کا احتمال ہے اس سے مدعی کا دعویٰ یقینی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا

ہے کہ مدعی علیہ سچا ہو اور گواہ جھوٹے ہوں، اس لئے مدعی علیہ مجبور نہیں ہو سکتا کہ وہ ضروری شہادت کو سچا تسلیم کرے، لیکن شہادت کا ثبوت نص قرآنی سے ہے اس لئے مقتضائے قیاس کے خلاف ہوتے ہوئے بھی شاہدوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے مگر جو حکم خلاف قیاس ہو اس کا حصر صرف اسی مقام پر ہوتا ہے جو نص میں آگیا ہو اس لئے عورتوں کی شہادت اسی معاملہ میں جائز ہوگی جو نص میں آگیا ہے یعنی مالی معاملات میں۔ دیکھو اللہ نے رجعت کے متعلق فرمایا وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْ عَدْلٍ۔ ۱؎

یہ حدیث حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے دارقطنی نے نقل کی ہے۔ لیکن نقل حدیث کی بات ہی اور ہے (کہ عورتوں کی روایت محدثین قبول کرتے ہیں) راوی کی روایت سے کسی مسلمان پر کسی حکم کا لزوم نہیں ہو جاتا، مسلمان پر تو پہلے ہی سے اللہ کے احکام کی پابندی لازم ہے۔ اس کو صرف علم احکام کی طلب ہوتی ہے اور علم کے راستہ کا وہ طلبگار ہوتا ہے اب اگر کسی یقینی راستہ سے اس کو علم ہو گیا تو اس کو حکم کا یقین بھی ہو جاتا ہے اور اس پر وہ عمل بھی بطریق یقین کرتا ہے اور اگر کسی ظنی راستہ سے اس کو علم ہوتا ہے تو اس کو یقینی علم حاصل نہیں ہوتا ظنی ہوتا ہے مگر وہ ثواب کی امید یا عذاب کے خوف سے اس پر عمل کرتا ہے بشرطیکہ کسی دوسرے قوی طریق روایت سے اس حکم کے خلاف کوئی دوسرا حکم اس کو نہ پہنچا ہو اور یہ بات مقتضائے عقل کے موافق ہے۔ پھر قطعی نصوص اور اجماع سے بھی احادیث آحاد کا موجب عمل ہونا ثابت ہے اس لئے اخبار آحاد کے ظنی العلم ہونے کے باوجود عمل کرنا واجب ہے یہی وجہ ہے کہ روایت احادیث میں وہ شرطیں ضروری نہیں جو شہادت کے لئے لازم ہیں یعنی آزادی اور تعداد اور مرد ہونا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قبول شہادت بے شک خلاف قیاس ہے اور محض تحصیل علم ہے لیکن قبول شہادت کا حکم تو بالاجماع تمام ہی حقوق میں ہے مالی حقوق ہوں یا غیر مالی اور اس آیت کی عبارت سے عورتوں کی شہادت قبول کرنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے لہٰذا اور دوسرے حقوق میں قبول شہادت کا حکم دلالۃً بطریق اولیٰ یا کم سے کم بطریق مساوی معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانی حقوق کی حفاظت کی خاطر قبول شہادت کا حکم ہے اور حقوق عام ہیں مالی ہوں یا آبرو اور حرمت سے تعلق رکھنے والے بلکہ حرمت نسوانی و آبرو کا تحفظ تو اور بھی اولیٰ ہے یا کم سے کم حفاظت مال کے برابر ہے۔ رسول

۱؎ حاشیہ از مؤلف، فائدہ نمبر ۱۔ اعلان نکاح بالاجماع علماء ضروری ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ اعلان دو مردوں کی شہادت سے ہو جاتا ہے امام مالکؒ اس کو کافی نہیں سمجھتے، بہرحال بالاجماع علماء اعلان نکاح ضروری ہے اور اجماع سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے، کتاب اللہ میں فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ اور [illegible] مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ اعلان کی شرط کے بغیر آیا ہے۔

فائدہ نمبر ۲۔ امام احمدؒ نے گواہ شہادت نکاح (کے ضروری ہونے کا ذکر) کسی روایت میں نہیں، ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اب اگر شبہ کیا جائے کہ نکاح کے لئے شہادت کی شرط جب کسی روایت میں نہیں آئی تو نکاح میں شہادت کیوں ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اَعْلِنُوْا النِّكَاحَ صحیح حدیث ہے، جس کو امام احمد، ابن حبان اور طبرانی نے بیان کیا ہے، نیز مستدرک میں حاکمؒ نے اور حلیہ میں ابو نعیمؒ نے حضرت ابن زبیرؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے جب اس حدیث کی رو سے نکاح کا اعلان ضروری قرار پا گیا تو اب امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اعلان کی آخری حد تو کوئی نہیں ہو سکتی (لاکھ دو لاکھ [illegible] ساری دنیا میں اطلاع نکاح پہنچائی جائے) اس لئے ادنیٰ درجہ یعنی دو شاہدوں کی شہادت کافی ہے، شریعت نے [illegible] کے اسی طریقہ کو اچھا بتایا ہے، دو آدمیوں کی شہادت کے بعد نکاح پوشیدگی کے پردہ سے نکل جاتا ہے، [illegible] (کہ شاہدوں کا شہادت ادا کرنا ضروری نہیں) جب حاضرین نکاح کے وقت موجود ہوں تو نکاح سری نہیں رہتا اعلانیہ ہو جاتا ہے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اعلان نکاح دف بجانے سے بھی ہوتا ہے اور نکاح کے بعد اطلاع دینے سے بھی لیکن اگر دو مردوں کو نکاح کا گواہ بنانے کے بعد ان سے کہہ دیا جائے کہ کسی کو نکاح کی اطلاع نہ دینا تو اعلان (کا فائدہ) فوت ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بقاء علانیہ کی شرط تو بالاجماع نہیں ہے، نکاح ہو جانے کے بعد اس کو چھپانے یا ظاہر کر دینے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا اور دف سے اعلان تو انعقاد نکاح کے بعد ہوتا ہے (جو غیر ضروری ہے) اسی لئے ہم نے دو گواہوں کا ایجاب و قبول کے وقت حاضر ہونا اور ایجاب و قبول کو سننا ضروری قرار دیا ہے تاکہ انعقاد نکاح کے وقت اعلان نکاح ہو سکے جب کہ نکاح دو گواہوں کے سامنے ہو۔ مؤلف

اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تمہارے مال کی حرمت تمہاری جانوں کی حرمت کی طرح ہے۔ حجۃ الوداع میں قربانی کے دن حضور اقدس ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔ تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرمت والی ہیں۔ (نہ کسی کی آبروریزی جائز ہے نہ قتل و خونریزی نہ مال کی چوری اور غصب) یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس کو امام احمد اور ابن حبان نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اپنے مال کو بچانے میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کو بچانے میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی بیوی بچوں کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ رہی یہ بات کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالاجماع نامقبول ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود وغیرہ شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں مگر نکاح کی کیفیت تو ایسی نہیں (کہ تہمت سے ساقط ہو جائے)۔

رہی آیت وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ تو اس سے عورتوں کی شہادت کا غیر مقبول ہونا ثابت نہیں ہوتا اور ایک نص پر زیادتی دوسری نص کی دلالت سے جماعاً جائز ہے باقی حدیث لانکاح الا بولی و شاہدی عدل سے استدلال تو یہ حدیث ہی نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں تو ایک راوی محمد بن یزید سنانی ہے جس کو امام احمد نے ضعیف، یحییٰ نے غیر ثقہ اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے اور دارقطنی نے اس کو اور اس کے باپ کو ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری سند میں نافع بن میسرا ابو خطیب مجہول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کے سلسلہ میں نہاش ہے جس کو یحییٰ نے ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے ہیچ قرار دیا ہے۔

حضرت ابن مسعود والی حدیث میں بکر بن بکار ہے جس کے متعلق یحییٰ نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے اسی سند میں ایک راوی عبداللہ بن محرز ہے جو دارقطنی کے نزدیک متروک ہے۔ حضرت ابن عمر والی حدیث میں ثابت بن زہیر منکر الحدیث ہے۔ اس کی روایت کردہ احادیث روایت ثقات کے خلاف ہیں اسی لئے یہ قابل احتجاج نہیں کذا قال ابو حاتم و ابن عدی و ابن حبان۔

مسئلہ:- اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح غیر مالی امور میں بالاجماع ایک شاہد کی شہادت مدعی کی قسم کے ساتھ ملا کر ڈگری دینے کے لئے کافی نہیں اسی طرح مالی امور میں مدعی کی قسم اور اس کے ساتھ ایک شہادت پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ جمہور کے نزدیک اگر مالی امور ہوں تو ایک شاہد کی شہادت کافی ہے بشرطیکہ مدعی سے صداقت دعویٰ پر قسم لے لی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شاہد کی شہادت کے ساتھ مدعی کی قسم کی بناء پر ڈگری دے دی تھی۔ اس حدیث کو ابن جوزی نے حضرت جابرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، ابن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو سعید خدری، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت عمارہ بن حزم، حضرت عمرو بن حزم، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت بلال بن حارث، حضرت سعد بن قیس، حضرت انس بن مالک، حضرت تمیم داری، حضرت زینب بنت ثعلبہ اور حضرت بیرق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی اور طحاوی رحمہم اللہ نے بسلسلہ عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی بحوالہ جعفر بن محمد عن ابیہ نقل کیا ہے، ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کو ثوری وغیرہ نے بیان کیا ہے یعنی ثوری نے بروایت مالک از جعفر از محمد مرسل نقل کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ دارقطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے الفاظ حدیث اس طرح نقل کئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم پر ڈگری دے دی۔ یہ سلسلہ منقطع ہے۔

دارقطنی نے العلل میں لکھا ہے کہ حضرت جعفر نے اس کو کبھی مرسل بیان کیا ہے اور کبھی موصول امام شافعی اور بیہقی نے بیان کیا کہ عبدالوہاب نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے اور عبدالوہاب ثقہ ہے میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ عبدالوہاب آخر میں مختلط الحواس ہو گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ (مدعی کی) قسم پر مع ایک گواہ کے رسول اللہ ﷺ نے ڈگری دے دی۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور طحاوی نے بیان کیا ہے۔ ترمذی نے اسکو حسن کہا ہے لیکن طحاوی نے اس کو منکر کہا ہے کیونکہ اس کے سلسلے میں قیس بن سعد راوی ہے اور قیس کے مروی عنہ عمرو بن دینار ہیں۔ طحاوی نے کہا ہم نہیں جانتے کہ قیس نے عمرو بن دینار سے کوئی حدیث بھی روایت کی ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم پر ڈگری دے دی اس روایت کو امام شافعی اور اصحاب السنن اور ابن حبان نے بیان کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کو سہیل بن ابو صالح نے بروایت ابو صالح بیان کیا ہے اور ربیعہ بن ابو عبدالرحمن نے بھی سہیل سے سنا ہے لیکن سہیل کی یادداشت اپنے شیخ کے متعلق بگڑ گئی تھی، کیونکہ وہ کہتا تھا کہ مجھ سے ربیعہ نے کہا کہ میں نے ربیعہ کو اپنے باپ کی روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی اطلاع دی ہے یہ قصہ شافعی اور طحاوی نے بروایت دراوردی بیان کیا ہے، بیہقی نے یہ حدیث بروایت مغیرہ بن عبدالرحمن، ابوزناد از اعرج از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے امام احمد کا قول منقول ہے کہ اس موضوع کی احادیث میں اعرج کی حدیث سے زیادہ صحیح کوئی اور سلسلہ نہیں۔ طحاوی نے بروایت سہیل بن ابی صالح از ابیہ حضرت زید بن ثابت کے حوالے سے حدیث مذکور لکھی ہے اور حدیث کے منکر ہونے کی صراحت کی ہے کیونکہ بقول طحاوی ابو صالح کی کوئی روایت زید سے معلوم نہیں اس کے علاوہ اس سند کے سلسلہ میں عبداللہ بن وہب کا شیخ عثمان بن الحکم بھی ہے جو اس پایہ کا شخص نہیں کہ جسکی روایت سے کسی حدیث ثابت کی جاسکے۔ میں کہتا ہوں ذہبی کا قول ہے کہ ابو حاتم کے نزدیک ابن وہب کا شیخ عثمان بن حکم جزامی محکم نہ تھا

امام اعظمؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے تب بھی خبر آحاد ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی ناجائز ہے۔ پھر یہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے جو اس سے زیادہ قوی ہے۔ شیخینؒ نے صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے مطابق دے دیا جائے تو کچھ لوگ لوگوں کے خون اور مال کا دعویٰ کرنے لگیں گے۔ لیکن قسم مدعیٰ علیہ پر (عائد ہوتی) ہے۔ بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں اور گواہ (پیش کرنا) مدعی کے ذمہ ہے اور (بصورت عدم شہادت) قسم منکر پر (عائد ہوتی) ہے۔ عمرو بن شعیب کی روایت اس طرح ہے کہ گواہ (پیش کرنا) مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر۔ رواہ الدار قطنی والترمذی۔

حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی سے فرمایا اپنے گواہ لاؤ اس نے عرض کیا میرے گواہ نہیں ہیں فرمایا تو اس کی قسم (لے لو) اس نے عرض کیا اس وقت تو یہ کوئی زمین کو لے جائے گا۔ ارشاد فرمایا اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (رواہ الطحاوی بطرق)، اب دونوں حدیثوں کا تعارض اس طرح دور کیا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے جنس قسم کو مدعی علیہ کے ذمہ قرار دیا اور مدعی پر عائد ہونے والی چیز سوائے جنس قسم کے اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ جب مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان تقسیم کر دی گئی کہ ایک کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہے اور دوسرے کے ذمہ قسم کھانا تو پھر قسم اور شہادت دونوں ایک شخص پر کس طرح ہو سکتے ہیں، تقسیم مخالف اشتراک ہے۔

طحاویؒ نے شافعی کی پیش کردہ حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث قضیٰ بالشاھد والیمین کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یمین سے مراد ہو یمین مدعی دوسرا یہ کہ جب مدعی ایک شہادت سے زیادہ نہ لا سکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شہادت کی پرواہ نہیں کی اور مدعیٰ علیہ سے قسم لی تاکہ اسکے حق میں فیصلہ ہو سکے اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ صرف دعویٰ کرنے سے مدعی کو مدعی علیہ سے قسم لینے کا استحقاق ہو جاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ دعویٰ دائر کرنے کے بعد پہلے مدعی یہ ثابت کرے اور گواہ پیش کرے کہ اسکے اور مدعی علیہ کے درمیان کچھ تعلقات اور روابط تھے (جن کی وجہ سے باہم لین دین یا مالی ردو بدل ہوا اور پھر معاملات میں اختلاف ہوا اور نوبت دعوے تک پہنچی) جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے

یہ بھی احتمال ہے کہ الشاہد جس کی تنہا شہادت پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کر دیا خزیمہؓ ہوں کیونکہ حضرت خزیمہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے دو شاہدوں کے برابر قرار دیا تھا (گویا یہ واقعہ حضرت خزیمہؓ کا ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے عام ضابطہ کا تذکرہ حدیث میں نہیں ہے) مگر میرے نزدیک یہ توجیہ بہت ہی بعید از قرائن ہے (سیاق حدیث کے خلاف ہے)

ہاں یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ الشاہد میں الف لام عہدی ہو (اور ایک شاہد مراد نہ ہو بلکہ) وہ شاہد مراد ہو جس کو شریعت نے (فیصلہ خصومات کے لئے) شاہد تسلیم کیا ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اور الیمین میں بھی الف لام عہدی ہو (یعنی وہ یمین جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور اس کو بصورت عدم شہادت تسلیم کیا ہے) یعنی منکر کی قسم۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الشاہد اور الیمین میں الف لام جنسی ہو جیسا کہ حدیث البینة علی المدعی والیمین علی من انکر میں ہے مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ صرف شاہد اور یمین پر مبنی تھا (خواہ شہادت اور قسم سچی ہو یا جھوٹی) وحی وغیرہ پر مبنی نہ تھا (وحی اور انکشاف قلبی کا دخل فصل مقدمات میں نہ تھا) یا یوں کہا جائے کہ الف لام جنسی ہی ہے اور الیمین سے مراد ہے شاہد کی قسم یعنی رسول اللہ ﷺ نے شاہد کی شہادت مع القسم پر فیصلہ کر دیا مطلب یہ کہ اس سے لفظ اشہد کہلوایا کیونکہ اشہد بجائے خود صیغہ قسم ہے اور قبول شہادت کے لئے لفظ شہد کہنا لازم ہے (بغیر اشہد کہنے کے شہادت شہادت نہ رہے گی یہ ایک اصطلاح ہو جائے گی)۔

یہ توجیہات اگرچہ بعید ہیں لیکن نصوص کے تعارض کو دور کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے واللہ اعلم۔

اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی بناء اس اختلافی بحث پر ہے جو اصول فقہ میں ائمہ کے درمیان موجود ہے کہ خبر آحاد سے کتاب اللہ کے منصوص پر زیادتی دوسرے اماموں کے نزدیک درست ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک جائز نہیں (پس حدیث مذکور میں جو ایک شہادت کو مع حلف مدعی کافی قرار دیا گیا یہ حدیث خبر واحد ہے اور قرآن نے جو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی تعداد شہادت بیان کیا ہے اس کے بیان پر اس حدیث نے زیادتی کی ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی امام اعظمؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں لہٰذا ایک شہادت مع قسم مدعی کی ڈگری کے لئے کافی نہیں، دوسرے ائمہ کا قول اس کے برعکس ہے)۔

مسئلہ۔ جن امور کی اطلاع مردوں کو عموماً نہیں ہوتی ان میں تنہا عورتوں کی شہادت اجماعاً کافی ہے جیسے بچہ کی پیدائش، دوشیزگی، عورتوں کے اندرونی عیوب وغیرہ، امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک ایسے امور میں صرف ایک مسلمان آزاد صالح عورت کی شہادت کافی ہے اور دو ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک دو ہونا ضروری ہیں ایک کافی نہیں۔ امام شافعیؒ چار عورتوں کی شہادت ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام شریعت نے مانا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے آدھی نہیں ہے؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہادت میں دو چیزیں ضروری ہیں تعداد اور گواہ کا مرد ہونا۔ ضرورت کے زیر اثر مرد ہونے کی شرط ساقط کر دی گئی لیکن تعداد کی شرط کو ساقط کرنے کی کوئی وجہ نہیں وہ باقی رہے گی۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ امام محمد بن حسنؒ نے بروایت امام ابو یوسفؒ بوساطت غالبؒ بن عبد اللہ از مجاہد بیان کیا ہے کہ سعید بن مسیب اور عطاء بن ابی رباح اور طاؤس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جن امور کو مرد (عادۃً اور معمولاً) نہیں دیکھ سکتے ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے (صحابی کا حوالہ نہیں دیا گیا) اور اس پر عمل واجب ہے۔ النساء میں الف لام جنسی ہے کوئی معدود معین نہیں لہٰذا ایک شہادت کافی ہے زیادہ ہوں تو بہتر ہے۔

عبد الرزاق نے بروایت ابن جریج زہری کا قول بیان کیا ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے کہ طریقہ (یعنی طریقہ رسول و خلفاء) یونہی چلا آیا ہے کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہو کرتے جیسے بچوں کی پیدائش اور عورتوں کے خصوصی عیوب ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ عبد الرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سوائے ان امور

کے جن پر عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں یعنی عورتوں کی اندرونی چیزیں۔ دوسرے امور میں تنہا عورتوں کی شہادت کافی نہیں۔ اس اثر کی تخریج دوسرے طریقوں سے بھی کی گئی ہے (مختلف سندوں سے حضرت ابن عمر کا یہ قول مروی ہے)۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دایہ کی شہادت کو جائز رکھا ہے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے بروایت محمد بن عبد الملک از اعمش بیان کیا ہے لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ محمد بن عبد الملک نے اعمش سے خود سماعت نہیں کی دونوں کے درمیان کوئی تیسرا شخص نامعلوم ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو، یعنی جو شہادت میں متہم نہ ہوں، فاسق ہونا، شرافت نفس کی پاسداری نہ ہونا، شاہد اور مدعی علیہ کے درمیان دنیوی عداوت ہونا، مدعی اور شاہد کے درمیان قرابت (قریبہ) ہونا یہ تمام چیزیں شاہد کی شہادت کو متہم کر دیتی ہیں فاسق کی شہادت باتفاق علماء قابل قبول نہیں۔ روایت و خبر میں راوی کا عادل ہونا ضروری ہے اللہ نے فرمایا ہے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا۔ تو شہادت میں بدرجہ اولیٰ عادل ہونے کی شرط لازم ہے (کیونکہ خبر سے کسی پر کوئی حکم لازم نہیں ہو جاتا اور شہادت سے حق لازم ہو جاتا ہے)۔

عدالت کا معنی ہے واجبات کو ادا کرنا اور کبائر سے پرہیز رکھنا اور صغیرہ گناہوں پر جمتے نہ رہنا۔ تفسیر کبائر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ کا ساجھی بنانا، جادو کرنا، کسی کو مار ڈالنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد میں معرکہ سے بھاگنا، محصن ایماندار عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا، (متفق علیہ بروایت حضرت ابوہریرہ) ماں باپ کی نافرمانی کرنا، دانستہ جھوٹی قسم کھانا (بخاری بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو) جھوٹی گواہی دینا (متفق علیہ بروایت حضرت انس و حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ)۔

حضرت انسؓ اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ نہ بتا دوں، شرک اور والدین کی نافرمانی۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو اور جھوٹ بولنا، سن لو اور جھوٹی شہادت دینا، حضور ﷺ ان الفاظ کو بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا کاش حضور (ﷺ) خاموش ہو جاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زانی زنا کرتے وقت بحالت ایمان زنا نہیں کرتا (الحدیث) چوری کرنا، شراب پینا، لوٹنا، مال غنیمت میں خیانت کرنا (یہ بھی کبائر ہیں) رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چار خصلتیں ہیں جس میں یہ چاروں ہوں گی وہ خالص (مکمل) منافق ہوگا اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی خصلت رہے گی تا وقتیکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ امانت میں خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ کہے، معاہدہ کرنے کے بعد توڑ دے، جھگڑے کے وقت فحش بکے (متفق علیہ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو) بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) آیا ہے کہ حضور ﷺ نے مؤخر الذکر دونوں خصلتوں کی بجائے فرمایا کہ وعدہ کرکے اس کے خلاف کرے (گویا نفاق کی تین خصائل بتائیں امانت میں خیانت، دروغ گوئی اور وعدہ خلافی)

بعض علماء نے کہا کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کی کوئی دنیوی سزا (شرعاً) مقرر ہو۔ بعض نے کہا کہ کبیرہ وہ ہے جس کی حرمت نص قرآنی میں آئی ہو۔ بعض نے کہا کبیرہ وہ ہے جو بعینہ حرام ہو جیسے لواطت۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کی معرفت حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خائن مرد و عورت کی شہادت جائز نہیں اور نہ کسی کینہ رکھنے والے کی اپنے بھائی (مسلمان) کے خلاف اور نہ گھر والوں کی طرف سے قانع کی شہادت، دوسروں کے لئے اس کی شہادت جائز ہے۔ قانع وہ شخص ہے جس کا خرچ اس کے گھر والوں کے ذمہ ہو، رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ و ابن و قیق العید و اسمعیلی و ابو داؤد کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ نہ خائن عورت کی اور نہ زانی کی اور نہ زانیہ کی۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس سند میں ایک راوی

محمد بن راشد ضعیف ہے لیکن تنقیح میں ہے کہ امام احمد نے اس کو ثقہ مانا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہادت درست نہیں خائن مرد کی، نہ خائن عورت کی، نہ اس شخص کی جس کو سزا میں کوڑے مارے گئے ہوں، نہ کسی دشمن کی اپنے (دشمن) بھائی کے خلاف، نہ قانع کی اپنے گھر والوں کے لئے نہ اس شخص کی جس پر ولادت یا قرابت کا گمان کیا گیا ہو (یعنی باپ کی بیٹے کے لئے یا بیٹے کی باپ کے لئے یا کسی رشتہ دار کی رشتہ دار کے لئے) رواہ الترمذی والدار قطنی و بیہقی بروایت یزید بن زیاد الدمشقی، یزید بن زیاد ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جائز نہیں ہے شہادت باپ کی، نہ ماں کی اولاد کے لئے، نہ عورت کی اپنے شوہر کے لئے، نہ شوہر کی بی بی کے لئے، نہ غلام کی اپنے آقا کے لئے، نہ آقا کی اپنے غلام کے لئے، نہ شریک کی اپنے شریک کے لئے جب کہ اس چیز کے متعلق ہو جس میں دونوں کی شرکت ہے لیکن دوسری چیز کے متعلق جائز ہے اور نہ مزدور (یا ملازم) کی اس شخص کے لئے جس کا مزدور (یا ملازم) ہو۔ رواہ الخصاف بسندہ۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا حاکم گواہ کی ظاہری عدالت کو دیکھ لے تنہا اس کے لئے کافی ہے لیکن اگر فریق ثانی گواہ کی عدالت پر طعن کرے تو حاکم اس کے احوال دریافت کرے۔ صاحبینؒ کے نزدیک ظاہر و باطن ہر طرح سے شاہد کے احوال دریافت کرنا حاکم پر لازم ہے خواہ فریق ثانی گواہ کے چال چلن پر جرح کرے یا نہ کرے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا جس گواہ کا صالح ہونا مشہور ہو اس کے احوال دریافت نہ کرے اور جس کا فاسق ہونا مشہور ہو اس کی شہادت رد کر دے اور جس کے صالح اور فاسق ہونے میں تردد ہو اس کے حوال دریافت کرے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے اس شخص کے جس کو زنا کی تہمت تراشی کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی گئی ہو باقی مسلمان باہم عادل ہیں (ہر ایک دوسرے پر شہادت دے سکتا ہے) رواہ ابن ابی شیبہ۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے (اپنی خلافت کے زمانہ میں) حضرت ابو موسیٰ اشعری کو تحریر لکھوا کر دی تھی جس میں یہ بات بھی درج تھی کہ مسلمان باہم عادل ہیں (سب کی شہادت سب کے مقابل قبول کی جا سکتی ہے) سوائے اس شخص کے جس کو زنا کی تہمت تراشی کی وجہ سے سزا دی گئی ہو یا جھوٹی شہادت دینے کی وجہ سے کوڑے مارے گئے ہوں یا مولیٰ و غلام یا رشتہ قرابت کا گمان کیا گیا ہو۔ رواہ الدار قطنی اس روایت کے ایک سند میں عبید اللہ ابو حمید ضعیف راوی ہے اور دوسرے سلسلہ کو دار قطنی نے حسن کہا ہے اور بیہقی نے ایک تیسرے سلسلہ سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

علماء حنفیہ کا قول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ یہ بھی علماء نے کہا ہے کہ امامؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف فی دلیل پر مبنی نہیں ہے صرف زمانہ کے مختلف ہونے سے دونوں کے فتویٰ میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے زمانہ میں عموماً لوگ صالح ہوتے تھے (فسق بہت کم تھے) اور صاحبینؒ کے زمانہ میں لوگوں کی حالت بگڑ گئی، حقیقت بھی یہی ہے جو علماء نے بیان کی ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ ہونا چاہئے کیونکہ اس زمانہ میں کتابی شرائط کے مطابق کوئی شخص صالح ملتا ہی نہیں (سب ہی کسی نہ کسی صورت میں فاسق ہیں) اب اگر ہم شہادت کے دائرہ کو تنگ کر دیں گے تو حقوق تباہ ہو جائیں گے اور فیصلے کے تمام راستے بند ہو جائیں گے بلکہ ہمارے زمانہ میں تو فاسق کی شہادت بھی قبول ہونی چاہئے بشرطیکہ وہ دنیا میں باوجاہت اور آبرودار ہو اور گمان غالب ہو کہ وہ جھوٹی شہادت نہیں دے گا یا قرائن سے اس کی سچائی معلوم ہو رہی ہو۔

متاخرین نے گواہوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کے قائم مقام حلف کو قرار دیا ہے (گواہوں سے بقسم شہادت لینا کافی سمجھا گیا ہے)۔

ایک اعتراض

یہ تو نص کے مقابلہ پر قیاسی توجیہ ہے جو ناقابل قبول ہے۔

جواب - ایسا نہیں ہے بلکہ نص کا تقاضا یہ ہے

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ کا تقاضا ہے کہ گواہ ہر زمانہ کے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوں۔ ہمارے زمانہ میں ابوحنیفہؒ جیسے لوگ شہادت دینے کے لئے کہاں سے آتے ہیں تھے، اس زمانہ میں تو کوئی مرد صالح ملتا ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جن امور کا تم کو حکم دیا جاتا ہے اگر ان کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو گے تو تباہ ہو جاؤ گے، پھر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اس زمانے کے لوگوں کو جو حکم دیا جائے گا اس کا دسواں حصہ بھی کر لیں گے تو نجات پا جائیں گے۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرہؓ۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بگڑے ہوئے زمانہ کے جو لوگ اللہ اور آخرت کے طلب گار ہوں گے ان کے گناہ کثرت سے اللہ معاف کر دے گا کہ نیکی کے دور کے نیک لوگوں کے اتنے گناہ معاف نہیں کرے گا اگرچہ اول الذکر گروہ کے گناہ موخر الذکر گروہ کے گناہوں سے بہت زیادہ ہو جائیں گے کیونکہ قرن اول کے لئے جو گناہ تھے وہ بگڑے ہوئے زمانہ کے لوگوں کے لئے مباح ہو جائیں گے (گناہ نہ ہوں گے) اس کی مثال یوں سمجھو کہ مجاہدین کا ایک لشکر ایسا ہے جو سب کا سب پورا پورا جہاد میں سرگرم رہا ہے اور دوسرا لشکر ایسا ہے کہ اس کے اکثر لوگ مقابلہ کے وقت بھاگ نکلے مگر کچھ لوگ کسی قدر ثابت قدم رہے، انعام کے وقت بادشاہ نے اخیر موخر الذکر چند لوگوں کو (جنہوں نے جنگ میں پوری پوری کوشش بھی نہیں کی تھی مگر کسی قدر ثابت قدم رہے تھے) اتنا انعام دیا کہ مجاہدین کاملین کے پورے لشکر کو اتنا انعام نہیں دیا۔ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، جس کو چاہتا ہے کبائر بھی معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے صغائر کی بھی سزا دیتا ہے۔

مِمَّنْ الشُّهَدَآءِ (گواہوں میں سے) مِنْ تبعیضیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق بھی شہادت دینے کا اہل ہے اگر حاکم اس کی شہادت قبول کر لے تو جائز ہے لیکن گنہگار ہوگا کہ اس نے جستجوئے حق کی پوری پوری کوشش نہیں کی۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى دو عورتوں کی شہادت اس لئے ہونی چاہئے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ جمہور قراء کی قرأت اَنْ تَضِلَّ اور فَتُذَكِّرَ ہے اَنْ ناصبہ ہے تَضِلَّ اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے اور فَتُذَكِّرَ کا عطف تَضِلَّ پر ہے اس لئے یہ بھی منصوب ہے۔

حمزہ کی قرأت میں اِنْ شرطیہ اور تَضِلُّ شرط ہے اور فَتُذَكِّرُ مرفوع ہے اور پورا جملہ جزا ہے۔ تَضِلَّ پر شرط کی وجہ سے جزم ہونا چاہئے، مگر تشدید کی وجہ سے جزم نہ آسکا اور فَتُذَكِّرُ کا فاعل ضمیر ہے اور اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى مفعول ہے اور پورا جملہ ہو کر مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ بنکر شرط کی جزا ہے۔ ذکر (یاد) نسیان (بھول) کی ضد ہوتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی عقل ناقص اور حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا دانشمند مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ناقص العقل ناقص الدین عورتوں سے زیادہ میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا، ہماری عقل میں کیا کمی ہے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی نہیں ہے۔ عورتوں نے جواب دیا بے شک ہے۔ فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ عورتوں نے عرض کیا، ہمارے دین میں کیا کمی ہے۔ فرمایا حیض کی حالت میں نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے کیا ایسا نہیں ہے۔ یہی اس کے دین کی کمی ہے۔

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا اور جب گواہوں کو طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ بعض علماء نے کہا کہ طلب کئے جانے سے مراد ہے گواہ بن جانے کے لئے طلب ہونا چونکہ آئندہ ایسے لوگوں کو شاہد بننا ہوتا ہے اس لئے مجازاً پہلے سے ہی ان کو شُهَدَآءُ فرما دیا۔ اس تفسیر پر بعض لوگوں نے کہا کہ امر وجوبی ہے، بعض نے کہا کہ اگر کوئی اور شاہد نہ ہو تو واجب ہے اور دوسرے گواہ ہوں تو تعمیل طلب واجب نہیں اختیاری ہے، یہی قول حسن بصریؒ کا ہے بعض کے نزدیک امر استحبابی ہے، کچھ

علماء نے طلب سے مراد لی ہے ادائے شہادت کے لئے طلب۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے۔ اس تفسیر پر امر وجوبی ہوگا کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔

حضرت ابو موسیٰ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کسی کو ادائے شہادت کے لئے بلایا گیا اور اس نے شہادت کو چھپایا تو وہ جھوٹی شہادت دینے والے کی طرح ہوگا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ اس سند کے سلسلہ میں عبداللہ بن صالح راوی بھی ہے جو لیث (بن سعد) کا کاتب تھا اور بخاری نے اس کو حجت قرار دیا ہے۔

مسئلہ - اگر گواہ کو ادائے شہادت کے لئے حاکم کے اجلاس میں طلب کیا جائے تو بغوی کے نزدیک جانا واجب ہے۔ بشرطیکہ حاکم کا اجلاس قریب ہو دور ہو تو جانا واجب نہیں، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ دکھ نہ دیا جائے کاتب کو نہ گواہ کو۔ نصیر کا قول ہے کہ اگر عدالت اتنی دور ہو کہ گواہ جا کر دن کے دن واپس گھر آسکتا ہو تو جانا واجب ہے اس وقت گواہ کو تکلیف نہ ہوگی۔

مسئلہ - اگر گواہ بوڑھا ہو اور مدعی اسکو اپنی سواری پر سوار کرے تو کوئی حرج نہیں (ایسے گواہ کی شہادت قابل قبول ہے) سلیمان کا قول مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گواہوں کو کرایہ کی سواری پر سوار کر کے اپنی جائیداد کو لے گیا تو ایسے گواہوں کی شہادت غیر مقبول ہے۔ النوازل میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ اگر گواہ بوڑھا ہے پیدل چل نہیں سکتا اور نہ سواری کا کرایہ دینے کے لئے پیسے ہیں (اور مدعی نے کرایہ دے دیا) تو اس کی شہادت مقبول ہے ورنہ نامقبول، ابن ہمام نے کہا یہ فتویٰ محل تامل ہے کیونکہ گواہوں کی عزت کرنے کا حکم ہے (اور پیدل گھسیٹنا اعزاز نہیں اہانت ہے)۔

مسئلہ - اگر کھانا پہلے سے تیار ہو اور صرف گواہوں کے سامنے لا کر ان کو کھلا دیا جائے تو ایسے گواہوں کی شہادت مقبول ہے۔ لیکن اگر گواہوں کے لئے کھانا تیار کیا اور انہوں نے کھالیا تو گواہی مردود ہے یہ امام صاحب کا قول ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں شہادت غیر مقبول ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ دونوں صورتوں میں شہادت کو قبول کرتے ہیں۔ ابن ہمامؒ نے کہا یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ عرفاً ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی عزت دار آدمی کسی کے گھر جاتا ہے تو صاحب خانہ اس کو کھانا کھلاتا ہے، جانے والا گواہ ہو یا نہ ہو۔ یہ فتویٰ اس صورت میں ہے کہ کھانے کی شرط پہلے سے نہ کر لی گئی ہو۔ اگر پہلے سے شرط کر لی تو یہ مزدوری اور رشوت ہو جائے گی جو حرام ہے۔ نہ گواہ کے لئے لینا جائز ہے نہ طالب شہادت کے لئے دینا۔ ایسے شاہد کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی خواہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ ہو یا صرف یہی گواہ ہو دوسرا کوئی گواہ نہ ہو اور اجرت مقرر کر دی گئی ہو، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر گواہ متعین ہو کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو اجرت لینا جائز ہے اور شہادت کے لئے اگر یہی شخص متعین نہ ہو بلکہ دوسرے بھی گواہ ہوں تو اجرت لینا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں گواہی دینا فرض نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو شہادت دینا اس گواہ کے لئے فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے اور اگر عدم فرضیت ہم تسلیم بھی کر لیں تو بہر حال مستحب ہوگا (یعنی عبادت نافلہ کے حکم میں) اور عبادت کی اجرت لینا ہمارے نزدیک درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخ میں۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر عن ابن عمر باسناد حسن۔

وَلَا تَسْـَٔمُوٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا قرض یا حق یا تحریر کو لکھنے سے تم تنگ دل نہ ہو جاؤ معاملات کی کثرت تم کو تحریر کی طرف سے تنگدل نہ بنادے چھوٹا ہو حق یا بڑا بہر حال۔

اِلٰٓى اَجَلِهٖ وقت ادا کے تعین کے ساتھ اس کو لکھ لو۔

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی بات ہے۔

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ اور ادائے شہادت کو بہت قائم رکھنے والا ہے۔

وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا یعنی شہادت کے وقت تم قرض کی جنس یا مقدار یا وقت ادا کی میعاد کے متعلق شک میں نہ پڑ جاؤ

تحریر کو اس سے بڑا قرب حاصل ہے۔ اَقْوَمُ اور اَدْنٰی اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ کے مضمون کو واضح کر رہے ہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک تحریر مدعی اور مدعی علیہ دونوں کے حق میں بڑی انصاف کی چیز ہے۔ نہ مدعی جھوٹے گا نہ مدعی علیہ۔ مدعی زیادہ نہ مانگے گا اور مدعی علیہ صرف تحریر کے موافق اقرار کرے گا اور شاہد کی شہادت کو بھی تحریر بہت درست رکھنے دی ہے ادائے شہادت کے وقت وہ کمی بیشی نہیں کرے گا اور فریقین معاملہ نیز گواہوں کے شک میں نہ پڑ جانے سے اس کو بہت قرب حاصل ہے۔ (کسی کو شک کرنے کا موقع نہیں ملے گا)۔

مسئلہ - شاہد کے لئے کتابت کا فائدہ صرف یہ ہے کہ وہ اس واقعہ کو یاد کرے جس کی اس کو شہادت دینی ہے جب تک اس کو خود اپنا معاینہ (تفصیل کے ساتھ) یاد نہ ہو محض تحریر پر اپنی دستخط دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں۔ کذا ذکر القدوری وغیرہ۔ صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے یہ امام اعظمؒ کا قول ہے لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اپنی دستخط دیکھ کر شہادت دینی جائز ہے خواہ اپنا معاینہ اس کو یاد نہ ہو۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ صرف دستخط دیکھ کر شہادت کا ناجائز ہونا بالاتفاق ہے اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا حاکم بھی ایسی شہادت پر ڈگری دیدے یا نہ دے۔ اسی طرح اس تحریر کا حکم ہے جو مدعی کے پاس ہو اور گواہوں کی شہادت اس میں درج ہو کیونکہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہو سکتی ہے اور دستاویز میں ردوبدل کیا جانے کا احتمال ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تحریر شہادت شاہد کے قبضہ میں ہو تو گو اس کو معاینہ اور شہادت یاد نہ ہو لیکن اس کے مطابق شہادت دینا اس کے لئے جائز ہے کیونکہ ایسی تحریر میں تغیر کا احتمال نہیں ہے۔

یہ قول صاحبینؒ کا ہے لیکن امام اعظمؒ رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ صاحبینؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ تحریر میں جب ردوبدل کا احتمال ہی نہیں تو وہ یادداشت کی طرح مانی جائے گی۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ رسول اللہ ﷺ کی تحریروں پر ویسا ہی عمل کرتے تھے جیسے زبانی احکام پر کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تحریر والا قصہ آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ شہادت مشاہدہ پر موقوف ہے، اسی لئے لفظ شہادت ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم آفتاب کی طرح دیکھ لو تو شہادت دو (پس تحریر کا یادداشت کے حکم میں ہونا تحریر کو مشاہدہ نہیں بنا دیتا اور قطعی مشاہدہ کے بغیر شہادت درست نہیں اس لئے صرف اپنی دستخطی تحریر کو دیکھ کر شہادت دینا درست نہیں)۔

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ ہاں اگر دست بدست تجارت ہو جس کا لین دین تم فوراً کرتے ہو تو۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ (اب کو نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اَنْ تَكُوْنَ میں ضمیر ہے اور تِجَارَةً خبر۔ بعض قاری تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور تُدِيْرُوْنَهَا کو خبر قرار دیتے ہیں۔ جمہور کی قرأت پر تُدِيْرُوْنَهَا تجارت کی صفت ہے بشرطیکہ تَكُوْنَ کو تامہ قرار دیا جائے اور تِجَارَةٌ کو مرفوع پڑھا جائے اور اگر تَكُوْنَ کو ناقصہ اور تِجَارَةٌ کو اس کا اسم کہا جائے گا تو تُدِيْرُوْنَهَا خبر ہوگی۔

لفظ حَاضِرَةً عام ہے خواہ مبادلہ عین کا عین سے ہو یا کسی چیز کو قیمت سے خریدا جائے مگر ہو دست بدست نقد۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ اور خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لیا کرو۔ ضحاک اور داؤد نے (ظاہر لفظ کے لحاظ سے) امر کو وجوب کے لئے قرار دیا ہے لہٰذا فروخت نقد قیمت پر ہو یا ادھار پر۔ بہرحال گواہ بنا لینا لازم ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا شروع میں وجوب تھا لیکن آیت فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا سے یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ جمہور کے نزدیک امر استحبابی ہے (بہتر ہے کہ گواہ بنا لیا کرو) بکثرت خرید و فروخت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے کسی کو گواہ نہیں بنایا۔ چنانچہ امام احمد نے عمارہ بن خزیمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمارہ رضی اللہ عنہ کے چچا جو صحابیؓ تھے بیان کرتے تھے

کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خرید اور فوراً اس جگہ سے چل دیئے تاکہ گھوڑے کی قیمت ادا کر دیں۔ لیکن اعرابی نے کچھ تاخیر کی اتنے میں لوگ آکر اعرابی سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے ان کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو خرید چکے ہیں۔ بعض نے قیمت بڑھا بھی دی۔ قیمت میں اضافہ دیکھ کر اعرابی نے جناب رسول اللہ ﷺ کو آواز دی اور کہا کہ اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو تم خرید لو ورنہ میں فروخت کئے دیتا ہوں۔ آواز سنتے ہی رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور اعرابی سے فرمایا کیا میں تم سے اس کو نہیں خرید چکا ہوں، اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شبہ میں نے خرید لیا ہے۔ اعرابی بولا کوئی گواہ لاؤ جو شہادت دے کہ میری تمہاری خرید و فروخت ہو چکی ہے۔ لوگ اعرابی سے کہنے لگے ارے رسول اللہ ﷺ غلط بات نہیں کہہ سکتے۔ اتنے میں خزیمہ رضی اللہ عنہ آگئے اور بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ تیری رسول اللہ ﷺ سے خرید و فروخت ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ موڑا اور فرمایا تم کس بناء پر شہادت دے رہے ہو (خرید و فروخت کے وقت تو موجود ہی نہ تھے) خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صرف آپ کی سچائی کا یقین رکھتے ہوئے (میں نے شہادت دی) چنانچہ خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔

(ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ بن دیکھے واقعہ کی شہادت جائز نہیں اور خزیمہؓ نے محض تصدیق رسول اللہ ﷺ کی بناء پر بغیر دیکھے ہوئے شہادت دی تھی۔ اول تو یہ فعل ناجائز تھا اور اگر اس سے خزیمہؓ کی ایمانی قوت پر استدلال بھی تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو فیصلہ کن شہادت کیوں قرار دیا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے)۔

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خرید و فروخت ہو چکنے کا پہلے ہی علم و یقین تھا آپ ﷺ جانتے تھے کہ اعرابی جھوٹا ہے جو فروختگی کا انکار کر رہا ہے۔ خزیمہؓ کی شہادت کی بناء پر آپ نے تکمیل عقد کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ تنہا خزیمہؓ کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ نے خزیمہؓ کے ایمان کی قوت اور فہم و دانش کی پختگی ملاحظہ فرمائی تھی۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر حاکم کو کسی واقعہ کا یقینی علم ہو تو اپنے علم کے مطابق اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ دو آدمیوں کی شہادت سے گمان غالب حاصل ہوتا ہے (یقین حاصل نہیں ہوتا) اور حاکم کا علم بجائے خود یقینی ہے اور یقین کا درجہ ظن سے اونچا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ کے خلاف اس حدیث کی بناء پر فیصلہ کیا جو خود (تنہا) آپ نے سنی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا ہم انبیاء کے گروہ (اپنے بعد اپنے مال کا کسی کو) وارث نہیں بناتے۔

یک مسئلہ یہ بھی اس حدیث سے نکلتا ہے کہ اگر بادشاہ یا حاکم وغیرہ کا کسی پر کوئی حق ہو یا اس نے کسی سے کچھ خریدا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس سے اپنا حق جبراً وصول کرے خواہ وہ شخص منکر ہی ہو (اور حاکم کے پاس شہادت نہ ہو) لیکن اگر یہ مدعی حق کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں اپنے حق کی چارہ جوئی کریگا تو اس وقت شہادت کی ضرورت ہوگی، تنہا اس کا ذاتی یقین دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہ ہوگا اور حاکم کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ بادشاہ یا کسی مدعی حق قاضی کے ذاتی یقین کی بناء پر اس کو ڈگری دیدے۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ طاؤسؒ، حسنؒ اور قتادہؒ نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر کاتب اور گواہ معین ہوں (یعنی وہاں نہ کوئی دوسرا کاتب ہو، نہ گواہ) تو کتابت یا شہادت سے انکار کر کے یہ دونوں خرید و فروخت کرنے والوں کو ضرر نہ پہنچائیں نہ کتابت و شہادت میں رد و بدل اور تحریف کر کے کسی فریق کو نقصان پہنچائیں۔ اس صورت میں لا یضار فعل معروف ہوگا لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ فریقین معاملہ کی طرف سے نہ کاتب کو دکھ دیا جائے نہ گواہ کو۔ مثلاً کاتب کی اجرت نہ دیں اور گواہوں کو شہادت کے لئے ایسی حالت میں طلب کریں کہ وہ اپنے کام میں مشغول ہو یا بیمار ہو یا کمزور ہو اور شہادت کا اس پر حصر بھی نہ ہو بلکہ دوسرے گواہ بالفعل موجود ہوں۔ اس صورت میں لا یضار فعل مجہول ہوگا۔

فَاِنْ تَفْعَلُوْا اور جس ضرر رسانی سے ہم نے تم کو منع کر دیا ہے، اگر وہ فعل کرو گے (اور ضرر پہنچاؤ گے)۔

فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ تو یہ اللہ کی نافرمانی ہو گی جس کا تم کو حق نہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ اور اللہ تم کو ایسی باتیں سکھاتا ہے جن سے تمہارے دینی و دنیاوی مصلحتیں وابستہ ہیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ لفظ اللہ کو تین جملوں میں تین بار ذکر کیا کیونکہ ہر جملہ جداگانہ مقصد رکھتا ہے۔ پہلے جملہ میں ترغیب تقویٰ ہے، دوسرے جملہ میں وعدۂ انعام ہے اور تیسرے جملہ میں اللہ کی عظمت شان کا اظہار ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ اور اگر تم سفر میں ہو یعنی مسافر ہو۔

وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا اور کوئی کاتب نہیں نہ ملے۔

فَرِهٰنٌ ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرأت میں فَرُهُنٌ ہے باقی قراء نے فَرِهٰنٌ پڑھا ہے رِهان، رَهْنٌ کی جمع ہے جیسے بغال بغل کی۔ اور رُهُنٌ، رِهان کی جمع ہے۔ فراء اور کسائی کی یہی تحقیق ہے۔ ابو عبیدہ کے قول پر رُهُنٌ، رَهْنٌ کی جمع ہے جیسے سُقُفٌ سَقْفٌ کی جمع ہے۔

لغت میں رَهْنٌ کا معنی ہے کسی چیز کو روک لینا۔ اللہ نے فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر شخص اپنے اعمال سے وابستہ ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص اپنے حق کے عوض (جائز طور پر) روک لے تاکہ اس سے اپنا حق وصول کر سکے۔ چونکہ روک لینا لغوی معنی ہے اور شرعی معنی میں لغوی معنی ملحوظ رہتے ہیں اس لئے عقد رہن ایک عقد لازم ہے۔ گرو کرنے والا جب تک گرو رکھنے والے کے ایک درہم کا بھی قرضدار رہے گا اپنی چیز واپس لینے کا مستحق نہیں ہو گا فَرِهٰنٌ ترکیب نحوی کے لحاظ سے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا فعل مجہول محذوف کا فاعل ہے یعنی فَالْوَثِيْقَةُ رِهَانٌ یا فَلْيُؤْخَذْ مِنْكُمْ رِهَانٌ۔

بالاجماع امر ایجابی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی راہنمائی ہے۔ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا شرط ضرور ہے۔ چونکہ ایسا ہوتا ہی ہے کہ کاتب نہ ملنے کی صورت میں اعتماد کے لئے کوئی چیز رہن رکھ دی جاتی ہے اس لئے شرط کا مفہوم ان لوگوں کے نزدیک بھی اس جگہ معتبر نہیں جو مفہوم کو معتبر قرار دیتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ انتفاء شرط کے وقت انتفاء حکم ہو جاتا ہے) اللہ بالاجماع شہروں کے اندر قیام کی حالت میں جہاں کاتب بھی موجود ہوں رہن رکھنا جائز ہے۔ ہاں مجاہد اور داؤد کا قول ہے کہ رہن رکھنا صرف سفر کی حالت میں جب کہ کاتب نہ مل سکے جائز ہے (ورنہ ناجائز ہے) ہم اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو پیش کرتے ہیں جو تمام کتب صحاح میں موجود ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں جس کو بخاری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن رکھی تھی۔ یہ جو حضور ﷺ نے اپنے گھر والوں کے صرف کے لئے (قرض) لئے تھے اور وفات اقدس تک وہ زرہ اس یہودی کے پاس رہن رہی۔

مَّقْبُوْضَةٌ یعنی رہن مع قبضہ کے ہو۔ اسی قید کی وجہ سے امام اعظم اور امام احمد اور امام شافعی قائل ہیں کہ بغیر مال مرہون پر قبضہ کے عقد رہن لازم نہیں ہوتا۔ امام مالک کہتے ہیں صرف عقد کرنے سے رہن لازم ہو جاتا ہے اور راہن کو مجبور کر کے مال رہن پر مرتہن کا قبضہ کرانا چاہئے۔

ہم کہتے ہیں رہن کا جواز مع لزوم لفظ مَقْبُوْضَةٌ سے ثابت ہو رہا ہے ورنہ قیاس کا تو تقاضا ہے کہ رہن عقد لازم نہ ہو، صرف راہن کا تبرع ہو، کیونکہ اپنا مال مرتہن کے پاس رکھنے کے عوض اس کو کچھ نہیں ملتا (قرض کی ادائیگی تو بہر حال اس کے ذمہ لازم ہوتی ہے) اللہ اقتضائے قیاس کے خلاف جب رہن کا لزوم نص قرآنی میں آگیا ہے تو اس کا اقتصار اس کے مقام پر

ہی رکھا جائے گا اور لزوم رہن قبضہ مرتہن کی صورت میں مانا جائے گا۔ لزوم رہن کے لئے قبضہ کی شرط چونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک ضروری ہے اسی لئے آپ کے نزدیک مشاع (وہ مشترک چیز جس کے ہر جز میں شرکت ہو اور تقسیم اجزاء نہ کی گئی ہو) کا رہن جائز نہیں خواہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو کیونکہ دونوں شریکوں کی شرکت جب ہر ہر جز میں ہو گی تو وہ چیز ہمیشہ ایک کے قبضہ میں نہیں رہے گی بلکہ کچھ مدت کے لئے ایک کے قبضہ میں چلی جائے گی اور کچھ مدت کے لئے دوسرے کا اس پر قبضہ ہو جائے گا تو گویا مشاع کو رہن رکھنا ایسا ہو گا جیسے راہن بوقت رہن یوں کہے کہ میں تیرے پاس یہ چیز ایک دن کے لئے رہن رکھتا ہوں۔ دوسرے دن یہ چیز رہن نہ ہو گی (پھر تیسرے دن رہن رہے گی اور چوتھے دن نہ رہے گی) اور یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ رہن بمعنی حبس (ادائیگی قرض تک) مرتہن کے مسلسل قبضہ کو چاہتا ہے مطلق کا رجوع فرد کامل کی طرف ہوتا ہے۔ ہر کی صورت اس کے خلاف ہے۔

(امام اعظمؒ کے نزدیک قابل قسمت چیزوں کا ہبہ بغیر قبضہ کے لازم نہیں اور جو چیز قابل تقسیم نہیں جیسے جانور اس کا ہبہ بغیر قبضہ کے درست ہے۔ بعض مشائخ نے مانع لفظ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے پر تقسیم کا بار پڑے گا اور یہ بار تقسیم صرف قابل تقسیم چیزوں میں پڑتا ہے ناقابل تقسیم چیزوں میں نہیں پڑتا (لہٰذا اول الذکر صورت ناجائز ہے اور موخر الذکر جائز) امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مشاع کا رہن مطلقاً جائز ہے قابل تقسیم ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ - جب مرتہن کا مال مرہون پر قبضہ ہو جائے تو وہ چیز راہن کی ملک میں رہتی ہے۔ صرف مرتہن کے قبضہ میں چلی جاتی ہے گویا حق ملکیت راہن کا ہوتا ہے اور حق قبضہ مرتہن کا۔ اس لئے رہن کے قبضہ کی تکمیل کے بعد راہن کے لئے مال مرہون سے نفع اندوزی کی اجازت نہیں نہ سواری کے جانور پر سوار ہو سکتا ہے نہ کپڑا پہن سکتا ہے نہ مکان میں رہ سکتا ہے۔ ہاں اگر مرتہن اجازت دیدے تو خیر بات یہ ہے کہ مال مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہر وقت رہنا چاہئے اور راہن کی مال مرہون سے کسی قسم کی نفع اندوزی سے بعض اوقات (خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو) مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ نہیں رہے گا۔ یہ مسلک امام اعظمؒ کا ہے لیکن امام شافعیؒ کا قول ہے کہ مال مرہون سے نفع اندوزی راہن کے لئے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ راہن (کے جانور) پر سواری کی جاتی ہے (اور اس کا) دودھ دوہا جاتا ہے۔ یہ حدیث دار قطنی اور حاکم نے بروایت اعمش از ابو صالح از ابوہریرہؓ نقل کی ہے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے اس کو معلل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ میرے باپ نے ایک مرتبہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا تھا۔ پھر رفع کو ترک کر دیا (اور موقوفاً بیان کیا) اور دار قطنی اور بیہقی نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو مرفوع ہونے پر ترجیح دی ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث مجمل ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رہن کے جانور پر سواری لیا جانا راہن کے لئے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مرتہن کے لئے ہو۔ لہٰذا اس حدیث سے راہن کے لئے جواز ثابت نہیں ہوتا۔

مسئلہ - مال مرہون میں راہن کا ہر شرعی تصرف ناجائز ہے لیکن اگر اس نے کوئی تصرف کر لیا تو تصرف بجائے خود ہو جائے گا۔ مگر اس کا نفاذ مرتہن کی اجازت یا مال مرہون کی واگذاشت پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ نفس شی کی ملکیت تو راہن کو حاصل ہی ہے لیکن یہ حکم ان تصرفات کا ہے جو فسخ ہونے کے قابل ہیں جیسے بیع ہبہ وغیرہ اور جو تصرفات فسخ کے قابل نہیں جیسے غلام کو آزاد کرنا تو چونکہ ان کے فسخ ہونے کا امکان ہی نہیں ہے اور ملکیت راہن کو حاصل ہی ہے اس لئے ایسے تصرفات کا نفاذ ہو جائے گا اب اگر راہن مالدار ہو گا تو آزاد کردہ غلام کی قیمت بجائے غلام کے مرتہن کے پاس بطور رہن رکھنا لازم ہو گا اور اگر مفلس ہو گا تو غلام محنت مزدوری کر کے اپنی قیمت مرتہن کے پاس رکھ دے گا۔ یہ مسلک امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ امام مالکؒ کی رائے ہے کہ بیع کی طرح غلام کی آزادی بھی مرتہن کی اجازت یا رہن کی واگذاشت پر موقوف رہے گی۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اگر راہن مالدار ہو گا تو ہر صورت میں اس کا تصرف جاری ہو جائے گا۔ (اور مال مرہون کا عوض بطور رہن مرتہن کے پاس رکھتا ہو گا) اور مفلس ہو گا تو اس کا کوئی تصرف جاری نہ ہو گا۔

مسئلہ - راہن چونکہ مرہون کا مالک ہے اس لئے مرہون کا ہر خرچ راہن کے ذمہ ہے اور مرہون سے جو کچھ پیدا ہو جیسے بچے، اون، دودھ، پھل وغیرہ وہ راہن کا ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ فائدہ ہو وہ بھی راہن ہی کا ہے اور جو نقصان ہو وہ بھی راہن ہی کا ہے۔ بعض روایت میں کہا گیا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک مرہون کی پیداوار مرتہن کی ہے۔ لیکن تحقیق میں ابن جوزیؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک بھی مرہون کی پیداوار راہن ہی کی ہے۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ مرتہن جو کچھ مرہون پر خرچ کرے اس کو مرہون کے دودھ اور سواری سے وصول کرنے کا اس کو حق ہے (گویا مرتہن کو مرہون کا دودھ لینا اور اس پر سوار ہونا جائز نہیں اور نہ اس کے ذمہ مرہون کا دانہ گھاس ہے لیکن اگر مرہون پر وہ کچھ خرچ کرے تو مرہون کی پیداوار سے اپنے خرچ کے عوض لے سکتا ہے)۔

مسئلہ - مرہون کی تمام پیداوار (بچے، اون وغیرہ) مرتہن کے پاس بطور رہن رہے گی۔ اس کو بھی اصل مرہون کا حکم حاصل ہوگا یعنی اس کو رہن کی حیثیت ہوگی۔ مگر قبضہ مرتہن کا ہوگا اور چونکہ مرتہن کو حق ملکیت حاصل نہیں اس لئے مرہون میں وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور نہ مرہون سے کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے ورنہ سود ہو جائے گا۔

مسئلہ - مرتہن اگر راہن کی اجازت سے مال مرہون پر کچھ خرچ کرے تو وہ راہن پر قرض ہوگا اور اگر بغیر اجازت صرف کرے تو ایک قسم کا احسان ہوگا (راہن پر قرض نہ ہوگا) امام احمدؒ کا قول ہے کہ ہر صورت میں راہن کے ذمہ قرض ہوگا اور مرتہن مرہون کے دودھ اور سواری سے اس کو وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ابن جوزیؒ نے اس قول کی دلیل میں حدیث الرہن مرکوب محلوب پیش کی ہے اور اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو بخاری نے بحوالہ شعبی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الرہن یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرہونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ۔ ابوداؤد کی روایت میں یشرب کی جگہ یحلب ہے۔ طحاوی کی روایت بالفاظ ذیل ہے الرہن یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرہونا (حسب استدلال ابن جوزی مطلب یہ ہے کہ) رہن سے اس چیز کے رہن سے جو مرہون کے اندر ہو (یعنی جو مرہون سے پیدا ہو جیسے دودھ، اون، بچے وغیرہ) اس پر جو کچھ خرچ ہو اس کے عوض اس پر سواری کی جا سکتی ہے اور دودھ دینے والے (مرہون) جانور کا دودھ پیا جا سکتا ہے اور جو شخص سوار ہو یا دودھ پئے اس کے ذمہ مرہون کا خرچ ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوار ہونے والے پر مرہون کا خرچ ہے لیکن اجماع اس پر ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حرمت ربوا سے پہلے تھا جب کہ منفعت آفریں قرض کی ممانعت نہیں کی گئی تھی اور جبکہ کسی چیز کو کسی چیز کے عوض لینے کی نہی نہیں ہوئی تھی، خواہ معیار شرعی کے لحاظ سے دونوں چیزیں مساوی نہ ہوں۔ بشرطیکہ دونوں کے مالکوں میں پہلے سے خرید و فروخت نہ ہوئی ہو۔ اس کے بعد آیت ربوا سے منفعت خیز قرض کی حلت منسوخ ہو گئی تقاضائے اجماع یہی ہے اللہ نے فرمایا ہے فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم دوسری آیت میں ہے کہ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم

رہا حدیث کا یہ فقرہ کہ الرہن بما فیہ۔ تو یہ منسوخ نہیں ہے مگر اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ جس دین (قرض) کے عوض کوئی مال رہن رکھا گیا ہے وہ مال قرض کی ضمانت میں رہے گا یعنی اگر قرض مال مرہون کی قیمت کے برابر یا اس سے کم ہوگا تو مال مرہون تلف ہونے کی صورت میں قرض بھی ساقط ہو جائے گا اور جتنا مال مرہون قرض سے زائد ہوگا وہ امانت سمجھا جائے گا اور اتنی مقدار کے تلف ہونے کا حکم امانت کے تلف ہونے کے حکم کی طرح ہوگا)۔

مسئلہ - اگر راہن مر جائے تو گروی کا مال راہن کے قرض خواہوں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا کیونکہ مال رہن مرتہن کے قبضہ میں تو ہوتا ہی ہے اور اس کو ملکیت کا استحقاق بھی (دوسروں سے زائد) ہوتا ہے کیونکہ اس کا قصد اسی لئے ہوتا ہے کہ اگر اس کا قرض وصول نہ ہو سکے تو مال رہن سے اپنا قرض وصول کرے۔

مسئلہ - اگر مرتہن کے قبضہ میں رہن کا مال بغیر مرتہن کے قصور کے تلف ہو جائے تو امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مرتہن پر اس کا ضمان پڑے گا (اگرچہ مال رہن کے تلف ہونے میں مرتہن کا کوئی قصور نہ ہو) کیونکہ مال رہن پر مرتہن کا قبضہ تھا اور وہ (عدم وصولی قرض کی صورت میں) اس کو بیچ کر اپنا قرض وصول کر سکتا تھا یعنی قبضہ استیفا تھا اب وہ مال اس کے قبضہ میں تلف ہو گیا تو (گویا) قرض مکمل وصول ہو گیا۔ اس کے بعد اگر راہن سے یہ اپنے قرض کا مطالبہ کرے گا تو سود ہو جائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک مرتہن پر ضمان بالقیمہ ہوگا (یعنی مال رہن کی جو قیمت بازاری ہوگی وہ مرتہن پر پڑے گی۔ کیونکہ وصولی قرض مال رہن کی قیمت کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قیمت رہن اور مقدار قرض سے جو چیز کم ہوگی تنہا مرتہن پر پڑے گی اور باقی حصہ بطور امانت رہے گا۔

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے۔

قاضی شریحؒ، حسنؒ بصری اور شعبیؒ کے نزدیک رہن مضمون بالدین مانا جائے گا (رہن تلف ہو گیا اس کی قیمت کم تھی یا زیادہ بہر حال قرض کا معاوضہ وصول شدہ قرار دیا جائے گا۔ مال رہن کی قیمت زیادہ ہو تو راہن کو بقیہ قیمت نہیں دی جائے گی اور کم ہو تو مرتہن کو بقیہ قرض نہیں ملے گا)۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مال رہن امانت تھا اگر مرتہن کے قصور سے تلف ہوا ہو تو ضمان دینا ہوگا ورنہ کچھ نہیں (اصل قرض قابل وصول رہے گا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رہن کرنے والے سے رہن کے مال کو بند کر کے نہ رکھا جائے مال رہن اسی کا ہے جس نے گرو رکھا ہے۔ رہن کا نفع بھی اسی کا ہے اور رہن کا نقصان اسی پر ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والدارقطنی والحاکم من طریق زیاد بن سعد عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً۔

دار قطنی نے لکھا ہے کہ زیاد بن سعد حافظ اور ثقہ ہے اور یہ حدیث حسن اور متصل السند ہے۔ ابن ماجہ نے اسحاق بن راشد کے طریق سے بحوالہ زہری اس کو بیان کیا ہے اور ہم نے مختلف طریقوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث اس کو لکھا ہے۔ اوزاعی، یونس اور ابن ابی ذئب نے بروایت زہری از سعید بن المسیب اس کو مرسل نقل کیا ہے۔ شافعی نے بروایت ابن ابی فدیک و ابن ابی شیبہ از وکیع از ابن ابی ذئب اور عبدالرزاق نے بروایت ثوری از ابن ابی ذئب اس کو نقل کیا ہے ابوداؤد، بزار اور دارقطنی کے نزدیک اس حدیث کا مرسل ہونا صحیح ہے۔ دارقطنی اور بیہقی نے کچھ دوسری سندوں سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ لیکن وہ تمام اسنادیں ضعیف ہیں۔ ابن حزم اور دارقطنی نے از شبابہ از ورقاء از ابن ابی ذئب از زہری از سعید بن مسیب و ابو سلمہ بن عبدالرحمن از ابی ہریرۃؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رہن نہ روک رکھا جائے۔ رہن رہن کرنے والے کا ہے رہن کا نفع اسی کا ہے اور نقصان بھی اسی پر ہے۔ ابن حزم نے اس سند کو حسن اور ابن عبدالبر نے صحیح اور عبدالحق نے موصول قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے اس سند میں ایک شخص عبد بن نصر ہے جس کی احادیث منکر ہیں اور حدیث کے آخری الفاظ کہ رہن کا نفع اسی کا ہے اور نقصان بھی اسی پر ہے۔ بعض لوگوں نے سعید بن مسیب کے داخل کردہ قرار دیئے ہیں۔ ابوداؤد نے مراسیل میں یہی لکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ ان الفاظ کا مرفوع یا موقوف ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن ابی ذئب اور معمر وغیرہ نے مرفوع کہا ہے اور دوسرے علماء نے موقوف کہا ہے۔ حدیث مذکور سے امام شافعیؒ کی صورت استدلال یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال مرہون اصل راہن کی ملک سے خارج نہیں ہوتا (مرتہن کا اس پر صرف قبضہ ہو جاتا ہے) لا یغلق الرہن کا یہی معنی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا یہ معنی نہیں ہے۔ بلکہ اصل معنی وہ ہے، جو ابن جوزی کی روایت میں آیا ہے۔ ابن جوزی نے ابراہیم نخعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ لوگ کسی کے پاس مال رہن رکھتے تھے اور کہہ دیا کرتے تھے کہ اگر فلاں وقت تک ہم قرض ادا کر دیں تو خیر ورنہ یہ مال تمہارا ہو جائے گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا یغلق الرھن (یعنی اگر مدت مقررہ کے اندر فک رہن نہ ہو سکے تب بھی وہ مال مرتہن کا نہیں ہو جاتا) طحاوی نے بھی

ہی سند سے ابراہیم نخعی کا یہ بیان نقل کیا ہے اور مالک بن انس اور سفیان بن سعید بھی حدیث کی تشریح اسی طرح کرتے تھے رہ گئے آخری فقرے غنمہ وعلیہ غرمہ تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اگر مال مرہون سالم رہے تب بھی راہن کا ہے اور تلف ہو جائے تب بھی راہن کا مال ہلاک ہو گا بلکہ (بقول بعض علماء) مطلب ہے کہ مال رہن میں کچھ بیشی ہو (مثلاً مرہون جانور کے بچے ہو جائیں یا دودھ ہو) تو وہ راہن کی ہے اور جو کچھ مرہون کے کھلانے پلانے میں صرف ہو وہ بھی راہن کے ذمہ ہو گا۔

ہم وجوب ضمان کے قائل ہیں، ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو طحاوی نے بسلسلہ محمد بن خزیمہ از عبید اللہ بن محمد تیمی از عبد اللہ بن مبارک از مصعب بن ثابت از عطاء بن ابی رباح بیان کی ہے کہ کسی آدمی نے ایک گھوڑا رہن رکھا اور مرتہن کے قبضہ میں وہ گھوڑا مر گیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرا حق جاتا رہا یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے (یعنی تابعی نے اس حدیث میں صحابی کا ذکر نہیں کیا کسی صحابی کا حوالہ دیا) اسی طرح ابن جوزی نے بحوالہ دار قطنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت دو ضعیف سندوں سے بیان کی ہے۔ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ رہن کی قیمت کا جو زائد حصہ ہو (قرض میں محسوب کیا جا سکتا ہو) وہ امانت رہے گا اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ وصول قرض صرف اتنے حصہ سے ہو جاتا ہے جو قرض کے برابر ہو (باقی امانت ہی کے حکم میں ہونا چاہئے)۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا پس اگر تم میں سے ایک دوسرے کو امین سمجھتا ہو۔ یعنی قرض دینے والا قرض لینے والے کی طرف سے مطمئن ہو اور قرض دار کی امانت کی وجہ سے تحریر یا رہن رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا ہو۔ حضرت ابی کی قرأت میں فان ائتمن ہے معنی ایک ہی ہیں۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ تو جس کی امانت پر اطمینان کر لیا گیا ہو اس پر لازم ہے کہ امانت دار کی امانت یعنی قرض دینے والے کا قرض ادا کر دے۔ قرض کو امانت اس لئے فرمایا کہ اس میں تحریر اور رہن کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور قرض دار کو امین سمجھ لیا گیا۔ حضرت انس راوی ہیں کہ دوران خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں وعدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔ رواہ البیہقی فی الشعب۔

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ اور خیانت اور انکار حق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اس بیان میں (حکم ادا کی) چند طرح سے تاکید کی گئی ہے۔ جس حدیث سابق الذکر میں منافق کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں اس میں یہ بھی (منافق کی نشانی قرار دی گئی) ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ یعنی اے گواہو، قرض داروں کے خلاف گواہی کو نہ چھپاؤ، اگر وہ خیانت کریں اور ادا امانت نہ کریں اور واجب الاداء حق کے منکر ہو جائیں یا یہ مراد ہے کہ اے قرض دارو تم پر جو حقوق واجب ہیں ان کی شہادت کو نہ چھپاؤ اور اپنے خلاف حق کا اقرار کر لو۔

وَمَن يَكْتُمْهَا اور جو شہادت حق کو چھپائے گا۔

فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ تو بلاشبہ اس کا دل گناہگار ہے۔ قَلْبُهُ آثِمٌ کا فاعل ہے یا آثِمٌ خبر مقدم اور قَلْبُهُ مبتدا موخر ہے اور پورا جملہ انّ کی خبر ہے۔ گناہ کی نسبت قلب کی طرف اس لئے کی کہ چھپانا دل ہی کا فعل ہے۔ اصل فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنے سے فعل میں شدت اور قوت پیدا ہو گئی۔ جیسے کہتے ہیں میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اپنے کانوں سے سنا، اپنے دل سے یاد رکھا۔ یا دل کی طرف نسبت کرنے کی یہ وجہ ہے کہ دل تمام اعضاء کا سردار ہے، اس کے افعال کا مرتبہ بھی سب افعال سے بڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی آدم کے بدن میں ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ صحیح ہوتی ہے تو سارا بدن صحیح ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ الشیخان عن النعمان بن بشیر۔ بعض علماء نے کہا کہ دل کے گناہگار ہونے سے مراد ہے دل کا مسخ ہو جانا۔

ع ۲۱ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یعنی شہادت دینے

اور شہادت کو چھپانے سے واقف ہے یہ جملہ بطور تہدید ہے۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ شہادت کو چھپانا حرام ہے مشہود لہ، خود طلب نہ کرے مگر ادائے شہادت فرض ہے اگر مشہود لہ کو شاہد کا شاہد ہونا معلوم بھی نہ ہو تب بھی شاہد پر لازم ہے کہ اپنے شاہد ہونے کی اطلاع مشہود لہ کو دے دے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ طلب شہادت سے بغیر شہادت دینی مذموم ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری بہترین امت میرے زمانہ کی ہے۔ ان کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ جو ان کے متصل آئیں گے پھر ان کا مرتبہ ہے جو ان (مذکورین) کے متصل ہوں گے ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو بلا طلب شہادت دیں گے خیانت کریں گے، امانت دار نہ ہوں گے، نذریں مانیں گے، مگر پوری نہیں کریں گے اور عموماً ان میں فربہی ہو گی (یعنی موٹے، بے غیرت، بے حیا، حرام خور ہوں گے)۔

دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بلا طلب قسمیں کھائیں گے۔ (متفق علیہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ کی عزت کرو۔ یہ تم میں سب سے اچھے ہیں ان کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو ان سے متصل آئیں گے پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ان سے متصل ہوں گے پھر کذب پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی بلا طلب قسمیں کھائے گا اور بلا طلب شہادت دے گا۔ رواہ النسائی واسنادہ صحیح۔ اس موضوع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ان کی شہادت قسموں سے پہلے اور قسمیں شہادت سے پہلے ہوں گی طحاوی نے مؤخر مذکرہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مذمومہ شہادت سے مراد ہے جھوٹ کی شہادت حدیث کے الفاظ ثم یفشو الکذب و یخونون ولا یؤتمنون و ینذرون ولا یوفون۔ کا یہی تقاضا ہے۔ طحاوی نے بوساطت مالک حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے اچھا گواہ کون ہے سب سے اعلیٰ گواہ وہ ہے جو درخواست سے پہلے ہی اپنی شہادت دیدے یا طلب شہادت سے پہلے اپنی شہادت کی اطلاع دیدے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے یعنی سب کچھ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اسی کے زیر حکم ہے اور اسی کی ملک ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز مادی اور جسمانی ہے مادہ اور جسمیت سے خالی کوئی مخلوق نہیں۔ ورنہ اس جگہ اللہ کی خالقیت اور مالکیت کا بیان ناقص ہو گا کیونکہ غیر مادی مخلوق کے مالک ہونے کا اظہار زیادہ اہم ہے (اور آیت میں غیر مادی مخلوق کو اللہ کے زیر حکم اور ملکیت کے اندر ظاہر نہیں کیا گیا ہے) لیکن یہ استدلال غلط ہے۔ بکثرت ممکنات غیر مادی ہیں۔ انسانوں کی روحیں ملائکہ وغیرہ سب مادہ سے خالی ہیں۔ اہل دل واقف ہیں کہ قلب روح سر خفی اخفی تمام کے تمام غیر مادی ہیں، اللہ ہی اپنی مخلوق سے واقف ہے کتنی ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ رہی اس کی وجہ کہ آیت میں صرف موجودات سماوی و ارضی کا ہی ذکر کیوں کیا گیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ عوام کی نظر صرف انہی چیزوں کو دیکھتی ہے، صانع کا وجود ثابت کرنے کے لئے انہی کا ذکر کافی ہے۔ استدلال میں صرف وہی چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو عوام کی نظر کے سامنے ہوں اور ان کو معلوم ہوں، ایسے امور کو محل استدلال میں نہیں پیش کیا جا سکتا جو خود ہی سے بھی پوشیدہ ہوں، اسی لئے اس جگہ عرش و کرسی کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے خارج اپنی مستقل ہستی رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ (اللہ اس سے واقف ہے) انسان کی نفسانی اور قلبی بیماریاں بہت ہیں جیسے نفاق، بد کھوٹ، بیجا تعصب، دنیا کی محبت، غصہ، غرور، پندار، آرزو، حرص، ترک توکل، ترک صبر، حسد، کینہ وغیرہ۔

حضرت جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو اپنے (جاہلیت کے)

تعصب پر (کنبہ جتھ کو) بلاتا ہے اور ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو اپنے (حامی) تعصب پر مرتا ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت حارثہ بن وہب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے جنتی ہر وہ ضعیف ہے جس کو کمزور سمجھا جاتا ہے لیکن اگر وہ وعدے اعتماد پر قسم کھالیتا ہے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے۔ دوزخی ہر وہ شخص ہے جو درشت خو، مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنے والا اور مغرور ہو۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنے والا، ریتم مغرور۔ ۔

حسن بصری کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت ہر گناہ کی چوٹی ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔ رواہ ابن عدی۔

حضرت جابر کی مرفوع روایت ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا ایمان کا (جزیا علامت) ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور انصار سے محبت رکھنا ایمان (کا جزیا نشان) ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور عرب سے محبت رکھنا ایمان (کا جزیا نشان) ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور جس نے میرے صحابہؓ کو گالی دی ان پر اللہ کی لعنت، اور جس نے میرے صحابہؓ کے بارہ میں میرا لحاظ رکھا میں قیامت کے دن اس کا لحاظ رکھوں گا۔ رواہ ابن عساکر۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیؓ سے محبت کرنا عبادت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو چیر کر سبزہ نکالتا ہے اور جاندار کو پیدا کرتا ہے، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تجھ سے محبت نہیں کرتا ہے مگر مؤمن اور تجھ سے بغض نہیں رکھتا ہے مگر منافق۔ رواہ مسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے اندر عیسیٰ کی مشابہت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں نے اتنی عداوت کی کہ ان کی والدہ پر (زنا کی) تہمت لگائی اور عیسائیوں نے ان سے اتنی محبت کی کہ ان کو اس مقام پر لے گئے جو ان کے لئے سزاوار نہ تھا (یعنی خدا کا بیٹا کہنے لگے) یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا میرے متعلق دو (طرح کے) آدمی ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک تو حد سے زیادہ مجھ سے محبت کرنے والا، جو میرے اندر افراط محبت کی وجہ سے ایسی چیزیں قرار دے گا جو مجھ میں نہیں ہیں۔ دوسرا وہ شخص جو مجھ سے بغض رکھتا ہے اور میری عداوت اس سے مجھ پر الزام تراشی کراتی ہے۔ (رواہ احمد)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کا ارشاد ہے بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری تہ بند (یعنی بڑائی اور عظمت میرا خصوصی وصف ہے) جو شخص ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے کھینچے گا (یعنی بڑائی یا عظمت کا دعویدار بنے گا) میں اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا۔ (رواہ مسلم) حضرت عطیہؓ سعدی کی مرفوع روایت ہے کہ غصہ شیطان (کے اثر یا غلبہ) سے ہوتا ہے۔ رواہ (ابوداؤد)، بہز بن حکیم نے بوساطت حکیم اپنے دادا کی مرفوع روایت بیان کی کہ غصہ ایمان کو اس طرح بگاڑ دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

عمرو بن شعیب نے بوساطت شعیب اپنے دادا کی مرفوع روایت بیان کی کہ اس امت کی اول ترین سنوار یقین اور دنیا سے بے رغبتی ہے اور اول ترین بگاڑ بخل اور آرزو ہے۔ (رواہ البیہقی) حضرت سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا آدمی کی خوش نصیبی ہے اور قضاء خداوندی سے ناراضگی آدمی کی بدبختی۔ (رواہ احمد والترمذی) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ اپنی مخلوق کی طرف خاص نظر فرماتا ہے اور سوائے مشرک اور دل میں کینہ رکھنے والے کے سب کو بخش دیتا ہے۔ (رواہ الدار قطنی) ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ نفسانی رذائل و عیوب کے متعلق ان گنت حدیثیں آئی ہیں۔

---

۱ دعویٰ اس شخص کو کہتے جو رشتہ اور قرابت سے ہٹ کر کسی اور خاندان کا فرد ہو یعنی اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے قبیلہ میں جا ملے اور اپنا نسب معاذ اللہ کر قبیلہ سے توڑ دے۔

شعبی اور عکرمہ نے آیت کا تیسری مطلب اس طرح بیان کی ہے کہ اخفاء شہادت کا جو خیال تمہارے دلوں کے اندر ہو گا اس کو ظاہر کر دیا نہ کرو۔ اللہ اس کی حساب فہمی کرے گا۔ مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ کافروں سے دوستی کا جو خیال تمہارے دلوں میں ہو گا اس کو ظاہر کر دو یا چھپاؤ اللہ اس کا محاسبہ کرے گا۔ گویا اس آیت میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے جس کو آل عمران میں بیان کیا ہے۔ آیۂ عمران میں فرمایا ہے لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس حکم کے آخر میں فرمایا قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ الآیۃ۔ تحقیق یہ ہے کہ اخفاء شہادت ہو یا کفار کی دوستی دونوں کو ما فی انفسکم کا لفظ شامل ہے۔ تعیین مراد بلا ثبوت ہے لفظ عام ہے۔ نصوص شرعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ بلا تخصیص ہر ارادہ قلبی کا مؤاخذہ ہو گا۔ بعض علماء نے کہا ما فی انفسکم سے مراد ہے قلبی گناہ کا مستحکم عزم۔ عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے میں نے سفیان (ثوری) سے پوچھا کیا ارادہ پر بھی بندہ کا مؤاخذہ ہو گا۔ سفیان نے کہا ہاں اگر ارادہ مستحکم ہو۔

میں کہتا ہوں کہ عزم پر بھی اگر مؤاخذہ ثابت ہو جائے تو اس کی وجہ یہ ہو گی کہ عزم (اگرچہ عملی گناہ نہیں مگر) قلبی گناہوں میں داخل ہے (اور ہر گناہ کا مؤاخذہ ضروری ہے) لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی کسی گناہ کا ارادہ کرے اور کرنہ پائے تو وہ نہیں لکھا جاتا اور کر لیتا ہے تو ایک ہی لکھا جاتا ہے (پس عمل سے پہلے ارادۂ گناہ خواہ مستحکم ہی ہو قابل مؤاخذہ نہیں۔ ہاں محاسبہ جو اخیر سنہ وہ ضرور ہو گا)۔

یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ۚ   قیامت کے دن اللہ تم سے اس کی حساب فہمی کریگا

فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ   اب یہ حساب فہمی اگر خفیف ہو گی صرف پیشی کی حد تک تو جس کو بخشنا چاہے گا بخش دیگا اور اگر تحقیقاتی حساب فہمی ہو گی تو اس کی گرفت ہو گی۔

وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ۗ   اور جس کو عذاب دینا چاہے گا اللہ عذاب دے گا۔ ابو جعفر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے فَیَغْفِرُ اور وَیُعَذِّبُ رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قاریوں نے جواب شرط ہونے کی بناء پر جزم کے ساتھ قرأت کی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾   اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا ہے یعنی عذاب و مغفرت وغیرہ پر۔ کوئی اس پر دسترس نہیں کر سکتا وہ چاہے تو چھوٹے گناہ پر بھی عذاب دے اور چاہے تو بڑے گناہ کو بغیر توبہ کے معاف کر دے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام گناہوں کی حساب فہمی حق ہے۔ قلبی گناہ ہوں یا باطنی یا جسمانی اور چھوٹے بڑے تمام گناہوں کی سزا دینا بھی حق ہے۔ مگر لازم نہیں بلکہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ فیغفر لمن یشاء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اگر چاہے گا تو کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کر دے گا۔ خواہ گناہ کرنے والے نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اور ویعذب من یشاء کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو چھوٹے گناہ پر بھی عذاب دے گا، کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ معتزلہ اور الحنفی آخرت کے حساب کے منکر ہیں۔ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کو عذاب دینا واجب ہے۔

ہمارے قول کا ثبوت اس آیت سے بھی ہوتا ہے اور دوسری آیات سے بھی اور احادیث سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس شخص کا بھی محاسبہ ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا کیا اللہ نے فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا نہیں فرمایا ہے ارشاد فرمایا یہ تو صرف پیشی ہو گی مگر جس سے حساب میں جھگڑا کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مؤمن کو (اپنا) قریب کرلے گا کہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر چھپا دے گا اور فرمائے گا کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے، کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب بیشک (مجھے اپنا گناہ یاد ہے) جب اللہ اس سے اقرار کرالے گا اور وہ خیال کرے گا کہ بس اب میں ہلاک ہو گیا۔ تو فرمائے گا دنیا میں میں نے تیرا یہ گناہ چھپایا تھا (تجھے رسوا نہیں کیا تھا) آج میں معاف کرتا ہوں اس کے بعد نیکیوں کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا۔ رہے کافر اور منافق تو علی الاعلان ان کے متعلق پکار کر

فرمائے گا ہٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ، متفق علیہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک آدمی حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں ان کو گالیاں دیتا اور مارتا ہوں میرا ان سے یہ سلوک کیسا ہے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے جھوٹ، خیانت، نافرمانی اور تیری سزا کا حساب لگایا جائے گا اگر تیری سزا ان کے قصور کے برابر ہوگی تو برابر سرابر معاملہ چھوٹ جائے گا نہ تیرا فائدہ ہوگا نہ ضرر۔ اگر سزا قصور سے کم ہوگی تو بقیہ حصہ تیرے لئے سودمند ہوگا (یعنی جس گناہ کی تو نے سزا نہیں دی ہوگی اس کا ثواب ملے گا) اور اگر سزا قصور سے زائد ہوگی تو زیادتی کا عوض ان کو تجھ سے دلوایا جائے گا۔ (رواہ الترمذی) حساب اور مغفرت کے سلسلہ کی حدیثیں فی الحقیقت بکثرت ہیں۔

فصل

بعض لوگ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار شخص ہوں گے اور (پھر) میرے رب کے تین لپ (بھر) بھی (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل ہوں گے۔ رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا، پھر ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے۔ یہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے مگر وہ تھوڑے ہوں گے ان کو جنت میں بلا حساب داخل کر دیا جائے گا۔ پھر باقی لوگوں کو حساب کیلئے جانے کا حکم ہوگا۔ رواہ البیہقی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے ہوں گے، شگون نہیں لیتے ہوں گے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہوں گے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عباسؓ سے ایک طویل حدیث میں اسی طرح مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی رفتار عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا حساب جنت میں جانے والے اہل تصوف ہی ہوں گے جو اللہ کے عاشق ہیں کیونکہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ میں اللہ نے حساب فہمی کو نفسانی گناہوں سے متعلق فرمایا ہے۔ اس آیت میں ظاہر اور مخفی دونوں کو محاسبہ کے لئے مساوی قرار دیا ہے۔ جیسے آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ میں استغفار اور عدم استغفار کو مساوی قرار دیا ہے۔ حساب فہمی اگرچہ اعمال اعضاء کی بھی ہوگی کچھ نفسانی گناہوں کی ہی خصوصیت نہیں ہے۔ لیکن اعمال کے مقابلہ میں نفسانی رذائل شدید ترین ہوتے ہیں ان کی مدی زیادہ ہے اور جسمانی گناہ بھی اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ تزکیۂ نفس اور جلاء قلب کے بعد گناہوں کا ارتکاب بہت ہی کم ہوتا ہے اس نے صرف باطنی گناہوں کی حساب فہمی کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے بدن کے اندر ایک ایسی بوٹی ہے کہ جب وہ درست ہوتی ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

تمام آلودگیوں سے قلب کی صفائی اور نفس کے پاکیزہ و مطمئن ہونے کے بعد بھی آدمی سے کبھی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو اس کو فوراً ندامت ہوتی ہے اور توبہ کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کی بدیاں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں اللہ غفور و رحیم ہے اسکو معاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا بیگناہ کی طرح (ہو جاتا) ہے۔ رواہ ابن ماجہ و البیہقی

شرح السنہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث آئی ہے کہ گناہ پر پشیمانی توبہ ہے۔ صوفیہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو حدیث مبارک میں فقراء مومنین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت (کے دروازہ) کی زنجیر کو ہلانے والا سب سے پہلے میں ہی ہوں گا اللہ جنت (کا دروازہ سب سے پہلے) میرے لئے کھول دے گا اور مجھے اندر داخل

فرمائے گا اس وقت میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور (میرا یہ کلام بطور) فخر نہیں ہے۔ آیت وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

فقیر وہی ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ صوفیہ کے پاس بھی کچھ نہیں ہوتا نہ اپنا وجود نہ متعلقات وجود (وہ اپنی ہستی مرضی مولیٰ کے حصول کے لئے وقف کر دیتے ہیں) امراض نفسانیہ اور باطنی گناہوں سے بالکل ہی صاف ہو چکے ہیں وہ وجود اور کمالات ہستی ان کے پاس ضرور ہوتے ہیں مگر وہ ان کمالات کو اللہ کی امانت اور ودیعت سمجھتے ہیں اور ہر کمال کو عطاء الٰہی جانتے ہیں اور ہر نیکی کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں (گویا اپنی ذات کو نیکی سے متصف بھی نہیں کرتے اور کسی اچھے کام کا صدور اپنی ذات سے جانتے ہیں) اسی لئے کسی اچھے کام سے ان کے اندر نہ غرور پیدا ہوتا ہے نہ فخر نہ الوہیت باطلہ کا کوئی شائبہ۔ حدیث مذکور میں حضور قدس ﷺ نے اپنے ساتھ ستر ہزار داخل ہونے والے بتائے ہیں اور یہ بھی روایت کی ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ غالباً اول ستر ہزار سے تو حضور ﷺ کی مراد وہ لوگ ہیں جو بجائے خود کامل ہونے کے بعد دوسرے کاملوں کے لئے رہنما ہوتے ہیں۔ جیسے انبیاء اور بہت سے اولیاء و مرشدین ان میں سے ہر ایک کے ساتھ پیچھے ستر ہزار علماء راسخین اور اولیاء صالحین اور صدیقین ہوں گے جن کے لئے یہ گروہ رہنما اور مرشد ہوتا ہے اول گروہ کاملوں کا ہے اور دوسرا طالبوں کا۔

رب اللہ کے تین لپ بھر لوگوں کا لفظ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد کثرت ہے (ورنہ اللہ کے لپ کا نہ کوئی مفہوم ہے نہ لپ کی مقدار کا) اللہ کے تو ایک لپ میں اول آخر سارا جہان آ جاتا ہے (تین لپ کا یہ معنی) قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان لپٹے ہوئے اس کے دست قدرت میں ہوں گے۔ پس غالباً تین لپ فرمانے سے انسانوں کی تین قسمیں مراد ہیں۔ ایک گروہ وہ جنہوں نے راہ خدا میں اپنی جانیں دیدیں یعنی شہداء دوسرا گروہ وہ جنہوں نے مرضی مولیٰ کی طلب میں اپنی عمریں اس کی اطاعت میں صرف کر دیں یہ گروہ اہل باصفا مریدوں کا ہے جو خود کو روحانی مکملین وکاملین کے دامن سے وابستہ ہے۔ تیسرا گروہ وہ جنہوں نے مرضی خدا حاصل کرنے کے لئے اپنا مال خرچ کیا وہ گروہ اول اور دوسرے تیسرے گروہ کے درجہ تک تو نہ پہنچ سکا مگر ان کی راہ پر چلنے والا ضرور ہے (پس یہ تینوں گروہ اللہ کے تین لپوں میں ہوں گے اور ہر لپ بھر کر اللہ ایک ایک گروہ کو جنت میں داخل فرمائے گا) رب پر ہی بھروسہ رکھنا صوفیہ کی باطنی صفت ہے اور راتوں کو ذکر و عبادت کے لئے بستروں سے پہلو الگ رکھنا ظاہری علامت ہے۔

بخاری، مسلم اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور مسلم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ نازل ہوئی تو صحابہ پر یہ بات بہت شاق گزری اور وہ زانو بیٹھ کر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نماز، روزہ، جہاد اور خیرات کا ہم کو حکم دیا گیا تھا اس کو ادا کرنے کی ہم میں طاقت تھی لیکن اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کو برداشت کرنے کی تو ہم میں طاقت نہیں (ہم نفسانی اور قلبی خطرات پر کس طرح قابو پا سکتے ہیں اور کس طرح محاسبہ سے بچ سکتے ہیں) حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کیا تم وہ بات کہنی چاہتے ہو جو تم سے پہلے دونوں کتاب والوں نے کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا تم ایسا نہ کہو بلکہ یوں کہو سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ جب تمام لوگ یہ آیت پڑھنے لگے جب زبانوں پر یہ الفاظ خوب رواں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ رسول اللہ ﷺ اور مؤمن ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آیت إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ کے نزول سے بعد شاید صحابہ سمجھے کہ خطرات نفس (وساوس) کا بھی اللہ محاسبہ فرمائے گا۔ انکسار نفس کی وجہ سے انہوں نے نفسانی گناہوں کے ساتھ اپنے کو آلودہ قرار دیا جبکہ آیت کی (علم میں) اطلاع ان پر شاق گزری۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے تسلیم و رضا اور توکل کا راستہ ان کو بتایا کیونکہ نفوس مطمئنہ کی یہ

صفات ہیں اور اللہ نے ان کے اس خیال کا ازالہ کر دیا کہ خطرات پر بھی محاسبہ ہوگا اور ان کو تسلی دی کہ تمہارے ایمان سچے ہیں تمہاری تمیز درست ہیں تمہارے نفس پاکیزہ اور دل صاف ہیں، رذائل نفس کا زوال ایمان کا مقتضا ہے (اور اللہ نے ان کے مؤمن ہونے کی شہادت آیت مذکورہ میں دی ہے تو گویا رذائل نفسانی سے ان کے نفوس کو پاک اور دلوں کو صاف قرار دیا ہے) کیونکہ کامل ایمان حقیقی اسی وقت ہوتا ہے جب نفس اور رذائل نفس بالکل فنا ہو جائیں (اور آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہی ہے کیونکہ) مطلق کا رجوع فرد کامل کی طرف ہوتا ہے (اور آیت میں لفظ امن مطلق ہے اس لئے ایمان کامل مراد ہے اور کمال ایمان کا تقاضا ہے کہ عیوب نفسانی فنا ہو جائیں) پس ایمان کامل کی شہادت اپنے ساتھ اس شہادت کو بھی لاتی ہے کہ صحابہؓ کے دل تمام نفسانی گناہوں سے پاک ہیں۔

مؤمنوں سے مراد وہی مؤمن ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے یعنی صرف صحابہؓ مراد ہیں جیسے آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ میں مؤمنین سے مراد صرف صحابہؓ ہیں۔ ہاں اہل السنت و جماعت جن کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کی طرح ہے ان کا شمول صحابہؓ کے ساتھ (ذیلی طور پر) ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور سوائے ایک فرقہ کے سب فرقے ناری ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ (نجات پانے والا) کونسا فرقہ ہوگا فرمایا جو اس طریقہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔ رواہ الترمذی عن عبداللہ بن عمرو۔

كُلٌّ ان میں سے ہر ایک مضاف یہ محذوف ہے۔ تنوین اس کے عوض میں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ کا عطف بِالرَّسُوْلُ پر ہے اس صورت میں وہ ضمیر مضاف الیہ جس کی جگہ كُلٌّ کی تنوین لائی گئی ہے اَلرَّسُوْلُ اور اَلْمُؤْمِنُوْنَ دونوں کے مجموعہ کی طرف راجع ہوگی یا اَلْمُؤْمِنُوْنَ مبتدء ہے اس وقت ضمیر مضاف الیہ صرف اَلْمُؤْمِنُوْنَ کی طرف راجع ہوگی اور كُلٌّ اپنی خبر کے ساتھ مل کر اَلْمُؤْمِنُوْنَ کی خبر ہوگی اس صورت میں اٰمَنَ کا فاعل تنہا اَلرَّسُوْلُ ہوگا۔ عظمت شان رسول کی وجہ سے صرف اَلرَّسُوْلُ کی طرف اٰمَنَ کی نسبت کی گئی یا اس وجہ سے تنہا ایمان رسول کا ذکر کیا گیا کہ رسول کا ایمان مشاہدہ اور معاینہ کے ساتھ تھا اور دوسرے لوگوں کا ایمان نظری اور استدلالی۔

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر۔

حمزہ اور کسائی کی قرأت میں وَكِتَابِهٖ آیا ہے اور کتابہ سے مراد ہے قرآن مجید، قرآن عزیز پر ایمان کے ذیل میں باقی کتابوں کا ایمان داخل ہے یا کتابہ سے جنس کتاب مراد ہے۔ اسم جنس اور اسم جمع میں فرق یہ ہے کہ اول کا اطلاق افراد جنس پر اور دوسرے کا اطلاق جنس کے مجموعوں پر ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ الکتاب (کا شمول) الکتب سے زیادہ ہے۔

وَرُسُلِهٖ اور اس کے پیغمبروں پر۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ یعنی انہوں نے کہا یہ کہتے ہوئے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے کہ ہم انبیاء کے درمیان ایمان میں تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں) جیسا کہ یہودیوں نے کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے چونکہ اَحَدٍ نکرہ ہے اور نفی کے ذیل میں واقع ہوا ہے اس لئے مفید عموم ہے اور اس پر لفظ بین آیا ہے۔ یعقوب کی قرأت میں لَا یُفَرِّقُ ہے اور ضمیر غائب لفظ كُلٌّ کی طرف راجع ہے جیسے اٰمَنَ کی ضمیر مفرد لفظ كُلٌّ کی طرف راجع ہے۔

وَقَالُوْا (اور انہوں نے کہا) یعنی رسول اللہ اور مؤمنوں نے، معنوی اعتبار سے لفظ كُلٌّ کی طرف ضمیر راجع ہے۔

سَمِعْنَا ہم نے آپ کا فرمان سنا۔

وَاَطَعْنَا اور ہم نے آپ کا حکم مانا۔ بغوی نے حضرت جابرؓ بن حکیم کا قول نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ نے آپ کی اور آپ کی امت کی ثنا کی ہے۔ آپ اللہ سے کچھ سوال

یجے پورا کیا جائے گا پس اللہ کی تعیین سے آپ نے سوال کیا۔

غُفْرَانَكَ یعنی اپنی مغفرت عطا فرما یا ہم تجھ سے تیری مغفرت مانگتے ہیں۔

رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ اے ہمارے رب اور مرنے کے بعد تیری ہی طرف لوٹنا ہے یہ آخری فقرہ حشر کا اقرار ہے جس کا ایمان میں داخل ہے صحیحین کی جو حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کا قول سمعنا اس آیت کے نزول سے پہلے تھا اس جگہ اللہ نے اسی قول کو بطور نقل ذکر فرمایا ہے اور ستائش کا اظہار کیا ہے یہی توجیہ زیادہ قوی ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا اللہ کسی کو مکلف نہیں کرتا مگر اس کی قدرت کی سمائی کے موافق۔ یہ معنی اس وقت ہوں گے جب قدرت سے مراد امکانی قدرت ہو یا سمائی سے مراد ہے مقدور قدرت سے کم درجہ والی سمائی یعنی سہولت۔ اول قسم ان احکام میں جاری ہوگی جس کی بنا قدرت ممکنہ پر ہے اور دوسری قسم کا اجراء ان احکام میں ہوگا جن کی بناء سہولت آفریں قدرت پر ہے جیسے زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال کا پورا سال گزر جانا۔

آیت دلالت کرتی ہے کہ شریعت نے ناممکن (فعل) پر مکلف نہیں کیا لیکن ناممکن فعل پر مکلف کرنا (عقلاً) ممنوع ہے اس مفہوم پر آیت کی دلالت نہیں ہے۔[1]

اس جگہ قدرت سے مراد وہ استطاعت جو فعل سے پہلے موجود ہوتی ہے جیسے اسباب اور آلات کا فراہم ہونا (موانع اور عوائق کا نہ ہونا) اوامر و احکام کے دلائل کا موجود ہونا۔ وہ حقیقی قدرت (جس کو استطاعت فعل کہا جاتا ہے) مراد نہیں ہے جو فعل کے ساتھ ہوتی ہے (پہلے سے نہیں ہوتی) قدرت بمعنی اول کے موجود ہونے کی وجہ سے ہی قوم نوح و فرعون اور ابو جہل و ابو لہب مستحق عذاب قرار پائے اور ان کو خطاب کیا گیا اور مخاطب بنایا گیا حالانکہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور کان بند کر دیے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا (یعنی غفلت کی مہر کر دی اور جہالت کا پردہ ڈال دیا) لیکن اس کے باوجود فرمایا لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ یہ قرآن تم میں سے اس شخص کے لئے ہدایت ہے جو سیدھا چلنا چاہے (مراد یہ ہے کہ اسباب ہدایت موجود ہیں آنکھیں دیکھنے کو، کان سننے کو، دماغ سمجھنے کو خدا نے دیدیا ہے۔ پیغمبر کو بھیج دیا، اپنا پیام ہدایت بھی بھیج دیا، پیغمبر نے حق و باطل کی تمیز بتادی، کوئی خارجی مانع بھی نہیں ہے اب جو چاہے سیدھی راہ چلے، قدرت بمعنی الاول موجود ہے) مگر یہ بھی فرمادیا وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ یعنی بغیر مشیت خدا کے تمہاری مشیت ہی نہیں ہوگی اور مشیت خدا تو انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ لہٰذا انسانی مشیت جس کا وجود اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے اس کا ہونا بھی محال ہے (گویا قدرت بمعنی الثانی یعنی استطاعت فعل جو فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے جس کو توفیق الٰہی بھی کہا جا سکتا ہے معدوم ہے۔ اس لئے فعل کا وقوع نہیں ہوتا لیکن یہ قدرت و استطاعت مدار تکلیف نہیں اور امر و نہی کی اس پر بنا نہیں ہے یہ تو اللہ کی مشیت پر موقوف ہے احکام کی بناء اول قدرت پر ہے جو پہلے سے موجود ہے اور ہر مکلف کو حاصل ہے) ایک طرف حکم دینا اور دوسری طرف توفیق نہ دینا یہ اللہ کا خصوصی راز ہے اس کی چھان بین اور کاوش کی ضرورت نہیں یہ بہت بڑی ذہنی اور فکری لغزش گاہ ہے اندیشہ ہے کہ کہیں قدم پھسل نہ جائے اس لئے صرف اس پر ایمان رکھنا اور خاموش رہنا ہی چاہئے۔

---

[1] اسی بناء پر اشاعرہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں کسی ناممکن عمل کا حکم نہیں دیا گونگے سے قرأت کو، لنگڑے سے چلنے کو اور پاگل سے صحیح سوچنے کو نہیں کہا، معدوم کو موجود کرنے کا حکم نہیں دیا وغیرہ وغیرہ لیکن اللہ کے احکام چونکہ ہر غرض سے پاک ہیں، خصوصاً حکم الٰہی احتمال کرنے سے حرج ہے (بیضاوی) اس لئے عقل کی ممانعت نہیں ہے کہ آدمی کو ناممکن عمل کی تکلیف دی جائے اگر وہ عدم استطاعت کی وجہ سے نہ کر سکتا ہو تو ترک امر تکلیفی بہر حال اپنی جگہ قائم رہے گا۔ لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ تکلیف بالمحال عقلاً بھی محال ہے۔ ۱۲

---

[2] صاحب تبصرہ نے لکھا ہے کہ استطاعت اور قدرت حقیقیہ وہ صفت ہے جو اللہ حیوان کے اندر پیدا کر دیتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے اختیاری افعال کرتا ہے گویا صاحب تبصرہ کے نزدیک استطاعت عمل عبد کی علت عادیہ ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک استطاعت وہ عمل کی شرط ہے، علت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس وقت بندہ کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پہلے سے تمام اسباب و آلات فراہم ہوتے ہیں تو اللہ (باقی اگلے صفحہ پر)

شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ جب آیت ان تبدوا مافی انفسکم صحابہؓ پر شاق گزری اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے انہوں نے سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر کہا تو اس پر اللہ نے آیت (لایکلف اللہ نازل فرما کر اس سے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نسخ کا لفظ بطور مجاز کہا کیونکہ حقیقی نسخ تو احکام میں ہوتا ہے۔ نسخ کا معنی ہے کسی حکم شرعی کو اٹھا دینا جو پہلے دیا گیا تھا۔ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا اور اس جگہ دونوں آیتیں خبری ہیں پہلی آیت میں قلبی اعمال پر مواخذہ کی اطلاع دی ہے اور دوسری آیت میں طاقت سے زیادہ مکلف نہ کرنے کی خبر ہے اس لئے حقیقی نسخ کا اس جگہ احتمال ہی نہیں ہے لیکن چونکہ اس آیت سے صحابہؓ کے اس خیال کا ازالہ ہو رہا ہے کہ خطرات نفس پر بھی مواخذہ ہو گا اور یہ ان کی تسلی کا موجب ہے اس وجہ سے حضرت ابوہریرہؓ نے مجازاً اس کو لفظ نسخ سے تعبیر کیا۔

ہاں اگر نسخ حقیقی ہی مراد قرار دی جائے تو یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ آیت وان تبدو اگرچہ خبر ہے لیکن (امر کے حکم میں ہے کیونکہ) اس سے رذائل نفس کا تحریم حرمت معلوم ہوتا ہے جیسے آیت کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (امر کے حکم میں ہے کیونکہ) وجوب صوم پر دلالت کر رہی ہے پس آیت وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کا لفظ حرمت رذائل نفسانی کو شامل ہے اور آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا خطرات پر غیر مکلف ہونے کو بتا رہی ہے کیونکہ خطرات نفس ہماری وسعت میں نہیں ہیں اور حکم تحریم ایک قسم کی پابندی ہے پس یہ آیت عدم تحریم پر دلالت کر رہی ہے لہٰذا ناسخ تحریم ہو گی واللہ اعلم (خلاصہ یہ کہ اللہ کے کلام میں خبر انشاء کے معنی میں ہوتی ہے اگر خبر کے بعد ممانعت نہ ہو تو وہ خبر بشکل امر کے ہوتی ہے اور اس کی تعمیل امر کی طرح ضروری ہوتی ہے پس پہلی آیت میں مثبت خبر ہے۔ لہٰذا یہ سمجھا جائے گا کہ اللہ نے خطرات نفس پر مواخذہ کا حکم دیا ہے اور دوسری آیت میں منفی خبر ہے۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ اللہ نے خطرات نفس پر مواخذہ کی ممانعت فرما دی اور نہی امر کی ناسخ ہوتی ہے لہٰذا دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہو گی)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو وسوسے دل میں پیدا ہوتے ہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو یا ان کو زبان سے نہ کہہ دیا جائے، اللہ نے میری امت کے لئے ان سے درگزر فرمائی ہے۔ (متفق علیہ) بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عنہ اور اکثر اہل تفسیر کے نزدیک آیت وان تبدوا مافی انفسکم میں خطرات نفس (یعنی وسوسے) مراد ہیں۔

میں کہتا ہوں آیت وان تبدوا اور لایکلف اللہ نفسا کے احکام کا تعلق صرف خطرات نفس سے ہی نہیں ہے بلکہ آیتوں میں عموم ہے ہاں خطرات نفس بھی اس عموم میں داخل ہیں لہٰذا خطرات نفس پر مواخذہ کا نسخ حسب تقریر مذکور ہو جائے گا۔

فائدہ

جب ثابت ہو چکا کہ رذائل نفس کا مواخذہ اعمال بدنیہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلف

---

(۱) پچھلے صفحہ پر ہے کہ اندر ایک صفت پیدا کر دیتا ہے جس کی موجودگی میں وہ اچھا برا کام کرتا ہے اور اس قسم کی استطاعت کا فعل کے ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے ورنہ وجود فعل بغیر استطاعت کے لازم آئے گا، گویا قدرت کے دو معنی ہیں ایک آلات و اسباب کا فراہم ہونا اور موانع کا نہ ہونا اس قدرت کا وجود پہلے سے ہوتا ہے، لیکن یہ قدرت ناقص ہے دوسری وہ قدرت جس کے پیدا ہونے کے وقت تمام شرائط مرتب پہلے سے موجود ہوتی ہیں وہ کام کرنے کے وقت اللہ کی طرف سے بندہ کو ایک خاص طاقت مل جاتی ہے جس کو ہم توفیق کہہ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی فعل کا صدور لازم ہوتا ہے یا وہ ظاہر ہو جاتا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ استطاعت اور قدرت ایک قوت کا نام ہے جو بندہ کے اندر ہوتی ہے اور یہ پہلے سے ہوتی ہے فعل کے وقت اس کا وجود نہیں ہوتا ورنہ قوت اور فعل کا اجتماع لازم آئے گا حالانکہ قوت صرف استعداد ہوتی ہے اور فعل وجودی چیز ہے اور عدم و وجود کا اجتماع ممکن نہیں اسی بناء پر بندہ کو اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں کیونکہ قدرت بندہ کے اندر پیدا کر دی گئی ہے گویا توفیق الٰہی کی معتزلہ کو ضرورت نہیں بس طاقت و دیعت ان کے نزدیک توفیق ہے۔ ۱۲ منہ

نہیں ہے تو اگر بندہ اپنی مکانی کوشش کرے اور بیرونی نفسانی کے ذریعہ امراض نفسانی کو دور کرنے کی جدوجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور رذائل نفس کو دور کرنے کے لئے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ اس کے اندرونی معاصی معاف فرمادے گا، مؤاخذہ نہ کرے گا کیونکہ طاقت سے زیادہ بندہ مکلف نہیں اور مشروعات خداوندی پر کاربند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا۔ لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رذائل نفس کو دور کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر چلنا اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں (ایک) کتاب اللہ (دوسری) اہل بیت۔ پس اللہ کی کتاب کو استنباط احکام، درستی اعمال، نصیحت پذیری اور مدارج قرب کی ترقی کیلئے پکڑنا ضروری ہے اور مرضی خدا کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کیلئے آل رسول کے دامن سے وابستہ ہونا بھی لازم ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ (یعنی اعضاء جسمانی کے اعمال ہوں یا اندرونی افعال) بہرحال جو نیکی کوئی نفس کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ملے گا

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اور جو بدی کریگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا یعنی طاعت معصیت سے نفع نقصان انسان کا اپنا ہی ہے۔ کسب اور اکتساب میں یہ فرق ہے کہ کسب کا معنی ہے صرف کرنا اور اکتساب کا معنی ہے اپنے لئے کوئی کام کرنا۔ شر کی طرف انسان کے نفس کو رغبت ہوتی ہے اس کی طرف طبیعت کھنچتی ہے اس لئے تحصیل شر کی زیادہ کوشش کرتا ہے اور خیر کی حالت اس کے خلاف ہے (خیر کی طرف نفس کی کشش نہیں ہوتی) اس لئے خیر کیلئے لفظ کسب اور شر کیلئے لفظ اکتساب استعمال کیا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا یعنی تم کہو کہ اے ہمارے رب ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا ہم کو سزا نہ دینا

إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا یعنی اگر ہم یاد نہ رہنے کی وجہ سے کسی واجب کو ترک کردیں یا بے پروائی کی وجہ سے کسی کام کو درست طور پر نہ کریں۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ نسیان و خطاء پر گرفت عقلاً ممنوع نہیں ہے کیونکہ گناہ زہر کی طرح ہیں، غلطی سے زہر کھانا بھی مہلک ہوتا ہے اسی طرح گناہ کا ارتکاب بھی موجب عذاب ہے یا سینہ میں تنگی اور دل میں زنگ پیدا ہوجانے کا سبب ہے خواہ بغیر ارادہ کے ہی ہو۔ حضرت شیخ شہید نے اپنے شیخ سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب شیخ بدایونی کے پاس کھانا یا کچھ اور چیز ہدیہ میں آتی تھی تو شیخ بصیرت کی نظر سے اس پر غور کرتے تھے۔ اگر اس کے اندر کسی قسم کی تاریکی نظر نہ آتی تو خود کھا لیتے یا استعمال کر لیتے یا دوسرے کو دیدیتے اور کسی ہدیہ میں آئے ہوئے کھانے کو زمین میں دفن کر دیتے۔ کسی بے بصیرت شخص نے پوچھا شیخ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں کسی دوسرے کو ہی کھلا دیا کریں۔ فرمایا سبحان اللہ اگر مسلمان کو کھانے میں زہر نظر آجائے اور وہ خود نہ کھائے تو کیا دوسرے کو کھانے کے لئے دینا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان استفت قلبک و ان افتاک المفتون کا روئے خطاب انہی لوگوں کی طرف ہے۔ یعنی چاہے مفتی تم کو فتویٰ دے چکے ہوں پھر بھی اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو (اگر مفتیوں کے جائز قرار دینے کے باوجود تمہارا دل اس کے جواز کی طرف راغب نہ ہو تو مت اختیار کرو)۔

حدیث سے ثابت ہے اور اجماع بھی منعقد ہے کہ اس امت کی خطاء و نسیان کو اللہ نے معاف فرمادیا ہے ایسی صورت میں آیت کے اندر جو دعا مذکور ہے اس کا ورود صرف طلب دوام اور شکر نعمت کیلئے ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ میری امت سے خطاء و نسیان اور مجبوری (کا مؤاخذہ) اٹھالی گئی ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے اور پہلے گزر چکی ہے۔ اٹھانے سے مراد ہے گناہ کا اٹھا لینا یعنی آخرت میں بھول چوک (اور مجبوری) کا مؤاخذہ نہ ہوگا دنیا میں اٹھا لینے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا میں بھول چوک اور مجبوری کا مؤاخذہ ہوتا ہے یہ دنیا دار العمل ہے یہاں اگر بھول چوک یا کسی کے جبر کرنے سے کوئی گناہ ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کا تدارک ضروری ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا تھا جو نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ بھول چوک کے عذر سے اجماعاً روزہ، نماز کی قضاء ساقط نہیں، نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ سہو بالاجماع واجب ہے۔ قتل خطاء موجب کفارہ ہے اور میراث سے بھی اجماعاً محروم کر دیتا ہے۔ امام شافعیؒ بھول چوک کا اعتبار دنیوی احکام میں بھی کرتے ہیں۔

مسئلہ :- بھول کر نماز میں کلام کرنے سے امام اعظمؒ کے نزدیک نماز ٹوٹ جاتی ہے اس کی دلیل ہم لکھ چکے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتی کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو پچھلے دن کی کوئی ایک نماز پڑھائی ظہر کی یا عصر کی اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا اور پھر مسجد کے قبلہ کی طرف تشریف لے جا کر ایک حصہ سے ٹیک لگا کر غصہ کی حالت میں بیٹھ گئے۔ لوگوں میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے مگر دونوں کو بات کرنے سے ڈر لگا۔ لوگ جلدی جلدی مسجد سے باہر نکل گئے اور کہنے لگے نماز میں قصر ہو گیا۔ ذوالیدین نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھول گئے یا نماز میں قصر ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے دائیں بائیں دیکھا اور فرمایا ذوالیدین کیا کہہ رہا ہے صحابہؓ نے عرض کیا انہوں نے سچ کہا آپ نے صرف دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فوراً (بقیہ) دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا پھر تکبیر کی پھر سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کی پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کی پھر سر اٹھایا (یعنی سہو کے دو سجدے کئے) متفق علیہ۔ ہم کہتے ہیں یہ حدیث آیت وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ سے منسوخ ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت کردہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ :- جمہور کے نزدیک بھول کر جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ شافعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے ہمارے نزدیک جبر اور غلطی دونوں طرح کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شافعیؒ کا مسلک اس سے بھی خلاف ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد حدیث رفع عن امتی میں لفظ رفع کی تشریح کا اختلاف ہے (شافعیؒ کے نزدیک احکام دنیا کا رفع بھی مراد ہے اور ہمارے نزدیک صرف عذاب آخرت کا)۔

مسئلہ :- غلطی سے کچھ کھا لینے سے امام اعظمؒ اور صاحبینؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ اور شافعیؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتا۔ بھول کر کچھ کھا لینے سے امام مالکؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ جمہور کے نزدیک فاسد نہیں ہوتا۔

بھول کر کھا لینے سے روزہ فاسد نہ ہونے کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بھول کر کھا پی لے تو اپنے روزہ کو پورا کرے کیونکہ یہ تو اس کو اللہ ہی نے کھلایا پلایا ہے، متفق علیہ۔

مسئلہ :- ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جانے سے امام مالکؒ کے نزدیک ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ حدیث مذکور کی وجہ سے ہمارے نزدیک حرام نہیں ہوتا۔ حدیث قیاس کے خلاف ہے اس مسئلہ کا ذکر ہم سورۂ انعام میں کریں گے۔

﴿ فائدہ ﴾

کلبی کا بیان ہے کہ احکام کی بھول چوک پر بنی اسرائیل کو جلد سزا مل جاتی تھی فوراً کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے لئے حرام کر دی جاتی تھی۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا اے ہمارے رب اور نہ لاد ہم پر بھاری بوجھ۔ اصر کا معنی ہے حبس۔ ایسا بار جو بوجھ والے کو روک دے۔ اصر کہلاتا ہے۔ یہاں وہ احکام شاق مراد ہیں جو اٹھائے نہ جا سکیں۔

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلوں پر یعنی یہودیوں پر لاد دیا تھا اللہ نے یہودیوں پر پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی اور زکوٰۃ میں ایک چوتھائی مال دینے کا حکم دیا تھا۔ ان کو یہ بھی حکم تھا کہ اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو کپڑے کو کاٹ دیا جائے۔ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جاتا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوا پایا جاتا جب

رسول نے بچھڑے کی پوجا کی تو حکم دیا گیا فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ بعض علماء کا قول ہے کہ اصر سے ایسا گناہ مراد ہے جس کی توبہ نہ ہو۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ اے ہمارے رب اور ہم پر نہ ڈال ایسا بار جس کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ ناقابل برداشت بار سے مراد ہے مصیبت اور عذاب یا سخت احکام۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف مالا یطاق (عقلاً) جائز ہے مگر اللہ کی مہربانی سے شریعت میں ناقابل طاقت کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ لاتحمل (باب تفعیل) اس جگہ تشدید کے ساتھ ہے کیونکہ اس جگہ پر فعل کے دو مفعول ہیں (نا اور ما)۔

وَاعْفُ عَنَّا اور ہمارے گناہوں کی سزا سے درگزر فرما۔

وَاغْفِرْ لَنَا یعنی ہمارے گناہوں کو مٹا دے اور ان پر پردہ ڈال دے (لغت میں مغفرت کا معنی ہے چھپانا)۔

وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما کیونکہ (ہم خود کچھ نہیں کرتے) جو نیکیاں ہم کرتے ہیں یا گناہوں کو چھوڑتے ہیں وہ صرف تیری رحمت سے کرتے ہیں۔

أَنتَ مَوْلَانَا تو ہمارا آقا ہے، مددگار ہے، حفاظت کرنے والا ہے، کارساز ہے۔

فَانصُرْنَا لہٰذا ہم کو فتح یاب کر۔ اس جگہ ف تفریعیہ ہے اور مفہوم آقائیت پر اس کی تفریع ہے۔ کیونکہ آقا کو اپنے غلاموں کی مدد کرنی ہی چاہئے۔

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ کافر قوم پر۔ عام کافر مراد ہیں جنات ہوں یا انسان یہاں تک کہ نفس لوامہ بھی (کافر ہے اس کے خلاف بھی کامیابی کی دعا ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ سورۂ بقرہ ختم کرنے کے بعد آمین کہتے تھے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے کہ اللہ نے فرمایا اچھا یعنی رسول اللہ ﷺ جب آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا پڑھ چکے تو اللہ نے فرمایا، اچھا، اسی طرح دوسرے جملہ کو مِن قَبْلِنَا تک اور تیسرے جملہ کو مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ تک اور چوتھے جملہ کو آخر سورۃ تک پڑھ چکے تو اللہ نے ہر جملہ کے بعد فرمایا اچھا

مسلم و ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بجائے اچھے کے قد فعلت کا لفظ آیا ہے یعنی میں نے ایسا کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ لفظ غفرانک پڑھنے کے بعد اللہ نے فرمایا قد غفرت لکم میں نے تم کو بخش دیا اور جملہ أَوْ أَخْطَأْنَا کے بعد فرمایا لا اؤاخذکم میں تم سے مؤاخذہ نہیں کروں گا اور لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا کے بعد فرمایا لا احمل علیکم اور لاتحملنا کے بعد فرمایا لا احملکم اور واعف عنا کے بعد فرمایا قد عفوت عنکم و غفرت لکم و رحمتکم و نصرتکم علی القوم الکافرین یعنی میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے، بخش دیئے، اور تم پر رحمت فرمائی اور تم کو کافروں پر فتح یاب کیا۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کی طرف سے دعا قبول کر لی گئی۔ بھول چوک کا مؤاخذہ نہ ہونے کا حکم اجماعاً تمام امت کے لئے ثابت ہے۔ اسی طرح اصر کا بار نہ ڈالنا اور مالا یطاق پر مکلف نہ کرنا بھی تمام امت کے لئے عام ہے۔ دوسری آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کیونکہ قانون شریعت ایک ہے اور دوامی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو حکم اگلوں کے لئے ساقط تھا وہ پچھلوں کے لئے ساقط نہ ہو (حکم کی معافی سب کے لئے ہے) اور رسول اللہ ﷺ کے بعد نہ کوئی حکم منسوخ ہو سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ ہاں تمام گناہوں کی معافی کا حکم اور عمومی رحمت اور کافروں پر کامیابی کی صراحت یہ چیزیں بظاہر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے لئے مخصوص تھیں۔ عفوت اور غفرت اور رحمت اور نصرت کے (ماضی کے صیغے) اسی پر دلالت کر رہے ہیں۔ ورنہ فرقہ مرجیہ کا قول حق ہو گا (کہ ایمان ہو تو کوئی کبیرہ گناہ بھی قابل مؤاخذہ نہیں رہتا سب گناہ معاف ہیں) عام امت کے گناہوں کا فیصلہ اللہ کو ہے چاہے معاف کر دے چاہے ان کی سزا دے، اسی لئے بعض مرتبہ مسلمانوں کی مدد خدا کی طرف سے نہیں کی جاتی اور کافروں کے

مقابلہ میں فتح یاب نہیں کیا جاتا (کیونکہ) فتح یابی کا حکم عمومی نہیں ہے جیسے مغفرت ذنوب کا حکم عام نہیں ہے ۔ مغفرت اور فتح یابی کا مدار تو ولایت لیہ پر ہے اور ارتکاب معاصی کی صورت میں ولایت لیہ باقی ہی کہاں رہتی ہے ۔ اے اللہ امت محمدیہ کو بخش دے اللہ امت محمدیہ پر رحمت فرما ۔ اے اللہ امت محمدیہ کے اعمال کی اصلاح فرمادے ۔ آمین

فصل

سورۂ فاتحہ کے فضائل میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اور اس نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے ۔ فاتحۃ الکتاب اور سورۂ بقرہ کی خاتمہ والی آیات ۔ آپ جو حرف بھی ان کا پڑھیں گے وہ آپ کو ضرور دیا جائے گا ۔ یعنی ایک تو اللہ کی تعلیم ہے جو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پڑھنے کا حکم ہوا ہے اس کو اگر پڑھا جائے گا تو ضرور سیدھا راستہ اللہ دکھادے گا اور دوسرے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا سے آخر سورت تک اگر پڑھا جائے گا تو اللہ قبول فرمائے گا اور حسب دعا عطا کرے گا) اور یہ دونوں نور صرف رسول اللہ ﷺ کو ہی عطا کئے گئے ہیں اسی لئے آپ کے بعد بھی آپ کی اُمت (بحیثیت مجموعی) گمراہی پر جمع نہیں ہوگی ۔ دوسری حدیث صحیحین میں معاویہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، مدد نہ کرنے والے اس کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور نہ اس کی مخالفت کرنے والے نقصان پہنچا سکیں گے ۔ اسی حالت میں اللہ کا امر یعنی قیامت بپا ہونے کا حکم آجائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب (معراج میں) لے جایا گیا اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے ۔ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے ۔ زمین سے چڑھنے والے (اعمال) بھی اسی جگہ تک پہنچتے ہیں اور لے لئے جاتے ہیں اور اوپر سے اترنے والے (احکام) بھی اسی جگہ تک پہنچتے اور لے لئے جاتے ہیں ۔ سدرۃ المنتہیٰ پر ہی وہ چیز چھائی ہوئی ہے جس کا ذکر آیت اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى میں آیا ہے یعنی سنہری پتنگے ۔ اس جگہ آپ ﷺ کو تین چیزیں عطا ہوئیں ۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۂ بقرۃ کے خاتمہ کی آیات اور آپ ﷺ کی اُمت کے ان لوگوں کے کبائر کی معافی جو شرک نہیں کرتے ۔ (رواہ مسلم)

یعنی غیر شرک کے کبائر کی معافی کا وعدہ کرلیا ہے، خواہ توبہ کے بعد ہو یا بغیر توبہ کے محض رحمت سے بغیر عذاب دیئے ہو یا عذاب کے بعد ہو ۔ خلاصہ یہ کہ مومن کو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھا جائے گا ۔ وہ قول صحیح نہیں ہے جو معتزلہ اور رافضیوں[1] اور خارجیوں کا ہے (کہ مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں رہتا)۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں ہیں جو رات کو ان کو پڑھے گا ۔ (رات بھر کے لئے) وہ اس کے لئے کافی ہوں گی ۔ رواہ الائمۃ الستہ ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اللہ نے ایک تحریر لکھ دی تھی، جس میں سے دو آیات سورۂ بقرہ کے خاتمہ والی نازل فرمائیں، جس گھر میں یہ دونوں آیات تین رات پڑھی جائیں تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ شیطان اس کے قریب آسکے ۔ رواہ البغوی ۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت کے خزانوں میں سے دو آیات نازل فرمائیں، ان آیات کو پیدائش مخلوق سے دو ہزار برس پہلے رحمن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص عشاء کی نماز کے بعد ان کو پڑھ لے گا قیام شب کی جگہ یہ اس کے لئے کافی ہوں گی ۔ اخرجہ ابن عدی فی الکامل ۔

---

[1] معتزلہ مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں مگر کافر بھی نہیں کہتے اور خارجی کافر کہتے ہیں بہر حال دونوں فرقے مرتکب کبیرہ کو دوامی دوزخی کہتے ہیں لیکن روافض مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج نہیں قرار دیتے معلوم نہیں حضرت مؤلف نے الروافض کا لفظ یہاں کیوں بڑھادیا، ۱۲۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے میزان قرآن ہے۔ تم لوگ اس کو سیکھو، اس کو سیکھنا برکت ہے اور اس کو چھوڑ دینا (باعث) حسرت ہے۔ باطلین اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ عرض کیا گیا باطلین کون۔ فرمایا جادوگر۔ اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر ۲۵/ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو ختم ہوئی۔

اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تفسیر مظہری سورۂ بقرہ کا ترجمہ ختم کرنے کی توفیق اس فقیر کو بخشی و للہ الحمد۔

۱۱/ شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ

حضرت مؤلف مرحوم نے سورۂ بقرہ کے ختم پر فضائل سورت کے سلسلہ میں چند روایات حاشیہ میں درج کی ہیں ہم ...... نے ان کا ترجمہ حاشیہ میں درج کیا ہے۔ ۱

---

۱ بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت معضل ضعیف سند کے ساتھ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ پڑھے گا اس کو جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔ دیلمی نے بروایت حضرت ابوہریرہ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ دو آیات ہیں جو قرآن (کا جزء) ہیں سورۂ بقرہ کے آخر کی ہیں دونوں شفاعت کریں گی یہ دونوں اللہ کو محبوب ہیں۔ ابو عبیدہؒ نے ایک حدیث سے تخریج کی ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اور شیطان سنتا ہے تو شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔ اس مضمون کی احادیث حضرت ابن مسعودؓ و حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن معقل کی روایت سے بھی آئی ہیں۔ امام احمدؒ نے حضرت بریدہؓ کی حدیث سے تخریج کی ہے کہ سورۂ بقرہ سیکھو اس کو لینا برکت ہے اور چھوڑنا (باعث) حسرت، جادوگر اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ سورۂ بقرہ اور آل عمران سیکھو، یہ دونوں دو شگفتہ پھول ہیں (قیامت کے دن پڑھنے والے پر سایہ فگن ہوں گے گویا دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں یا تنظیم کے ساتھ اڑتے ہوئے پرندوں کی دو ٹکڑیاں ہوں گی۔ ابن حبانؒ وغیرہ نے حضرت سہل بن سعدؓ کی حدیث سے تخریج کی ہے کہ ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے۔ قرآن کی چوٹی (کوہان) سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص گھر کے اندر دن میں اس کو پڑھے گا شیطان اس گھر میں تین دن تک داخل نہ ہوگا اور جو گھر کے اندر رات میں پڑھے گا شیطان اس گھر میں تین رات داخل نہ ہوگا۔ ابو عبیدہؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے تخریج کی ہے کہ جو شخص بقرہ اور آل عمران کو رات میں پڑھے گا اس کو قانتین میں لکھا جائے گا۔ دارمی نے بروایت مغیرہؒ بن سبیع بیان کیا کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی دس آیات سوتے وقت پڑھے گا قرآن کو نہیں بھولے گا، چار آیات شروع کی، ایک آیۃ الکرسی، دو آیات اس کے بعد کی اور تین آیات آخر سورت کی۔

منہ نور اللہ مرقدہ

سورۃ بقرہ ختم

سورۂ آل عمران

مدنی ہے، اس کی آیات دو سو ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابن ابی حاتم نے بروایت ربیع بن انسؓ بیان کیا کہ کچھ عیسائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عیسیٰ کے متعلق آپ ﷺ سے مناظرہ کرنے گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے کچھ اوپر اسّی[1] آیات آل عمران کی نازل فرمائیں۔

ابن اسحاق نے بیان کیا کہ مجھ سے محمدؒ بن سہل بن ابی امامہ نے کہا کہ جب نجران کے نمائندے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق سوال کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو ان کے متعلق سورۂ آل عمران شروع سے ۸۰ آیات کے آخر تک نازل ہوئی۔ بیہقی فی الدلائل۔

بغویؒ نے کلبی اور ربیع بن انس کا قول بھی یہی لکھا ہے کہ ان آیات کا نزول نجران کے نمائندوں کے متعلق ہوا جن کی تعداد ساٹھ تھی۔ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر آئے تھے پوری جماعت کے سردار ۱۴ شخص تھے اور ان میں بھی صرف تین بڑے تھے۔ عاقب سب کا امیر اور مشیر عملی تھا، جس کے مشورہ کے بغیر اہل وفد کچھ کام نہیں کرتے تھے۔ عاقب کا نام عبدالمسیح تھا۔ میر سفر سید تھا جس کا نام ایہم تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ پادری اور اہل قافلہ میں مذہبی عالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ یہ وفد مسجد میں داخل ہوا۔ یمنی منقش کپڑے کے چغے پہنے اور خوبصورت مردانہ چادریں اوڑھے ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ دیکھنے والے کہہ رہے تھے ہم نے اس شان کا کوئی وفد نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کی نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا اس لئے وہیں مسجد میں نماز کو کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اجازت دیدی۔ مشرق کی طرف منہ کر کے انہوں نے نماز پڑھی۔
سید اور عاقب سے گفتگو ہوئی رسول اللہ ﷺ نے اسلام لانے کی دعوت دی۔ دونوں نے جواب دیا ہم تو آپ سے پہلے ہی اسلام لا چکے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو تم کو اسلام سے روک دینے والی چیز یہ ہے کہ تم اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو (یعنی خنزیر کے گوشت کو حلال سمجھتے ہو) کہنے لگے اچھا بتاؤ اگر عیسیٰ کا باپ خدا نہیں تو ان کا باپ اور کون تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم واقف ہو کہ ہمارا رب زندہ ہے، جس کو موت نہیں اور عیسیٰ پر موت آئے گی۔ اہل وفد نے کہا بلاشبہ ایسا ہی ہے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو تھامے ہوئے ہے نگران کل اور رزاق ہے۔ اہل وفد نے کہا جانتے کیوں نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا عیسیٰ کے قابو میں بھی ان امور میں سے کوئی شے ہے۔ اہل وفد نے جواب دیا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اہل وفد نے کہا جانتے کیوں نہیں۔ فرمایا تو کیا عیسیٰ بھی سوائے اپنے مخصوص علم کے اس میں سے کچھ جانتے ہیں۔ اہل وفد نے کہا، نہیں۔ فرمایا ہمارے رب نے عیسیٰ کی شکل ماں کے پیٹ کے اندر جیسی چاہی بنادی۔ ہمارا رب نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے۔ اہل وفد نے کہا جی ہاں، فرمایا کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں کہ عیسیٰ کو ماں نے اپنے پیٹ میں اسی طرح رکھا جس طرح عورت بچہ کو اپنے پیٹ میں

۱؎ حضرت مؤلف قدس سرہ نے لکھا ہے ظاہر یہ ہے کہ اسّی آیات کی تعداد ۸۳ ہے یعنی لا نفرق بین احد منہم و نحن لہ مسلمون تک، اس کے بعد آیت ومن یبتغ غیر الاسلام دینا الخ مرتدوں کے متعلق نازل ہوئی۔

رکھتی ہے اور اسی طرح جنا جس طرح عورت جنتی ہے پھر عیسیٰ کو اسی طرح غذا دی گئی جیسے بچہ کو دی جاتی ہے۔ عیسیٰ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے اور پیشاب پاخانہ بھی کرتے تھے۔ اہل وفد نے کہا ہم یہ باتیں جانتے ہیں۔ فرمایا تو عیسیٰ تمہارے دعوے کے بموجب اللہ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اہل وفد خاموش ہوگئے اور اللہ نے سورۂ آل عمران کی شروع سے کچھ اوپر اسی ۸۰ آیات نازل فرمائیں۔

الٓمّٓ ۚ اللّٰهُ یعقوب کے نزدیک الم پر وقف ہے اور اللہ سے الگ ابتداء ہے۔ جمہور کے نزدیک وقف نہیں ہے اور الم اللہ قرأت ہے سیبویہ کے نزدیک اللہ کا الف ساقط کر دیا گیا اور میم کے فتحہ کو نقد کے نام سے ملا دیا گیا۔ زمخشری کے نزدیک میم پر فتحہ اللہ کے الف کا دے دیا گیا۔ پھر الف کو ساقط کر دیا گیا۔ میم کو کم سے کم دو حرکات کے برابر اور زیادہ سے زیادہ چھ حرکات کے بقدر کھینچنا جائز ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی سوائے اللہ کے کوئی الٰہ موجود نہیں ہے۔

الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ یعنی وہ حی و قیوم ہے۔ آیت الکرسی کی تشریح میں ہم ان دونوں لفظوں کے معنی کی توضیح کر چکے ہیں۔

ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابو امامہ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ اللہ کا اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ البقرۃ اور آل عمران اور طٰہٰ۔ حضرت ابو امامہؓ کے شاگرد قاسم نے کہا میں نے تینوں سورتوں میں تلاش کیا تو الحی القیوم کو تینوں سورتوں میں مشترک پایا ایک سورۂ بقرہ کی آیۃ الکرسی میں دوسرے آل عمران کی اسی آیت میں اور تیسرے سورۂ طٰہٰ کی آیت وعنت الوجوہ للحی القیوم میں۔

جزری مؤلف حصن حصین نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک اسم اعظم لا الہ الا ھو الحی القیوم ہے (یعنی تینوں سورتوں میں مذکور ہے) میں کہتا ہوں کہ اسم اعظم لا الہ الا ھو ہے۔ حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہو جائے گی۔ ایک حدیث حضرت ابوامامہؓ کی روایت کردہ جو ابھی بیان کر دی گئی دوسری حدیث اسماء بنت یزید کی روایت کردہ کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خود سنا، فرما رہے تھے اللہ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے الھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اور الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم، رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی۔

تیسری حدیث حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت کردہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ذوالنون (حضرت یونس علیہ السلام) نے مچھلی کے پیٹ کے اندر اپنے رب سے جو دعا کی تھی وہ یہ تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ جو مسلمان کسی چیز کے متعلق ان الفاظ کے ساتھ اللہ سے دعاء کرے گا تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔ رواہ احمد والترمذی۔ مستدرک میں حاکم نے لکھا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ اگر اس کے ذریعہ سے اللہ سے دعاء کی جائے تو اللہ قبول فرماتا ہے اور اس سے کچھ مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔

چوتھی روایت حضرت بریدہؓ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا اللھم انی اسالک بانی اشھد ان لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد، فرمایا اس شخص نے اللہ سے ایسا اسم اعظم پڑھ کر دعاء کی ہے کہ جب اس سے اس اسم کے ذریعہ سے کچھ مانگا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور دعا کی جائے تو قبول فرماتا ہے، رواہ احمد وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والترمذی والحاکم وابن حبان۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے اور حاکم نے کہا کہ شرط شیخین کے مطابق صحیح ہے۔

پانچویں حدیث اس بارہ کی جماعت نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے نماز میں کہا اللھم انی اسالک بان لک الحمد لا الہ الا انت الحنان المنان بدیع السموٰت والارض یا ذالجلال والاکرام یا حی یا قیوم۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ کا ایسا اسم اعظم لے کر دعا کی ہے کہ اگر اس سے یہ نام لے کر دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور کچھ مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے یا حی یا قیوم کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا ان تمام احادیث کا تقاضا ہے کہ ان سب میں اور تینوں سورتوں میں اسم اعظم موجود ہے اور وہ صرف نفی و اثبات یعنی لا الٰہ الا ھو ہے سورۂ بقرہ میں آیۃ الکرسی کے اندر اور آل عمران میں اسی آیت کے اندر کلمۂ توحید مذکور ہے اور سورۂ طٰہٰ میں آیت اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنی موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ ہی افضل ذکر ہے۔ رواہ الترمذی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے اس مضمون کی احادیث متواتر المعنی آئی ہے۔

فائدہ

احادیث میں اسم اعظم لا الٰہ الا ھو اور لا الٰہ الا انت کو کہا گیا ہے لا الٰہ الا اللہ (بھی اگرچہ اسم اعظم ہے مطلب سب کا ایک ہی ہے ھو اور انت سے مراد بھی اللہ ہی ہے لیکن) سے مذکورۂ بالا دونوں جملوں کی عظمت زیادہ ہے کیونکہ ضمیریں (خواہ غائب کی ہوں یا مخاطب کی) محض ذات کے لئے موضوع ہیں (وصفی معنی کا ان کی وضع میں شائبہ بھی نہیں ہے ضمیروں سے ذہن انتقال خاص ذات کی طرف ہوتا ہے۔ کسی نام یا صفت یا حالت کا تصور بھی نہیں ہوتا اور لفظ اللہ کی وضع اگرچہ ذات کے لئے ہے (کیونکہ یہ ذات خداوندی کا علم اور خصوصی نام ہے) لیکن یہ لفظ بولنے سے اول اسم کا تصور ہوتا ہے پھر ذات کی جانب ذہنی انتقال ہوتا ہے اور اگر اللہ کو اسم وصفی قرار دیا جائے تو اشتقاقی معنی یعنی الوہیت کا مفہوم ذہن میں آتا ہے (اور نفس وضع کے لحاظ سے وصفی معنی یعنی الوہیت کی خصوصی وضع ذات خداوندی کے لئے نہیں قرار پاتی) لیکن وصف الوہیت کا تقاضا ہے کہ الٰہ کے اندر تمام صفات کمالیہ موجود ہوں اور عیوب و نقائص اس میں بالکل نہ ہوں اس لئے دوسرے وصفی ناموں کے مقابلہ میں لفظ اللہ زیادہ جامع ہوگا (لیکن کوئی وصفی نام محض ذات پر دلالت نہیں کرتا اس لئے لفظ اللہ کو کتنا ہی جامع صفات ہو مگر اسم وصفی ہونے کی وجہ سے ذات خالص پر دلالت نہیں کرے گا)۔

صوفیہ نے مبتدی کے لئے لا الٰہ الا اللہ (کا ورد) ہی منتخب کیا ہے کیونکہ مبتدی کے لئے بغیر کسی اسم وصفی یا صفت کی وساطت کے ذات خالص تک رسائی ممکن نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس نفی و اثبات کے اسم اعظم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اثبات الوہیت کا تقاضا ہے کہ تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں بصفت موجود ہوں اور کوئی عیب و نقص اس میں نہ ہو کیونکہ جو ذات ایسی جامع الصفات اور منزہ از نقائص نہ ہو اس کو استحقاق معبودیت نہیں ہو سکتا۔

ایسی حالت میں غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور ذات الٰہی میں تمام صفات ثبوتیہ و سلبیہ کے حصر پر جو کلمہ دلالت کرے گا وہی اسم اعظم ہوگا اس لئے لا الٰہ الا اللہ ہی اسم اعظم ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ　اسی نے سچائی کا حامل یا دین حق کا حامل قرآن آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ حق سے مراد ہے سچائی یا دین حق، تنزیل (تفعیل) کا معنی ہے قدرے قدرے اتارنا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ　یہ قرآن اپنے سے پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے اس لئے جو یہودی اور عیسائی پہلی کتابوں کو مانتے ہیں ان پر قرآن کی تصدیق بھی لازم ہے

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ　اور اسی نے توریت و انجیل کو (جدا جدا) یکبار گی نازل فرمایا تھا، تنزیل کا معنی ہے قدرے قدرے یعنی مجموعۃً نازل کرنا اور تنزیل کا معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا۔ اسی لئے نزول قرآن کے لئے نزل اور نزول توریت و انجیل کے لئے انزل فرمایا۔

توریت عبرانی لفظ ہے، حضرت موسیٰ پر جو کتاب اتری تھی اس کا نام ہے اور انجیل سریانی لفظ ہے اور حضرت عیسیٰؑ پر جو کتاب اتری تھی اس کا نام ہے۔ یہ دونوں لفظ عربی نہیں ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ توریۃ کا وزن فَوْعَلَةٌ یا تَفْعِلَةٌ ہے اور مادہ وَرْیٌ ہے۔ وَرْیُ الزَّنْدِ چقماق روشن کرنا اور انجیل نجل سے مشتق ہے۔ یہ توجیہ سراسر تکلف ہے۔

مِنْ قَبْلُ قرآن کو نازل کرنے سے پہلے، تاکہ لوگ قرآن کو ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔

هُدًى لِّلنَّاسِ سب لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر، بعض علماء کے نزدیک الناس سے مراد ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امتیں، مگر اس قول کی کوئی وجہ نہیں (بلکہ الناس سے سب لوگ ہی مراد ہیں) کیونکہ تمام آسمانی کتابیں تمام انسانوں کو توحید الٰہی، تصدیق جمیع انبیاء اور مبدء و معاد پر ایمان لانے کی دعوت دے رہی ہیں۔ اللہ کے احکام و نواہی پر پابند رہنے کی ہدایت کر رہی ہیں اور توریت، انجیل و زبور نے محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دی ہے۔

۔۔۔ ایک شبہ ۔۔۔

قرآن مجید کے احکام سے گذشتہ آسمانی کتابوں کے بعض، عملی فرعیہ منسوخ ہو گئے، ایسی حالت میں ان سب کو ہدایت کے لئے بھیجنے کا کیا معنی؟۔

۔۔۔ ازالہ ۔۔۔

گر بعض اوقات میں سابق کتب کے بعض فرعی احکام منسوخ ہو گئے تو اس سے ان کتابوں کا سراسر ہدایت ہونا منسوخ نہیں ہو گیا، جس طرح قرآن مجید کے بعض احکام دوسرے احکام سے منسوخ ہو گئے، بات یہ ہے کہ نسخ کا معنی (یہ نہیں ہے کہ منسوخ حکم غلط تھا بلکہ مطلب) یہ ہے کہ منسوخ حکم ایک مقررہ مدت کے لئے تھا اب نہیں رہا۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ گذشتہ انبیاء کی شریعتیں ہمارے لئے لازم نہیں۔ لیکن آیت مذکورہ اس قول کے خلاف ہمارے لئے شہادت دے رہی ہے کہ (باستثناء بعض احکام منسوخہ باقی) احکام سابقہ ہمارے لئے بھی ضروری ہیں۔

وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ اور اس نے (حق و باطل میں) تفریق کر دینے والی تمام آسمانی کتابیں نازل کیں۔ الفرقان میں لام استغراقی ہے اور توریت و انجیل و قرآن کے علاوہ جو آسمانی کتابیں ہیں ان سب کو یہ لفظ شامل ہے "یا الفرقان" سے مراد بھی قرآن مجید ہے، مدح اور اظہار عظمت و شرف کے لئے دوبارہ قرآن کا ذکر فرمایا کیونکہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ تو سب ہی کتابیں ہیں لیکن قرآن کی عبارت بھی معجزہ ہونے کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فرق قائم کرنے والی ہے۔

دوبارہ انزل کو ذکر کرنے کی دو وجوہ ہیں۔ معطوف علیہ کا ذکر ذرا دور ہو گیا اس لئے اگر دوبارہ انزل کو ذکر نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی الفرقان کو ہُدًی پر معطوف سمجھ لیتا جو غلط تھا، ۲۔ تکرار انزل سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول دوبار ہوا، ایک بار شب قدر میں (پورا قرآن) آسمان دنیا پر نازل ہوا، پھر دوسری بار ٹکڑے ٹکڑے ضرورت کے موافق اس زمین پر اتارا گیا۔

سدی کا قول ہے کہ عبارت میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے، اصل عبارت اس طرح تھی وَاَنزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ وَالْفُرْقَانَ هُدًى۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ جن لوگوں نے اللہ کی اتاری ہوئی آیات کا انکار کیا خواہ وہ کسی آسمانی کتاب کی ہوں ان کے لئے اس کفر کی وجہ سے عذاب شدید ہے۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اور اللہ غالب ہے عذاب دینے سے اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

ذُو انْتِقَامٍ ۝ انتقام والا ہے کوئی انتقام لینے والا اس جیسا انتقام نہیں لے سکتا۔ نقمۃ بمعنی سزا، اس سے فعل نقم آتا ہے۔ گذشتہ آیات میں اول اثبات توحید کیا پھر رسول کی سچائی کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن مجید، دوسری آسمانی کتابوں کے مطابق ہے اور (عبارت کے لحاظ سے) طاقت بشریہ سے خارج بھی ہے آخر میں اس آیت میں انکار کرنے والوں کو عذاب کی تنبیہ فرمادی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ حقیقت ہے کہ اللہ سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، مراد یہ ہے کہ سارے جہان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں، خواہ کلی ہو یا جزئی چونکہ حس کی رسائی صرف آسمان و زمین تک ہی ہے اس لئے انہی دونوں کا ذکر کیا مگر مراد سارا جہان ہے۔ پھر زمین کا ذکر آسمان سے پہلے کیا کیونکہ یہاں مقصود صرف یہ بیان کرنا ہے کہ بندوں کے اعمال سے اللہ واقف ہے اور وہ اعمال کی جزاو سزا دے گا (اور بندوں کے اعمال کا مقام زمین ہے اس لئے زمین کا ذکر پہلے کیا)۔

مذکورہ بالا پورا جملہ اللہ کے حی ہونے کو ثابت کر رہا ہے (ورنہ اس کا علم محیط کل کس طرح ہو سکتا ہے، علم کا مدار تو حیات پر ہے) اس کے بعد آئندہ آیت اللہ کی قیومیت کو ثابت کر رہی ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بنا دیتا ہے یعنی تمہارے رنگ، مختلف شکلیں اور خدوخال جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس کسی کو اس کے سوا نہ علم ہے نہ قدرت ہاں جتنا اس نے عطا کر دیا ہے اتنا حاصل ہے۔

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس میں اللہ کے کمال قدرت اور ہمہ گیر علم کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم سے اللہ کے سچے رسول (ﷺ) نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا تخلیقی قوام ماں کے پیٹ کے اندر چالیس روز تک بصورت نطفہ، پھر اتنی ہی مدت بصورت علقہ، پھر اسی قدر بصورت مضغہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لئے بھیجتا ہے حسب الحکم فرشتہ اس کا رزق، (اچھے برے) اعمال، مدت زندگی اور نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے عمل (اتنے) کرتے ہیں کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تقدیر کا لکھا آگے آتا ہے اور وہ شخص دوزخیوں کے کام کرتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے کچھ لوگ دوزخیوں کے اعمال (اتنے) کرتے ہیں کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تحریر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ شخص اہل جنت کے کام کرتا اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے، متفق علیہ۔

حضرت حذیفہ بن اسید کی مرفوع روایت ہے کہ رحم کے اندر نطفہ کے چالیس یا پینتالیس روز ٹھہرنے کے بعد ایک فرشتہ نطفہ کے پاس آتا ہے اور عرض کرتا ہے الٰہی یہ بدبخت ہے یا نیک بخت (حسب الحکم) دونوں باتوں میں سے کوئی بات لکھ دی جاتی ہے، پھر عرض کرتا ہے مالک یہ نر ہے یا مادہ (حسب الحکم) یہ چیزیں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے اعمال، احوال، مدت زندگی اور رزق بھی تحریر کر دیا جاتا ہے پھر تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے پھر اس میں زیادتی کی نہیں کی جاتی رواہ البغوی۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وہی ہے جس نے آپ ﷺ کے اوپر کتاب یعنی قرآن اتارا۔

مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ جس کی کچھ مضبوط آیات ہیں یعنی ایسی محکم آیات ہیں جن کو زبان داں شخص بن کر اشتباہ میں نہیں رہتا، نہ ظاہری الفاظ اس کے لئے شبہ آفریں ہوتے ہیں، نہ مفہوم کلام نہ مقتضائے کلام، خواہ غور کرنے کے بغیر ہی مفہوم اور مقتضاء سمجھ میں آجاتا ہو جیسے آیت قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم اور آیت وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ اور آیت لیس کمثلہ شیء وهو السمیع البصیر یا غور و تامل کے بعد کلام کا مقتضاء سمجھ میں آجاتا ہو۔ شارع کی طرف سے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو جیسے آیت السارق والسارقۃ الخ پر قدرے غور کرنے کے بعد خود ہی

معلوم ہو جاتا ہے کہ جیب تراش کو یہ آیت شامل ہے کیونکہ چوری کا معنی جیب تراشی میں موجود ہے بلکہ جیب تراشی کا مفہوم چوری کے مفہوم سے کچھ زائد ہے (جیب تراش پرایا مال پوشیدہ طور پر لیتا ہے اور مالک مال کے پاس سے بہت ہی چھپ کر اور چھپا کر لیتا ہے اول چوری کا مفہوم ہے اور دوسرا جیب تراشی کا) لیکن کفن چور اس آیت کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ کفن نہ میت کی ملک ہوتا ہے کیونکہ مردہ دنیوی اعتبار سے مٹی کی طرح ہے اور میت کے وارثوں کی ملک بھی نہیں ہے کیونکہ وارث کفن کے علاوہ دوسرے مال کے مالک ہوتے ہیں۔

ایک اور آیت بھی اسی طرح کی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوؤ۔ چونکہ اس آیت میں دھونے کی آخری حد مذکور ہے اسی لئے ظاہر ہے کہ اَرْجُلَكُمْ کا عطف وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ پر ہوگا (ورنہ لازم آئے گا کہ ٹخنوں تک مسح کی حد مقرر کی جائے جو غلط ہے[1]) ایک اور آیت ہے ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (شافعی کے نزدیک قروء سے حالت طہر مراد ہے اور حنفیہ کے نزدیک حیض) غور کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ تین حیض مراد ہیں طہر مراد ہونے کی صورت میں تین کا عدد پورا محقق نہ ہوگا کیونکہ طلاق طہر میں ہی مشروع ہے اب اگر طلاق والے طہر کو بھی مدت عدت میں شمار کیا جائے گا تو تین طہر پورے نہ ہو سکے اور شمار نہ کیا جائے گا تو تین طہر سے زائد ہو جائیں گے۔ اس لئے تین حیض ہی مراد ہیں۔ ایک اور آیت ہے قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ۔ غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قوارير سے وہ ظروف مراد ہیں جو چاندی کے ہوں گے مگر چمک اور صفائی میں شیشہ کی طرح ہوں گے۔ ہم نے محکم کے معنی کی یہ توضیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں کی ہے اس توضیح پر ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل سب ہی محکمات کے اقسام قرار پاتے ہیں۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا کہ محکم وہ بیان ہوتا ہے جس کا صرف ایک ہی معنی محتمل ہوتا ہے دوسرے معنی کا احتمال ہی نہیں ہوتا، بعض نے کہا کہ محکم وہ بیان ہے جس کا معنی معروف ہو اور اس کی دلیل بالکل واضح ہو، موخر الذکر دونوں تفسیر کا مآل مراد بھی وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ آیات محکمہ اصول فرائض ہیں، قاموس میں ہے اُم ماں کو کہتے ہیں ہر چیز کی اُم اس کی اصل اور سہارا ہوتی ہے، اُم القوم سردار قوم ہر شے کی اُم وہ ہے جو مختلف اشیاء کا مجموعہ ہو۔

میں کہتا ہوں اس جگہ لفظ کتاب بمعنی مکتوب ہے اور مکتوب سے مراد ہے فرض کردہ جیسے آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ میں كُتِبَ کا معنی ہے فرض کیا گیا، اس صورت میں اُمُّ الْكِتٰبِ میں اضافت بتقدیر لام ہوگی یعنی محکمات وہ ہیں جو فرائض اور مامورات و منہیات کی اصول ہیں، یا الکتاب سے قرآن مراد ہے اس صورت میں اُمُّ الْكِتٰبِ کی اضافت یا بتقدیر مِنْ ہوگی یا بتقدیر لام۔ اول شق پر یہ معنی ہوں گے کہ محکمات احکام قرآن کے اصول ہیں جن سے احکام اخذ کئے جاتے ہیں شارع کے (مزید) بیان کی ضرورت نہیں رہتی، دوسری شق پر یہ معنی ہوں گے کہ محکمات قرآن کو عمدہ اور سہارا ہیں، تمام آیات کی سردار ہیں دوسری آیات کی ان کو ضرورت نہیں بلکہ دوسری آیات کو اس سے ملا کر مطلب نکالا جاتا ہے۔

آیت محکمات کا تعدد چاہتا تھا کہ امہات الکتاب (بصیغہ جمع) کہا جاتا لیکن تمام محکمات کا مجموعہ ایک ماں کی طرح ہے۔ احکام مجموعہ کا استخراج مجموعہ محکمات سے ہوتا ہے ہر ایک سے نہیں ہوتا اس لئے مفرد کا صیغہ استعمال کیا۔

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور کچھ دوسری آیات متشابہات ہیں جب تک شارع کی طرف سے محکم عبارت میں ان کا بیان نہ ہو کوئی لغت شناس اور واقف زبان غور اور تامل کرنے کے بعد بھی ان کی مراد نہیں سمجھ سکتا۔ اب اگر شارع کی طرف سے

---

[1] فقہ امامیہ کے نزدیک اَرْجُلَكُمْ کا عطف بِرُءُوْسِكُمْ پر ہے یعنی اپنے پاؤں کا مسح کرو ٹخنوں تک۔ علماء شیعہ کہتے ہیں کہ کعب سے مراد ہے وہ ابھار جو قدم کی پشت پر ہوتا ہے اور دو قدموں پر دو ابھار ہوتے ہیں پس مراد یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر جہاں بلندی ہے یعنی پنجے سے ابھار تک مسح کرو۔ کعب کا یہ ترجمہ خلاف ظاہر ہے، بالاجماع کعب سے مراد ٹخنہ ہی ہے اور ہر پاؤں کے دو ٹخنے ہوتے ہیں لہٰذا بِرُءُوْسِكُمْ پر عطف کرنے کی صورت میں ٹخنوں تک مسح کی حد ہونی جو غلط ہے۔

مراد کا بیان اور وضاحت ہو جائے تو اصول فقہ کی اصطلاح میں ایسے متشابہ کو مجمل کہتے ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، عمرہ اور آیت ربوٰا وغیرہ اور اگر شارع کی طرف سے بیان نہ ہو تو ایسے متشابہ کو اصول فقہ کی اصطلاح میں متشابہ کہتے ہیں۔ اس قسم کا متشابہ انہی امور میں ہو سکتا ہے جن سے عمل کا تعلق نہ ہو ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جیسے سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں یا آیت یداللہ فوق ایدیھم اور آیت الرحمن علی العرش استوی ہے، اس طرح کے متشابہات کا علم بعض اہل عرفان کو الہام اور تعلیم الٰہی کے ذریعے سے بھی ہو جاتا ہے جس طرح حضرت آدم کو اللہ نے تمام اسماء کا علم عطا فرمایا تھا۔

مشکوٰۃ نبوت سے نور چھنی شرح صدر کے بعد ہی ممکن ہے اور یہی نور چھنی بھی بھی ہوتی ہے اور اسی وقت ہوتی ہے جبکہ زبان اور لغت سے تعلیم و تعلم ممکن نہ ہو کیونکہ ان حقائق کے لئے کوئی لفظ موضوع ہی نہیں ہے اسی لئے عوام کا علمی خزانہ ان سے خالی ہے جن امور و احکام سے اعمال تکلیفیہ کا تعلق ہے ان کے متعلق تاخیر بیان جائز نہیں تاکہ تکلیف بالمحال لازم نہ آئے۔

﴿......ایک شبہ......﴾

آیت الٓر کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ بتارہی ہے کہ تمام آیات محکم ہیں لیکن دوسری آیت میں کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن متشابہ ہے اور اس جگہ بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا ہے یہ اختلاف بیان کیوں سا ہے۔

﴿......ازالہ......﴾

پورے قرآن کے محکم ہونے کا یہ معنی ہے کہ تمام قرآن فساد معنی اور ضعف عبارت سے محفوظ ہے ایسا محکم ہے کہ کوئی اس پر نکتہ چینی نہیں کر سکتا نہ مقابلہ کر سکتا ہے، اور پورے قرآن کے متشابہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حسن اور کمال میں سارا قرآن ایک جیسا ہے تمام آیات باہم حسن میں متشابہ ہیں اور اس جگہ تفریق و تقسیم سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات کے معانی واضح ہیں (کہ مراد کا تعدد ممکن ہی نہیں) اور بعض کے مخفی ہیں (کہ بغیر شارع کے بیان کے معلوم نہیں ہو سکتے)۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ پس جن لوگوں کے دلوں میں حق سے کجی ہے۔ ربیع نے کہا آیت میں اہل نجران کا عیسائی وفد مراد ہے۔ اہل وفد نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کیا آپ عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نہیں کہتے، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں کہتے۔ اہل وفد نے کہ بس ہمارے لئے یہی کافی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا یہودی مراد ہیں جنہوں نے ابجد کے حساب سے اس امت کی مدت بقاء کا علم حاصل کرنا چاہا تھا۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف وغیرہ کا ایک یہودی گروہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ حیی نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ آپ پر الٓمٓ نازل ہوئی ہے۔ ہم آپ کو قسم دے کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ نے آپ پر اس کو نازل فرمایا تب حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حیی بولا اگر یہ بات صحیح ہے تو میں اس کو آپ کی امت کی مدت زندگی خیال کرتا ہوں اور یہ کل مدت اے سال ہو گی۔ کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی نازل ہوا ہے حضور ﷺ نے فرمایا المٓصٓ (بھی نازل ہوا ہے) حیی بولا اب تو بہت مدت ہو گئی ۱۶۱ سال ہو گئے کیا اس کے علاوہ کچھ ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں الٓرٰ بولا اس کی شمار بھی زیادہ ہے اس کی تعداد دو سو اکتیس ہے کیا اور بھی کچھ اترا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں المٓرٰ کہنے لگا یہ بھی بہت مدت ہے ۲۷۱ سال کی ہے آپ نے ہمارے لئے گڑبڑ کر دی ہم نہیں سمجھتے کہ زیادہ مدت قائم کریں یا کم مدت۔ ہم ایسی باتوں کو نہیں مانتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن جریج نے کہا آیت میں منافق مراد ہیں اور حسن کے نزدیک خوارج مراد ہیں۔ امام احمد وغیرہ نے حضرت ابوامامہ کی

روایت سے ارشاد نبوی اسی طرح نقل کیا ہے۔ قتادہؒ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو کہتے تھے اگر یہ لوگ حروریہ اور سبائیہ گروہ نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون لوگ ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک تمام مدعی مراد ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ لفظ عام ہے مذکورہ بالا تمام گروہ اس میں داخل ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت ھُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ... اُولُوا الْاَلْبَابِ تک تلاوت فرمائی اور فرمایا اگر تم ایسے لوگ دیکھو کہ متشابہات قرآن کے پیچھے پڑے ہیں تو (سمجھ لینا کہ) یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے ان سے احتیاط رکھنا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو مالکؓ اشعری کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا مجھے اپنی امت کے متعلق صرف تین باتوں کا اندیشہ ہے ان تین باتوں میں حضور ﷺ نے ایک بات یہ بیان فرمائی کہ بعض (لوگ) کتاب کھول کر متشابہات کی تاویلیں کرنے کے طلب گار ہوں گے حالانکہ ان کی تاویل سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، پکے علم والے تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس (قرآن) پر ایمان ہے یہ سب ہمارے مالک کی طرف سے آیا ہے اور نصیحت پذیر صرف اہل دانش ہی ہوتے ہیں

فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ یعنی ٹیڑھے دلوں والے قرآنی متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اہل بدعت اپنی نفسانی خواہش سے ذریعہ متشابہ کے اس معنی سے وابستگی اختیار کرتے ہیں جو ان کے مسلک کے موافق ہوتا ہے اور الفاظ میں اس معنی کا کچھ احتمال ہوتا ہے نہ محکم آیات و احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں نہ اس معنی پر کلام کو محمول کرتے ہیں جو دوسرے محکمات کے مطابق ہوتا ہے یہ مراد ہے کہ متشابہات پر ایمان رکھتے ہوئے اور ان کی مراد کو تسلیم کرتے ہوئے سکوت نہیں اختیار کرتے (بلکہ اپنی طرف سے تاویلیں کرتے ہیں) پس بقدر امکان متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا واجب ہے تاکہ مجمل کی مراد صحیح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جا سکے جیسے نماز، زکوٰۃ اور سود وغیرہ (مجمل متشابہ ہیں لہٰذا دوسری محکم آیات و احادیث کی طرف رجوع کر کے ان کے معنی کی تعیین کی جائے) یا متشابہات کی تاویل اور تعیین معنی کو چھوڑ کر خاموشی اختیار کر دی جائے اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ ان سے جو کچھ شارع کی مراد ہے وہ حق ہے ہم اس کو مانتے ہیں

جب اجماع امت اور احادیث متواترہ کی نصوص سے ثابت ہو چکا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح قیامت کے دن اہل ایمان کو دیدار الٰہی ہوگا تو اس پر ایمان رکھنا اور یہ کہنا لازم ہے کہ آیت وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ میں رؤیت اور نظر سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ ہاں محکم نص سے اگر معنی کی تعیین نہ ہوئی جیسے یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں (دست خدا اور استواء بالائے عرش کے معنی کی تعیین کسی محکم آیت یا متواتر حدیث میں نہیں کی ہے) تو ایسی آیات کے معنی میں سکوت اختیار کیا جائے لیکن ان پر ایمان رکھنا لازم ہے اور ظاہری معنی پر ایسے متشابہ الفاظ کو محمول نہ کیا جائے اور محکم آیت لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کے معنی پر محمول کرتے ہوئے کہہ دیا جائے کہ اللہ مخلوقات کی تمام صفات سے پاک ہے نیز متشابہات کی تفسیر میں خواہ مخواہ تکلیف نہ اٹھائی جائے اس کی اجازت نہیں ہے۔

اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ یعنی وہ متشابہات کے پیچھے اس غرض سے پڑتے ہیں کہ مسلمانوں میں دین کی طرف سے فتنہ پیدا کر دیں، شک ڈال دیں، اشتباہ پیدا کر دیں اور محکم کا متشابہ سے مقابلہ کر کے محکم کو توڑ دیں[1]۔ منافقوں کا یہی دستور ہوتا

---

1. (حاشیہ از مؤلف) دارمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ عنقریب تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو متشابہات قرآن میں تم سے جھگڑا کریں گے۔ تم سنت رسول اللہ ﷺ سے ان کی پکڑ کرنا کیونکہ اہل سنت ہی کتاب اللہ کو خوب جانتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھے کہ ایک شخص آیا اور قرآن کے متعلق پوچھنے لگا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق حضرت عمرؓ اٹھ کر اس کے کپڑوں سے لپٹ گئے اور اس کو کھینچ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے گئے اور فرمایا ابوالحسن سنتے ہو یہ شخص کیا کہتا ہے مجھ سے آکر یہ پوچھنے لگا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا یہ بات (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ جس یہودیوں نے جب اسلام کی شوکت اور بلندی دیکھی تو جل گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ مدد اور ان کے دین کی وجہ سے ہو رہی ہے لہٰذا وہ منافق بن گئے ظاہر میں اسلام لے آئے اور متشابہات کی غلط توجیہات تفسیری کرنے لگے اور مذاہب باطلہ کی ایجاد کرنی شروع کر دی چنانچہ مجسمہ اور معتزلہ اور رافضی وغیرہ بن گئے۔

وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ اس کا عطف ابتغاء الفتنۃ پر ہے۔ یعنی وہ اپنی خواہش کے موافق متشابہات کی تفسیر کرنے کے لئے ان کے پیچھے پڑتے ہیں۔ تفسیر متشابہات کی طلب بھی محض بر جہالت ہوتی ہے جیسا کہ بعض متاخرین اہل بدعت نے کیا ہے، البتہ متقدمین منافق مذکورہ بالا دونوں وجوہ کی وجہ سے ہی متشابہات کی تفسیر کے درپے ہوا کرتے تھے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ حالانکہ متشابہات کی اصلی مراد سے واقف سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ یعنی عربی زبان کو جاننا متشابہات کی مراد جاننے کے لئے کافی نہیں۔ بغیر خدا کے واقف کئے ہوئے کوئی نہیں جان سکتا ہماری اس توضیح پر علم متشابہات کا اللہ میں حصر اضافی ہوگا حقیقی نہ ہوگا (یعنی یہ مطلب نہ ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی انسان یا فرشتہ متشابہات کی مراد سے واقف ہی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ خدا کی طرف سے واقف کئے بغیر محض عربی دانی اور قیاس آرائی کی وجہ سے کوئی شخص ان کی صحیح مراد سے واقف نہیں ہو سکتا) الغرض آیت اس بات پر دلالت نہیں کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعض خصوصی کامل امتی بھی متشابہات کے معنی نہیں جانتے۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں آیا ہے لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا (یہ بھی حصر اضافی ہے یعنی بغیر خدا کی طرف سے واقف بنائے ہوئے کوئی بھی از خود غیب سے واقف نہیں) ہم نے حصر کو اضافی اس لئے قرار دیا کہ اللہ نے خود فرمایا ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ اس آیت کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے قرآن کے محکم و متشابہ کا بیان رسول اللہ ﷺ کے لئے ہونا لازم اور ضروری ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے قرآن کا کوئی حصہ بھی بغیر بیان کے نہ رہنا چاہئے ورنہ خطاب بیکار ہوگا اور خلاف وعدہ لازم آئے گا۔

صحیح بات وہی ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کے اول میں لکھ دی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان متشابہات ایک راز ہیں عام لوگوں کو اس کا علم عطا کرنا مقصود ہی نہیں ہے بلکہ ان کے لئے متشابہات کا علم ممکن ہی نہیں ہے صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعض کامل مجبوبوں کو ہی بتانا مقصود ہے اور اخص الخواص حضرات ہی علم لدنی کے ذریعہ سے ان سے واقف ہوتے ہیں اور علم لدنی کا حصول صرف بے کیف ذاتی یا معنوی معیت کے سبب سے ہوتا ہے (تحصیل اور کسب اور غور و فکر سے نہیں ہوتا)

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ اور جو لوگ علم میں پکے اور جمے ہوئے ہیں کہ ان کو کوئی شک شبہ لاحق ہی نہیں

(بقیہ حصہ) کا (برا) عمل منظر عام پر نکلے گا۔ جو حالت آپ کی ہے اگر میری ہوتی تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ دارمی نے بروایت سلیمان بن یسار لکھا ہے کہ ایک آدمی جس کا نام صبیغ تھا مدینہ میں آیا اور متشابہات قرآن کے متعلق پوچھنے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلایا اور کھجور کی ٹہنیاں اس کے لئے تیار کیں جب وہ آگیا تو آپ نے فرمایا تو کون ہے اس نے جواب دیا میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ کا بندہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوں یہ فرمانے کے بعد ٹہنیاں لے کر اس کو مارا اور اس کے سر کو لہولہان کر دیا صبیغ فوراً بول اٹھا امیر المومنین بس کیجئے وہ چیز جاتی رہی جو پہلے میں اپنے سر میں پاتا تھا۔ ابو عثمان نہدی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے بصرہ کو لکھ بھیجا تھا کہ صبیغ کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا اس کے بعد اگر وہ (ہمارے حلقہ میں) آتا تو اور ہم سو آدمی بیٹھے ہوتے تھے تو سب الگ الگ ہو جاتے تھے (اور حلقہ برخاست کر دیتے تھے) حضرت محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ صبیغ کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا اور اس کو تنخواہ اور وظیفہ نہ دینا امام شافعیؒ نے فرمایا میرا فیصلہ اہل کلام (معتزلہ اور قدریہ وغیرہ) کے بارہ میں بھی وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ صبیغ کے بارہ میں تھا کہ ان کو چھڑیوں سے مارا جائے اور اونٹ پر بٹھا کر قبائل اور خاندانوں میں پھرایا جائے اور منادی کر دی جائے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑتا اور علم کلام کی جانب اختیار کرتا ہے۔ ۱۲۔

ہوتا۔ یہ لوگ اہل السنت والجماعت ہیں، جنہوں نے مضبوطی کے ساتھ قرآن و حدیث کے محکمات کو پکڑ لیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اجماع کی پیروی کی ہے اور متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا دیا ہے اور اپنی خواہشات اور نفسانی ملمع کاریوں کو ترک کر دیا ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ الراسخون فی العلم سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ میں کہتا ہوں اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں۔ جو نفس اور عناصر کو فنا کر کے خواہشات سے بالکل الگ ہو چکے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ کوئی شبہ ان کو لاحق ہی نہیں ہو سکتا، وہ کہتے ہیں کہ اگر نقاب ہٹا بھی دیا جائے تو جتنا یقین ہم کو ہو چکا ہے اس سے زیادہ نہ ہو گا (یعنی ہمارے یقین میں اضافہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ہمارا ایمان عین مشاہدہ ہے ہم کو حق الیقین حاصل ہو چکا ہے)۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے راسخین فی العلم کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا جو لوگ قسم کے پورے، زبان کے سچے، استقامت قلبی رکھنے والے اور شکم و شرمگاہ کو (حرام سے) بچانے والے ہیں وہ راسخین فی العلم میں سے ہیں میں کہتا ہوں یہ اوصاف صوفیہ کے ہیں۔

آیت کی ترکیب عبارت میں (حنفیہ اور شافعیہ کا) اختلاف ہے۔ ایک گروہ قائل ہے کہ وَالرّٰسِخُوْنَ میں واؤ عطف کا ہے اس وقت آیت کا معنی یہ ہو گا کہ متشابہات کو اللہ جانتا ہے اور راسخ علماء بھی جانتے ہیں اس صورت میں آئندہ جملہ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ حالیہ ہو گا یعنی علماء راسخین یہ کہتے ہوئے متشابہات کا علم رکھتے ہیں کہ پورا قرآن ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔ اسی کی نظیر یہ آیت لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ... وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ۔ پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (اس آیت میں بھی یقولون جملہ حالیہ ہے) یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی فرمایا تھا کہ میں راسخین فی العلم میں سے ہوں (یعنی متشابہات کی تفسیر سے واقف ہوں) یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا میں بھی متشابہ کے مراد ی معنی جاننے والوں میں سے ہوں۔

اکثر علماء کا خیال ہے کہ وَالرّٰسِخُوْنَ میں واو استینافی کلام کے لئے ہے گزشتہ کلام اِلَّا اللّٰهُ پر ختم ہو گیا، یہاں سے نیا کلام شروع ہے۔ یہ قول حضرت ابی بن کعب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ہے طاؤس کی روایت میں اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی کی گئی ہے۔ حسنؒ بصری اور اکثر تابعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ کسائی، فراء اور اخفش کے نزدیک بھی یہی قول پسندیدہ ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری قرأت سے بھی ہوتی ہے جس میں وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ کی جگہ اِنْ تَاْوِيْلُهٗ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ الخ آیا ہے (اس قرأت پر تو وَالرّٰسِخُوْنَ کا عطف اللّٰه پر ہو سکنا ممکن ہی نہیں) نیز حضرت ابی بن کعب کی قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں آیت اس طرح آئی ہے وَيَقُوْلُ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ اٰمَنَّا بِهٖ (اس قرأت پر بھی اَلرّٰسِخُوْنَ کا عطف اللہ پر نہیں ہو گا) اسی لئے عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا تھا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد آگئی کہ انہوں نے اٰمَنَّا بِهٖ کہہ دیا۔

كُلٌّ سب یعنی محکم، متشابہ، ناسخ منسوخ اور جس کی مراد سے ہم واقف ہیں وہ اور جس کی مراد سے ہم واقف نہیں وہ سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ راسخین فی العلم کا حال ان لوگوں کے حال سے بالکل برعکس ہے جن کے دل خواہشات نفسانی کی وجہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور وہ اپنے ہی خیالات کے پیرو ہیں۔ جب کوئی علمی چمک ان کے سامنے آجاتی ہے اور نص شریعت ان

کے خیالات کے مطابق ہو جاتی ہے تو اس روشنی میں وہ (چند قدم) چل لیتے ہیں اور اس کو مان بیتے ہیں لیکن اگر نص قرآنی کی تاویل ان کو نہ سوجھی اور اندھیرا چھا گیا اور نصوص شریعت ان کے خیالات کے مطابق نہ ہوئیں تو متحیر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نہیں مانتے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر آیت کے بھی مناسب ہے اور قواعد عربی کے بھی زیادہ مطابق ہے۔ بغوی کی مراد یہ ہے کہ واؤ کو عاطفہ نہ قرار دینا اور آیت یقولون سے استیناف کلام ہونا قیاس نحوی کے زیادہ مطابق ہے، کیونکہ علماء نحو کا جماع ہے کہ نفی سے استثناء ثابت ہوتا ہے اور آیت یقولون میں الف لام استغراق کا ہے اب اگر واؤ کو عاطفہ کہا جائے گا تو یہ مطلب ہو جائے گا کہ متشابہات کو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ اور تمام راسخین فی العلم۔ یہ مطلب بداہت اور روایت دونوں کے خلاف ہے (نہ تمام راسخین کا علم متشابہات ہونا روایۃً ثابت ہے نہ واقع میں ایسا ہے)۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ اور صرف سالم عقلوں والے ہی مضمون قرآن سے نصیحت اندوز ہوتے ہیں۔ کیونکہ سلامتی عقل کا یہی تقاضا ہے کہ جس کا علم نہ ہو اس کے علم کو دانا بینا متکلم کے ہی سپرد کر دیا جائے (نہ جاننے کے باوجود جاننے کے مدعی بنکر) جہل مرکب کی دلدل میں پھنسنا اور وادی گمراہی میں سرگرداں رہنا خلاف دانش ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ میں علم کا آدھا حصہ بھی نہیں جانتا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو حق کی طرف سے نہ پھیر دے۔ ٹیڑھا نہ کر دے جس طرح تو نے ان لوگوں کے دلوں کو حق سے پھیر دیا ہے جن کے قلوب میں کجی ہے۔ یہ جملہ راسخین فی العلم کا مقولہ بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ یہ کہتے ہیں اور اللہ کی طرف سے تعلیم اور حکم بھی ہو سکتا ہے کہ جب متشابہات پر پہنچو تو یوں کہو کہ اے ہمارے رب الخ

بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا اس کے بعد کہ کتاب بھیج کر تو نے ہم کو ہدایت کر دی اور محکم و متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عنایت کر دی۔

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت یعنی توفیق اور ثبات ایمانی عطا فرما۔

إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ بلاشبہ تو ہی وہاب ہے۔ ہر مانگ کو عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ ہدایت ہو یا گمراہی سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی توفیق و عدم توفیق پر موقوف ہے، اس پر کسی کا حق واجب نہیں بلکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی قلب ایسا نہیں کہ وہ رحمن کی چٹکی میں نہ ہو (ہر قلب رحمٰن کی چٹکی میں ہے) وہ جس کو سیدھا کرنا چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔ (عزت و ذلت کی) ترازو رحمٰن کے ہاتھ میں ہے، روز قیامت تک وہ کسی قوم کو اونچا اور کسی قوم کو نیچا کرتا رہے گا، رواہ البغوی۔

اسی قسم کی حدیث امام احمد اور ترمذی نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت سے اور ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پر کسی چٹیل میدان میں پڑا ہو اور ہوا ئیں اس کو الٹ پلٹ کر رہی ہوں، رواہ احمد۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ اے ہمارے رب تو لوگوں کو ضرور جمع کرے گا قیامت کے فیصلہ کے لئے یا قیامت کے دن۔ موخر الذکر شق پر لیوم کا لام فی کے معنی میں ہوگا۔

لَّا رَيْبَ فِيهِ جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں، نہ اس دن اعمال کی جزا و سزا واقع ہونے میں کوئی شک

ع۹

بے

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۞ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا میعاد بروزن مفعال وعدہ سے ماخوذ ہے۔ بھلائی کا وعدہ کر کے خلاف ورزی کرنا شان الوہیت کے لئے عیب ہے اس لئے ناممکن ہے، ہاں وعید عذاب کی خلاف ورزی بصورت مغفرت ہمارے نزدیک جائز ہے خواہ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ وعیدیہ معتزلہ کا قول ہے کہ وعید عذاب کی خلاف ورزی بھی جائز نہیں یہ لوگ اپنے قول کے ثبوت میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ (یہ آیت مطلق نہیں مقید ہے) تمہارے اور ہمارے سب کے نزدیک وعید عذاب کی شرط یہ ہے کہ فاسق نے توبہ نہ کی ہو (توبہ کرنے کے بعد وعید عذاب متحقق نہ ہوگی) پس جس طرح وعید عذاب عدم توبہ کے ساتھ مشروط ہے اسی طرح ہمارے نزدیک عدم عفو کے ساتھ بھی مشروط ہے (کہ اگر گناہگار کو اللہ معاف نہیں کرے گا تو عذاب ہوگا) کیونکہ مندرجہ ذیل آیات کا حکم عام ہے (کافروں کے علاوہ تمام گناہگار اس کے اندر داخل ہیں) اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ تیسری آیت ہے وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهٖ إِلَّا الضَّالُّونَ ایک اور آیت میں حکم ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اس موضوع کی حدیثیں بھی کثرت آئی ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بے شک جن لوگوں نے کفر کیا کَفَرُوا کا لفظ مشرکوں کو بھی شامل ہے اور اہل کتاب کو بھی

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ان کے مال و اولاد اللہ کی رحمت یا طاعت کا عوض بالکل نہیں ہو سکتے۔ اس ترجمہ پر شَيْئًا موصوف محذوف کی صفت ہوگا یعنی إِغْنَاءً اور لَنْ تُغْنِيَ کا مفعول مطلق ہے گا کیونکہ إِغْنَا (مصدر باب افعال) لازم ہے مفعول بہ کو نہیں چاہتا لیکن اگر ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ ان کے مال و اولاد اللہ کے عذاب کے کسی حصہ کو دفع نہیں کر سکیں گے تو چونکہ اس وقت إِغْنَا دفع کے معنی کو متضمن ہوگا اس لئے شَيْئًا مفعول بہ ہو جائے گا۔

وَأُولٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۞ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آگ کا ایندھن ہوں گے۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ داب مصدر ہے داب فی العمل کام میں محنت کی یعنی ان لوگوں کا فعل کفر و تکذیب انبیاء آل فرعون کے عمل کی طرح ہے حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ داب کا معنی اس جگہ شان ہے یعنی ان کا حال کفر آل فرعون کے حال کی طرح ہے، ابو عبیدہؒ نے داب کا ترجمہ طریقہ کیا ہے۔ اخفش نے امر ترجمہ کیا ہے، نضر بن شمیل نے عادت، طریقہ، شان، حال، وغیرہ سے اس لفظ کی تشریح کی ہے

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان لوگوں کے حال کی طرح جو آل فرعون سے پہلے تھے۔

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کے جرائم کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا اور سزا دی۔

وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۞ اور اللہ سخت سزا والا ہے یعنی اس کی سزا سخت ہے۔

ابو داؤدؒ نے سنن میں نیز ابن جریرؒ نے اور بیہقی نے دلائل میں محمد بن اسحاق کے سلسلہ روایت سے بحوالہ سعید بن جبیرؒ و عکرمہؒ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر میں کامیاب ہو کر مدینہ کو واپس آئے تو آپ نے بنی قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کر کے خطاب کیا اور فرمایا اے گروہ یہود قبل اس کے کہ قریشیوں کی طرح تم پر مصیبت آئے مسلمان ہو جاؤ۔ یہودیوں نے جواب دیا محمد (ﷺ) اس کا غرور نہ کرنا کہ چند قریشیوں کو تم نے قتل کر دیا ہے وہ تو ناتجربہ کار تھے جنگ سے واقف ہی نہ تھے، ہم سے لڑو گے تو معلوم ہوگا کہ آدمی ہم ہیں ہماری نظیر تم کو نہ ملی ہو گی۔ اس گفتگو

کے بعد اللہ نے مندرجہ ذیل آیات ادبی الْاَبْصَارِ تک نازل فرمائیں۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا کافروں سے یعنی ان یہودیوں سے کہہ دو کہ

سَتُغْلَبُوْنَ عنقریب تم مغلوب ہو گے۔ اپنی یہ پیشین گوئی اللہ نے پوری کر دکھائی۔ بنی قریظہ کو قتل اور بنی نضیر کو وطن بدر کیا گیا۔ خیبر فتح ہوا اور وہاں کے یہودیوں پر جزیہ مقرر کیا گیا۔

مقاتل نے بیان کیا کہ ان آیات کا نزول بدر کے واقعہ سے پہلے ہوا تھا اور الذین کفروا سے مشرکین مکہ مراد ہیں یعنی مکہ کے کافروں سے کہہ دو کہ تم بدر کے دن مغلوب ہو گے چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ان سے فرمایا کہ اللہ تم پر غالب آگیا اور تم کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے گیا۔

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرکوں کو شکست ہو گئی تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا خدا کی قسم یہ تو وہی نبی ہیں، جن کی بشارت موسیٰ نے دی تھی ان کا پرچم (یا جھنڈا) کبھی لوٹایا جا سکتا۔ چنانچہ یہودیوں نے آپ کے اتباع کا ارادہ کر لیا مگر پھر بعض لوگوں نے کہا ابھی جلدی نہ کرو، ایک واقعہ اور دیکھ لو اس کے بعد جب احد کی لڑائی میں صحابیوں کو شکست ہوئی تو یہودی شک میں پڑ گئے، بدبختی غالب آئی اور مسلمان نہ ہوئے یہود اور صحابہ کا مدت مقررہ کے لئے ایک معاہدہ تھا، یہودیوں نے بین المیعاد اس معاہدہ کو بھی توڑ دیا اور کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کو لے کر مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اور سب نے باتفاق رائے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کا ارادہ کر لیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ اور آخرت میں تم کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔ یہ جملہ یا تو اسی مقولہ کا جزء ہے جو کافروں سے کہا گیا ہے یا جدا کلام ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ اگر آیت سابقہ میں یہودیوں کو خطاب ہے تو اس میں بھی یہودی ہی مخاطب ہیں اور اگر آیت کا نزول مشرکوں کے متعلق ہے تو یہ خطاب بھی انہی کو ہے۔ بر تقدیر اول یہ مطلب ہو گا کہ اے گروہ یہود میں جو تمہارے مغلوب ہونے کا دعویٰ کر رہا ہوں اس دعوے کی دلیل کھلی ہوئی ہے۔ بر تقدیر دوم یہ مطلب ہو گا کہ اے گروہ مشرکین میری نبوت کی نشانی اور دلیل واضح ہے۔

فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ان دونوں گروہوں میں جن کا بدر کے دن مقابلہ ہوا تھا۔ فئة بمعنی فرقہ۔ فیئی لوٹنا لڑائی کے دن بعض لوگ بعض کی طرف (مارنے یا پناہ لینے کے لئے) لوٹتے ہیں اس لئے فرقہ کو فئة کہا جاتا ہے۔ ¹

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا مومن گروہ اللہ کے حکم کی طاعت میں لڑ رہا تھا۔ اس گروہ کی تعداد ۳۱۳ تھی ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار۔ مہاجرین کے علمبردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے یہی صحیح روایت ہے۔ بعض نے حضرت مصعب بن عمیر کو علمبردار کہا ہے۔ انصار کے علمبردار حضرت سعدؓ بن عبادہ تھے۔ اس لشکر میں ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مقدادؓ بن عمرو کا اور دوسرا حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد کا۔ اکثر فوجی پیادہ تھے۔ اسلحہ میں صرف چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ اور دوسرا گروہ کافر تھا یہ مکہ کے مشرک تھے۔ ان کی تعداد ۹۵۰ تھی اور سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس تھا ان کے پاس سو گھوڑے تھے۔ بدر کی لڑائی جس میں رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس موجود تھے اول ترین جنگ تھی جو ہجرت سے اٹھارہ مہینے کے بعد ماہ رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔

یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ نافع اور یعقوبؒ کی قرأت میں تَرَوْنَهُمْ آیا ہے۔ اب اگر یہودی مخاطب ہیں تو یہ مطلب

---

¹ حضرت مؤلف کا بیان کردہ یہ وجہ تسمیہ صرف فئة جنگ کے لئے ہو سکتی ہے حالانکہ فئة کا لفظ عام ہے عام گروہ یا جماعت کے معنی میں اس کا استعمال ہے، اس لئے اگر لڑائی کے دن کا لفظ وجہ تسمیہ سے ساقط کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ ۱۲

ہوگا کہ تم کافروں کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اس کے باوجود تمہاری نظروں کے سامنے فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ کچھ یہودی میدان قتال میں معاینہ جنگ کے لئے جا پہنچے تھے کہ دیکھیں پانسہ کدھر پڑتا ہے۔

ایک شبہ

مشرک تو مسلمانوں سے تین گنے تھے ان کو دوگنا کیوں کہا گیا۔

جواب

تعداد معین مراد نہیں ہے دوگنے سے مراد ہے تعداد کی کثرت جیسے آیت فارجع البصر کرتین میں کرتین سے دوبار مراد نہیں بلکہ بار بار مراد ہے۔

اگر یرون کے مخاطب مشرک ہوں تو یہ مطلب ہوگا کہ تم کو لڑائی کے وقت مسلمان اپنے سے دوگنے نظر آرہے تھے۔

سوال - سورۂ انفال میں آیا ہے ویقللکم فی اعینھم اے مسلمانو! کافروں کی نظر میں تمہاری تعداد اللہ کم کرکے دکھا رہا تھا اور اس آیت میں صراحت ہے کہ تمہاری تعداد ان کو اپنے سے دوگنی نظر آرہی ہے۔ دونوں بیانوں میں تناقض ہے۔

جواب - دونوں بیانوں میں تناقض بالکل نہیں ہے لڑائی سے پہلے کافروں کو مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم کرکے دکھائی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ جری ہوگئے اور لڑائی پر آمادہ ہوگئے لیکن لڑائی شروع ہونے کے بعد ان کو نظر آیا کہ مسلمانوں کی تعداد ہم سے دوگنی ہے اس سے ان کے اندر بزدلی پیدا ہوگئی، ہمتیں پست ہوگئیں اور شکست کھاگئے (تناقض میں وحدت زمانہ بھی شرط ہے اور یہاں اختلاف وقت ہے اس لئے تناقض نہیں)۔

جمہور کی قرأت یرونھم ہے یعنی مشرک مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے یا جتنی تعداد واقعی مسلمانوں کی تھی اس سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان کافروں کو اپنے سے صرف دوگنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ دوگنے نہ تھے بلکہ تین گنے تھے۔ اللہ نے کافروں کی تعداد مسلمانوں کی نظر میں تقلیل کرکے اس لئے دکھائی کہ مسلمانوں کو ثبات و اطمینان حاصل رہے اور فتح کے اس وعدہ پر یقین رکھیں جس کا اظہار اللہ نے آیت فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین میں فرمایا ہے۔ اس کے بعد ایسا بھی وقت آیا کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کو اپنے برابر نظر آنے لگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اول ہم کو کافر اپنے سے دوگنے نظر آتے تھے پھر جو ہم نے دیکھا کہ اپنے برابر ان کی تعداد نظر آئی یک آدمی بھی زیادہ نہ دکھائی دیا۔ آخر میں اللہ نے کافروں کی تعداد ہماری نظر میں اتنی گھٹادی کہ ہم ان کو اپنے سے کم دیکھنے لگے یہاں تک کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا ہم کو تو یہ کوئی ستر آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اس نے کہا مجھے تو سو معلوم ہوتے ہیں۔ آیت میں رؤیت بمعنی علم ہے کیونکہ مثلیھم اس کا دوسرا مفعول ہے (اور رؤیت بمعنی نظر کا دوسرا مفعول نہیں ہوتا) مثلیھم کو حال قرار دینا معنی کے لحاظ سے غلط ہے۔

رَاْیَ الْعَیْنِ آنکھوں دیکھے۔ جب رویت مذکورہ بالا بمعنی علم ہے تو علم کو رای العین قرار دینے میں مبالغہ ہے علم کی تشبیہ ہے مشاہدہ کے ساتھ ہونے سے علم میں قوت پیدا ہوگئی۔ اس وقت رای العین سے مراد ہوگا وہ علم جو آنکھوں سے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے مسبب بول کر سبب مراد لینا بطور مجاز جائز ہے۔ یا حرف جر محذوف ہے یعنی مسلمانوں کا کافروں کی تعداد کو کم سمجھنا مشاہدہ کی طرح تھا۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے قوی کر دیتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ مذکورہ تقلیل، تکثیر اور کمزور قلت کی فتح کثرت پر پانے کے اندر

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ⑬ بصیرت والوں کے لئے یعنی ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دونوں گروہوں کو دیکھا تھا

بہت بڑی نصیحت ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ زینت (مصدر) شَینٌ کے برعکس ہے، اس کا مفہوم ہے کسی چیز کا آراستہ، خوبصورت قابل ستائش و محبوب خاطر ہونا۔ اسباب زینت کبھی (داخلی ہوتے ہیں کبھی خارجی، داخلی اسباب کبھی) غیر مادی ہیں جیسے علم عقل وغیرہ اور کبھی مادی بدنی ہوتے ہیں جیسے جسمانی طاقت، حسن قامت، جمال صورت، خارجی اسباب زینت لباس، گھوڑا، سواری، مال، مرتبہ وغیرہ ہیں۔ تزیین (مصدر باب تفعیل۔ متعدی) کسی چیز کو حامل زینت بنا دینا خواہ واقعی وہ حامل زینت ہو جائے جیسے زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ یا محض اعتقادی زینت ہو، اعتقادی زینت بھی دو طرح کی ہوتی ہے، واقع کے مطابق اور غیر مطابق۔ اول کی مثال جیسے وَحَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اور دوسرے کی مثال جیسے زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ایمان اور بدعملی دونوں اعتقادی اسباب زینت ہیں لیکن اول واقعی سبب زینت ہے اور دوسرا محض فرضی۔

شہوت، کسی چیز کی طرف نفس کی انتہائی رغبت اور کشش میلان۔ آیت میں شہوات سے مراد ہیں مشتہیات (یعنی مرغوبات) کیونکہ حقیقت میں یہ مرغوب چیزیں ہی اسباب زینت اور جاذب محبت ہیں۔ بجائے مرغوبات کی جگہ محبت شہوات کا ذکر اپنے اندر دو خوبیاں رکھتا ہے۔

(۱) تنبیہ اور زجر کا مقام ہے اور شہوت کو ذکر کرنے سے زجر میں زور پیدا ہو گیا۔ (۲) اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ لوگ اسباب زینت کی محبت میں اتنے غرق ہیں کہ اسباب زینت کی خواہش سے بھی محبت رکھتے ہیں گویا اصل کلام اس طرح تھا زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ مَحَبَّةِ النِّسَاءِ وَالْأَوْلَادِ وَالْأَمْوَالِ وغیرہ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ مجھے خیر کی محبت بھی محبوب ہے۔ (جب لیلیٰ سے محبت ہے تو اس کی محبت بھی پیاری ہے اور عشق لیلیٰ بھی محبوب ہے۔ قیس نے کہا تھا۔

الٰہی مجھ سے جدا ہو نہ الفت لیلیٰ

صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ تقاضا مقام ہے کہ اشیاء دنیوی سے نفرت دلائی جائے اور ثواب عنداللہ کی طرف رغبت پیدا کی جائے اور بجائے مشتہیات کے شہوات کہنے سے نفرت دلانے میں زور پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شہوت علامت دنائت اور دلیل بہیمیت ہے۔ بعض علماء نے کہا۔ ان مذکورہ اشیاء میں مشغول رہنے اور ان کی طرف کامل توجہ رکھنے سے باز داشت اس لفظ کی وجہ سے پر زور طور پر کر دی گئی کیونکہ ان اشیاء دنیوی کو کمال مرغوبیت و محبوبیت حاصل ہے جس کی وجہ سے یہ چیزیں اپنی طرف کامل طور پر کھینچتی ہیں اور اللہ کے مقرر کردہ ثواب سے کاٹ دیتی ہیں۔

اسباب زینت بنانے والا حقیقت میں اللہ ہی ہے کیونکہ وہی تمام جواہر، اعراض اور انسان کے اعمال و جذبات کا خالق ہے۔ ان چیزوں میں دلکشی اور زیبائش چند وجوہ کے لئے پیدا کی ایک تو آزمائش مقصود ہے جیسے خود ہی فرمایا ہے إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ دوسرے اہل ایمان کی عملی جدوجہد کا بھی یہ ذریعہ ہے۔ تیسرے شکر نعمت کا بھی سبب ہے، چوتھے سعادت آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، پانچویں ملائکہ پر آدمی کی فضیلت کا موجب ہے، چھٹے کافروں کو توفیق نہ دینے اور ان کو گمراہ کر دینے کا باعث ہے۔ فرمایا ہے يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ پھر شخصی اور نوعی زندگی کے بقاء کی حکمت بھی اس کے اندر ہے فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں فاعل تزیین شیطان ہے کیونکہ آیت کا سیاق مذمت آمیز ہے اور مقام ذم میں فاعل تزیین شیطان کو ہی قرار دینا مناسب ہے۔ ہاں اللہ نے بھی تزیین اشیاء کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے لیکن یہ نسبت تخلیق کے اعتبار سے ہے (کہ ہر دلکش چیز کا خالق اللہ ہے) فرمایا ہے وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ وَزَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ دوسری جگہ فرمایا ہے وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اور کبھی شیطان کی طرف کی ہے اس لئے کہ دلوں میں

وسوسہ ڈالنے اور غافل بنانے کا سبب شیطان ہے فرمایا ہے زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ اور لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ اور وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ۔

مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ قناطیر جمع، قنطار مفرد، بہت بہت کثیر مال (ڈھیر) قنطار میں مضبوطی کا مفہوم بھی ہے۔ محاورہ ہے قَنْطَرْتُ الشَّيءَ میں نے اس چیز کو مضبوط کر دیا۔ قنطرۃ (پل) اسی سے بنا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے قنطار کی مقدار دو سو اوقیہ قرار دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارہ سو مثقال یا بارہ ہزار درہم یا ایک ہزار دینار۔ سعید بن جبیرؓ اور عکرمہؓ نے سو ہزار اور سو میر اور سو رطل (پونڈ) اور سو مثقال اور سو درہم (غرض ہر چیز کا ایک سینکڑہ)۔ سدیؒ نے چار ہزار مثقال۔ حکم نے کہا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں قنطار ہیں۔ بعض نے کہا بیل کی کھال بھر ملک قنطار ہے۔

قنطار کا وزن فعلال ہے یا فنعال یہ بحث خلافی ہے (یعنی قنطار کا نون اصلی ہے یا الحاقی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے)۔

الْمُقَنْطَرَةِ یہ لفظ قنطار ہی سے بنا ہے، قنطار کے بعد مقنطرۃ کا لفظ تاکید کے لئے لایا (ڈھیروں جمع کیا ہوا مال) جیسے بدرۃ مبدرۃ کہا جاتا ہے۔ ضحاک نے مقنطرۃ کا ترجمہ کیا ہے مضبوط محکم۔ یمان نے دفن کردہ اور سدی نے ٹکسالی سکہ (مہری) اور فراء نے چند گنا ترجمہ کیا ہے پس القناطیر سے قنطار کی جمع اور المقنطرۃ سے جمع الجمع مراد لی گئی ہے (یعنی ڈھیروں ڈھیر)۔

مِنَ الذَّهَبِ ذہب، سونا بعض نے ذہب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ ذہب کا معنی ہے جانا اور سونا بھی آنے جانے والی چیز ہے۔

وَالْفِضَّةِ فضۃ چاندی، بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ فض کا معنی ہے منتشر ہونا اور چاندی بھی منتشر ہونے والی چیز ہے۔

وَالْخَيْلِ خیل فرس کی جمع ہے خیل کے لفظ سے مفرد نہیں آتا۔

الْمُسَوَّمَةِ مجاہد نے اس کا ترجمہ کیا مکمل ساخت والے کامل الاعضاء۔ خوبصورت تسویم کا معنی ہے حسن۔ سعید بن جبیر نے کہا چرنے والے یعنی جنگل میں آزادی سے چرنے والے حسن بصریؒ اور ابو عبیدہؒ نے ترجمہ میں کہا نشاندار یہ لفظ سیماء سے مشتق ہے اور سیماء کا معنی ہے علامت لیکن سیماء سے کیا مراد ہے کسی نے کہا گھوڑے کی جلد کا دھبہ اور رنگ مختلف ہونا کا داغ

وَالْاَنْعَامِ انعام نعم کی جمع ہے اور نعم بھی جمع ہے مگر اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔ انعام کا اطلاق اونٹ، گائے، بھینس اور بکری پر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جنگلی چوپایوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی لئے امام صاحب نے آیت جزاء مثل ما قتل من النعم کی تفسیر میں النعم سے جنگلی چوپایہ مراد لیا ہے۔

وَالْحَرْثِ اور کھیتی۔ یعنی انسانوں کے لئے اللہ کی طرف سے عورتوں میں، اولاد میں اور ڈھیروں ڈھیر سونے چاندی میں اور خوبصورت گھوڑوں اور چوپایوں میں اور کھیتی میں دل کشی کا سامان پیدا کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ یہ سب چیزیں دنیوی زندگی میں مزہ اڑانے کی چیزیں ہیں آخر فنا ہونے والی ہیں۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ اور انجام کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے یعنی اچھا انجام جو انتہائی خوب ہونے کی وجہ سے گویا مجسم خوبی ہے اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس میں پوری پوری ترغیب ہے اس امر کی کہ دنیا کی فنا پذیر مرغوبات کو چھوڑ کر آخرت کی لذت آگیں لازوال چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔[2]

---

[1] حاکم نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ قنطار ایک ہزار اوقیہ ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ ہے۔ ۱۲۔

[2] قتادہؒ کا قول ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اس آیت کی تلاوت کے بعد) کہتے تھے اللہم زینت لنا الدنیا وانبأتنا ان ما بعدہا خیر منہا فاجعل حظی فی الذی ہو خیر وابقی۔ مؤلف

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ان تمام مذکورہ چیزوں سے بہتر چیز میں تم کو بتاؤں۔
اس جملہ میں کافروں کے لئے زجر ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ (باوجود پیغمبر ہونے کے) اس امر میں متردد ہیں کہ کیا رحم و مہربانی کے تقاضے کے تحت اور اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کافروں کو اس بہترین چیز کی اطلاع دیدیں یا کافروں کے انکار اور حق سے نفرت کے پیش نظر ان کو نہ بتائیں۔ پہلے اشارہ کیا تھا کہ اللہ کا عطا کردہ ثواب دنیوی لذتوں سے بہتر ہے۔ اس جملہ میں اسی مضمون کو پختہ کر دیا۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اللہ کے پاس جنتیں ہیں۔
متقیوں کا خصوصی ذکر اس وجہ سے کیا کہ حقیقت میں ثواب آخرت سے فائدہ اندوز وہی ہوں گے۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا متقی ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے یعنی داخلہ کے دن کے بعد ان کیلئے وہاں ہمیشہ رہنا مقدر ہے۔

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور پاک بیویاں یعنی عورتوں کی آلائش حیض، نفاس اور بول و براز سے پاک بیویاں۔

وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اللہ کی عظیم الشان خوشنودی۔ بعض علماء نے بیان کیا کہ آیت میں اللہ نے جنات اور ازواج کا ذکر کیا، یہ دونوں چیزیں انسانی مرغوبات کی اہم جنس ہیں، جنتیں کھیتی کی جنس سے ہیں اور ازواج عورتوں کی جنس سے۔ اولاد کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ دنیا میں اولاد کا مقصد بقاء نوع اور زندگی کی مدد ہے اور آخرت میں اس کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح گھوڑوں کا، چوپایوں کا اور سونے چاندی کا بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ جنت میں گھوڑوں وغیرہ کی سواری کی تکلیف نہ ہوگی اور حصول رزق کے لئے جو بیع و شراء کی جاتی ہے اس کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ آخر میں ایک ایسی عظیم الشان نعمت کا ذکر کیا جس کی برابری ممکن نہیں یعنی اللہ کی خوشنودی۔ پھر رضوان کو بصورت نکرہ (غیر معروف) لانے سے اشارہ کیا کہ اللہ کی رضامندی (کی حد) کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اہل جنت سے فرمائے گا، اے اہل جنت! جواب دیں گے لبیک ربنا وسعدیک والخیر فی یدیک۔ اللہ فرمائے گا، کیا میں اس سے بڑھ کر چیز تم کو دوں؟ جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب! اس سے بڑھ کر کیا چیز ہے۔ اللہ فرمائے گا میں تم پر اپنی خوشنودی نازل کروں گا تم پر کبھی غصہ نہ ہوں گا۔ متفق علیہ۔

میں کہتا ہوں کہ آیت میں جنات کا ذکر انسان کے تمام مرغوبات کے دوش بدوش واقع ہوا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ۔ اولاد و اقربا سب جنت میں جمع ہوں گے اور سب سے ہمیشہ ملاقات رہے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اولاد آنکھ کی خنکی اور دل کا کامل سرور ہوتی ہے تو کیا جنتیوں کے بچے پیدا ہوں گے، فرمایا مومن جب اولاد کی خواہش کرے گا تو ایک ہی ساعت میں استقرار حمل، وضع حمل اور سن (یعنی بالیدگی اور بڑھاؤ) اس کی خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔

ترمذی نے روایت کے بعد اس کو حسن کہا ہے۔ بیہقی نے بھی یہ روایت لکھی ہے اور ہناد نے زہد میں حضرت ابو سعید کی روایت سے اس کو ذکر کیا ہے، اسی طرح حاکم نے تاریخ میں اور اصبہانی نے ترغیب میں اس کو نقل کیا ہے۔ رہے چاندی سونے کے ذخیرے تو (یہ ثابت ہے کہ) اللہ نے ایک جنت ایسی بنائی ہے جس کی ایک اینٹ چاندی کی، دوسری اینٹ سونے کی اور گارا مشک کا ہے (یعنی گارا جنتی جنت) رواہ البزار والطبرانی والبیہقی عن ابی سعیدؓ عن النبی ﷺ۔ ایک مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے ظروف اور ان کے اندر کی تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور ان کے اندر کی تمام چیزیں سونے کی ہیں۔ (رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابی موسیٰؓ) باقی گھوڑوں اور چوپایوں کا جنت کے اندر

ہونا تو یہ بھی ثابت ہے۔ ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے گھوڑوں سے محبت ہے کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے فرمایا جب تم جنت میں داخل ہو گے تو تمہارے سامنے یاقوت کا گھوڑا لایا جائے گا جس کے دو بازو ہوں گے تم کو اس پر سوار کیا جائے گا اور وہ تم کو تمہاری مرضی کے موافق اڑا کر لے جائے گا۔ رواہ الترمذی عن ابی ایوب ورویٰ الترمذی والبیہقی نحوہ عن بی بردہ مرفوعاً والطبرانی والبیہقی بسند جید عن عبد الرحمٰن بن ساعدہ مرفوعاً۔

ابن مبارکؒ نے حضرت شفی بن ماتع رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی آسائشوں میں سے یہ بات بھی ہوگی کہ جنتی باہم ملاقات کے لئے اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جائیں گے اور جمعہ کے روز ان کے سامنے زین پوش گھوڑے لائے جائیں گے، جن کے لگام میں لگی ہوں گی وہ لید اور پیشاب نہیں کریں گے۔ جنتی ان پر سوار ہو کر جہاں اللہ چاہے گا پہنچ جایا کریں گے۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ اور اصبہانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے۔ جس کی بالائی چوٹی سے بیاب کے جوڑے اور نچلے حصہ سے سونے کے ابلق گھوڑے پیدا ہوں گے، جن کی زینیں اور لگامیں موتی اور یاقوت کی ہوں گی، ان کے پروں والے بازو بھی ہوں گے ان کا ایک پر بقدر رسائی نگاہ ہوگا، وہ لید اور پیشاب نہیں کریں گے، ان پر اولیاء اللہ سوار ہوں گے اور جہاں چاہیں گے گھوڑے اڑا کر لے جائیں گے۔ نیچے والے کہیں گے انہوں نے تو ہمارا نور ماند کر دیا (اللہ یا فرشتے) کہے گا یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے، تم کنجوسی کرتے تھے، یہ جہاد کرتے تھے، تم بیٹھے رہتے تھے۔

ابن مبارکؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جنت میں عمدہ گھوڑے اور اعلیٰ اونٹنیاں ہوں گی جن پر جنتی سوار ہوں گے۔ ابن وہبؒ نے حسنؒ بصری کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کم سے کم مرتبہ والا جنتی وہ ہو گا جو ہزار در ہزار غلمان جنت کے ساتھ یاقوت سرخ کے گھوڑوں پر سوار ہوگا اور ان گھوڑوں کے بازو سونے کے ہوں گے۔ رہا کھیتی کا تذکرہ تو اس کے سلسلہ میں بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک جنتی اپنے رب سے کھیتی کرنے کی اجازت مانگے گا اللہ فرمائے گا کیا تو اپنی خواہش کے مطابق حالت میں نہیں ہے، جنتی عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ کاشت کرے گا مگر پلک جھپکنے سے پہلے کھیتی اُگ آئے گی، پودے ٹھیک ہو جائیں گے اور کھیت کٹنے کے قابل ہو جائے گا اور پہاڑوں کی طرح کھیتی ہو جائے گی اللہ فرمائے گا اے آدم کے بچے لے تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرے گی۔ طبرانی اور ابوالشیخ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ کھیتی کی ایک ایک بال بارہ ہاتھ کی ہو جائے گی اور وہ شخص اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے گا پہاڑوں کے برابر (غلہ کا) ڈھیر ہو جائے گا۔

جنت کی نعمتوں میں ازواج کے خصوصی تذکرہ کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عرب کو عورتوں کی خواہش شدت کے ساتھ ہوتی تھی یا یہ وجہ ہے کہ جنت میں ہر ایک کو ازواج (حوریں) ملیں گی۔

باقی اولاد تو صرف انہی کو ملے گی جن کی دنیا میں اولاد ہو گی یا جنت میں اولاد کے خواہشمند ہوں گے عموماً اہل جنت کو اولاد کی خواہش نہیں ہوگی کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب جنت کے اندر مؤمن اولاد کا خواہشمند ہوگا تو فوراً اولاد ہو جائے گی مگر وہ خواہشمند ہی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی والدارمی) مطلب یہ ہے کہ اکثر لوگ اولاد کے خواہشمند نہ ہوں گے ہم نے یہ تاویل مختلف روایات کو مطابق بنانے کے لئے کی ہے۔ اللہ نے (آخر میں) ایک ایسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے جو دنیوی نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اس سے بڑی نعمت کا امکان ہی نہیں ہے یعنی اللہ کی خوشنودی۔ اللہ کی رضامندی ہی وہ امتیازی نعمت ہے جو جنت کی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ دنیا ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے ہاں دنیا کی چیزوں میں سے جس چیز سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہو وہ ملعون نہیں ہے۔ بعض روایت میں اللہ

کے ذکر اور (علم دین کے) عالم و متعلم کو ملعون ہونے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور صغیر میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے سنن میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے اور جنت کی نعمتیں اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہیں حضرت ربیعہ جرشیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ کسی سردار نے کوئی مکان بنایا اور (پھر) دستر خوان چنوایا اور ایک منادی کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا اب جس شخص نے منادی کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں آگیا اور اس نے دستر خوان پر کھانا کھایا اور وہ سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت کرنے والے کی دعوت نہ قبول کی وہ گھر میں نہ آیا اور دستر خوان سے کچھ نہ کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سردار تو اللہ ہے اور اس کی طرف سے دعوت دینے والا محمد ﷺ ہے اور مکان اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے۔ رواہ الدارمی۔

میں کہتا ہوں کہ دنیا کی نعمتیں اللہ کو پسند نہیں ان کی طرف پشت پھیر کر دیکھنا بھی نہیں چاہئے اللہ نے فرمایا ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اور جنت کی نعمتیں اللہ کو پسند ہیں ان کی رغبت کرنے والا قابل ستائش ہے اللہ نے فرمایا ہے وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ اس کا راز یہ ہے کہ موجودات دنیوی کا مبدء وجود عدم ہے (تمام ممکنات اصلاً معدوم ہیں پہلے نہ تھے پھر ہوئے ان کا وجود حادث ہے ازلی نہیں ہے) تمام اعدام کا تقرر اللہ کے علم میں تھا (وجود نہ تھا نہ اندازہ وجود تھا) جب اللہ کی صفات کمالیہ کا ان پر پرتو پڑا تو ان میں (وجود کی) چمک آگئی اور ان کا وجود ظلی ہو گیا جیسے جہالت پر علم کا اور عجز پر قدرت کا عکس پڑتا ہے تو جہالت میں علم کا اور عجز میں قدرت کا ظلی وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ موجودات دنیا کی اصل عدم ہے اسی لئے یہ جلد جلد فنا کی طرف جا رہے ہیں۔ (کیونکہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) اور عدم فی نفسہٖ خالص شر ہے اس میں نہ کوئی حسن ہے نہ خیر نہ کمال۔ ہاں (صفات خداوندی کا عکس پڑنے سے) اس میں اتنا ہی حسن پیدا ہو گیا ہے جتنا کسی ناقص الاصل چیز میں ملمع کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ آخرت کی موجودات کی حالت اس کے برخلاف ہے ان کی تعیین اور تخلیق کے مبادی صفات خداوندی ہیں (صفات خداوندی ان کا سرچشمہ ہے۔ آفتاب صفات کی یہ شعاعیں ہیں[1]) اسی لئے ان کی محبت اللہ کی محبت اور ان کی طرف رغبت اللہ کی طرف رغبت ہے حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ باوجودیکہ انبیاء اور اولیاء کی توجہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف نہیں ہوتی مگر حضرت

[1] ممکن وہی ہوتا ہے جو اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اس کا وجود ضروری نہیں ہوتا اور ہمارے نزدیک ہر ممکن حادث ہے کوئی ممکن نہ قدیم بالذات ہے نہ قدیم بالغیر ارسطو اور اس کے پیرو ممکن بالذات کو قدیم بالغیر کہتے ہیں یعنی ہر ممکن اپنے وجود کا خود مالک تو نہیں ہے مگر علت کی طرف سے اس کا وجود قدیم ازلی ہے جس کا کوئی آغاز نہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہر ممکن کی اصل عدم ہے لیکن عدم محض نہیں کیونکہ عدم محض سے تو وجود نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ عدم متقرر، اصل ہے تقرر کا مرتبہ عدم محض اور وجود بالفعل کے درمیان ہے تمام حقائق کونیہ کا تقرر اور مقدر علم باری تعالیٰ میں ہے بلکہ تقرر کائنات نام ہی علم خداوندی کا ہے پس اصلاً یہ کائنات معدوم ہے جب صفات باری تعالیٰ کا پرتو کائنات پر پڑتا ہے تو کائنات کا وجود ظلی یا عکسی نمودار ہو جاتا ہے لوگ اسی ظلی وجود کو جو خداوندی پرتو سے نمودار ہو گیا ہے غلطی سے وجود اصلی کہنے لگتے ہیں حالانکہ اگر وجود اصلی ہوتا تو ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا کبھی فنا نہ ہوتا لیکن ہم محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز فنا پذیر ہے اور عدم کی طرف دوڑی جا رہی ہے اس لئے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ اس کی اصل عدم ہے اور عدم کا مقابل وجود ہے عدم کی کوئی حقیقت نہیں اور جس کی حقیقت نہ ہو تو وہ نہ خیر ہو سکتی ہے نہ حسن و کمال خداوندی ہستی نہ خیر ہے نہ حسن و کمال، علم واجب میں ساری دنیا کا تقرر ہی اصل وجود ہے اور وجود خارجی اس کا سایہ اور ظاہر ہے کہ سایہ کی نہ کوئی حقیقت ہے۔ حسن و کمال ساری دنیا کے مقابل آخرت کی نعمتیں اور مصائب ان ... وہاں ہیں ان کا ابدی کنارہ کوئی نہیں اور ان کے مبادی تعین اعدام نہیں بلکہ اللہ کی صفات کاملہ ہیں صفات الٰہی آخرت میں بصورت مرد قمر نمایاں ہوں گی یہاں اس دنیا میں اگر کوئی چیز خیر ہے تو وہی ہے جو نعمت آخرت کے حصول کا موجب ہے انبیاء اولیاء اور ان کی ہدایات اسی لئے خیر ہیں واللہ اعلم۔

یعقوبؑ کی محبت حضرت یوسفؑ سے (عشق کی حد تک) تھی اس کی راز یہ ہے کہ حسن یوسف حسن اہل جنت کی جنس سے تھا۔ یوسفؑ کی محبت حقیقت میں اللہ کی محبت تھی اور ان سے عشق خدا سے عشق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا مگر تمہارا ساتھی تو اللہ کو خلیل بنا چکا۔ رواہ مسلم

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝ یہ جملہ گزشتہ کلام کی دلیل کے مقام میں ہے اور العباد میں الف لام استغراقی ہے یعنی اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے اچھے ہوں یا برے سب کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ یا الف لام عہدی ہے یعنی متقی بندے اللہ کی نگاہ کے سامنے ہیں اسی لئے ان کے لئے اللہ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ یعنی اللہ خوب دیکھ رہا ہے ان پرہیزگار بندوں کو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم بلاشبہ ایمان لے آئے پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

فاغفر میں فاء سببیہ کیلئے ہے (یعنی کلام سابق کلام لاحق کی علت ہے) مراد یہ ہے کہ ہم ایمان لے آئے اس لئے تو ہمارے گناہ بخش دے) اس آیت میں ثبوت ہے اس امر کا کہ صرف ایمان مغفرت کا استحقاق پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت معاذؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور اللہ پر بندوں کا حق ہے کہ غیر مشرک کو وہ عذاب نہ دے۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیدوں۔ فرمایا لوگوں کو اس کی بشارت نہ دو کہیں وہ (اسی پر) بھروسہ کر بیٹھیں (متفق علیہ)۔

اَلصّٰبِرِيْنَ نفس کی مخالفت پر جم جانے والے یعنی مصائب میں بے صبر ہونے سے نفس کو روکنے والے۔ خواہشات اور بری باتوں کی پیروی سے باز داشت کرنے والے۔ طاعت الٰہی اور اچھی باتوں کا پابند رکھنے والے۔[1]

وَالصّٰدِقِيْنَ اور سچے۔ یعنی قول، ادعاء، احوال اور تمام دعووں میں نقل واقعات میں اور ادائے شہادت میں سچے اور سب سے بڑا سچ لا الہ الا اللہ اور محمد عبدہ و رسولہ کی شہادت ہے۔[2]

وَالْقٰنِتِيْنَ اور اللہ کی طاعت پر ہمیشہ پابندی رکھنے والے جنکے پیش نظر ہر وقت اللہ کی خوشنودی کا حصول ہی ہوتا ہے

وَالْمُنْفِقِيْنَ اور اپنے مالوں کو اللہ کی خوشنودی کیلئے خرچ کرنے والے اس جگہ تک کلام مذکور ہر قسم کی طاعت کو حاوی ہو گیا اس میں درستی اخلاق و احوال بھی آ گئی اور جسمانی و مالی اعمال کی اصلاح بھی۔

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۝ یعنی ظاہری اور باطنی اطاعت گزاریوں کے باوجود وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اپنی کوتاہی کا

---

[1] حضرت مؤلف کی مراد یہ ہے کہ عربی زبان میں لفظ صبر کے بعد علیٰ آتا ہے یا عن، بصورت اول صبر کا معنی ہوتا ہے روکنا، باز رکھنا اور بصورت دوم معنی ہوتا ہے پابند بنانا۔ آیت میں الصابرین کے بعد نہ عن ہے نہ علیٰ اس لئے مطلق معنی مراد ہے روکنا بھی اور پابند رکھنا بھی مطلب یہ ہے کہ متقی اپنے نفوس کو بری باتوں سے روکتے اور اچھی باتوں کا پابند بناتے ہیں۔ پہلا وصف سلبی ہے دوسرا وصف ثبوتی، سلبی وصف کا معنی ہے رذائل او قبائح سے خالی اور پاک ہونا، ثبوتی وصف کا معنی ہے فضائل اور محاسن سے آراستہ ہونا۔ ۱۲

[2] صدق کا لفظ عام ہے جیسے کذب عام ہے قول میں سچائی، تمام دعووں میں سچائی، کسی واقعہ کو نقل کرنے میں سچائی، ادائے شہادت میں سچائی۔ یہ تو صدق کی عام صورتیں ہیں لیکن صوفیہ کی اصطلاح میں صدق و کذب کا معیار ان صورتوں کے علاوہ ایک اور بھی ہے، سالک جب راہ سلوک طے کرتا ہے تو اثناء سیر میں بہت مواقف ملتے ہیں اور کوئی موقف اصل منزل نہیں ہوتا لیکن صوفی دھوکہ کھا کر یا نادانی کی وجہ سے موقف کو منزل سمجھ لیتا ہے اور منزل پر پہنچنے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے یا ابتدائی موقف پر پہنچ کر اگلے موقف تک پہنچنے کا مدعی بن بیٹھتا ہے یہ سب کذب کی صورتیں ہوتی ہیں مثلاً سیر آفاق کرنے والا صوفی سیر انفس کا مدعی ہو جائے تو جھوٹ ہو گا یا سیر افعال کرنے والا سالک سیر صفات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ بھی غلط ہو گا یا سیر صفاتی میں مشغول رہتے ہوئے عارف سیر ذاتی کا ادعاء کرے تو یہ بھی اس کی دروغ گوئی اور دروغ ہو گی۔ غرض ادعاء احوال میں بھی صدق ضروری ہے واللہ اعلم۔

اقرار کرتے ہیں اس لئے معافی کے طلب گار رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ بندہ سے اللہ کی عبادت اس طرح ہو سکتی ہی نہیں جیسی اللہ کی عظمت و جلالت کا تقاضا ہے بلکہ بندہ جب یہ سمجھتا ہے کہ میرے تمام اعمال و افعال بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں یہ اللہ کا احسان و کرم ہے کہ اس نے اپنی عبادت کی توفیق عنایت فرمائی اور مجھے اپنے لئے منتخب فرمایا تو وہ جان لیتا ہے کہ میری کی ہوئی عبادت اگر قبول کے قابل ہو جائے تو یہ محض اللہ کا کرم ہے اس کا شکر ہے ورنہ اللہ کی نعمت کا کما حقہ شکر ادا کرنا تو ممکن ہی نہیں۔ اللہ ہی اپنی مغفرت اور خوشنودی سے ڈھانک لے تو نجات ہو سکتی ہے یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ) بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ وہ آپ پر اپنے مسلمان ہو جانے کا احسان دھرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق دی۔ اگر تم سچے ہو۔

طلب معافی کے لئے سحر کے وقت کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ یہ وقت قبول دعا سے بہت ہی قرب رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے باری تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی (سارے جہان کا خود مختار) بادشاہ ہوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں۔ بخاری و مسلم۔

مسلم کی روایت میں اتنا اور ہے کہ پھر پروردگار اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے قرض دینے والا ایسے شخص کو جو مفلس نہیں ہے اور نہ حق مارنے والا۔ یہ ندا صبح کی پو پھٹنے تک ہوتی رہتی ہے۔ بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا بیٹے! اس مرغ سے بھی زیادہ عاجز نہ ہو جو سحر کے وقت چیختا ہے اور تو بستر پر پڑا سوتا ہوتا ہے۔

زید بن اسلم نے فرمایا کہ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ سحر کا وقت صبح کے قریب ہی ہوتا ہے اس لئے بالاسحار فرمایا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تشریح میں فرمایا کہ وہ سحر کے وقت تک نماز (تہجد) کو دراز کرتے ہیں پھر استغفار کرتے ہیں۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رات کو (بیداری بھر) عبادت کرتے آخر میں فرماتے نافع کیا سحر ہو گئی میں عرض کرتا (ابھی) نہیں۔ آپ لوٹ کر پھر نماز پڑھنے لگتے اور اگر میں کہہ دیتا جی ہاں تو بیٹھ کر استغفار کرتے اور صبح تک دعا کرتے رہتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام صفات کے درمیان واؤ عاطف کا لانا بتا رہا ہے کہ ہر صفت بجائے خود (متقیوں میں) کامل ہے اور وہ ہر صفت میں کمال رکھتے ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ ہر صفت کے موصوف جدا جدا گروہ ہیں۔ صابر تو پاک دل اور پاکیزہ نفوس والا صوفیہ کا گروہ ہے مجاہدین اور شہداء کا شمار بھی انہی صابرین میں ہے۔ اور صادقین سے مراد وہ سچے علماء ہیں جو سچی روایات بیان کرتے ہیں اور قانتین سے مراد زاہدوں کا گروہ ہے جو طویل قنوت کے ساتھ نمازیں پڑھتے اور خوف و رجاء کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں اور منفقین سے مراد وہ دولتمند مومن صالح ہیں جو جائز راستوں سے کما کر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور مُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ وہ لوگ ہیں جو نادانی سے برے کام کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تم کو لے جائے گا (فنا کر دے گا) اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے،

پھر گناہ کرنے کے بعد

معافی کے طلب گار ہوں گے اور ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، رواہ مسلم۔ امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

آیت میں اللہ نے ترتیب وار ہر گروہ کا ذکر اسکے مرتبہ کے مطابق کیا ہے، افضل ترین، افضل تر، افضل، فاضل وغیرہ
وغیرہ۔

شَهِدَ اللّٰهُ اللہ شاہد ہے یعنی عقلی دلائل قائم کرکے اور کتابیں نازل فرما کے اس نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں ہے۔ بغوی نے بروایت کلبی بیان کیا ہے کہ شام کے یہودی علماء میں سے دو عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے آئے۔ مدینہ کو دیکھ کر ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر تو اس شہر سے بہت ہی مشابہ ہے جہاں نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہوگا۔ جب دونوں خدمت گرامی میں پہنچے تو اپنی کتاب میں بیان کردہ صفات کو حضور ﷺ کی صفات سے مطابق پا کر پہچان لیا اور عرض کیا کیا آپ محمد ﷺ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ بولے کیا آپ احمد ﷺ بھی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا میں محمد ﷺ بھی ہوں اور احمد ﷺ بھی۔ کہنے لگے ہم آپ سے کچھ پوچھتے ہیں اگر آپ ﷺ نے بتادیا تو ہم آپ کو مان لیں گے اور سچا قرار دیں گے، فرمایا پوچھو، کہنے لگے بتاؤ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا اور وہ دونوں مسلمان ہوگئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا اور ارواح کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق کو پیدا کر دیا اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جب کہ وہ خود ہی تھا نہ آسمان تھا نہ زمین نہ نیک نہ بد خود ہی اپنے یکتا ہونے کی شہادت دی اور فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ اور فرشتے اور اصحاب علم شاہد ہیں یعنی فرشتے اور اہل علم جن وانس سچے دل سے مانتے اور زبانوں سے اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں۔

قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ قائماً، شَهِدَ کے فاعل یعنی اللہ سے حال ہے یعنی عدل کے ساتھ تمام مخلوق کا انتظام قائم رکھنے کی حالت میں اللہ شاہد ہے عدل کے ساتھ اس کا انتظام مخلوق پر قیام توحید کی واضح دلیل ہے۔
یا ھو سے حال ہے یا فعل مدح محذوف ہے اور اس کا یہ مفعول ہے یا اُولُو الْعِلْمِ کے اندر جو لفظ علم ہے قائماً اس کا مفعول ہے یعنی علماء اللہ کو قائم بالعدل جانتے ہیں اور اس بات کو پہچانتے ہیں کہ اللہ تقسیم اور علم میں عادل ہے۔ اس کی شان میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مالک الملک ہے جس طرح چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے نہ کسی طاعت گزار کو ثواب دینا اس پر لازم ہے نہ نافرمان کو عذاب دینا وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اس تفسیر کے مطابق آیت میں معتزلہ کے مسلک کی کوئی دلیل نہیں (جو قائل ہیں کہ نیکوکار کا ثواب اور بدکار کا عذاب اللہ پر واجب ہے)۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس جملہ کا دوبارہ ذکر مزید تاکید کے لیے کیا نیز توحید کے دلائل کو جاننے اور دلائل کو دیکھ کر توحید کا اعتراف کرنے کی جانب مزید توجہ دلائی۔

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ وہ اپنی حکومت میں غالب ہے صنعت میں حکیم ہے۔ اللہ کی قدرت کا علم پہلے ہوتا ہے اور اس کی حکمت کا علم پیچھے اس لیے العزیز کو الحکیم سے پہلے ذکر کیا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔ کسائی کی قرأت میں اَنَّ الدین آیا ہے۔ اب اگر اسلام کو عین ایمان کہا جائے تو اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے یہ بدل الکل ہوگا۔ قتادہ نے بیان کیا کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اور اس بات کا اقرار کہ تمام پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اللہ کی طرف سے لائے ہیں یہی وہ دین اللہ ہے جس کو اللہ نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اور اپنے اولیاء کو اس کا راستہ بتایا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی دین کو وہ قبول نہیں کرے گا نہ ثواب دے گا
(یا بدل کل من البعض ہوگا اگر) اسلام کے اندر ایمان کو داخل قرار دیا جائے (اور ایمان کو عین اسلام نہیں بلکہ جز اسلام کہا جائے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا اور نماز ٹھیک ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بشرط استطاعت راہ حج کرنا اسلام ہے۔ سوال جبرئیل کے جواب میں رسول اللہ ﷺ

نے جو بیان فرمایا تھا اس طویل حدیث کا یہ ایک حصہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ متفق علیہ۔

لیکن اگر اسلام سے مراد صرف شریعت محمدیہ ہو کیونکہ تمام ادیان کے منسوخ ہونے کے بعد اس دور (محمدی) میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف شریعت محمدیہ ہے تو بدل اشتمال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر موسیٰ (اس زمانہ میں) زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ رواہ احمد والبیہقی من حدیث جابرؓ۔

جمہور کی قرأت میں اِنَّ الدِّیْنَ ہے اس صورت میں یہ مستقل ابتدائی کلام ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ اعمشؒ رات سے اٹھ کر تہجد پڑھنے لگے جب آیت شہد اللہ الخ کی تلاوت کی تو کہا میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ کے پاس امانت رکھتا ہوں۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کی شہادت اللہ کے پاس میری ودیعت ہے۔ نماز پڑھ چکے تو کسی نے پوچھا حضرت آپ نے یہ کیا فرمایا تھا۔ فرمایا مجھ سے ابو وائل نے حضرت عبداللہؓ کی روایت سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شہادت دینے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اللہ فرمائے گا میرے اس بندہ کا میرے پاس ایک عہد ہے اور میں سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے کے لائق ہوں میرے اس بندہ کو جنت میں داخل کر دو۔ یہ حدیث بغویؒ نے اپنی سند سے نقل کی ہے اور طبرانی نے نیز بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یعنی محمد ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت میں یہود و نصاریٰ نے اختلاف نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں اہل کتاب کا اختلاف یہ تھا کہ بعض نے تو بالکل ہی انکار کر دیا اور بعض نے آپ کی نبوت کو صرف عرب کے لئے قرار دیا۔

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ مگر ان کو علم ہو جانے کے بعد کہ پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اس کی اطلاع اللہ نے ان کو توریت و انجیل میں کھول کر دیدی تھی۔

بَغْیًا بَیْنَھُمْ یعنی کسی شبہ اور ناواقفیت کی وجہ سے انہوں نے نبوت محمدیہ اور حقانیت اسلام میں اختلاف اور حق کا انکار نہیں کیا بلکہ حقانیت کا ان کو علم ہو چکا تھا اس علم کے بعد صرف عناد اور حسد کی وجہ سے اور حکومت وریاست کے لالچ میں انہوں نے اختلاف کیا۔

ابن جریرؒ نے حضرت محمد (بن علی بن) جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول نجران کے عیسائیوں کے متعلق ہوا تھا یعنی جن کو انجیل دی گئی تھی انہوں نے (کسی لاعلمی اور شبہ کی وجہ سے) عیسیٰ کے معاملہ میں یہودیوں سے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ یہودیوں کے مقابلہ میں عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا مگر اس بات کے علم کے بعد کہ اللہ واحد ہے وہ کسی کا باپ نہیں اور عیسیٰ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ محض یہودیوں کے عناد اور انکار کی وجہ سے اختلاف کیا ایک طرف یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی والدہ پر (زنا کی) تہمت لگائی باوجودیکہ توریت میں ان کو یقینی اطلاع دیدی گئی تھی کہ عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں نے یہودیوں کے انکار کے مقابل محض عناد کی وجہ سے عیسیٰ کو ابن اللہ کہہ دیا باوجودیکہ ان کے پاس بھی یقینی علم آ چکا تھا کہ عیسیٰ خدا کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ وحدہ لا شریک ہے کوئی بھی اس کا بیٹا نہیں۔

ابن ابی حاتم نے ربیعؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت بنی اسرائیل کے ستر علماء کو طلب کیا اور توریت ان کی امانت میں دیدی اور یوشع بن نون کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جب پہلی دوسری اور تیسری صدی گزر گئی تو اس کے بعد یہودیوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ آیت وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ میں انہی ستر علماء کی اولاد مراد ہے جن کو توریت دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ ان میں خوب خونریزی ہوئی اور بدی پھیل گئی اور اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ سے مراد ہے اس چیز کا بیان جو توریت میں تھی (یعنی احکام توریت میں آپس کے عناد کی وجہ سے تفرقہ پڑ گیا) آخر اللہ نے ان پر جبابرہ (بخت نصر وغیرہ) کو مسلط کر دیا۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے گا تو یقیناً اللہ اس سے جلد حساب لے گا اور اس کو کفر کی سزا دے گا۔ یہ کافروں کے لئے وعید ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ پس اے محمد اگر وہ آپ سے مناظرہ کریں اور یہودی و عیسائی کہیں کہ یہودیت اور نصرانیت تو نسب ہے (مذہب نہیں ہے) اور دین تو ہمارا "اسلام" ہے۔

فَقُلْ تو آپ ان سے کہہ دیں کہ لفظ اسلام میں کوئی جھگڑا نہیں۔

اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ (بلکہ اسلام کی حقیقت بحث طلب ہے) میں تو اللہ کا فرماں بردار ہو گیا اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہیں دیتا اس کے احکام کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا بلکہ دل، زبان اور سارے اعضاء کو اسی کی اطاعت میں لگا دیا ہے۔ انسان کے (بیرونی) اعضاء میں چہرہ کا درجہ سب سے زیادہ ہے اس لئے چہرہ کا ذکر کیا ورنہ مراد تمام باطنی اور ظاہری اعضاء ہیں یا یہ مطلب ہے کہ میں نے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء کی توجہ خالص اللہ کی طرف کر دی ہے کسی دوسرے کی طرف التفات بھی نہیں کرتا یا وجہ سے ذات مراد ہے یعنی میں نے اپنی پوری ہستی اللہ کے سپرد کر دی ہے اور ایسے اسلام کا تقاضا ہے کہ کسی کو اللہ کا ساجھی نہ قرار دیا جائے اسی کے اوامر و نواہی کی تعمیل فوراً کی جائے اور جو شریعت اس کی طرف سے آئی ہو اگر خود ہی اس نے منسوخ نہ کر دی ہو تو اس کی پابندی کی جائے۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِ اور جو لوگ میرے پیرو ہیں انہوں نے بھی اپنی ہستی اللہ کے سپرد کر دی ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ اس کا عطف قُلْ اَسْلَمْتُ پر ہے یعنی (اول) اپنے نفس سے آپ کہہ دیں کہ میں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اسلام پر دل کو مطمئن بنا لیں اور (پھر) یہود و نصاریٰ سے جو اہل کتاب ہیں اور ان لوگوں سے جو اہل کتاب نہیں ہیں جیسے مشرکین عرب سب سے کہہ دیں کہ جب عقلی دلائل سے بھی واضح ہو گیا اور تورات و انجیل میں بھی اس کی صراحت آچکی کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے تو کیا میرے اسلام کی طرح تم بھی اسلام لے آئے یا تم اس کے بعد بھی کفر پر قائم ہو ءَاَسْلَمْتُمْ صیغہ استفہام کا ہے مگر معنی امر کے ہیں یعنی تم بھی مسلمان ہو جاؤ جیسے آیت فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کا مطلب ہے باز رہو۔ آیت میں اہل کتاب کو ان کے عناد اور حماقت پر شرم دلانی مقصود ہے (یعنی تمہارا عناد اس حد تک پہنچ گیا کہ لفظ اسلام میں جھگڑا کرتے ہو اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس لفظ میں جھگڑا نہیں بلکہ حقیقت مراد ہے اور حقیقت اسلام وہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں یعنی کامل سپردگی اور ہر شریعت کا اقرار اور تمہارے اندر اسلام کی یہ حقیقت نہیں، تم کسی شریعت کو مانتے ہو کسی کو نہیں مانتے کوئی کسی پیغمبر کو خدا کا بیٹا کہہ دیتا ہے۔ دوسرا اسی پیغمبر کو حرامزادہ قرار دیتا ہے نہ تم کو خدا کا شریک بنانے سے اور اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے سے شرم آتی ہے نہ باہم عناد اور ہوا پرستی سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور پھر اپنے دین کو اسلام کہتے ہو بس تمہارے اسلام کی یہی حقیقت ہے جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں اسلام تو میرا ہے میں نے اپنی خواہش اور میلانات نفس کو چھوڑ دیا اور صرف اللہ سے اپنی ہستی کا تعلق جوڑ لیا تم بھی میری طرح مسلمان ہو جاؤ اور اپنے دعوے سے شرم کرو)۔

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا اب اگر وہ بھی تمہاری طرح مسلمان ہو جائیں تو وہ بھی ہدایت یاب ہو جائیں گے، حسب الحکم رسول اللہ ﷺ نے (اہل کتاب کے سامنے) یہ آیت تلاوت فرمائی وہ کہنے لگے ہم تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے آپ نے یہودیوں سے فرمایا عیسیٰ عبد اللہ تھے و رسول اللہ تھے، کلمۃ اللہ تھے (کیا تم کو اس کا اقرار ہے) بولے معاذ اللہ۔ آپ نے عیسائیوں سے فرمایا عیسیٰ عبد اللہ اور رسول تھے (کیا تم کو اس کا اعتراف ہے) کہنے لگے اللہ کی پناہ کہ عیسیٰ بندے ہوں اس پر اللہ نے فرمایا۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ اور اگر وہ تمہارے اسلام سے روگردانی کریں تو تمہارا کوئی حرج نہیں وہ تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تمہارے ذمہ تو صرف ہدایت پہنچا دینا ہے، ہدایت دینا نہیں۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے، مومن کو بھی کافر کو بھی ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ

دیگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، الذین یکفرون سے یہودی مراد ہیں انہوں نے قرآن اور انجیل کا انکار کیا تھا اور توراۃ کی ان آیات کا بھی جن میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کئے گئے تھے۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ اور انبیاء کو قتل کرتے ہیں، یعنی ان کے اسلاف نے انبیاء کو قتل کیا تھا اور انہوں نے اپنے اسلاف کے اس فعل کو پسند کیا تو گویا یہ بھی قاتل ہو گئے، خود بھی رسول اللہ ﷺ کی شان میں وہی فعل کرنا چاہتے ہیں جو ان کے اسلاف دوسرے انبیاء کے ساتھ کر چکے تھے چنانچہ حضور ﷺ سے انہوں نے لڑائیاں کیں، آپ ﷺ پر جادو کیا، آپ ﷺ کو زہر دیا، جس کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔ جادو اور زہر کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

بِغَيْرِ حَقٍّ ناحق یعنی اپنے خیال میں بھی ناحق، بات یہ ہے کہ انبیاء کا قتل تو بہر حال ناحق ہی ہے (پھر اس قید کو بڑھانے کی کیا ضرورت تھی) اور وہ بھی اپنے خیال میں ناحق ہی جانتے تھے مگر ریاست کی ہوس نے ان کو قتل انبیاء پر آمادہ کر دیا ورنہ قتل کی کوئی وجہ جواز ان کی نظر میں بھی نہ تھی۔

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور جو لوگ انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے ان کو بھی وہ قتل کرتے تھے یعنی انبیاء کے متبعین کو بھی قتل کرتے تھے، ابن جریج نے بیان کیا کہ انبیاء بنی اسرائیل کے پاس وحی آتی تھی، کتاب نہیں آتی تھی، وحی کے مطابق انبیاء قوم کو نصیحت کرتے تھے اور شہید کر دیئے جاتے تھے پھر انبیاء کے پیرو نصیحت کرنے کھڑے ہو جاتے تھے مگر ان کو بھی شہید کر دیا جاتا تھا یہی وہ لوگ تھے جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

بغوی نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کا قول نقل کیا ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہو گا فرمایا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا منکر کا حکم دیا اور معروف سے ممانعت کی پھر حضور ﷺ نے آیت وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ سے وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ تک تلاوت فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا ابو عبیدہؓ بنی اسرائیل نے ۴۳ انبیاء کو ایک ساعت کے اندر دن کے اول حصہ میں قتل کر دیا، شہادت انبیاء کے بعد بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ۱۲۰ آدمی بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کیلئے کھڑے ہو گئے بنی اسرائیل نے اسی روز دن کے آخر حصہ میں ان کو بھی قتل کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا اور ان کے بیان میں آیت نازل فرمائی۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ اے محمد (ﷺ) تم ان کو دردناک عذاب کی بشارت یعنی اطلاع دے دو، خبر کو بشارت سے بطور استہزاء تعبیر کیا۔

سیبویہ کے نزدیک فبشرھم، ان الذین کی خبر نہیں ہو سکتا لیت و لعل کی خبر کی طرح ان کی خبر پر بھی فاء نہیں آسکتی (کیونکہ سب حروف مشبہ بالفعل ہیں) اس قول پر ان کی خبر تو اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ ہو گی اور فبشرھم بعذاب الیم جملہ معترضہ ہو گا جیسے زید فافھم رجل صالح میں فافھم جملہ معترضہ ہے اور زید کی خبر رجل صالح ہے۔ یا خبر محذوف ہے اصل کلام اس طرح تھا لھم عذاب الیم فبشرھم بعذاب الیم مسبب کو سبب کی جگہ ذکر کر دیا، جمہور کے نزدیک ان الذین کی خبر فبشرھم ہی ہے بغوی نے اس صورت میں ان کو عمل سے معطل قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ کلام بغیر ان کے ہی تھا لیکن اکثر اہل نحو قائل ہیں کہ اگر ان کا اسم، موصول ہو تو خبر پر فاء آسکتی ہے کیونکہ اسم موصول شرط کے مشابہ ہوتا ہے جیسے بغیر ان کے اگر مبتداء موصول ہو تو (شرط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے) خبر پر فاء کا لانا جائز ہے لیت اور لعل کے اسم پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں جملہ خبریہ کو انشاء کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اس لئے شرط کی مشابہت فوت ہو جاتی ہے پس جمہور کے مسلک پر آئندہ آیت کو دوسری خبر کہا جائے گا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں ہو گئے۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ پس ان کے لئے دنیا میں لعنت اور رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب۔

وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۲۲﴾ اور ان کا کوئی حمایتی نہیں کہ اعمال کو برباد ہونے سے بچالے اور عذاب کو دفع کر سکے۔

ابن المنذر، ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہودیوں کے مدرسہ میں یہود کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے پوچھا محمد تم کس دین پر ہو، آپ ﷺ نے فرمایا ابراہیم کی ملت اور دین پر، کہنے لگے ابراہیم تو یہودی تھے، حضور ﷺ نے فرمایا تو ہمارے تمہارے درمیان تورات حاکم ہے (دیکھو تورات نے کیا فیصلہ کیا ہے) مگر انہوں نے انکار کیا اس پر مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ یہ استفہام تقریری اور تعجب آفریں ہے۔ نصیباً میں تنوین تحقیر ہے اور من الکتاب میں من تبعیض یا بیان کے لئے ہے اور الکتاب سے مراد ہے تورات یا عام آسمانی کتابیں یعنی دیکھو تو بڑی عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کو تورات کا ایک حقیر حصہ (یعنی تورات کا تھوڑا سا علم) دے دیا گیا ہے کہ نہ وہ کتاب کے اندرونی مضامین سے واقف ہیں نہ پوری تورات کے احکام پر ان کا ایمان ہے۔

يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ ان کو تورات (کے فیصلہ) کی طرف بلایا جاتا ہے یعنی محمد (ﷺ) ان کو تورات کی طرف دعوت دیتے ہیں، کلبی نے بروایت ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ خیبر کے باشندوں میں ایک مرد و عورت نے زنا کیا اور زنا کی سزا ان کی کتاب میں رجم (سنگسار کر دینا) مقرر تھی، لیکن زانی چونکہ عالی مرتبہ تھے۔ اس لئے یہودیوں نے ان کو سنگسار کرنا مناسب نہ سمجھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معاملہ پیش کیا ان کو یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس سزا میں کچھ تخفیف مل جائے گی۔

لیکن حضور ﷺ نے دونوں کو رجم کر دینے کا حکم دے دیا، نعمان بن اوفی اور بحری بن عمرو اس سزا کو سن کر بولے محمد ﷺ! آپ کا فیصلہ غلط ہے ان کے لئے سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے تمہارے قول کا فیصلہ تورات سے ہو سکتا ہے (تورات لاؤ) وہ بولے آپ ﷺ نے انصاف کی بات کی، حضور ﷺ نے فرمایا تم میں تورات کا سب سے بڑا عالم کون ہے، انہوں نے جواب دیا ایک یک چشم آدمی ہے جو فدک کا باشندہ ہے اس کو ابن صوریا کہا جاتا ہے، چنانچہ یہودیوں نے ابن صوریا کو بلوا بھیجا اور وہ مدینہ میں آ گیا۔

حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کو ابن صوریا کے حالات بتا دیے تھے ابن صوریا حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ابن صوریا ہو، اس نے جواب دیا جی ہاں فرمایا کیا تم یہودیوں کے سب سے بڑے عالم ہو، ابن صوریا نے کہا لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں، حضور ﷺ نے تورات کا وہ حصہ طلب فرمایا جس میں رجم کا حکم مذکور تھا اور فرمایا اس کو پڑھو۔

حسب الحکم ابن صوریا نے تورات پڑھنی شروع کی اور جب آیت رجم پر پہنچا تو اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی اور آگے پڑھنے لگا، حضرت عبداللہ بن سلام بول اٹھے یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت رجم کو چھوڑ گیا، پھر عبداللہؓ نے خود اٹھ کر اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور رسول اللہ ﷺ کو اور یہودیوں کو پڑھ کر سنایا کہ محصن اور محصنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثبوت ہو جائے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک سزا موقوف رکھی جائے اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو سنگسار کرا دیا اور یہودی ناراض ہو کر لوٹ گئے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ تورات یا رسول اللہ ﷺ کتاب کے موافق ان کا فیصلہ کر دے۔ کتاب مجیب حکم ہے حکم کی نسبت کتاب کی طرف مجازی ہے۔

ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ پھر ان میں سے ایک گروہ کترا کر (کتاب کے فیصلہ سے) منہ

موڑ لیتا ہے۔ ثُمَّ کا لفظ (بعد مسافت یا بعد زمان کو ظاہر کرتا ہے) اس جگہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ (رجم کی سزا کو حق جانتے ہوئے اس سے منہ موڑنا بہت بعید ہے) وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ کا جملہ فریق کی حالت بیان کر رہا ہے یعنی یہ قوم ایسی ہے کہ فیصلہ سے کترا جاتی ہے۔

قتادہؒ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کو کتاب اللہ یعنی قرآن کے فیصلہ کی طرف بلایا گیا مگر وہ قرآنی فیصلہ سے رو گرداں ہو گئے، ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان قرآن کو فیصلہ کن قرار دیا اور قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ یہود و نصاریٰ حق پر نہیں ہیں مگر وہ اس فیصلہ سے رو گرداں ہو گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ جانتے ہوئے کتاب اللہ کی طرف سے یہ اعراض اور حق سے رو گردانی صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بے غلط اعتقاد کے سبب اپنے لئے عذاب کو خفیف قرار دے رکھا ہے اور خیال کر لیا ہے کہ ہم کو دوزخ کا عذاب چند گنتی کے بعد یعنی چالیس روز جتنے دن ہم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی چھوڑے گا، (یعنی چالیس روز بھی ہم کو پورا عذاب نہ ہوگا بلکہ برائے نام چھوجائے گا اور بس)۔

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور اپنے دین کے اندر جو افترا بندیاں یہ کرتے چلے آئے ہیں اس نے ان کو دھوکہ میں رکھا ہے۔

ایک افترا تو یہی ہے کہ ہم کو صرف چالیس دن آگ چھوئے گی، دوسری دروغ بافی یہ ہے کہ ہمارے اسلاف جو نبیوں تھے ہماری شفاعت کر دیں گے، تیسری کذب تراشی یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ نے وعدہ کر لیا تھا کہ ان کی اولاد کو عذاب نہیں دے گا۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ پس ان کا کیا حال ہوگا اس وقت جب کہ ہم ان کو ایک یقینی دن کے حساب اور جزا و سزا کے لئے جمع کریں گے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، ہُمْ ضمیر جمع کل کی طرف راجع ہے کیونکہ لفظ کُل معنی کے لحاظ سے جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کی نہ نیکی میں کمی کی جائے گی نہ بدی میں اضافہ، قتادہؒ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ فارس اور روم کا ملک میری امت کو عطا فرما دے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو آپ نے اپنی امت کے لئے فارس اور روم کی حکومت کا وعدہ فرمایا۔ منافق اور یہودی کہنے لگے ارے ارے کہاں محمد ﷺ اور کہاں فارس اور روم کی حکومتیں، وہ ان سے کہیں طاقتور اور مضبوط ہیں۔ کیا محمد کے لئے مکہ اور مدینہ کافی نہیں کہ فارس اور روم کی حکومت کا لالچ کرنے لگے، اس پر اللہ نے آیت قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ نازل فرمائی، دونوں روایتوں میں خلاف ہے مگر نزول آیت پر اتفاق ہے (کہ آنحضرت نے فارس اور روم کی فتح کی بشارت دی تھی یا اللہ سے دعا کی تھی) دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے (اس طرح کہ فتح مکہ کے بعد آپ نے دعا کی ہو اور دعا قبول ہو گئی ہو اور وحی سے دعا کی قبولیت معلوم ہو گئی ہو اور آپ نے لوگوں کو بشارت دے دی ہو)۔

بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب (مدینہ کی حفاظت کیلئے) خندق کھودنے کے خطوط ڈالے اور ہر دس آدمیوں کیلئے چالیس ہاتھ زمین کھودنا طے کر دی اور لوگوں نے کھدائی شروع کر دی تو کھودنے کے دوران زمین کے اندر ایک بڑی چٹان نمودار ہوئی جس پر کدال اثر نہیں کرتی تھی۔ لوگوں نے حضرت سلمانؓ کو اس بات کی اطلاع دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ تشریف لے آئے اور کدال ہاتھ میں لے کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ پتھر پھٹ گیا اور ایک چمک پیدا ہوئی جس سے مدینہ کے دونوں کناروں کا درمیانی حصہ چمک اٹھا گویا تاریک کوٹھری میں چراغ روشن ہو گیا، حضور ﷺ نے تکبیر کی

مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ نعرۂ تکبیر لگائی، حضور ﷺ نے فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے حیرہ (عراق علاقہ فارس) کے محلات نمودار ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کتوں کے دانت پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے سرزمین روم کی سرخ کوٹھیاں نمودار ہو گئیں۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا (اس ضرب سے) میرے سامنے صنعاء (تخت گاہ یمن) کے محل نمودار ہو گئے اور جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان سب (ممالک) پر غالب آئے گی پس تم کو بشارت ہو، منافق کہنے لگے کیا تم کو اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ محمد تم کو امیدیں دلا رہے ہیں تم سے جھوٹے وعدے کر رہے ہیں اور تم کو بتا رہے ہیں کہ مجھے یثرب سے حیرہ اور سرزمین فارس کے محل نظر آرہے ہیں اور تم ان کو فتح کرو گے حالانکہ تم دشمن کے خوف سے (مدینہ کی حفاظت کیلئے) خندق کھود رہے ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل میں یہ قصہ بیان کیا ہے مگر آیت کے نزول کا ذکر نہیں کیا، ابن خزیمہ نے قتادہ کی مختصر روایت نقل کی ہے اور اس میں نزول آیت کا ذکر کیا ہے

قُلِ اے محمد (ﷺ) آپ کہہ دیں۔

اللّٰھُمَّ یہاں سے مقول ہے (جس کو کہنے کا حکم دیا ہے) اللّٰھُمَّ کی اصل یَا اللّٰہُ تھی۔ حرف ندا کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں میم زائد کر دیا گیا اسی لئے حرف ندا اور میم دونوں ساتھ نہیں آتے (اور یَا اللّٰھُمَّ نہیں کہا جاتا تاکہ عوض و اصل دونوں کا اجتماع لازم نہ آئے) لفظ اللہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حرف ندا کے عوض اس کے آخر میں میم لایا جاتا ہے جیسے لام تعریف کے ساتھ حرف ندا کا آنا اس لفظ کی خصوصیت ہے (دیکھو یَا اللّٰہُ کہا جاتا ہے اور اللہ کے سوا کسی اور معرف باللام کے ساتھ حرف ندا نہیں آتا) اس اسم کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ قسم کی تاء اس پر آتی ہے (اور تاللّٰہ کہا جاتا ہے اور کسی جگہ قسم کے لئے تاء کا استعمال نہیں ہوتا)۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اللّٰھُمَّ کی اصل یَا اللّٰہُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ تھی یعنی اے اللہ ہماری خیر کا ارادہ کر (اُمَّ امر کا صیغہ ہے اُمَّ یَؤُمُّ ماضی اور مضارع ہیں) حرف ندا (یا) اور متعلقات فعل (نا بخیر) اور اُمَّ کا ہمزہ حذف کر دیا گیا اور میم مشدد کو اللہ سے ملا دیا گیا اللّٰھُمَّ ہو گیا، کبھی بطور تخفیف ال کو بھی ساقط کر دیتے ہیں اور صرف لَاھُمَّ کہتے ہیں یہ تمام حذوفات اور تخفیفات کثرت استعمال کے زیر اثر ہوتی ہیں جس طرح ھَلُمَّ (آ) کی اصل ھَلْ اُمَّ اِلَیْنَا تھی یعنی ہمارا قصد کیا گیا ہے۔ جب اللّٰھُمَّ کے ساتھ اِغْفِرْلَنَا کہا جاتا ہے تو گویا اِغْفِرْلَنَا اُمَّنَا بِخَیْرٍ کا بیان ہوتا ہے اسی طرح اَللّٰھُمَّ الْعَنْ رِعْلًا وَّ ذَکْوَانَ (الحدیث) میں لعن اعداء اُمَّنَا بِخَیْرٍ کا بیان ہو سکتا ہے۔

مٰلِکَ الْمُلْکِ اے مالک ملک، منادیٰ کی صفت ہے (یعنی اے وہ اللہ جو مالک الملک ہے) بعض نے کہا دوسرا منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف ہے یعنی یا مالک الملک، مُلک مصدر ہے اس سے صفت کا صیغہ مَلِیْکٌ آتا ہے مُلک (مصدر) سے مراد ہے مملوک (اسم مفعول) اور لام استغراقی ہے یعنی تمام جہان، کیونکہ اللہ تمام جہان کا خالق اور مالک ہے جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ جس کو جتنا چاہتا ہے بخشتا ہے۔ کوئی بھی اس کی اجازت اور حق ملکیت عطا کئے بغیر کسی چیز میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ الملک میں دونوں جگہ لام عہد ذہنی کا ہے یعنی اپنے ملک میں سے جس کو جتنا چاہتا ہے تو دیتا ہے اور جس سے جتنا چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ اور جس کو چاہتا ہے دنیا یا آخرت یا دونوں جہان میں عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے یعنی اپنی مدد، توفیق اور ثواب عطا کر کے جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت میں عزت بخشتا ہے اور بدبختی، عدم توفیق اور عذاب کی وجہ سے جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔

بِیَدِکَ الْخَیْرُ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بعض علماء نے کہا کہ اصل کلام بِیَدِکَ الْخَیْرُ وَالشَّرُّ تھا (کیونکہ

خیر و شر دونوں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں) لیکن شر کو حذف کر کے صرف خیر کے ذکر پر اکتفا کیا جیسے آیت وسرابیل تقیکم الحر میں والبرد کو ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ بعض علماء نے کہا کہ خیر کو خصوصیت کے ساتھ صرف اس لئے ذکر کیا کہ کلام کی رفتار کا تقاضا یہی تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو روم و فارس کی حکومت حاصل ہونے کی بشارت دی تھی، دوسروں نے کہا کہ قطعاً خیر بالذات مقصود ہے اور قطعاً شر بالعرض یعنی کوئی جھوٹی شر اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ عمومی خیر وابستہ نہ ہو (تو اصل وجود خیر ہے شر کا وجود بالتبع اور ذیلی طور پر ہو جاتا ہے) یا یوں کہا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو خطاب کرنا ادب کا خواستگار تھا اسی لحاظ ادب کی وجہ سے صرف خیر کا ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں شاید خیر سے وجود مراد ہے اور وجود حقیقی جس میں عدم کا شائبہ بھی نہیں ہے، صرف واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ سراسر خیر ہے اس میں شر کا شائبہ بھی نہیں ہے رہا ممکنات کا وجود تو وہ ظلی ہے وجود واجب کا پرتو ہے ورنہ عدم جو شر کا ایک حصہ ہے ممکن کے لئے ذاتی اور اصلی ہے اور اللہ کی طرف شر کی نسبت کرنے کا صرف یہ معنی ہے کہ ممکن کو جو حصہ وجود ملا ہے وہ وجود حقیقی سے ملا ہے ورنہ ممکن کی حقیقت میں شر (یعنی عدم) داخل ہے (پس ممکن کی نسبت واجب کی طرف ہونا حقیقت میں شر کا انتساب ہے، حاصل یہ کہ خیر صرف وجود ہے اور وجود حقیقی خیر ہی خیر ہے۔ رہا ممکن کا وجود ظلی وہ وجود حقیقی کا ہی ایک حصہ ہے اور عدم عین شر ہے۔ ممکن کی حقیقت میں عدم داخل ہے یعنی ممکن کی حقیقت شر ہے اور ممکن کے بعض فرد شر میں زیادہ اور بعض کم ہیں بہر حال ممکن یعنی شریر الذات یا معدوم الذات کو وجود ظلی وجود حقیقی سے ملا ہے اس لئے شر کی نسبت بھی خدا کی طرف کر دی جاتی ہے ورنہ شر کا وجود ہی نہیں ہے شر اور عدم دونوں ایک ہی ہیں) پس صرف بیدک الخیر کہنا بالکل صحیح ہے۔ (بیدک الشر) کا کوئی معنی ہی نہیں کیونکہ شر عدم ہے اور عدم علت کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ عدم کوئی چیز ہی نہیں ہو سکتا[1]

إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ تیرے قابو میں ہے تیرے سوا کسی کا کسی چیز پر کوئی قابو نہیں، بندوں کی قدرت ایک وہمی چیز ہے جس کی وجہ سے ان کو کاسب (اور عامل) کہہ دیا جاتا ہے ورنہ بندوں کا اور ان کے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے واللہ خلقکم وما تعملون۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہم کہتے ہیں بیشک اللہ کو شر پر قدرت حاصل ہے اور شر اس کے ہاتھ میں ہے مگر اس کا معنی یہ ہے کہ خدا (جس طرح خیر عطا کرنے پر قادر ہے اسی طرح) خیر نہ دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ قدرت کا معنی ہی یہ ہے کہ اگر چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے پس اللہ جب خیر عطا نہ کرے تو ممکن اپنے اصلی شر پر رہ جائے گا یہی معنی قدرت علی الشر کا ہے۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ یعنی تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اس طور پر کہ ایک کے پیچھے دوسرا آتا ہے یا اس طور پر کہ ایک گھٹتا اور دوسرا بڑھتا ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور تو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جان دار سے نکالتا ہے۔

بعض علماء نے تفسیر مطلب اس طرح کی ہے کہ اللہ جانور کو نطفہ اور انڈے سے اور نطفہ و انڈے کو جانور سے اور سبزہ کو خشک بیج سے اور خشک بیج کو سبزہ سے پیدا کرتا ہے حضرت ابن مسعودؓ، سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ، عکرمہؒ کلبی اور زجاجؒ نے کی

---

[1] مزید توضیح کے لئے یوں سمجھو کہ ممکن اصلاً معدوم ہے اور عدم میں کوئی خیر نہیں، گویا ممکن ذات کے اعتبار سے شر ہی شر ہے، رہا اس شر کا (یا معدوم کا) ممکن کا وجود تو وہ ظلی ہے اپنا نہیں۔ وجود تو صرف واجب کا ہے واجب کا سایہ ممکن ہے پس وجود حقیقی سے ممکن کو یہ وجود ظلی حاصل ہو۔ خلاصہ یہ نکلا کہ شر کو جو وجود یا ممکن کو حاصل ہوا ہے وہ وجود حقیقی سے ہوا ہے اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں شر ہے ورنہ حقیقت میں جب شر کا کوئی وجود ہی نہیں تو اس کا خالق یا مالک کسی کو قرار دینے کا بھی کوئی معنی نہیں، عدم کی ملکیت اور تخلیق بداہۃً غلط ہے پس حقیقۃً بیدک الخیر یعنی بیدک الموجود ہی درست ہے۔

تشریح کی ہے لیکن حسن بصریؒ اور عطاءؒ نے کہا کہ اللہ کافر کو مؤمن سے اور مؤمن کو کافر سے پیدا کرتا ہے کافر مردہ ہے اور مؤمن زندہ، اللہ نے فرمایا ہے اومن کان میتاً فاحییناہ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرف اس تشریح کی نسبت کی ہے۔

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ یعنی تو جس کو چاہتا ہے بغیر تنگی اور کمی کے عطا فرماتا ہے کہ مخلوق کو نہ اس کی تنگی معلوم ہو سکتی ہے نہ مقدار، اگرچہ خدا اس کی تنگی اور مقدار کو جانتا ہے آیت تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء کے ثبوت میں اللہ نے یہ پانچ جملے ذکر فرمائے (جن سے عطاء ملک اور انتزاع ملک پر اللہ کا قادر ہونا ثابت ہو رہا ہے)۔

بغوی نے اپنی سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب (سورۃ الحمد) اور آیۃ الکرسی اور سورۂ آل عمران کی دو آیت یعنی شہد اللہ سے ان الدین عند اللہ الاسلام تک اور قل اللھم مالک الملک سے بغیر حساب تک، معلق الشفاعت ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں انہوں نے کہا تھا اے رب تو ہم کو زمین پر اتار کر ایسے لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کریں گے۔ اللہ نے فرمایا میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میرے بندوں میں جو کوئی ہر نماز کے بعد تمہاری تلاوت کرے گا وہ کیسا ہی ہو، میں جنت کو اس کا ٹھکانا ضرور بناؤں گا، میں حظیرۃ القدس میں اس کو ضرور ٹھہراؤں گا، میں اس کی طرف ضرور نظر رحمت کروں گا (یعنی روزانہ ستر مرتبہ) اور میں روزانہ اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا، جن میں ادنیٰ درجہ گناہوں کی مغفرت کا ہو گا (یعنی دنیوی حاجات مراد نہیں ہیں بلکہ آخرت کے مراتب کی ترقی مراد ہے اور مراتب کی ترقی کا درجہ بعد کو آتا ہے سب سے پہلے گناہوں کی بخشش کی ضرورت ہے لہٰذا مغفرت کا درجہ سب سے ادنیٰ ہو گا) اور میں ہر دشمن اور حاسد سے اس کو پناہ دوں گا اور غالب کروں گا۔

طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تجھے ایسی دعا بتاؤں کہ اگر تو وہ دعا کرے تو اللہ تیرا قرض ادا کر دے خواہ وہ کوہ ثبیر کے برابر ہی ہو یہ پڑھ اللھم مالک الملک سے بغیر حساب تک (اور پھر عرض کر) رحمن الدنیا والاخرۃ و رحیمھما تعطی من تشاء منھما و تمنع من تشاء ارحمنی رحمۃ تغنینی بھا عن رحمۃ من سواک۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ نے سعید اور عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حجاج بن عمرو جو عمرو بن اشرف کا حلیف تھا اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید تینوں نے انصار کے چند آدمیوں سے اندرونی دوستی گانٹھی تاکہ دین کی طرف سے ان کو ورغلا کر اور بہکا دیں رفاعہ بن منذر اور عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خیثمہ نے انصار سے کہا آپ لوگ ان یہودیوں سے بچتے رہیں کہیں دین کی طرف سے آپ کو بہکا دیں انصار نے اندرونی دوستی ترک کرنے سے انکار کر دیا اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ یعنی نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر، مومنوں کو کافروں سے موالات کی ممانعت فرما دی خواہ رشتہ داری کی صورت میں ہو یا دوستی کی شکل میں یا جہاد اور دینی امور میں طلب امداد کے طور پر ہو (سب کی ممانعت فرما دی) من دون المؤمنین کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کی دوستی مومنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، دو دشمنوں سے بیک وقت دوستی ممکن نہیں کفار کی دوستی بجائے خود بھی بری ہے اور اس لئے بھی بری ہے کہ مسلمانوں کی دوستی سے محروم ہو جانے کا سبب ہے۔

بغویؒ نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ کے متعلق ہوا تھا جو کفار مکہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے اور کلبی کا قول بروایت ابو صالح بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کے بارہ میں ہوا جو مشرکوں اور یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان کو اس امید پر پہنچاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو منافقوں کے عمل سے

روک دیں۔

فصل

محض اللہ کی خوشنودی کے لئے دوستی اور دشمنی کرنا، ایمان کا ایک عظیم الشان درواڑہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی، متفق علیہ۔ حضرت انس رضی اللہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی، متفق علیہ۔ حضرت ابو موسیٰ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیک ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اپنے ساتھ رکھنے والا اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی دھونکنے والا، مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو مفت تجھے مشک دے دے گا۔ یا تو اس سے خرید لے گا اور نہ ہوگا تو خوشبو تو بہر حال تجھے پہونچے گی اور بھٹی دھونکنے والا تیرے کپڑے جلا دے گا یا کم سے کم تجھے اس کی طرف سے بدبو آئے گی، متفق علیہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر سے فرمایا ابوذر! ایمان (کے حصول) کا کون قبضہ (ذریعہ) سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں۔ فرمایا، اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے محبت اور بغض رکھنا۔ (رواہ البیہقی فی الشعب) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جو ایسا کرے گا یعنی کافروں سے اندرونی دوستی رکھے گا۔

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ تو اللہ سے اس کا کچھ بھی دوستی کا تعلق نہیں۔ شئی کی تنوین اظہار تحقیر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دوستی یا اللہ کے دین کی کم سے کم مقدار میں بھی اس کا دخل نہیں یعنی کافروں کی دوستی جس طرح مومنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوستی کے ساتھ بھی نہیں ہوسکتی۔ اگر شروع میں ہی بجائے مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے من دون الله والمؤمنين کہہ دیا جاتا تو بیان کردہ مطلب ادا ہو جاتا لیکن اللہ کی دوستی سے محرومی کا اظہار پرزور عبارت میں نہ ہوتا اس لئے فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ کو (مستقل طور پر) ذکر کیا۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو۔ تو کفار سے (ظاہری) دوستی جائز ہے اور اللہ کی دوستی سے محرومی نہ ہوگی۔

اس استثناء مفرغ کا معنوی حیثیت سے مذکورہ بالا دونوں جملوں سے تعلق ہے یعنی کافروں سے موالات سوائے خوف کے وقت کے اور کسی وقت جائز نہیں اور جو شخص سوائے وقت خوف کے اور کسی وقت ایسا کرے گا اس کو اللہ کی دوستی بالکل حاصل نہ ہوگی۔

اتقاء باب افتعال (مصدر) وقایہ سے ماخوذ ہے یعنی کافروں سے اپنے کو بچانا اور اس بچاؤ کے لئے شر سے ڈرنا لازم ہے اس لئے بعض لوگوں نے الا ان تتقوا کا ترجمہ کیا ہے مگر یہ کہ تم کو اندیشہ ہو تقاۃ اور تقی اور تقیہ اور تقوی سب مصادر ہیں (اور ان کا باب ثلاثی مجرد ہے) مگر باب تفعل ثلاثی مزید) کے بعد آجاتے ہیں محاورہ میں توقیہ تقاۃ بولا جاتا ہے اور اتقیت کے بعد اگر مصدر ذکر کیا جاتا ہے تو اتقاء کہا جاتا ہے۔

اس جگہ مصدر یا تو بمعنی مصدر ہی ہے یعنی موالات کفار جائز نہیں، مگر اس وقت کہ تم کو ان کی طرف سے شر کا کوئی اندیشہ ہو یا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی موالات کفار اس وقت جائز ہے کہ کفار کی طرف سے تم کو کسی اندیشہ ناک چیز کا ڈر ہو۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ کافروں کے شر سے اندیشہ کے وقت ان سے موالات جائز ہے۔ لیکن ناجائز کا جواز بقدر ضرورت ہوتا ہے اس لئے صرف ظاہری دوستی جائز ہوگی اندرونی دوستی کا جواز نہیں ہوسکتا اور کافروں کی دوستی میں کسی حرام

خون یا حرام مال کو حلال قرار دینا یا گناہ کا ارتکاب کرنا یا کافروں کو مسلمانوں کی نقصان رسانی کی تدبیریں بتانا یا مسلمانوں کے رازوں سے واقف کرنا جائز نہیں۔ بعض لوگوں نے ظہور اسلام کے بعد تقیہ کرنے کو ناجائز کہا ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے کہ ابتداء اسلام میں جب تک دین کا استحکام نہ ہوا تھا اور اسلام میں قوت نہ آئی تھی تقیہ جائز تھا لیکن اب مسلمانوں کے لئے دشمن سے تقیہ کرنا جائز نہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ مذکورہ بالا آیات میں کفار کی دوستی کا نتیجہ مسلمانوں کی اور خدا کی دوستی سے محروم ہو جانا بیان کیا تھا اب مزید بازداشت کے لئے فرمایا کہ اللہ تم کو اپنی ہر ختگی اور عذاب سے ڈرا رہا ہے جو موالات کفار کی صورت میں ہوگا۔

نفس کا ذکر عذاب کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ کافروں کی طرف سے جس شر کا اندیشہ ہو اس کی پروانہ رہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ موالات کفار جس کی ممانعت کی جا رہی ہے انتہائی بری ہے۔

وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ۝ اور اللہ کے پاس تم کو جانا ہے یہ مزید وعید ہے کہ تم اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے اسی کے پاس تمہیں جانا ہے۔

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۚ اے محمد ﷺ کہہ دو کہ کافروں کی موالات وغیرہ خواہ تم اپنے دلوں میں چھپائے رکھو یا قول و عمل سے اس کا اظہار کرو بہر حال اللہ اس کو جانتا ہے یعنی چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں برابر ہیں۔ خدا کو بہر حال علم ہوتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ یہ جملہ از سر نو مستقل ہے جزاء پر اس کا عطف نہیں ہے اور کلام سابق کی گویا علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان کی جب کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں اور وہ سب پر قابو رکھتا ہے تو تمہارے دلوں کی حالت اس سے کیسے چھپی رہ سکتی ہے۔

عوام کی نظر کی رسائی چونکہ صرف آسمان و زمین تک ہے اس لئے انہی کا ذکر کیا مگر مقصود تمام کائنات ہے ہر چیز کا وجود اسی کے علم و قدرت سے ہے پھر اس سے کوئی چیز کس طرح پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ علم و قدرت کی ہمہ گیری کی صراحت کرنے کے بعد رکھم اللہ نفسہ کے مضمون کی توضیح مقصود ہے کہ جب اللہ کا علم ہمہ گیر اور قدرت محیط کل ہے تو اس کی نافرمانی پر جرأت کرنی خلاف عقل ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا و آخرت میں اللہ سے ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جس کے ذریعہ سے تم کو عذاب دیا جا سکتا ہو اور اس کے قابو میں ہر چیز ہے پس وہ جس طرح چاہے گا دنیا یا آخرت یا دونوں جگہ تم کو عذاب دے گا اور کوئی شبہ نہیں اس حقیقت میں کہ کافروں سے موالات اور دین میں مداہنت دنیوی عذاب کو ذلت اور محکومی کی صورت میں لانے والی ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ جس روز کہ ہر شخص اپنی کی ہوئی ہر نیکی (یا نیکی کے ثواب) کو اپنے سامنے موجود پائے گا اور جو بدی کی ہوگی اس کو بھی سامنے موجود پائے گا۔ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے عمل بد کے درمیان لمبی مسافت ہوتی (کہ عمل بد کی شکل ہی سامنے نہ آتی) یَوْمَ ظرف کا تعلق تَوَدُّ سے ہے مَا موصولہ ہے شرطیہ نہیں ہے اسی لئے تَوَدُّ مرفوع ہے تَجِدُ کا معنی ہے تُصِیْبُ (پائے گا) اور مُحْضَرًا حال ہے دوسرا مفعول نہیں ہے کیونکہ جو تَجِدُ بمعنی تُصِیْبُ ہو اس کو دوسرے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ کا عطف مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ پر ہے۔ اس صورت میں غالباً نفس سے مراد ہے وہ ایماندار نفس جس نے کچھ اچھے کام کئے ہوں اور کچھ برے۔ رہے وہ لوگ جن کی صرف نیکیاں ہی ہوں بدی کوئی نہ ہو (جیسے انبیاء) یا صرف بدیاں ہی ہوں نیکی کوئی نہ ہو، تو ان کا حال مذکورہ کلام کے مفہوم پر قیاس کرکے سمجھ میں آجاتا ہے۔ اللہ پاک اپنی مہربانی سے علی الاعلان مومن کے اچھے اعمال اس کے سامنے لائے گا مگر برے

عمل دوسروں کے سامنے نہ لائے گا بلکہ وہ خود اپنے گناہ محسوس کرے گا اور تمنا کرے گا کہ کاش اللہ اس کے گناہوں کی اطلاع کسی کو نہ دے اور اظہار کرنا ہی ہو تو پردے کے اندر صرف اسی کو مطلع کر دے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مومن کو قریب بلا کر اپنی ہتھیلی اس پر رکھ کر خفیہ طور پر فرمائے گا کیا تو اپنے فلاں گناہ سے واقف ہے کیا تجھے پتا ہے فلاں گناہ معلوم ہے۔ بندہ عرض کرے گا بیشک میرے رب (مجھے معلوم ہے) جب اللہ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور بندہ خیال کرے گا کہ اب میں تباہ ہو گیا تو اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے اور آج معاف کرتا ہوں اس کے بعد نیکیوں کا اعمال نامہ اس کو دیا جائے گا۔ رہے کافر اور منافق تو ان کے متعلق سب مخلوق کے سامنے ندا دی جائے گی کہ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔

لیکن اگر تَجِدُ کا معنی تَعْلَمُ ہو تو مُحْضَرًا دوسرا مفعول ہو گا اور مَا عَمِلَتْ پہلا مفعول یعنی خیر و شر کو حاضر جانے گا۔ تَوَدُّ کے اندر تمنا کا معنی ہے لَوْ زائد (برائے تحسین کلام) یا مصدریہ۔ بَيْنَهٗ کی ضمیر يَوْمَ کی طرف یا مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ کی طرف راجع ہے۔

پورا مطلب اس طرح ہو گا کہ ہر شخص اپنی نیکیوں کو یا نیکیوں کے صحیفہ کو یا ان کے ثواب کو پائے گا۔ نیکی یا صحیفہ یا ثواب سامنے ہو گا اسی طرح عمل شر کو یا اس کے صحیفہ کو یا اس کے عذاب کو پائے گا شر یا شر کا صحیفہ یا اس کا عذاب سامنے ہو گا یا خیر و شر دونوں کا بدلہ پانے کا جو اس کے سامنے لایا جائے گا۔ اس وقت اس کی تمنا ہو گی کہ اس کے اور روز جزا کے درمیان ایک بڑی مسافت حائل ہو جائے اگرچہ نیک اعمال بھی اس کے سامنے لائے جائیں گے لیکن عمل شر کی وجہ سے اس کی یہ تمنا ہو گی کیونکہ ضرر کے خوف کے وقت اس کو نیکی کے فائدہ کی امید نہیں رہے گی۔ اَمَد کا معنی ہے مدت اور آخری حد مسافت۔ حسن بصریؒ نے فرمایا ہر آدمی کو یہ تمنا ہو گی کہ اس کی بدی اس کے سامنے کبھی نہیں آئے۔ بعض لوگوں نے تَوَدُّ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ شخص اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش اس نے یہ (برے کام) نہ کئے ہوتے۔

ممکن ہے کہ تَوَدُّ کا تعلق قَدِيْرٌ سے ہو یعنی اللہ ہر زمانہ میں قدیر ہے اس کی قدرت سے کوئی وقت خارج نہیں لیکن قیامت کا دن سزا و جزا کا ہو گا (اس لئے اس روز خصوصیت کے ساتھ اس کی قدرت کا ظہور ہو گا) مطلب یہ کہ اللہ تم کو ہر طرح ثواب و عذاب دینے پر اس روز قادر ہو گا جبکہ ہر شخص کا اچھا برا کیا ہوا سامنے آئے گا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ يَوْمَ کو اُذْكُرْ محذوف کا مفعول فیہ قرار دیا جائے یعنی اس دن کو یاد کرو جب ایسا ایسا ہو گا۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ يَوْمَ کو يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ کا مفعول کہا جائے یعنی اللہ تم کو ڈراتا ہے اس دن کے عذاب سے جبکہ ایسا ہو گا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا پر جملہ ختم ہو جائے اور مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ مبتدا ہو اور تَوَدُّ خبر ہو اور وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ میں واو استیناف کے لئے ہو یا واو عاطفہ ہو اور تَجِدُ کے دوسرے مفعول کی جگہ میں تَوَدُّ ہو یعنی جس شخص نے جو برا عمل کیا ہو گا اس کو وہ اتنا ہولناک سمجھے گا کہ اپنے اور اس عمل کے درمیان مسافت بعید ہو جانے کا خواستگار ہو گا۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک سے اس کا رب اس طرح کلام کرے گا کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو گا اور نہ کوئی حجاب مانع ہو گا وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اس کو وہی اعمال نظر آئیں گے جو اس نے پہلے کئے ہوں گے اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی سابق اعمال دکھائی دیں گے اور سامنے دیکھے گا تو منہ کے سامنے سوائے آگ کے دکھائی نہ دے گی پس آگ سے بچو اگرچہ چھوارہ کا ایک ٹکڑا ہی دے سکو۔ متفق علیہ

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ یہ جملہ مستقل مفہوم رکھتا ہے سابق کی تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلے کافروں کی موالات کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس جملہ میں ترک واجبات اور ارتکاب معاصی سے ڈرایا ہے۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ مومن بندوں پر بڑا مہربان ہے پچھلی آیت میں کفار سے اللہ کے بیزار ہونے کا بیان

تھا اور اس آیت میں مومنوں کے ساتھ معاملہ کا ذکر ہے یہ بھی ممکن ہے کہ گزشتہ جملہ کی یہ جملہ علت ہو یعنی اللہ تم کو ڈراتا ہے اس لئے کہ اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے ان کی اصلاح چاہتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ابن جریر اور ابن المنذر نے حسن بصری کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے کہا محمدؐ خدا کی قسم ہم اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں اس پر آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق اور ابن جریرؒ نے محمد بن جعفر بن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ وفد نجران نے کہا تھا ہم مسیح کی پرستش اللہ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت کا نزول یہود و نصاریٰ کے حق میں ہوا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا نحن ابناء اللہ واحباؤہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ کچھ قریشیوں نے کعبہ کے اندر بت نصب کئے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے تھے اور ان کے کانوں میں بالیاں پہنائی تھیں اور ان کو سجدے کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر کچھ توقف کیا اور فرمایا اے گروہ قریش تم نے اپنے باپ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے طریقہ کی مخالفت کی۔ قریشی کہنے لگے ہم تو اللہ ہی کی محبت میں ان کی پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو خدا کے قرب میں پہنچا دیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حُبٌّ حِبٌّ حُبَابٌ حِبَابٌ مُحَبَّۃٌ سب مصدر ہیں اس سے بمعنی اَحَبَّ مضارع یُحِبُّ اور اسم مفعول مَحْبُوْب آتا ہے اور یہ سب خلاف قیاس آتا ہے مُحَبٌّ اسم مفعول قلیل الاستعمال ہے باب ضرب سے حَبَّہٗ (بروزن ضربہٗ) اور حِبَّہٗ (بروزن اَضربہٗ) مشتق ہے۔

محبت کے دل کا محبوب کے خیال میں مشغول رہنا اور ایسا مستغرق ہو جانا کہ دوسرے کی طرف توجہ نہ رہے اور کسی وقت خیال محبوب کی طرف توجہ اور اشتغال کے بغیر چارہ ہی نہ ہو یہ محبت کا مفہوم ہے یہی مطلب ہے اس قول کا کہ عشق دل کی آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو سوخت کر دیتی ہے یعنی ہر چیز کی طرف سے توجہ کو ہٹا دیتی ہے، محبوب کے سوا ہر شے کا تصور مٹا دیتی ہے گویا محب کی نظر میں محبوب کے علاوہ کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس کو اپنی ہستی بھی نظر نہیں آتی ہر ماسوا تصور محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مطلوب اول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کو طبعاً وہی چیز پسند آتی ہے جو محبوب کو پسند ہو اور اس چیز سے ذاتی نفرت ہو جاتی ہے جس سے محبوب کو نفرت ہو وہ ہر وقت مرضیٔ محبوب کا خواستگار ہوتا ہے اس کو نہ ثواب اور فائدہ کا لالچ رہتا ہے نہ عذاب اور ضرر کا اندیشہ اگرچہ بالعرض اس کی طلب میں طمع اور خوف کی آمیزش ہوتی ہے (مگر آمیزش نہیں ہوتی اس کی اصل غرض محبوب کی خوشنودی کی طلب ہوتی ہے)۔

یہ تو بندہ کی محبت کی حقیقت ہے، رہی اللہ کی محبت بندہ سے تو ظاہر ہے کہ اللہ قلب، استغراق تصور اور انہماک سے پاک ہے اس کو ایسی توجہ کسی طرف نہیں ہوتی کہ دوسری طرف توجہ نہ رہے اس کی محبت ایک سادہ اصل کا نام ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور دوسرے کی طرف بندوں کو مائل نہیں ہونے دیتا۔ اللہ کی طرف سے اسی کشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ سے محبت کرتا اور اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ پس بندہ کی محبت اللہ کی محبت کی شاخ اور اس کا سایہ ہے اصل محبت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ دوسری جگہ فرمایا یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ یُحِبُّهُمْ کو یُحِبُّوْنَهٗ سے پہلے اسی لئے ذکر کیا (کہ اصل محبت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس کے بعد بندہ اس کی طرف کھنچتا ہے)۔

ہم نے محبت ذاتیہ کی یہ حقیقت بیان کی ہے۔ لیکن بیضاوی نے محبت کی تعریف کی ہے کہ جب کوئی شخص کسی میں کوئی کمال جان لیتا ہے تو اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس میلان کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کو اختیار کرے جو اس کو محبوب

سے قریب کر دیں۔ اسی میلان اور نفس کے جھکاؤ کا نام محبت ہے۔ یہ معانی محبت کی تعریف ہے جو محبت ذاتیہ سے کوسوں دور ہے۔ دیکھو ماں کی اپنے بچہ سے محبت اس لئے نہیں ہوتی کہ بچہ کے اندر اس کو کوئی کمال نظر آتا ہے بلکہ (بالکل بے غرض) ایک قلبی کھنچاؤ ہوتا ہے۔ ماں کی محبت، محبت ذاتیہ کے قریب قریب تو ہوتی ہے مگر عینہ محبت ذاتیہ نہیں ہوتی کیونکہ اس محبت کی بنا محض اس بات پر ہوتی ہے کہ ماں جانتی ہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ محبت الٰہی کا درجہ اس سے بہت اونچا ہے (وہاں رشتہ نسبی کا شائبہ بھی نہیں ہے) مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مرفوعاً روایت آئی ہے جس کے الفاظ مختلف ہیں مگر مطلب ایک ہی ہے کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں اس نے ایک رحمت مخلوق کو تقسیم کی ہے جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں محبت کرتی ہے، ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے اولیاء کے لئے رکھ چھوڑی ہیں (جس کا ظہور کامل قیامت کے دن ہوگا) بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ اللہ سے بندہ کی محبت یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرے، اس کی طاعت اختیار کرے اور اس کی مرضی کا طلب گار رہے اور بندہ سے اللہ کی محبت کا یہ معنی ہے کہ اللہ بندہ کی تعریف کرے اور اس کو ثواب دے اور اس کی مغفرت کر دے۔ بغوی کا یہ بیان محبت کی تعریف نہیں ہے بلکہ تقاضائے محبت کا اظہار ہے۔

فَاتَّبِعُونِي یعنی تم اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ واجب ہے کیونکہ محبت طلب مرضی کا سبب ہے اور اللہ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند، یہ محض عقل سے بغیر اللہ کی اطلاع کے معلوم نہیں ہو سکتا اور اللہ کی طرف سے اطلاع پیغمبروں ہی کی معرفت سے ہوتی ہے پس محبت خدا، اتباع انبیاء کا سبب ہے، اتباع انبیاء ہی سے دل میں محبت الٰہی کا ہونا اور اتباع رسل سے کرنے سے محب کا جھوٹا معلوم ہوتا ہے للہ اگر کوئی محبت خدا کا مدعی ہو اور طریقہ رسول اللہ کے خلاف ہو، تو وہ جھوٹا ہے جس کو اللہ کی کتاب جھوٹا قرار دے رہی ہے۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یہ امر کا جواب ہے یعنی کہ میرا اتباع کرو گے تو اللہ تم کو پسند فرمائے گا۔

ایک سوال

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ بندہ سے اللہ کی محبت اتباع انبیاء پر موقوف ہے اور اتباع انبیاء اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اللہ سے محبت رکھتا ہو نتیجہ یہ نکلا کہ بندہ سے اللہ کی محبت اس وقت ہو گی جب بندہ اللہ سے محبت کرتا ہو۔ مگر بیان سابق سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اللہ سے بندہ کی محبت بعد کو ہوتی ہے اور بندہ سے اللہ کی محبت پہلے۔ محبت عبد نتیجہ ہے محبت اللہ کا یہ تو کھلا ہوا دور (منطقی چکر) ہے۔

جواب

سابق میں جس محب کا بیان ہوا وہ اور تھی اور یہ محبت اس کے علاوہ ہے۔ حقیقت میں اللہ کی طرف سے دو محبتیں ہوتی ہیں ایک ابتدائی اور دوسری آخری۔ دونوں کے وسط میں اللہ سے بندہ کی محبت ہوتی ہے۔ اول اللہ کی طرف سے وہی محبت ہوتی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دی اس کے نتیجہ میں بندہ اللہ کی طرف کھنچتا اور اتباع انبیاء کرتا ہے۔

اتباع انبیاء کے بعد اللہ کی طرف سے بندہ کی ایک اور محبت ہوتی ہے یعنی اللہ بندہ پر رحم اور کامل مہربانی کرتا ہے یہ مہربانی اور محبت وہی ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں۔ سو میں سے ایک رحمت تو اس نے مخلوق کو بانٹ دی ہے جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں محبت کرتی ہے اور ننانوے رحمتیں اپنے اولیاء کے لئے اس نے رکھ چھوڑی ہیں۔ چونکہ اس آخری محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ بندہ پر رحمت فرمائے اور اس کی مغفرت کر دے اس لئے فرمایا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

بغوی نے بیان کیا ہے کہ جب آیت فَاتَّبِعُونِي نازل ہوئی تو عبداللہ بن ابی (منافق) نے اپنے ساتھیوں سے کہا محمدؐ اپنی

طاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دے رہے ہیں اور ہم کو حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان سے ویسی ہی محبت کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ سے کرتے ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ آپ کہہ دیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یعنی اللہ اور رسول کی طاعت ایک ہی ہے۔ رسول کی حیثیت سے رسول کی طاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری سب امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (امت میں ہوتے ہوئے) انکار کون کر سکتا ہے فرمایا جس نے میرا کہا مانا وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو اس نے انکار کیا۔ متفق علیہ۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت کے داخلہ کو اپنی اطاعت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد ﷺ ہی نے اللہ کے فرمان برداروں اور نافرمانوں میں امتیاز قائم کر دیا ہے۔ رواہ البخاری فی حدیث طویل عن جابرؓ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا پس اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی طاعت سے روگردانی کی۔ تَوَلَّوْا ماضی کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور مضارع کا بھی۔ موخر الذکر صورت میں خطاب کی تاء حذف کر دی گئی ہے اصل میں تَتَوَلَّوْا تھا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ تو (سمجھ لو کہ) اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔ اصل میں کلام یوں ہونا چاہئے تھا کہ اللہ تم سے محبت نہیں رکھتا۔ لیکن عام ضابطہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا اسی کے ذیل میں یہ بھی آگیا کہ اللہ تم سے محبت نہیں رکھتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جزا محذوف ہو اور فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ اس کی دلیل ہو اور مدلول کی جگہ دلیل کو ذکر کر دیا (تاکہ کلام میں قوت پیدا ہو جائے) یعنی اگر تم نے روگردانی کی تو اللہ تم سے محبت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا ہے، اس کی محبت مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر کی اطاعت سے روگردانی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ایسے بندہ سے محبت نہیں کرتا (اور جب اللہ کی طرف سے جذب نہیں تو بندہ کی طرف سے بھی اللہ کی محبت نہیں ہوتی اور بندہ اللہ سے محبت نہیں کرتا تو اللہ کی وہ محبت جو بصورت مغفرت و رحمت ظاہر ہوتی ہے اس سے بھی بندہ محروم ہو جاتا ہے)۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى بلاشبہ اللہ نے چن لیا۔ اصطفٰی (ماضی) اصطفاء (مصدر) باب افتعال، صفوۃ سے ماخوذ ہے۔ صفوۃ کا معنی ہے خالص۔ یعنی اللہ نے اپنے لئے اپنی محبت کے لئے اور اپنی رسالت کے لئے چن لیا۔

اٰدَمَ آدم کو جو سب انسانوں کے باپ تھے یہاں تک کہ ملائکہ سے ان کو سجدہ کرایا جنت میں ان کا مسکن بنایا اسی کی نسل سے تمام انبیاء کو پیدا کیا، آپ اول ترین نبی تھے۔

وَنُوْحًا اور نوح کو، پہلے سب لوگ شریعت الٰہی اور دین آدم پر تھے پھر ان میں پھوٹ پڑ گئی اور کافر ہو گئے تو اللہ نے سب لوگوں میں سے حضرت نوحؑ کو نبوت کے لئے چن لیا آپ ﷺ کی بددعا سے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا اور صرف آپؑ کی نسل کو باقی رکھا۔

وَاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ اور ابراہیم و عمران کی اولاد کو بعض علماء نے کہا ہے کہ دونوں جگہ آل کا لفظ زائد ہے، ابراہیم و عمران مراد ہیں جیسے آیت بقیة مما ترک آل موسی و آل ھارون میں لفظ آل زائد ہے اور موسیٰ و ہارون مراد ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ آل ابراہیم سے مراد ہیں اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اسباط اور تمام اسرائیلی پیغمبر اور محمد ﷺ اور عمران سے بقول مقاتل مراد ہیں عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب، یہی عمران حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے والد تھے۔ بعض نے کہا کہ عمران بن ماثان مراد ہیں۔ ماثان حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے تھے اور یہ عمران حضرت مریمؑ کے والد تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور وہب کا قول ہے کہ آیت میں عمران سے عمران بن ماثان ہی مراد ہیں لیکن یہ حضرت مریم کے باپ نہیں تھے بلکہ مریم کے والد عمران بن اشہم بن اموں تھے جو حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے تھے، عمران بن ماثان اور عمران بن اشہم کے درمیان ایک ہزار یا ایک ہزار آٹھ سو سال کا فصل تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ عمران سے مراد وہی شخص ہے جو حضرت مریم کا باپ تھا کیونکہ جس انتخاب کا یہاں ذکر کیا ہے اسی کی وضاحت آئندہ آیت واذ قالت امراۃ عمران میں کی ہے۔ یہ قرینہ بتا رہا ہے کہ عمران سے مراد حضرت مریم کے باپ ہی ہیں۔

مذکورہ بالا چاروں افراد کا ذکر اس لئے کیا کہ سب کے سب یا بیشتر انبیاء اور پیغمبر انہی کی نسل سے ہوئے۔

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ العالمین سے مراد ہے تو سارا جہان ہے یہاں تک کہ ملائکہ بھی اس میں داخل ہیں۔ یہ مراد اس وقت ہوگی جب آل ابراہیم کا لفظ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد ﷺ کو بھی حاوی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بزرگ ملائکہ اور تمام انسانوں سے افضل تھے۔ اس صورت میں اس آیت سے خواص فرشتوں پر خاص انسانوں کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ یا صرف مذکورہ بالا اشخاص کے اہل زمانہ مراد ہیں۔ یعنی ان بزرگوں کو ہم نے ان کے زمانہ والوں پر بزرگی عطا کی اور چن لیا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا کہ ہم ابراہیم و اسحاق و یعقوب کی اولاد ہیں اور ہم ہی ان کے دین پر ہیں۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اللہ نے ان حضرات کو اسلام کے لئے چنا تھا اور تم دین اسلام پر نہیں ہو (پھر ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہو)۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت بالا میں اللہ نے جب انبیاء کی اطاعت واجب قرار دی اور ظاہر کر دیا کہ انبیاء کی اطاعت ہی محبت خدا کے حصول کا سبب ہے تو اس کے بعد انبیاء کی فضیلت بیان کی تاکہ لوگوں کو اطاعت انبیاء کی ترغیب ہو۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ اول رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم دیا آپ ﷺ کی اطاعت کو محبت خدا کے حصول کا ذریعہ اور عدم اتباع کو اللہ کی ناراضگی کا سبب اور محبت خدا سے محرومی کا باعث قرار دیا تو پھر حسب دستور قرآنی حکم بالا کو مؤکد کرنے کے لئے انبیاء کی برتری اور دشمنوں پر کامیابی اور ان کے مقابل دشمنوں کی ذلت اور بربادی کا ذکر کیا تاکہ اتباع رسول سے سرکشی کرنے والوں کو تنبیہ ہو۔ اول حضرت آدم کے انتخاب اور فضیلت کا ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ نے مسجود ملائکہ بنایا اور آپ کے دشمن ابلیس پر لعنت کی۔ پھر حضرت نوحؑ کا ذکر کیا اللہ نے آپ کے تمام کافر دشمنوں کو تباہ کیا اور سب کو طوفان سے غرق کر دیا اور صرف آپ کی نسل کو باقی رکھا پھر سب لوگوں پر حضرت ابراہیمؑ کی برگزیدگی ظاہر کی۔ آپ کے زمانہ میں سارا جہان انسانی کافر تھا۔ لیکن سب کے مقابلہ میں آپ کو منتخب کر لیا اور آپ کے ہی دین کو پھیلایا اور تمام مخالفوں کو ذلیل کیا۔ پھر حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کا انتخاب کیا جادوگروں پر فتح عنایت کی وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑے، فرعون اور اس کی فوج کو غرق کیا، باوجود کثرت تعداد کے کوئی بھی نہیں بچا۔

میں کہتا ہوں کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا تو آپ کے بعد آپ کے پیرو انتہائی مغلوبیت کی حالت میں تھے لیکن اللہ نے ان کو غالب بنایا اور کافروں پر ان کے قیامت تک غالب رہنے کی صراحت فرما دی ارشاد فرمایا۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ یہی وجہ ہے کہ آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ و آل عمران کا تو ذکر کیا اور ابراہیمؑ کا ذکر نہیں کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا۔ ابراہیم کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پورے جہان پر آپ کو غلبہ نہیں عطا فرمایا تھا۔ یہ کلام اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ (حسب دستور انبیاء) رسول اللہ ﷺ بھی عنقریب کافروں پر غالب آئیں گے۔

ذُرِّيَّةً اس لفظ کا وزن فُعِّيْلَةٌ ہے یا فُعُّوْلَةٌ اول شق پر اس کا ذرّ مادہ ہوگا ذرّ چھوٹی چیونٹیاں، دوسری شق پر ذرءٌ مادہ ہوگا۔ ذرء کا معنی پیدا کرنا۔ ذریت کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے اور باپ دادا پر بھی اللہ نے فرمایا وآیۃ لہم انا حمل

ذریتهم فی الفلک المشحون۔ اولاد کو ذریت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ ان کو باپ سے پیدا کرتا ہے اور آباء کو ذریت اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اولاد کا مبداء تخلیق ہوتے ہیں۔ ذریت کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۚ یہ جملہ ذُرِّیَّةً کی صفت ہے یعنی اللہ نے نوح اور آل ابراہیم و عمران کو پیدا کیا اور اتنی کثرت سے پیدا کیا کہ ان کی نسل چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی ایک دوسرے کی نسل سے ہیں یا یہ کہ اعمال اور دینی اتحاد کے لحاظ سے ایک دوسرے کے گروہ میں سے ہیں، اللہ نے فرمایا ہے وان من شیعتہ (لابراہیم) یعنی ملی و دینی لحاظ سے ان کے گروہ میں سے برابر تھے۔

بعضها من بعض کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم کے اندر سے کسی ایک کو چن لینا اللہ کا دستور ہے لہٰذا قریش کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتخاب اللہ نے قریش میں سے کر لیا۔

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ یعنی لوگ جو بعض لوگوں کے انتخاب پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اللہ ان کے قول کو خوب سنتا ہے اور

عَلِيمٌ ۝ خوب جانتا ہے کہ منتخب کئے جانے کی صلاحیت کس میں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ عمران کی بیوی کے کلام کو اللہ خوب سنتا تھا اور ان کی نیت سے واقف تھا۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ اذ کا تعلق علیم سے ہے یا فعل محذوف سے یعنی یاد کرو جبکہ عمران کی بیوی نے کہا تھا۔

عمران کے باپ کا نام ماثان تھا یا اشہم۔ ماثان کی اولاد ہی بنی اسرائیل کی سردار تھی، انہی میں سے علماء اور بادشاہ ہوتے تھے عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا، حنہ بانجھ تھیں اور بوڑھی ہو گئی تھیں ایک روز کسی درخت کے نیچے سے انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچہ کو چونچ سے چوگا دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے دل میں بچہ کے لئے ہوس اٹھی۔ تھیں اللہ کے مقبول کمر نے سے، فوراً اللہ سے بچہ کی دعا کی۔ دعا قبول ہوئی اور حاملہ ہو گئیں۔ ابن جریر نے ابن اسحاقؒ کی روایت اسی طرح نقل کی ہے اور عکرمہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا اے میرے رب میں تیرے لئے منت مانتی ہوں کہ میرے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد چھوڑ دوں گی۔ دنیا کے جھمیلوں میں نہیں ڈالوں گی۔ تاکہ وہ فراغ خاطر کے ساتھ تیری عبادت کر سکے۔ یہودیوں کے مذہب میں ایسی منت لڑکوں کے سلسلہ میں ہی مشروع تھی (لڑکیوں کو گرجا کی خدمت کے لئے وقف نہیں کیا جاتا تھا) کذا اخرجہ ابن جریر عن قتادہ والربیع۔

جب گرجا کی خدمت کے لئے کسی لڑکے کو وقف کیا جاتا تھا تو وہ جوان ہونے تک گرجا کی خدمت میں لگا رہتا تھا بالغ ہوتا تھا، جوان ہونے کے بعد اسکو اختیار ہوتا تھا کہ چاہے تو وہیں رہ کر گرجا کی خدمت کرتا رہے اور چاہے تو کہیں چلا جائے۔ کوئی پیغمبر اور مذہبی عالم ایسا نہیں ہوا کہ اس کی نسل کا کوئی فرد بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف نہ کیا گیا ہو مگر وقف کرنے کا دستور صرف لڑکوں کے لئے تھا لڑکیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں۔ حنہ کا مذکورہ دعائیہ جملہ یا تو صرف تمنائی تھا (کہ خدا کرے لڑکا پیدا ہو) یا صرف فرض پر مبنی تھا (کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو میں وقف کر دوں گی)۔

فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۚ پس تو میری نذر کو قبول فرما۔

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ بلاشبہ تو ہی میری منت کو سننے والا اور میری نیت کو جاننے والا ہے۔ عمران نے بیوی کی یہ دعا اور منت سن کر کہا ارے تو نے یہ کیا کیا اگر لڑکی ہوئی تو کیا ہوگا اس خیال کے آتے ہی دونوں فکر میں پڑ گئے۔ مریمؑ کی پیدائش سے پہلے ہی عمران کا تو انتقال ہو گیا حنہ بیوہ ہو گئیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ضمیر مؤنث حمل کی طرف راجع ہے کیونکہ واقع میں وہ لڑکی تھی یا نسمہ وغیرہ کی تاویل کے لحاظ سے مؤنث کی ضمیر راجع کر دی گئی (یعنی حمل بھی ایک نفس تھا اور عربی میں نفس مؤنث ہے) مطلب یہ کہ جب حنہ نے لڑکی جنی تو حسرت کے ساتھ کہا کہ اے میرے رب میں نے یہ لڑکی

جتی یا اللہ کے سامنے معذرت پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کیونکہ لڑکی کو ہی بیت المقدس کی خدمت کے لئے حنہ نے وقف کیا (اور دستور کے خلاف کیا اس لئے اپنی مجبوری ظاہر کی)۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ یہ کلام بالکل ابتدائی ہے ماقبل سے اس کا تعلق نہیں۔ اس سے پیدا شدہ بچی کی عظمت اور لڑکی کی حالت سے حنہ کی ناواقفیت ظاہر کی گئی ہے۔ ابن عامرؒ، ابوبکرؒ اور یعقوب کی قرأت وَضَعْتُ بصیغہ متکلم آیا ہے اس وقت یہ حنہ کے کلام کا جز ہوگا۔ حنہ نے اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے کہا کہ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اس سے خدا کو بخوبی واقفیت ہے ممکن ہے اس کی اس میں کوئی مصلحت ہو اور یہ لڑکی لڑکے سے بہتر ہو۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى یعقوب وغیرہ کی قرأت پر یہ جملہ بھی حنہ کے کلام کا جز ہوگا اور الذکر نیز الانثی میں الف لام جنسی ہوگا یعنی لڑکا چونکہ طاقتور اور مضبوط ہوتا ہے گرجا کی خدمت کر سکتا ہے اور لڑکی کمزور ہوتی ہے پھر اس کو عوارض نسوانی بھی ہوتے ہیں اس لئے گرجا کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا (اور میں نے لڑکی جنی ہے وہ گرجا کی خدمت کس طرح کر سکے گی)۔

لیکن مشہور قرأت پر یہ جملہ معترضہ ہوگا اور اللہ کا مقولہ ہوگا اس وقت دونوں جگہ الف لام عہدی ہوگا یعنی وہ لڑکا جو حنہ نے مانگا تھا اس لڑکی کی طرح نہیں ہو سکتا جو اس کو دی گئی۔ بلکہ وہ لڑکی اس لڑکے سے افضل تھی (اللہ کو اس کے بطن سے ایک عظیم الشان پیغمبر کو پیدا کرنا اور عجیب طریقہ سے پیدا کرنا مقصود تھا) مؤخر الذکر تشریح اول مطلب سے بہتر ہے اول مطلب پر بمسنت الانثی کا لذکر کہنا چاہئے تھا یعنی مشبہ بہ لڑکے کو اور مشبہ لڑکی کو قرار دے کر نفی تشبیہ کرنی چاہئے تھی)۔

وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ یہ بھی حنہ کے کلام کا جز ہے۔ مریم کا معنی ہے عابدہ حنہ نے بچی کا نام عابدہ اس امید پر رکھا کہ اللہ اس کو عابدہ بنا دے۔ یعنی میں نے ہی اس کا نام مریمؑ رکھا ہے مراد یہ کہ یہ مہربانی کی مستحق ہے نام رکھنے والا اس کا باپ بھی نہیں ہے یہ میں ہے۔

وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ اور میں شیطان مردود سے بچانے کے لئے اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اصل لغت میں رجم کا معنی ہے پتھر مارنا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو ضرور مس کرتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیختا ہے سوائے مریم اور اس کے بچہ کے (کہ شیطان نے پیدائش کے وقت ان کو مس نہیں کیا) (متفق علیہ) یعنی حنہ کی اس دعا کی برکت سے (مریمؑ اور ان کا بچہ شیطان کے مس سے محفوظ رہے) حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اولاد آدم کے دونوں پہلوؤں میں شیطان انگلی سے (پیدائش کے وقت) ٹھونگ مارتا ہے سوائے عیسیٰ بن مریم کے شیطان ان کے ٹھونگ مارنے چلا تھا مگر پردہ پر ٹھونگ مار سکا۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا تو فرمایا الٰہی میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی فرمایا تھا۔ رواہ ابن حبان من حدیث انس رضی اللہ عنہ۔

ظاہر ہے کہ حنہ کی دعا سے رسول اللہ ﷺ کی دعا زیادہ قابل قبول ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ حضرت سیدہؓ اور آپ ﷺ کی اولاد (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا ہوگا اور شیطان نے ان کو چھوا بھی نہ ہوگا۔ اس صورت میں حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے کے لئے شیطان کے عدم مس کی خصوصیت حقیقی نہیں ہوگی اضافی ہوگی یعنی ہر بچہ کو پیدائش کے وقت عام طور پر شیطان چوکا مارتا ہے (کچھ خاص خاص افراد مستثنیٰ بھی ہیں جیسے) حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے (اور حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولادؓ) کو اس نے محفوظ رکھا۔

فَتَقَبَّلَهَا پس اللہ نے حنہ سے مریمؑ کو قبول کر لیا پیدائش ہوتے ہی لے لیا۔ مؤخر الذکر ترجمہ پر تَقَبَّلَ، اِسْتَقْبَلَ

کے معنی میں ہوگا جیسے تَعَجَّلَ اِسْتَعْجَلَ کے معنی میں آتا ہے۔

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ قبول، وہ شے جس کے ساتھ کسی چیز کو قبول کیا جائے (مثلاً کشادہ روئی، بار و گردانی، اظہار مسرت، ترش روئی وغیرہ) جیسے سَعُوْطٌ اور لدود (ناس جس سے چھینک لی جاتی ہے۔ جھگڑے کی چیز) یعنی اللہ نے اچھے طریقہ سے مریمؑ کو قبول کیا۔ قبول اس جگہ مصدر نہیں ہے ورنہ قبولاً حسناً کہا جاتا اگر مصدری معنی لیے جائیں گے تو (تاویل کرنی ہوگی)

تقدیر کلام اس طرح ہوگی فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِأَمْرٍ ذِيْ قَبُوْلٍ حَسَنٍ حضرت مریمؑ کو بغیر کسی سابق عمل اور کوشش کے اللہ نے اپنی مہربانی سے برگزیدہ بنایا، سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا کی، معاصی اور حیض سے پاک رکھا، اس لئے جس قبول حسن کے ساتھ اللہ نے ان کو لیا، اس سے مراد ہے ان لوگوں کا سا قبول جو درجہ مرغوبیت و محبوبیت پر فائز ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا سا قبول مراد نہیں جو اہل مروت و اجتہاد ہیں (کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے اور ہر وقت مرضی الٰہی کے طلب گار رہتے ہیں آخرکار اللہ ان کے اعمال کو قبول فرما لیتا ہے) اور مصدری معنی کی صورت میں قبول سے مراد ہوگا اس امر کی وجہ سے قبول کرنا جس کو ہم اختصاص بھی کہہ سکتے ہیں، جس طرح تمام منتخب لوگوں کے تعین کا مبدء کوئی اختصاص ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے تعین کا باعث بھی یہی اختصاص الٰہی تھا (یعنی اللہ نے اپنی طرف سے مریمؑ کے اندر ایک خصوصیت رکھی تھی جو مریم کے منتخب ہونے کا باعث ہوئی)۔

وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور اللہ نے مریمؑ کو اچھی پیدائش کے ساتھ بڑھایا چنانچہ ایک دن میں آپ کا بڑھاؤ اتنا ہوتا تھا جتنا دوسرے بچوں کا سال بھر میں ہوتا ہے۔ ابن جریرؒ نے عکرمہؒ، قتادہؒ اور سدیؒ کے اقوال لکھے ہیں کہ جب مریمؑ پیدا ہوگئیں تو حنہ نے ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کو مسجد میں لے جاکر مشائخ مسجد کے سامنے رکھ دیا، یہ مشائخ ہارون کی اولاد میں سے تھے اور بیت المقدس کے متولی تھے جیسے دربان کعبہ کے متولی ہوتے ہیں اور ان سے جاکر کہا لو یہ نذیرہ (منت میں پیش کی ہوئی لڑکی) مریم علیہا السلام چونکہ ان کے امام اور متولی قربانی کی بیٹی تھیں اس لئے سب نے ان کو لے لینے کی بڑھ چڑھ کر خواہش کی۔ حضرت زکریاؑ نے فرمایا میں اس کا سب سے زیادہ مستحق ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری بی بی ہے۔ آپ کی بیوی اشیاع بنت فاقود تھی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھی۔ دوسرے مجاوروں نے بغیر قرعہ اندازی کے دینے سے انکار کیا، غرض سب مشائخ جن کی تعداد انتیس تھی دریا پر گئے۔ سدیؒ نے اس دریا کا نام اردن بتایا ہے۔ سب نے اپنے قلم اس شرط پر پانی میں ڈالے کہ جس کا قلم پانی میں رک جائے گا اور سیدھا رہے گا وہی بچی کو لینے کا مستحق ہوگا۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ وہ لوگ توریت کی نقل کر رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں قلم تھے چنانچہ انہوں نے اپنے قلم پانی میں ڈال دیئے۔ زکریا علیہ السلام کا قلم ٹھہر گیا اور پانی کے اوپر اٹھ آیا باقی قلم پانی کے اندر چلے گئے اور تہ نشین ہوگئے۔ یہ قول محمد بن اسحاق کا ہے۔ سدیؒ نے اور ایک جماعت نے لکھا ہے کہ زکریاؑ کا قلم رک کر پانی کے اوپر کھڑا ہوگیا جیسے مٹی میں گڑ گیا ہو باقی لوگوں کے قلم بہہ گئے۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ زکریاؑ کا قلم بھی بہا تھا مگر سیدھا ہو کر پانی کے اوپر چڑھتا ہوا باقی قلم معمول کے موافق پانی کے ساتھ بہہ گئے۔ غرض زکریاؑ کے نام کا قرعہ نکل آیا اور زکریاؑ تمام مشائخ کے سردار اور نبی تھے۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور اللہ نے زکریاؑ کو مریمؑ کا کفیل بنا دیا۔ کفل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ تمام افعال میں یہ بات راجح ہے کہ یہ سب کام اللہ ہی کے حکم سے ہوئے (اس لئے مرجع کا پہلے ذکر ضروری نہیں) یا تقبّلها کی طرف ضمیر راجع ہے۔ بعض قراتوں میں کَفَلَهَا بغیر تشدید کے آیا ہے۔ جمہور کے نزدیک زکریا علیہ السلام فاعل ہے یعنی زکریاؑ، مریمؑ کے ذمہ دار بنے اور کوفیوں کے نزدیک زکریا علیہ السلام مفعول ہے یعنی اللہ نے قرعہ اندازی کے بعد زکریاؑ کو مریمؑ کا ذمہ دار بنا دیا۔

زکریا بن اذن بن مسلم بن صدوق حضرت سلیمانؑ کی نسل میں سے تھے۔ صدوق حضرت سلیمانؑ کا بیٹا تھا حضرت زکریاؑ نے مریمؑ کے لئے ایک حجرہ بنوا دیا اور دودھ پلانے کے لئے ایک عورت مقرر کر دی۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ

حضرت یحییٰ کی ماں یعنی مریم کی خالہ کو مریم کی نگہداشت اور پرورش پر مقرر کیا۔ جب مریم جوان ہو گئیں تو ان کے لئے مسجد کے اندر ایک بالاخانہ بنوا دیا جس کا دروازہ مسجد کے اندر تھا اور بغیر زینہ کے اس بالاخانہ پر چڑھنا ممکن نہ تھا جیسے آج کل کعبہ کا دروازہ ہے۔ حضرت زکریا کے علاوہ کوئی بالاخانہ پر مریم علیہ السلام کے پاس نہیں جاتا تھا آپ ہی کھانے پینے کی چیزیں اور مالش کے لئے تیل مریم کو پہنچایا کرتے تھے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ چونکہ یہ جملہ گزشتہ جملہ کی یعنی فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا الخ کی تاکید ہے نیز کوئی وجہ جامع بھی نہیں ہے اس لئے حرف عطف نہیں لایا گیا اور كُلَّمَا ظرف زمان (مفعول فیہ) ہے اس میں شرط کا معنی ہے وجد جو آئندہ آرہا ہے اس میں عامل ہے محراب سے مراد وہ بالا خانہ ہے جو حضرت زکریا نے مریمؑ کے لئے بنوایا تھا۔ محراب (لغت میں) سب سے اونچی اور اعلیٰ نشست گاہ کو کہتے ہیں۔ مسجد کو بھی محراب کہا جاتا ہے کیونکہ مسجد شیطان سے جنگ کرنے کا مقام ہے۔ مبردؒ کا قول ہے کہ محراب کا اطلاق اسی کمرہ پر ہوتا ہے جس پر زینہ کے ذریعہ سے چڑھا جاتا ہو۔ ابن جریرؒ نے ربیع بن انسؓ رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ زکریا نے مریمؑ کو سات دروازوں کے اندر رکھا تھا یعنی جب بھی زکریا مریم کے پاس بالاخانہ پر جاتے تھے۔

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ تو ان کے پاس غیر موسمی پھل رکھے ہوئے پاتے تھے گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں۔

قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ زکریا تعجب سے کہتے تھے مریمؑ یہ پھل تیرے پاس کہاں سے یعنی کس طرف سے آئے، مریم جواب دیتی تھیں اللہ کے پاس سے آئے۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مریمؑ کے پاس ان کا رزق جنت سے آتا تھا، حسن بصریؒ نے کہا کہ پیدا ہونے کے بعد مریمؑ نے دودھ پینے کے لئے کسی کا پستان منہ میں نہیں پکڑا بلکہ ان کا رزق جنت سے آتا تھا اور عیسیٰ کی طرح انہوں نے بھی بچپن میں ہی بات کی تھی۔

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞ اللہ بلا شبہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ یعنی اتنی روزی دیتا ہے کہ کثرت کی وجہ سے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا یا یہ مطلب ہے کہ اپنی مہربانی سے بغیر استحقاق کے عطا فرمایا ہے۔ یہ حصہ کاکلام بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کا کلام بھی۔

اس قصہ سے اولیاء کی کرامت کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو حضرت زکریا کا معجزہ قرار دیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت زکریا کو خود بھی طور پر معلوم نہ تھا کہ رزق کہاں سے آتا ہے، اسی لئے تو انہوں نے مریم سے پوچھا تھا۔ ابو یعلیٰ نے مسند میں حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو خمیری روٹیاں اور ایک پارچہ گوشت بطور ہدیہ بھیجا، حضور والا وہ ہدیہ واپس لے کر خود ہی حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا بیٹی یہ لے لے حضرت سیدہؓ نے طباق کھول کر دیکھا تو اس میں روٹیاں اور گوشت بھرا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا انی لک هذا تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا۔ سیدہؓ نے کہا هو من عند الله ان الله یرزق من یشاء بغیر حساب۔ حضور ﷺ نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے تم کو زنان بنی اسرائیل کی سردار (مریمؑ) کی طرح کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حسنؓ و حسینؓ اور سب گھر والوں کو جمع کر کے کھانے کا حکم دیا سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا اور کھانا پھر بھی بچ رہا تو حضرت سیدہؓ نے پڑوسیوں کو تقسیم کیا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ جب حضرت زکریا نے مریمؑ کی کرامت اور رحمت خدا کی وسعت دیکھی اور محسوس کیا کہ خاندان والے سب ختم ہو گئے اور میرا کوئی ایسا بچہ نہیں جو علم و نبوت کا وارث بنے اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ چچا کی اولاد میرے بعد دین کو کھو بیٹھے گی تو ایسے وقت میں یا اس جگہ دروازے بند کر کے اپنے مالک سے دعا کی اور

قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ عرض کیا پروردگار مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ چونکہ حضرت زکریا کی بیوی بانجھ تھی اور آپ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اس لئے عرض کیا کہ اپنی طرف سے یعنی معمول کے خلاف مجھے اولاد عطا فرما۔ جیسے دستور اسباب کے خلاف تو مریم کو رزق عطا فرماتا ہے۔ ذریۃ سے مراد ہے اولاد۔ اس کا اطلاق واحد، جمع اور مذکر، مونث سب پر ہوتا ہے۔ طیبۃ سے مراد ہے نیک، گناہوں سے پاک معصوم۔

اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ۝ بیشک تو ماننے والا یعنی قبول کرنے والا ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ پس ملائکہ نے زکریا کو پکارا پکارنے والے تنہا جبرئیل تھے، یہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے، جس کو ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ اس صورت میں ملائکہ کو بصیغہ جمع ذکر کرنے کی وجہ بر قول مفضل بن سلمہ یہ ہے کہ جب کسی قول کا فاعل جماعت کا سردار ہوتا ہے تو جماعت کی طرف اس قول کی نسبت صحیح ہوتی ہے کیونکہ سب اپنے سردار کے قول پر متفق ہوتے ہیں۔ جبرئیل بھی سید الملائکہ تھے عموماً ان کے ساتھ فرشتوں کی جماعت رہتی تھی۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا کہ الملائکہ سے جنس مراد ہے یعنی فرشتوں کی جنس میں سے کسی نے پکارا جیسے کہا جاتا ہے زید یرکب الخیل زید گھوڑوں پر یعنی کسی نہ کسی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔

وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ اور زکریا اس وقت مسجد کے اندر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ زکریا (علیہ السلام) بیت المقدس کے منتظم تھے۔ قربانی پیش کرنا اور قربان گاہ کا دروازہ کھولنا آپ ہی کے سپرد تھا۔ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا ایک روز قربان گاہ کے پاس مسجد کے اندر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ اجازت داخلہ کے منتظر تھے کہ اچانک ایک نوجوان سفید کپڑے پہنے نمودار ہوا وہ جبرئیل تھے آپ ڈر گئے جبرئیلؑ نے ندا دی زکریا۔

اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى کہ اللہ تم کو یحییٰ کے پیدا ہونے کی بشارت دے رہا ہے۔ یحییٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ماں کے بانجھ پن کو اللہ نے اس کی وجہ سے کھو دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا۔ قتادہ نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ اللہ نے ان کے دل کو ایمان و طاعت کی وجہ سے زندگی عطا فرمائی تھی، کبھی آپ نے گناہ نہیں کیا بلکہ نافرمانی کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یحییٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ کی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے ہوں گے عیسیٰ کو کلمۃ اللہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے صرف لفظ کن سے پیدا ہوئے تھے۔ سبب پر مسبب کا اطلاق کر دیا گیا (لفظ کن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا سبب تھا اور عیسیٰ کو ہی کلمہ کہہ دیا گیا) بعض نے یہ وجہ تسمیہ بیان کی کہ جس طرح اللہ کے کلام سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ذات سے لوگ ہدایت یاب ہوتے تھے (گویا ہدایت آفرینی میں آپ کی ذات اور کلام اللہ تھی) صوفیہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کا مبدء تعین اللہ کی صفت کلامیہ تھی (اسی لئے شیر خوارگی کی حالت میں آپ نے کلام کیا تھا)۔

حضرت یحییٰ نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ حضرت یحییٰ کی عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ زیادہ تھی صحیحین میں حدیث معراج کے ذیل میں آیا ہے کہ یحییٰ اور عیسیٰ باہم خالہ زاد بھائی تھے لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ مریم کی خالہ کے بیٹے تھے (گویا حضرت یحییٰ آپ کے ماموں تھے) اگر روایت کی صحت ثابت ہو جائے تو دونوں میں مطابقت اس طرح ہو جائے گی کہ حدیث میں خالہ زاد بھائی قرار دینا بر سبیل مجاز ہو گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ حالانکہ حضرت علی، حضرت فاطمہؓ کے والد کے چچا کے بیٹے تھے لیکن مجازاً حضرت فاطمہؓ کے چچا کا بیٹا حضرت علیؓ کو قرار دیا۔ حضرت یحییٰ کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے ہوئی تھی۔ ابو عبیدہ نے کہا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کا معنی ہے بِكِتَابٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْهُ اٰیٰتُ كَلَامِ اللّٰهِ۔

وَسَیِّدًا اور یحییٰ اپنی قوم کے سردار ہوں گے یعنی علم، عبادت، پرہیز گاری اور تمام خصائل خیر میں سب کے

سردار ہوں گے۔ مجاہد نے سَیِّدًا کا ترجمہ کیا ہے عند اللہ معزز بعض نے کہا ایسا حلیم جس کو کسی وجہ سے غصہ نہ آئے۔ سفیان نے کہا حسد نہ کرنے والا۔ بعض نے قانع اور بعض نے سخی بھی ترجمہ کیا ہے۔ جنیدؒ نے کہا سید وہ ہے جس نے دونوں جہان دے کر خالق جہان کو لے لیا۔ [1]

وَّحَصُوْرًا یہ لفظ حصر سے مشتق ہے۔ حصر کے معنی ہیں بندش روک۔ حضرت یحییٰ عورتوں سے قربت نہیں کرتے تھے۔ اس کی علت بعض نے یہ بیان کی کہ آپ پیدائشی نامرد تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یحییٰ پیدائشی نامرد بھی ہوں تب بھی اس جگہ حَصُوْرًا سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے، مقام مدح کا ہے اور عنین ہونا قابل مدح چیز نہیں بلکہ حَصُوْرًا سے مراد ہے اپنے نفس کو خواہشات اور لہو ولعب سے روکنے والا۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سامنے بغیر گناہ کئے جائے، سوائے یحییٰ بن زکریا کے اللہ نے خود ان کے متعلق فرما دیا ہے۔ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ کی شرم گاہ کپڑے کی جھالر کی طرح تھی (یعنی مادہ رجولیت نہ تھے) حضور ﷺ کا آخری فقرہ کہ یحییٰ کی شرم گاہ کپڑے کی جھالر کی طرح تھی۔ حصور ہونے کا بیان نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہے۔ حقیقت میں حصور ہونے کا بیان وہ ہے جو اوپر گزر گیا کہ آپ معصوم تھے بلکہ ابن ابی شیبہ نے (مصنف میں) اور احمد نے زہد میں نیز ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما کا قول موقوفاً بھی نقل کیا ہے جو سابق کی حدیث مرفوع سے سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن عساکرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم جب اللہ کے سامنے جائیں گے تو اس گناہ کے ساتھ جائیں گے جو ان سے سرزد ہوا ہوگا اگر اللہ چاہے گا تو معاف کر دے گا اور چاہے گا تو عذاب دے گا، سوائے یحییٰ بن زکریا کے کہ وہ سید اور حصور تھے (انہوں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں اس لئے اللہ کے سامنے جائیں گے تو بے گناہ کے جائیں گے) اور نبی تھے اور صالحین کی نسل میں سے تھے اس کے بعد حضور ﷺ نے دست مبارک جھکا کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا ان کی شرم گاہ اس تنکے کی طرح تھی۔

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں قتادہ کا قول موقوفاً اور ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بچپن میں کچھ بچوں کی طرف سے گزرے لڑکوں نے ان کو کھیلنے کے لئے بلایا آپ نے فرمایا ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔

وَنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴿۳۹﴾ اور نبی تھے اور نیکوں کی نسل سے تھے یعنی معصوم انبیاء کی نسل سے تھے۔ یا ان لوگوں میں سے تھے جو صغیرہ کبیرہ گناہ سے پاک تھے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ حضرت زکریا نے جبرئیل کی طرف توجہ دیئے بغیر مناجات میں کہا اے میرے رب میرا لڑکا کہاں ہو سکتا ہے۔ حضرت زکریا سے اس قول کا صدور بلا اختیار بتقاضاء بشریت ہوا تھا۔ آپ کو عادت قدرت کی اس شکست پر تعجب بھی ہوا اور حیرت بھی اور اس بات کو آپ نے بہت بڑا بھی سمجھا مگر یہ سب کچھ طبیعت بشری کے زیر اثر ہوا کبھی طبیعت بشری عقل اور علم پر غالب آجاتی ہے۔ علم اور عقل کا فیصلہ ہے کہ قدرت خدا سے نہ کوئی چیز بعید ہے نہ تعجب انگیز، مگر طبیعت بشری معمولی قدرت کی شکست کو بعید بھی جانتی ہے اور عجیب بھی۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لینے کے بعد بھی (بتقاضائے بشریت) حضرت خضر پر اعتراض کیا تھا حالانکہ پہلے کہہ چکے تھے سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا۔

---

[1] جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ سید کا اطلاق رب، مالک، سردار، فاضل، کریم، حلیم، متحمل، زوج، رئیس، قوم اور پیشوا سب ہی پر ہوتا ہے یہ سادیسود سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اصل میں سیود تھا ساکن یاء کی وجہ سے واؤ کو یاء سے تبدیل کر کے ادغام کر دیا۔ مولف

عکرمہؒ اور سدیؒ نے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے زکریا کو ندا کی تو شیطان فوراً آگیا اور کہنے لگا یہ آواز اللہ کی طرف سے نہیں ہے شیطان کی طرف سے ہے اگر اللہ کی طرف سے ہوتی تو وہ خود ہی تمہارے پاس وحی بھیج دیتا۔ پس اس وسوسہ کو دفع کرنے کے لئے حضرت زکریؑ نے مذکورہ الفاظ کہے۔ حسن بصری نے کہا طریق پیدائش کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زکریا نے مذکورہ الفاظ کہے تھے کہ میرا لڑکا کس طرح ہوگا کیا مجھے اور میری بیوی کو جوان کر دیا جائے گا اور بیوی کے بانجھ پن کو دور کر دیا جائے گا یا کسی دوسری عورت سے میرا لڑکا ہوگا یا موجودہ حالت میں ہی ہم دونوں کو بچہ عنایت کیا جائے گا۔

وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ اور مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے یہ ترکیب استعمال معکوس ہے مراد یہ ہے کہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔

یہ مطلب ہے کہ مجھ پر بڑھاپے کا اثر پہنچ گیا اور بڑھاپے نے مجھے کمزور کر دیا۔ اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر بقول کلبی ۹۲ سال اور بقول ضحاک ۱۲۰ سال تھی اور بیوی کی عمر ۹۸ سال۔

وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ اور میری بیوی بانجھ ہے ناقابل تولید۔ عاقر کے لفظ میں مذکر، مونث برابر ہیں دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۝ اللہ نے یا فرشتہ نے کہا بات تو یونہی ہے اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے یعنی تمہارے بوڑھا ہونے اور تمہاری بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود بچہ ہوگا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ زکریا نے کہا اے رب استقرار حمل کی میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے جس سے میں استقرار حمل کو جان جاؤں اور بطور شکر تیری عبادت مزید کروں۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ یعنی اللہ نے فرمایا استقرار حمل کی تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ باوجود ذکر اللہ پر قدرت رکھنے کے تو لوگوں سے تین دن کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ سوائے اشارہ کرنے کے سر سے یا ہاتھ وغیرہ سے۔ رمز کا اصل معنی ہے حرکت دینا۔ استثناء منقطع ہے لیکن اگر کلام سے مراد وہ تمام چیزیں ہوں جو مافی الضمیر پر دلالت کرتی ہیں (جیسے زبان سے بات، آنکھ سے ایماء، ہاتھ پاؤں یا سر سے اشارہ) استثناء متصل ہوگا۔ عطاء نے کہا کلام نہ کرنے سے مراد ہے تین دن روزہ رکھنا کیونکہ وہ لوگ روزہ میں سوائے اشارہ کے زبان سے بات نہیں کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا یعنی جب نشانی ظاہر ہو جائے تو شکریہ میں اپنے رب کا ذکر بہت کرنا۔

وَّسَبِّحْ اور نماز پڑھنا۔ بِالْعَشِيِّ پچھلے دن میں۔ یعنی زوال کے بعد سے کچھ رات گئے تک اس سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔

وَالْاِبْكَارِ۝ اور دن کے پہلے حصہ میں یعنی فجر سے چاشت تک۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اس کا عطف اذ قالت امرۃ عمران پر ہے اور ملائکہ سے مراد جبرئیل ہیں یعنی یاد کرو کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے رو در رو کہا تھا۔

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ اے مریمؑ اللہ نے بلاشبہ تجھے اپنے لئے چھانٹ لیا ہے یعنی دوامی تجلیات ذاتیہ کے ساتھ تجھے برگزیدہ کر دیا ہے۔ صوفیہ نے تجلیات ذاتیہ کی تعبیر کمالات نبوت سے کی ہے جو انبیاء کو بالذات بلاواسطہ حاصل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر انبیاء کی وساطت سے صدیقین کو ملتے ہیں۔ حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں اللہ نے فرمایا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (اس لئے آپ کو کمالات نبوت حاصل تھے)

وَطَهَّرَكِ اور اللہ نے تجھے پاک رکھا یعنی گناہوں سے محفوظ رکھا یا پاک کر دیا یعنی گناہوں کی مغفرت کر کے اور شیطان کا راستہ بند کر کے جس طرح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے اور ہم اوپر نقل کر چکے ہیں بعض علماء نے کہا کہ پاک رکھنے سے مراد ہے مردوں کے چھونے سے پاک رکھنا۔ حیض سے پاک رکھنا بھی مراد لیا گیا ہے۔

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور جہان کی عورتوں پر تجھے فضیلت دی ہے یعنی تیرے زمانہ کی عورتوں پر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اس کی عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہے اور اس کی عورتوں میں افضل خدیجہؓ ہے۔ (متفق علیہ) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے لئے جہان کی عورتوں سے مریم بنت عمران اور خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؓ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں (یعنی سب سے افضل ہیں) رواہ الترمذی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مردوں میں تو کامل بہت ہیں لیکن عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون تھیں اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (شوربے میں بھیگی ہوئی گھی سے آمیختہ روٹی) کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ متفق علیہ۔

میں کہتا ہوں شاید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ گزشتہ اقوام میں عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون تھیں کیونکہ حضور ﷺ نے خود ہی آخر میں فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ اس جملہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہؑ پر بھی فضیلت حاصل تھی۔ صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت کردہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ فاطمہؓ کیا تو اس پر خوش نہیں کہ تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا اہل ایمان کی عورتوں کی۔

ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اہل جنت کی عورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت والی خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؓ بنت محمدؐ ہیں۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت حذیفہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فرشتہ آسمان سے اترا اس نے اللہ سے اجازت لے کر مجھے سلام کیا اور مجھے بشارت دی کہ فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ حضرت سیدہؓ حضرت مریمؑ سے افضل ہیں کیونکہ اہل جنت کی عورتوں کی کسی خاص زمانہ کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں۔ صراحت عام ہے ہاں تخصیص کا احتمال آیت وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ میں ہے کہ حضرت مریمؑ کے زمانہ کی عورتیں ہی مراد ہوں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ لیکن ایک حدیث اور آئی ہے جس کو ابو یعلیٰ اور ابن حبان اور طبرانی نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے سوائے اس کے جو مریم سے ہوا (یعنی مریم کی وجہ فضیلت کو چھوڑ کر) اسی طرح ترمذی نے حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فاطمہؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی کہ تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریمؑ بنت عمران کے۔ یہ دونوں حدیثیں بتا رہی ہیں کہ حضرت مریمؑ پر حضرت فاطمہؓ کو فضیلت حاصل نہیں تھی لیکن اس سے حضرت مریمؑ کا حضرت فاطمہؓ سے افضل ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

صحیحین میں حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے یہ ارشاد نبوی مذکور ہے کہ فاطمہؓ میرا پارہ ہے۔ احمد اور ترمذی اور حاکم نے بھی حضرت ابن الزبیر کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اس حدیث کا مقتضایہ ہے کہ تمام مردوں اور عورتوں پر حضرت فاطمہؓ کو برتری حاصل ہو جیسے کہ امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ٹکڑے کے برابر ہم کسی کو نہیں قرار دیتے لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک اس عمومی صراحت سے وہ لوگ الگ ہیں جن کی فضیلت (شرعاً) معلوم ہو چکی ہے یعنی انبیاء اور بعض صدیقین ان کے علاوہ باقی لوگ عموم میں داخل ہیں۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ یعنی اے مریم اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے نماز میں طویل قیام کیا کر۔

وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ اور جماعت کے ساتھ رکوع و سجدہ کر۔

الراکعین سے مراد ہے نمازیوں کی جماعت۔ الراکعات (رکوع کرنے والیوں کی جماعت) نہیں فرمایا (بلکہ الراکعین یعنی رکوع کرنے والوں کی جماعت فرمایا) کیونکہ (نماز میں) عورتیں مردوں کی تابع ہیں برعکس نہیں ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ یہ مذکورہ قصے غیب کی اطلاع میں ہیں۔
نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی کے لئے اپنے قلم دریا میں ڈال رہے تھے۔ یہ وحی ہونے کی تاکید اور منکرین کے ساتھ استہزائیہ کلام ہے کیونکہ علم کے تین ہی ذرائع ہیں۔ عقل یا کسی خبر کا کان سے سننا یا مشاہدہ کرنا۔ گزشتہ قصوں کا عقل سے دریافت کر لینا بداہۃً ممکن نہیں اور نہ سننا بھی تسلیم شدہ چیز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خود لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے کہ کتابوں میں پڑھ کر معلوم کر لیتے اور خبر دینے والا کوئی موجود نہ تھا رہ گیا مشاہدہ تو کوئی دانشمند اس کا گمان بھی نہیں کر سکتا (کہاں حضور ﷺ کا زمانہ اور کہاں پانسو برس پہلے مریم اور حنہ کا زمانہ) لامحالہ ایسی صحیح خبریں حضور ﷺ نے وحی سے حاصل کر کے معجزہ کے طور پر بتائیں اس سے آپ ﷺ کا یقینی طور پر نبی ہونا اور اس بیان کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔
اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وہ کر رہے تھے کہ مریمؑ کی ذمہ داری اپنے اوپر کون لے یا یہ مطلب ہے کہ وہ قرعہ اندازی یہ معلوم کرنے کے لئے کر رہے تھے کہ کون مریمؑ کی کفالت کرے۔
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اور آپ ان کے پاس اس وقت بھی نہ تھے جب وہ مریمؑ کی کفالت کیلئے باہم جھگڑا کر رہے تھے۔
اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یہ سابق اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ سے بدل ہے اور درمیان میں کلام بطور معترضہ کے قصہ اس قصہ کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے رسول اللہ ﷺ کو وحی کا ممنون کرنا اور کافروں کو ان کی جہالت و عناد پر تنبیہ کرنا۔
يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ یاد کرو کہ جب جبرئیلؑ نے مریمؑ سے کہا مریمؑ تجھے اللہ ایسے کلمہ کی بشارت دے رہا ہے جس کا نام مسیح ہوگا۔ اسمہ کی ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے کلمہ سے مراد ہیں حضرت عیسیٰؑ اسی لئے ضمیر مذکر کی ذکر کی۔ مسیح کو مسیح برکت کی وجہ سے کہا گیا جیسے دجال کو دجال نحوست کی وجہ سے۔
مسیح عبرانی زبان میں مشیحا تھا جس کا معنی ہے مبارک۔ بعض نے عیسیٰ کو مسیح کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ کی ذات سے تمام گندگیاں صاف کر دی گئیں اور آپ کو گناہوں سے پاک رکھا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے مسیح کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ آپ جس دکھی بیمار کو ہاتھ لگاتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا (مذکورہ بالا دونوں قولوں پر مسیح کا مادہ مسح ہوگا اور مسح کا معنی پونچھنا، صاف کرنا یہ پہلا قول اور چھونا ہاتھ لگانا یہ دوسرا قول ہے) بعض نے کہا آپ ہمیشہ سیاحت کرتے رہتے تھے کہیں مقیم نہیں ہوتے تھے اس لئے مسیح کہا گیا (اس صورت میں مسیح کا مادہ سیح ہوگا) قاموس میں مسیح کا ترجمہ کثیر السیاحۃ لکھا ہے (گویا سیاحت سے مسیح مبالغہ کا صیغہ ہے) ابراہیم نخعی نے فرمایا مسیح صدیق حضرت عیسیٰ تھے اور مسیح کذاب دجال تھا۔ اس وقت یہ لفظ اضداد میں سے ہوگا۔ (کذا فی القاموس) صحاح میں جوہری نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ مسیح وہ شخص ہوتا ہے جس کی ایک آنکھ مٹا دی گئی ہو اور روایت میں آیا ہے کہ دجال کی سیدھی آنکھ مٹی ہوئی ہوگی اور عیسیٰؑ کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی بائیں آنکھ مٹی ہوئی تھی ان دونوں قولوں کا مطلب یہ ہے کہ دجال کے اندر سے خصائل حمیدہ کا ازالہ کر دیا گیا تھا۔ ایمان، علم، عقل، حلم اور دوسرے محاسن سے وہ محروم تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے اندر سے بری خصلتیں بالکل نکال دی گئی تھیں۔ جہالت، حرص، حب مال، کنجوسی وغیرہ ہر بری بات سے آپ پاک تھے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لفظ مسیح کے اشتقاق کے متعلق میں نے اپنی کتاب شرح مشارق الانوار وغیرہ میں پچاس قول لکھے ہیں۔
عِيْسَى یہ لفظ معرب ہے بعض کا قول ہے کہ عبرانی زبان میں اصل لفظ ایشوع ہے جس کا معنی ہے سردار، عیسیٰ آپ کا نام اور مسیح لقب اور ابن مریم کنیت تھی۔ نام لقب اور کنیت سے زیادہ عام ہوتا ہے اس سے مسمی کا کامل امتیاز ہو جاتا ہے۔
ابْنُ مَرْيَمَ ابن مریم، ایک صفت ہے لیکن ایسی صفت ہے کہ اسماء کی طرح اپنے موصوف کو ممتاز کرتی ہے اس

لئے اسماء میں اس کا شمار کیا گیا۔ بجائے اسمہ کے اسماء ۔ نہیں فرمایا باوجودیکہ اسماء تین ذکر کئے اس لئے کہ لفظ اسم، اسم جنس ہے جس کی اضافت استغراق کے لئے کی گئی ہے۔ استغراق اگرچہ افرادی ہے لیکن استغراق افرادی کے مجموعہ پر متعدد کو محمول کرنا درست ہے جیسے آیت ما من دابۃ الا امم امثالکم میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن مریم بجائے خود خبر ہو اور ھو ضمیر مبتدا محذوف ہو۔ ابن مریم عیسیٰ کی صفت نہیں ہے کیونکہ آپ کا نام صرف عیسیٰ تھا عیسیٰ ابن مریم نہیں تھا۔

باوجودیکہ خطاب مریم کو ہے پھر بھی (ابنک کہنے کی بجائے) ابن مریم اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں ہوگا کیونکہ عام طور پر اولاد کی نسبت باپ کی طرف کی جاتی ہے ماں کی طرف صرف اسی صورت میں کی جاتی ہے کہ باپ موجود ہی نہ ہو۔

وَجِيهًا یعنی وہ باعزت، عالی مرتبہ اور باوجاہت ہوگا۔ یہ کلمہ کا حال ہے اور کلمہ نکرہ موصوف ہے اس لئے ذوالحال ہو سکتا ہے۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں نبی اور مقتدائے خلق ہونے کی وجہ سے اور آخرت میں شفیع، قوام اور جنت میں عالی مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے۔

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا یعنی اس کو قرب ذاتی اور دوامی تجلیات ذاتیہ حاصل ہوں گی۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ اور پالنے میں لوگوں سے باتیں کرے گا یعنی شیر خوارگی کی حالت میں کلام کریگا۔

وَكَهْلًا اور درمیانی عمر کی حالت میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا۔ جیسے دوسرے انبیاء کرتے ہیں یعنی اس کے کلام کے لئے اول و آخر عمر کا کوئی فرق نہیں ہوگا۔ وہ متوسط عمر کی طرح شیر خوارگی میں بھی باتیں کرے گا۔ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ سن کہولت کو پہنچنے سے پہلے اس کی وفات نہیں ہوگی۔ اور کہولت سے اس کی عمر آگے نہیں بڑھے گی۔ حسین بن فضل نے کہا یعنی آسمان سے اترنے کے بعد وہ کلام کرے گا کیونکہ آپ کو سن کہولت سے پہلے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا (اس لئے آسمان پر اٹھانے سے پہلے بحالت کہولت کلام کرنے کا احتمال نہیں)۔

مجاہد نے کہا کَهْلًا سے مراد ہے حلیم ہونا۔ عرب سن کہولت کی مدح کرتے ہیں اس عمر میں عقل میں پختگی ہدایے میں جودت اور تجربہ ہو جاتا ہے۔ کہولت سے پہلے تجربہ ناقص ہوتا ہے اور عقل بھی درجہ کمال تک نہیں پہنچتی اور کہولت کے بعد عقل میں کمزوری آجاتی ہے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ کا عطف وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ پر ہے حالت شیر خوارگی میں کلام کرنے کی صراحت میں مریم کو تسلی دینا مقصود ہے کہ بغیر شوہر کے بچہ ہونے پر جو لوگ ملامت کریں گے اس کا ازالہ یہ بچہ خود کر دے گا تم کو اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ اور وہ صالحین میں سے ہوگا اس کے دین میں کوئی نقص و بگاڑ نہیں ہوگا انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے کیونکہ مِنَ الصَّالِحِينَ کے معنی ہیں مِنَ النَّبِيِّينَ۔

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ مریم نے کہا اے رب میرے بچہ کیسے ہوگا مجھے تو کسی مرد نے نہیں چھوا، مریم نے یہ بات اظہار تعجب و حیرت کے طور پر کہی تھی یا یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ نکاح کے بعد بچہ پیدا ہوگا یا یونہی بغیر مرد کے۔

قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اللہ نے جبرئیل کی زبان سے فرمایا یونہی (بچہ ہوگا) اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا جب وہ کسی چیز کے ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ تو اس چیز کے ہونے کا حکم دے دیتا ہے بس فوراً وہ چیز ہو جاتی ہے یعنی جس طرح عادی اسباب اور مادہ کے ذریعہ ترتیب کے ساتھ اللہ چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح بغیر اسباب کے

بکرہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ اس جملہ کا عطف یخلق یا یبشرک پر ہے۔ مریم کو جب معلوم ہوا کہ بچہ یونہی بغیر مرد کے پیدا ہو گا تو ان کو فکر ہوئی اور لوگوں کی لعنت ملامت کا اندیشہ پیدا ہوا اس فکر کو دور کرنے اور ان کے دل کو تسکین دینے کے لئے فرمایا کہ اللہ اس کو لکھنا سکھائے گا، کتاب سے مراد ہے تحریر اور خط چنانچہ آپ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے خوش نویس تھے یا آسمانی کتابیں مراد ہیں یعنی اللہ ان کو آسمانی کتابوں کا علم عطا فرمائے گا من جملہ دیگر کتب کے توریت وانجیل کا خصوصی ذکر اس وجہ سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے یہ دونوں کتابیں زیادہ اہم تھیں فروع اعمال میں ان کی پابندی آپ کیلئے لازم تھی، اصول دین تو تمام آسمانی کتابوں کے ایک ہی ہیں۔

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿﴾ اور سمجھ اور توریت وانجیل (یعنی سمجھ عطا فرمائے گا اور توریت وانجیل کے علوم خصوصیت کے ساتھ عنایت کرے گا)۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ رسولاً میں تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے اور فعل محذوف ہے یعنی ہم اس کو بنی اسرائیل کے پاس عظیم الشان پیغمبر بنا کر بھیجیں گے۔

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ یہاں حرف جر محذوف ہے اور (رسولاً سے اس کا تعلق ہے یا احوال مذکورہ پر عطف ہے اور رسالت نطق کے معنی کو متضمن ہے۔ مطلب اس طرح ہو گا کہ ہم اس کو بنی اسرائیل کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجیں گے اور وہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارے پاس معجزہ لے کر آیا ہوں جو میری رسالت کو ثابت کر رہا ہے، حضرت عیسیٰ کے معجزات اگرچہ متعدد تھے مگر آپ کی صداقت تمام معجزات سے ایک ہی طرح ثابت ہوتی تھی اس لئے آیات کی جگہ بآیۃ فرمایا۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ یہ آیۃ کی صفت ہے یعنی معجزہ ایسا ہو گا، جو اللہ کا دیا ہوا ہو گا، یا جئتکم سے اس کا تعلق ہے یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آیا ہوں۔

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ کہ میں تمہارے سامنے مٹی کی ایک صورت بناؤں گا۔ خلق کا معنی ہے صورت بنانا اندازہ کرنا۔

كَهَيْـــَٔــةِ الطَّيْرِ پرندہ کی شکل جیسی، ہیئت کا معنی ہے بنائی ہوئی صورت۔

فَاَنْفُخُ فِيْهِ یعنی اس مٹی میں پھونک ماروں گا یا یہ کی ضمیر کاف کی طرف راجع ہے یعنی اس صورت میں پھونک ماروں گا جو پرندہ جیسی ہو گی۔

فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا پس وہ پرندے پرندہ ہو جائے گی، بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے صرف چمگادڑ بنائی تھی چمگادڑ کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ تخلیق (اور ساخت) کے لحاظ سے چمگادڑ سب پرندوں سے زیادہ کامل ہے اس کے پستان بھی ہوتے ہیں اور دانت بھی اور اس کو حیض بھی آتا ہے (گویا چوپایہ سے زیادہ مشابہ ہے) وہب نے بیان کیا وہ پرندہ جب تک لوگوں کی نظروں کے سامنے ہوتا تھا اڑتا رہتا تھا اور آنکھوں سے غائب ہوتے ہی گر کر مر جاتا تھا، ایسا صرف اس لئے ہوتا تھا کہ براہ راست خدائی تخلیق اور بندہ کی وساطت سے تخلیق میں فرق واضح ہو جائے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ اللہ کی اجازت یعنی اللہ کے حکم سے، اس لفظ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عطاء زندگی میری طرف سے نہیں ہو گی بلکہ اللہ کی طرف سے ہو گی۔

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ اکمہ کا معنی ہے نابینا (حسن وسدی) یا وہ شخص جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی ہوں (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) یا وہ شخص جس کی نظر کمزور ہو اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہوں (عکرمہ) یا وہ شخص جس کو دن میں دکھتا ہو رات کو نظر نہ آتا ہو (مجاہد)۔

وَالْاَبْرَصَ اور میں تندرست کر دوں گا اندھے کو اور سفید داغ والے کو، یہ دونوں بیماریاں لاعلاج ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لئے آپ نے لوگوں کو یہی معجزہ دکھایا جیسے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بہت شور تھا اس لئے آپ نے ہر ماہر جادوگر کو عاجز کر کے دکھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کلام کی بلاغت و فصاحت کا بڑا چرچا تھا اس لئے قرآن نے ان کو بلاغت میں زیر کر دیا اور حکم دیا فاتو بسورۃ من مثلہ۔

وہب بن منبہؒ نے بیان کیا کہ ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض حضرت کے پاس جمع ہو جاتے تھے جو خود آسکتا تھا آ جاتا تھا جو نہیں آسکتا تھا آپ اس کے پاس چلے جاتے تھے اور بیماروں، اپاہجوں اور اندھوں کیلئے ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔[1]

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اِلٰهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَاِلٰهُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا اِلٰهَ فِيْهِمَا غَيْرُكَ وَاَنْتَ جَبَّارُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَجَبَّارُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا جَبَّارَ فِيْهِمَا غَيْرُكَ وَاَنْتَ مَلِكُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَلِكُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا مَلِكَ فِيْهِمَا غَيْرُكَ قُدْرَتُكَ فِي الْاَرْضِ كَقُدْرَتِكَ فِي السَّمَاءِ سُلْطَانُكَ فِي الْاَرْضِ كَسُلْطَانِكَ فِي السَّمَاءِ اَسْاَلُكَ بِاسْمِكَ الْكَرِيْمِ وَوَجْهِكَ الْمُنِيْرِ وَمُلْكِكَ الْقَدِيْمِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

وہب نے لکھا یہ دعا خفقان اور جنون کے لئے ہے مجنون اور خفقانی پر یہ دعا پڑھ کر دم کی جائے اور لکھ کر پانی سے دھو کر پلائی جائے، انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔

وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ اور اللہ کے حکم سے میں مردوں کو زندہ کروں گا، مردوں کو زندہ کرنا بشری فعل کی جنس سے خارج ہے، تو وہم الوہیت کو دور کرنے کے لئے آپ نے مکرر باذن اللہ فرمایا، بغویؒ نے لکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا، عاذر، ایک بوڑھیا کا بیٹا، عاشر کی بیٹی، سام بن نوح۔ عاذر آپ کا دوست تھا مرنے لگا تو اس کی بہن نے حضرت کے پاس پیام بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے، دور میانی مسافت تین روز کا سفر چاہتی تھی آپ اپنے ساتھیوں سمیت پہنچے تو عاذر کو مرے تین دن ہو گئے تھے حضرت نے اس کی بہن سے فرمایا مجھے اس کی قبر پر لے چل عاذر کی بہن قبر پر لے گئی آپ نے اللہ سے دعا کی عاذر اٹھ کھڑا ہوا اس کے بدن سے روغن ٹپک رہا تھا پھر قبر سے نکل آیا اور مدت تک زندہ رہا اس کے اولاد بھی ہوئی۔

ایک بڑھیا کے بیٹے کا جنازہ چارپائی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے گزرا، آپ نے دعا کی وہ فوراً چارپائی پر اٹھ بیٹھا لوگوں کے کندھوں سے نیچے اتر آیا اور کپڑے پہن کر چارپائی اپنی گردن پر اٹھا کر لوٹ کر گھر پہنچ گیا وہ بھی بعد کو زندہ رہا اور اس کے بھی بچے ہوئے، ایک شخص عاشر یعنی محصل ٹیکس تھا۔ اس کی بیٹی ایک روز پہلے مر گئی حضرت نے دوسرے روز اللہ سے دعا کی اللہ نے اس کو زندہ کر دیا وہ بھی بعد کو زندہ رہی اور اس کے بھی بچے پیدا ہوئے، سام بن نوح کی قبر پر آپ خود گئے اور اللہ کا اسم اعظم لے کر صاحب قبر کو پکارا سام قبر سے نکل آیا قیامت برپا ہونے کے اندیشہ سے اس کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا اس زمانہ میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے، سام نے کہا کیا قیامت برپا ہو گئی، حضرت عیسیٰ نے فرمایا نہیں، میں نے تم کو اللہ کا اسم اعظم لے کر پکارا تھا پھر آپ نے فرمایا اب مر جاؤ، سام نے کہا اس شرط پر (مرنے کو تیار ہوں) کہ اللہ موت کی تلخی سے محفوظ رکھے آپ نے اللہ سے دعا کی اور دعا قبول ہوئی۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو میں تم کو بتا دوں گا، چنانچہ آپ مدت کی کھائی چیز اور دن میں جو کچھ کھایا جاتا تھا اور شام کے لئے جو کچھ بچا کر رکھا جاتا تھا سب کی تفصیل بتا دیتے تھے۔

سدی نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ مکتب میں جا کر بچوں کو بتا دیتے کہ تمہارے باپوں نے یہ یہ بتلایا ہے کہ کسی بچہ سے

[1] حضرت عیسیٰ کی زبان عبرانی یا سریانی تھی عربی نہ تھی اور یہ دعا عربی ہے اس لئے شاید وہب کی مراد یہ ہے کہ ان عربی الفاظ کے ہم معنی الفاظ میں حضرت عیسیٰ دعا کرتے تھے واللہ اعلم۔

فرماتے جاتے تم نے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی اور فلاں فلاں چیز اٹھا کر رکھ دی ہے بچے گھر جا کر روتے آخر گھر والے وہ چیز اس کو دے دیتے اور پوچھتے تجھے کس نے بتادیا، بچہ کہتا عیسیٰؑ نے۔ غرض گھر والوں نے اپنے بچوں کو عیسیٰؑ سے ملنے کی ممانعت کر دی اور کہہ دیا کہ اس جادوگر سے ہرگز نہ ملنا۔

ایک بار سب بچوں کو ایک گھر میں جمع کر لیا، حضرت ڈھونڈتے ہوئے تشریف لائے اور بچوں کو دریافت فرمایا لوگوں نے کہا بچے یہاں نہیں ہیں، فرمایا اس گھر میں کیا ہے لوگوں نے کہا سور ہیں فرمایا ایسے ہی ہو جائیں گے لوگوں نے گھر کھولا تو سب سور برآمد ہوئے یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا، آپ کی والدہ کو جب آپ کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا تو اپنے گدھوں پر سوار کر کے مصر کو لے کر بھاگ گئیں۔

قتادہ نے کہا یہ واقعہ مائدہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل جہاں بھی ہوتے من وسلوی کی طرح خوان نازل ہوتا لیکن حکم یہ تھا کہ خیانت نہ کریں اور چھپا کر نہ رکھیں۔ مگر بنی اسرائیل نے کچھ چھپا کر رکھ، آپ ان کو بتا دیتے کہ تم نے کتنا کھایا اور کتنا بچا کر رکھا آخر اللہ نے ان کی صورتیں بگاڑ کر سوروں جیسی کر دیں۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۝ مذکورہ معجزات میں عیسیٰؑ کے دعوۂ نبوت کی سچائی کی تمہاری ہدایت یابی کے لئے بڑی دلیل ہے اگر تم کو ایمان کی توفیق ہے تو ایمان لاؤ۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ اس کا عطف رسولاً پر ہے یا فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے یعنی میں تمہارے پاس ایسی حالت میں آیا ہوں کہ اپنے سے پہلی توریت کی تصدیق کرتا ہوں۔ انبیاء کی شان یہی ہوتی ہے کہ ہر پیغمبر دوسرے پیغمبر کی اور تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اور میں اس لئے آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں حلال کر دوں یعنی بعض چربیاں اور گوشت جو تمہارے لئے توریت نے حرام کر دی تھیں ان کی حرمت کو منسوخ کر دوں، بعض احکام کا نسخ تصدیق کے منافی نہیں جیسے قرآن کے بعض احکام بعض کے ناسخ ہیں (باوجودیکہ احکام ناسخ احکام منسوخ کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ نسخ کا معنی ہی یہ ہے کہ پچھلا حکم اگرچہ صحیح تھا لیکن وقتی اور ایک مدت خاص کے لئے تھا اب وہ وقت نہیں رہا لہٰذا وہ حکم بھی نہیں رہا)۔

وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ اور میں تمہارے پاس ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے لیکن وہاں آیت سے مراد تھے معجزات اور یہاں آیت سے مراد ہے انجیل کی آیات، لہٰذا تکرار نہیں ہوئی، یہ بھی جائز ہے کہ تاکید کے لئے تکرار ہی قرار دی جائے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ پس اللہ کے عذاب سے ڈرو، جو میری مخالفت اور تکذیب کی وجہ سے آجائے گا۔

وَأَطِيعُونِ۝ اور اللہ کی توحید واطاعت کا جو حکم میں تم کو دے رہا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ میں جو مضمون مجمل تھا یہ اس کی تفصیل ہے اور اس میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں کے استکمال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صحیح اعتقاد جس کا بنیادی پتھر توحید ہے قوت نظریہ کا استکمال کرتا ہے۔ اس کا بیان اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ سے کر دیا اور مامورات ومنہیات کی پابندی سے قوت عملیہ کامل ہوتی ہے، اس کا تذکرہ فَاعْبُدُوْهُ سے فرما دیا۔ پھر پہلے اللہ کو اپنا رب قرار دیا اور اپنی عبدیت کا اقرار کیا تاکہ آئندہ ہونے والے فتنہ کا دروازہ بند ہو جائے کہیں لوگ آپ کو اللہ کا بیٹا یا تین میں کا تیسرا اللہ نہ کہنے لگیں۔ آخر میں دونوں جملوں کے مضمون کو پختہ کرنے کے لئے فرمایا۔

هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ۝ یہی سیدھا راستہ ہے یعنی اقرار توحید اور عبادت (تعمیل اوامر و نواہی) دونوں کو جمع رکھنا ہی سیدھا راستہ ہے۔ جس کا صحیح ہونا ثابت ہے یہی مطلب ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا قل آمنت باللہ ثم

استقم۔ ایک شخص نے عرض کیا تھا کہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ نہ پوچھنا پڑے اس کے جواب میں حضور ﷺ نے مذکورہ بالا جملہ فرمایا تھا۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ لَمَّا ظرف زمان ہے مگر اس میں شرط کا معنی ہے اور جزا مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ہے۔ یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے اپنی تکذیب اور کفریہ کلمات سنے جیسے عزیز کو اللہ کا بیٹا قرار دینا اور ایسی حرکتیں دیکھیں جن سے کفر مترشح ہو رہا تھا، اس جملہ میں کچھ الفاظ محذوف ہیں، اختصار کلام کے پیش نظر ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا کہ مریم سے عیسیٰ پیدا ہوئے اور اپنی قوم سے شیر خوارگی کے زمانہ میں کلام کیا اور حد کمال کو پہنچ گئے، یہاں تک کہ آسمانی کتابوں کے عالم اور نبی ہو گئے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اور معجزات مذکورہ پیش کئے اور بنی اسرائیل نے آپ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور کفریہ حرکات کا ان سے ظہور ہوا پس جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے ایسی باتیں سنیں اور ایسی حرکات دیکھیں اور کفریہ حالات محسوس کئے تو کہا

قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ الی اللہ میں الیٰ بامع کے معنی میں ہے یعنی اللہ کے ساتھ مل کر میری مدد کرنے والے کون کون ہیں، جیسے دوسری آیت میں آیا ہے ولا تاکلوا اموالہم الی اموالکم ان کا مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔ یا الیٰ بمعنی فی ہے یعنی اللہ کی راہ میں میرے مددگار کون ہیں۔ یا بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے واسطے میری مدد کرنے والے کون ہیں۔ یا الیٰ کا استعمال اپنے اصلی معنی پر ہے یعنی نسبت و اضافت، نصرت میں اضافت کا مفہوم ہوتا ہے اس وقت مطلب اس طرح ہوگا کہ میری مدد، میں اللہ کے ساتھ اپنے نفسوں کو ملا دینے والے کون لوگ ہیں، ان تمام صورتوں میں الیٰ کا تعلق انصاری سے ہوگا۔ لیکن اگر کسی محذوف فعل سے تعلق قرار دیا جائے تب بھی جائز ہے اور مطلب اس طرح ہوگا کہ اللہ کی جانب جاتے ہوئے اس کے گروہ میں شامل ہوتے ہوئے اس کی پناہ لینے کے لئے کون میرا مددگار ہے۔

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ حواری کہنے لگے، حواری خالص دوست۔ یہ لفظ حور سے بنا ہے، حور کا معنی ہے خالص سفیدی، رسول اللہ ﷺ نے جب غزوۂ خندق کے دن تین بار لوگوں کو پکارا اور ہر بار حضرت زبیر بن عوام نے ہی جواب دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ متفق علیہ۔

قاموس میں ہے، حواری مددگار یا پیغمبروں کا مددگار اور دھوبی اور گہرا دوست۔ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کو حواری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نیتیں دینی امور میں خالص تھیں یا اس وجہ سے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مددگار تھے۔ حسن اور سفیان کا یہی قول ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہودیوں میں سے چند شاہزادے تھے جن سے حضرت عیسیٰ مدد کے خواستگار ہوئے تھے، چونکہ وہ سفید لباس پہنتے تھے اس لئے ان کو حواری کہا گیا۔ ابن جریر نے ابو رطاۃ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ دھوبی تھے لوگوں کے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے، ضحاک نے کہا ان کے دل صاف یعنی گناہوں سے پاک تھے اس لئے ان کو حواری کہا گیا۔ ابن مبارک نے کہا ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور نمایاں تھا اس لئے حواری کہا گیا۔ حور کا اصل معنی ہے خوب سفیدی۔ کلبی اور عکرمہ نے کہا حواری کچھ برگزیدہ اشخاص تھے جن کی تعداد بارہ تھی۔ روح بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے قتادہ سے حواریوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا حواری وہ لوگ تھے جو خلافت (انبیاء) کے اہل تھے۔ دوسرے قول میں قتادہ نے حواریوں کی تعبیر وزراء سے کی ہے۔ مجاہد اور سدی نے کہا وہ ماہی گیر تھے کسی نے ملاح بھی کہا ہے۔

نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔

آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور اے عیسیٰ جس روز انبیاء اپنی امتوں کی موافقت یا مخالفت کی شہادت دیں گے آپ ہمارے فرماں بردار ہونے کی گواہی دیں، یہ آیت بتا رہی ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے (کیونکہ پہلے حواریوں نے ایمان کا اظہار کیا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے اسلام کی شہادت کے خواستگار ہوئے معلوم ہوا ہے کہ ایمان و اسلام سے ان کی مراد ایک ہی تھی)۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنۡزَلۡتَ اے ہمارے رب تو نے جو کتابیں نازل کیں انجیل، توراۃ وغیرہ ہم ان پر ایمان لائے۔

وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ اور جو کچھ تیرے پیغمبر یعنی عیسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہم اس پر چلے۔

فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ۞ پس تو ہم کو ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دے جنہوں نے تیری وحدانیت اور تیرے انبیاء کی صداقت کی شہادت دی ہے۔ عطاء کے نزدیک اَلشّٰہِدِیۡنَ سے مراد ہیں انبیاء کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا شاہد ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلشّٰہِدِیۡنَ یعنی محمد ﷺ اور آپ کی امت کیونکہ امت محمد ﷺ یہ (قیامت کے دن) انبیاء کی رسالت و تبلیغ کی شہادت دے گی۔

وَمَكَرُوۡا اور جن لوگوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ نے کفر کا احساس کیا تھا انہوں نے فریب کیا کہ حضرت کو (خفیہ) قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ کلبی نے بوساطت ابوصالح حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت حضرت عیسیٰ کے سامنے آئی آپ کو دیکھ کر کہنے لگے جادوگر جادوگرنی کا بیٹا آگیا۔ آپ پر بھی تہمت نکالی اور آپ کی والدہ پر بھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور ان کو بددعا دی۔ فوراً اللہ نے ان کو سور بنا دیا، یہودیوں کا سردار یہودا تھا اس نے جو یہ بات دیکھی تو گھبرا گیا اور آپ کی بددعا سے ڈر گیا آخر تمام یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالنے پر متفق ہوگئے اور قتل کرنے کے ارادے سے حضرت کی طرف بڑھے لیکن اللہ نے جبرئیل کو بھیج دیا جبرئیل نے آپ کو چھت کے روزن میں داخل کر دیا پھر وہاں سے اللہ نے آپ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ سردار یہود یعنی یہودا نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جس کا نام طیطیانوس تھا کمرہ کی کے اندر بھیجا تاکہ اندر جا کر حضرت کو قتل کر دے، اللہ نے اس کی شکل حضرت عیسیٰ جیسی بنا دی لوگوں نے اسی کو عیسیٰ (علیہ السلام) سمجھ کر قتل کر دیا۔ آیت

وَمَكَرَ اللّٰهُ کا یہی معنی ہے (یعنی اللہ نے عیسیٰ کو بچانے اور قتل کے ارادے سے آنے والے کو قتل کرنے کی خفیہ تدبیر کی) مکر اصل میں کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو کہتے ہیں (ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف اس کی نسبت حقیقتاً نہیں کی جا سکتی) بر سبیل تقابل اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے (جیسے اس جگہ مکروا کے مقابل مکر اللہ آیا ہے)۔

زجاج نے کہا مکر خدا کا معنی ہے کافروں کے مکر کی سزا دینا جزاء کو مکر مقابلہ کی وجہ سے فرمایا۔

وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ۞ یعنی اللہ ایسے راستوں سے ضرر پہنچانے پر سب سے زیادہ قدرت اور قابو رکھتا ہے جو گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ ع ۵ ۱۳

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ یہ مکر اللہ سے متعلق ہے یا فعل محذوف سے یعنی یہ اس وقت واقع ہوا جب اللہ نے فرمایا۔

يٰعِيۡسٰۤى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے مقام عزت اور قرارگاہ ملائکہ کی طرف تجھے اٹھا کر لے جاؤں گا۔ حسن کلبی اور ابن جریج نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں تجھے پکڑ لوں گا اور بغیر موت کے دنیا سے اٹھا کر اپنے پاس لے جاؤں گا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت کا معنی دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

ا۔ میں پورا پورا تجھے اٹھا کر اپنے پاس بلا لوں گا وہ تجھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ محاورہ میں تَوَفَّيۡتُ کا معنی اِسۡتَوۡفَيۡتُ (پورا پورا لے لینا) آتا ہے۔ ۲۔ میں تجھے اپنی سپردگی میں لے لوں گا۔ تَوَفَّيۡتُ مِنۡهُ كَذَا (میں نے اس کو خود لے لیا، اپنی سپردگی میں لے لیا وصول کر لیا) یعنی تَسَلَّمۡتُهٗ۔

ابن جریر نے ربیع بن انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ موتی سے مراد ہے نیند، جیسے دوسری آیت میں آیا ہے هُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰكُمۡ بِالَّيۡلِ اللہ وہی ہے جو تم کو رات کو سلاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کو نیند آگئی تھی اور سوتے میں اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا، اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میں تم کو سلا دوں گا اور سوتے میں اٹھا کر اپنے پاس بلا لوں گا۔ بعض علماء نے کہا کہ توفی سے مراد موت ہی ہے، علی بن ابی طلحہؓ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ کا معنی ہے اِنِّىۡ مُمِيۡتُكَ۔ بغوی نے لکھا ہے اس صورت میں آیت کا معنی دو طرح ہوگا۔

وہب کا قول ہے کہ دن میں تین ساعت کے لیے اللہ نے عیسیٰ کو موت دی پھر اپنی طرف اٹھالیا، محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عیسائی کہتے ہیں اللہ نے دن میں سات گھنٹے عیسیٰ کو میت رکھا پھر زندہ کر کے اٹھا لیا، ابن جریر نے وہب بن منبہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ضحاک نے کہا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے اترنے کے بعد یہودیوں کے قتل سے محفوظ رکھ کر مدت زندگی پوری کر کے میں تم کو وفات دوں گا اور اس سے پہلے تم کو اپنے پاس اٹھالوں گا۔ وَرَافِعُكَ میں واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے (کیونکہ وقوع میں رفع پہلے ہوا اور وفات بعد کو ہوگی) بلکہ صرف دونوں کاموں کے ہونے کے لئے ہے۔ آیت کی یہ تفسیر دوسری آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت عیسیٰ کی توفی کے بعد عیسائی بنے اور یہ امر مسلم ہے کہ آپ کے رفع کے بعد لوگوں نے عیسائیت قبول کی تھی لہٰذا توفی سے مراد یا تو آسمان پر اٹھایا جانا ہے یا اٹھائے جانے سے پہلے وفات ہونا ہے، میرے نزدیک ظاہر اول صورت ہے۔ یعنی توفی سے مراد بغیر موت کے آسمان پر اٹھانا ہے کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے، وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ صلیب دی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اٹھائے جانے سے پہلے عیسیٰ کی موت کی نفی تسلیم نہ کی جائے تو نفی قتل کی صراحت سے کیا فائدہ، قتل کا نتیجہ بھی تو موت ہی ہے (بلکہ قتل شہادت مزید اجر کی موجب ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عنقریب ابن مریم حاکم عادل ہو کر تمہارے اندر اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ساقط کر دیں گے، اور مال کو بہائیں گے کہ کوئی قبول بھی نہیں کرے گا۔ انتہا یہ ہوگی کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے فرمایا اگر تم (اس کی تصدیق) چاہتے ہو تو پڑھو وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الآیۃ، (متفق علیہ) بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں حضور اقدس ﷺ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت جب (عیسیٰ) ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا، مسلم کی ایک روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی ان پر سوار ہو کر دوڑ نہیں کی جائے گی، آپس کی دشمنی بغض اور حسد جاتا رہے گا، لوگوں کو مال لینے کے لئے بلایا جائے گا لیکن کوئی قبول نہیں کرے گا۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق فرمایا ان کے زمانہ میں تمام مذاہب سوائے اسلام کے مردہ ہو جائیں گے اور دجال بھی ہلاک ہو جائیں گے آپ زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر آپ کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان آپ کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عیسیٰ بن مریم زمین پر اتریں گے، نکاح کریں گے، ان کے اولاد ہوگی، پینتالیس سال رہیں گے، پھر آپ کی وفات ہو جائے گی اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن کئے جائیں گے، میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک ہی قبر میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان رہیں گے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت کے دن تک غالب رہے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر عیسیٰ بن مریم اتریں گے۔ مسلمانوں کا امیر کہے گا آئیے ہم کو نماز پڑھائیے، عیسیٰ فرمائیں گے نہیں، تم ہی میں سے بعض بعض کے سردار ہیں۔ حضرت عیسیٰ یہ بات صرف اس لئے کہیں گے کہ اللہ نے اس امت کو عزت عطا فرمائی ہے، مسلم۔ حدیث معراج میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو دوسرے آسمان پر دیکھا تھا بخاری و مسلم۔

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافروں کے ساتھ رہنے کی برائی سے تم کو پاک کردوں گا (یعنی ان کافروں سے الگ رکھوں گا)۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور جن لوگوں نے تمہاری

پیروی کی ان کو کافروں پر قیامت تک فوقیت عطا کروں گا۔ یعنی تمہاری پیروی کرنے والے دلائل اور اکثر اوقات میں اقتدار کے اعتبار سے (بھی) کافروں پر غالب رہیں گے۔ آپ کے متبع حواری تھے پھر وہ اسرائیلی بھی تھے جو آپ کے دین پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے اور بعثت کے بعد مسلمان بھی آپ ہی کے دین پر ہیں کیونکہ مسلمانوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کے دین توحید کو قبول کیا اور آپ نے جو رسول اللہ ﷺ کے اتباع کی وصیت کی تھی، جس کا ذکر آیت و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں آیا ہے۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ متبعین سے مراد ہیں نصاریٰ۔ نصاریٰ یہودیوں پر غالب رہیں گے اب تک کبھی عیسائیوں پر یہودیوں کا غلبہ نہیں سنا گیا۔ یہودیوں کی حکومت دنیا سے ختم ہو گئی نہ ان کا ملک رہا نہ سلطنت۔ بنی اسرائیل کی ساری سلطنت اور حکومت نصاریٰ کو پہنچ گئی۔ اس قول پر اتباع سے مراد اتباع دین نہ ہو گا (کیونکہ موجودہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے اصل دین پر نہیں ہیں) بلکہ صرف محبت واتباع کا دعویٰ مراد ہو گا۔

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے متبعین اور منکرین سب کو ہے یعنی تم سب کی واپسی آخر میری ہی جانب ہو گی۔

فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝ اور دین کے معاملہ میں جو تمہارا آپس کا اختلاف ہے اس کا فیصلہ کر دوں گا اس فیصلہ کی تفصیل یہ ہے کہ۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ٘ پس جن لوگوں نے کفر کیا ہو گا ان کو دنیا میں سخت عذاب دوں گا۔ یعنی قتل، قید، جزیہ اور ذلت کا عذاب دنیا میں دوں گا اور آخرت میں دوزخ کا عذاب۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۝ اور ان کا کوئی حامی نہیں ہو گا جو ہمارے عذاب سے ان کو بچا سکے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔

فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ تو اللہ ان کی نیکیوں کا عوض ان کو پورا پورا دے گا۔

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۝ اور اللہ ظالموں کو یعنی کافروں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان پر رحم نہیں کرے گا اور جب رحم نہیں کرے گا تو ان کے کفر کے موافق عذاب دے گا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں شکم مریم میں استقرار عیسیٰ ہوا اور سرزمین بابل پر سکندر کے حملہ کو ۶۵ سال گزرے تھے کہ آپ کی پیدائش ہوئی اور آغاز وحی کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی اور جب آپ ۳۳ سال کے ہوئے تو شب قدر ماہ رمضان میں بیت المقدس سے (آسمان پر) اللہ نے آپ کو اٹھا لیا گویا اٹھانے کے وقت تک آپ کی نبوت کو تین سال گزرے تھے آپ کے بعد حضرت مریم چھ سال زندہ رہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ہم شکل مسیح کو جب قتل کر دیا گیا اور صلیب پر لٹکا دیا گیا تو حضرت مریم علیہا السلام اور ایک اور عورت جس کے جنون کو اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کی دعا سے دور کر دیا تھا روتی ہوئی صلیب پر لٹکی ہوئی نعش کے پاس پہنچیں۔ اچانک حضرت عیسیٰؑ نے (نمودار ہو کر) ان سے کہا تم کیوں روتی ہو اللہ نے مجھے اٹھا لیا اور سوائے بھلائی کے مجھے اس نے کوئی دکھ نہیں دیا، باقی یہ صلیب کشیدہ شخص تو میرا ہم شکل ہے اللہ نے اس کی نظر میں اس کو میری شکل کا کر دیا ہے (یہ کہہ کر عیسیٰؑ غائب ہو گئے) پھر سات روز کے بعد اللہ نے عیسیٰ کو حکم دیا کہ مریم کے پاس پہاڑ پر جا کر اترو وہ سوگوار ہے مریم کی طرح نہ کوئی رویا، نہ اس کی برابر کسی کو غم ہوا وہاں جا کر حواریوں کو جمع کرنا اور اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے ملک میں پھیلا دینا۔ حسب حکم حضرت عیسیٰؑ پہاڑ پر نازل ہوئے آپ کے نزول کے وقت پہاڑ بقعہ نور بن گیا حواری آکر آپ کے پاس جمع ہوئے آپ نے دین کی دعوت دینے کے لئے ان کو ملک میں پھیلا دیا اس کے بعد اللہ نے آپ کو اٹھا لیا صبح ہوئی تو جس جس حواری کو جس جس کی ہدایت کے لئے حضرت عیسیٰؑ نے مقرر فرمایا تھا اس حواری نے اسی کی زبان میں گفتگو کی۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ یعنی یہ عیسیٰ، مریمؑ اور حواریوں کے واقعات جو ہم تم کو پڑھ کر سنارہے ہیں ان معجزات میں سے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان واقعات سے واقف نہ تھے اس کے باوجود اس طور پر بیان فرمایا جیسے بنی اسرائیل کے علماء جانتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اطلاع آپ کو اللہ کی طرف سے دی گئی اور آپ ضرور خدا کے رسول تھے یا معجزات سے قرآن کی آیات مراد ہیں۔

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اور پر حکمت قرآن سے ہیں۔ مقاتل نے حکیم کا ترجمہ کیا ہے محکم جو باطل (کی آمیزش) سے محفوظ ہے بعض کے نزدیک الذکر الحکیم سے لوح محفوظ مراد ہے۔ لوح محفوظ سفید موتی کی تختی لمبی تختی ہے جیسے زمین سے آسمان تک درمیانی خلا یہ عرش سے آویزاں ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ دونوں جگہ مثل کا معنی ہے عجیب حالت یعنی اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی عجیب حالت آدم کی عجیب حالت کی طرح ہے۔ وجہ مشابہت یہ ہے کہ

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ اللہ نے آدم کو مٹی سے بنایا۔

ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ پھر اس کالبد سے کہا زندہ آدمی ہو جا۔

فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ فوراً وہ ہو گیا یہ گذشتہ حال کی حکایت ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ آدم کو مٹی سے بنانے کا اندازہ کیا اور اندازہ شکل کو موجود ہو جانے کا حکم دیا تو وہ موجود ہو گیا (ثم تاخیر زمانی کے لئے مستعمل ہے لیکن) یہاں واقعہ کی تاخیر مدت مراد نہیں ہے بلکہ ایک بیان کی دوسرے بیان سے تاخیر مراد ہے۔ یعنی اول آدم کا مٹی سے پیدا کرنا بیان کیا پھر پیدا کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ حکم دیا بس وہ پیدا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ آدم کے ماں باپ نہیں تھے نہ پیٹ میں رہنے اور دودھ پینے اور دودھ چھوڑنے کی نوبت آئی۔ عیسیٰ کی پیدائش کی حالت بھی کو عجیب ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے مگر آدم کی پیدائش کی حالت اس سے بھی زیادہ عجیب ہوئی کہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ تعجب انگیز ہونے میں دونوں کی پیدائش کی حالت مشترک ہے مگر ایک میں عجب انگیزی کم ہے اور دوسری میں زیادہ۔ کم عجیب کو زیادہ عجیب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عمومی ضابطہ تولید کی خلاف ورزی دونوں جگہ ہے لیکن ایک میں کم اور دوسری میں زیادہ۔ اس طرز بیان سے مادۂ خصومت ہی کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور نزاع پیدا کرنے والے شبہ کا استیصال ہو جاتا ہے۔

اس آیت کا نزول نجران کے عیسائی نمائندوں کے حق میں ہوا تھا۔ نجران کے نمائندوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا آپ ہمارے آقا کو کیوں گالی دیتے ہو حضور ﷺ نے پوچھا میں کیا کہتا ہوں۔ بولے آپ ان کو بندہ کہتے ہیں فرمایا بے شک وہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول اور اللہ کا کلمہ (یعنی صرف حکم) تھے جو عذراء بتول کے شکم میں اللہ نے ڈال دیا تھا۔ یہ سن کر اہل وفد کو غصہ آگیا اور کہنے لگے کیا آپ نے کوئی آدمی ایسا دیکھا ہے جو بن باپ کے پیدا ہوا ہو اس گفتگو کے بعد اللہ نے وفد نجران کو جواب دینے اور خاموش کر دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حسنؒ بصری کا قول بیان کیا ہے کہ نجران کے دو راہب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک نے پوچھا عیسیٰ کا باپ کون تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ اللہ کا حکم آنے سے پہلے آپ فوراً ہی جواب نہیں دیا کرتے تھے اس پر آیت ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ سے مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ تک نازل ہوئی (اور دونوں راہب لاجواب ہو گئے) کیونکہ بغیر ماں باپ کے آدم کے مٹی سے پیدا ہونے کا ان کو بھی اقرار تھا۔ وہ عیسائی بھی کس قدر جاہل تھے کہ یہ تو پوچھا کہ کیا کوئی انسان بن باپ کے پیدا ہوتے آپ نے دیکھا ہے اور خود یہ نہ سوچا کہ انہوں نے بھی کسی بکری کا بچہ آدمی کو یا آدمی کا بچہ بکری کو دیکھا ہے حالانکہ دونوں میں حیوانی جنس کا اشتراک ہے۔ اختلاف ہے تو صرف نوعیت کا پھر (جنسی تباین بلکہ ہر طرح کے اختلاف کے باوجود) انہوں نے کیسے فیصلہ کر لیا کہ وہ اللہ جو ایک اور ہر چیز سے بے نیاز اور قدیم ہے اور اس کی مثل کوئی بھی نہیں ہے وہ عیسیٰ کا باپ ہو گیا حالانکہ عیسیٰ ایک مخلوق جسم رکھتا تھا جو

حادث تھا، کھانا کھاتا اور سوتا بھی تھا اور اس کو موت بھی آئے گی۔ لا رب اللہ نہ کسی کا والد ہے نہ مولود نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

...... فائدہ ......

اس آیت سے قیاس کا شرعی حجت ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ تحقیق آدم پر قیاس کرتے ہوئے عیسیٰ کی بن باپ کے پیدائش کے جواز پر اللہ نے استدلال کیا ہے (پس مسلمانوں کا وہ گروہ جو صرف قرآن، سنت اور اجماع کو احکام کی علت قرار دیتا ہے اور قیاس کو دلیل حکم نہیں مانتا اس آیت سے اس کے قول کی تردید مستفاد ہوتی ہے)۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ   یہ حق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے یا تمہارے رب کے پاس سے یہ حق آچکا۔

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝   پس اے انکار کرنے والے مخاطب تو عیسیٰ کے معاملہ میں شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جیسے کہ یہودی شک میں پڑ گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عیسیٰ کی والدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور عیسائی شک میں پڑ گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ   من شرطیہ ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے یعنی جب عیسائی مناظرہ سے عاجز ہو گئے تو اب عیسیٰ کے معاملہ میں یا اس حق بات میں کون آپ سے مناظرہ کر سکتا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ   یعنی اس علم کے آجانے کے بعد کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جو شخص بھی تم سے عیسیٰ کے متعلق مناظرہ کرے۔ علم حاصل ہو جانے کی شرط جو مباہلہ کے لئے بیان کی اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ جب تک کسی بات کا پورا یقین نہ ہو گیا ہو مسلمان کے لئے اس میں مباہلہ کرنا جائز نہیں۔

فَقُلْ تَعَالَوْا   تو اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ پختہ رائے اور عزم کے ساتھ آؤ۔ تعالوا جمع مذکر حاضر باب تفاعل مادہ ہے علو، فراء نے اس کا ترجمہ کیا اوپر آؤ۔ میں کہتا ہوں گویا مخاطب سے کہتا ہے کہ اونچی جگہ پر چڑھ کر دیکھو جو چیز تم کو نیچے سے نہیں دکھائی دیتی وہ اوپر سے دکھ جائے گی۔ بطور استعارہ اس سے مراد ہوتا ہے کہ جو چیز تم سے مخفی ہے اس پر غور اور توجہ کرو۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ پختہ رائے اور عزم کے ساتھ آؤ۔ کبھی اس لفظ کا استعمال ایسے مقام کی طرف بلانے کے لئے بھی ہوتا ہے جو بلانے والے کے قریب ہو (یعنی میرے پاس آؤ)۔

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ   یہ امر کا جواب ہے اسی لئے ندع پر جزم ہے (یعنی واو حذف کر دیا گیا ہے) مراد یہ ہے کہ ہم تم یعنی ہر ایک اپنی ذات کو اور اپنے عزیز ترین لوگوں کو بلا کر اپنے ساتھ ملا لیں تاکہ جھوٹے پر جو عذاب نازل ہو وہ اس کے متعلقین پر بھی نازل ہو اور اس کے عزیز ترین بیوی بچوں پر بھی۔ ابناء و نساء کا ذکر انفس سے پہلے اس لئے کیا کہ آدمی انہی کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا اور ان کو بچاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بلانے والے میں اور جس کو بلایا جائے ان میں غیریت ہونی چاہئے۔ بیوی بچے واقع میں شخصیت کے لحاظ سے آدمی کی ذات سے الگ ہوتے ہیں اور آدمی کی اپنے نفس سے مغایرت صرف فرضی ہوتی ہے لہٰذا حقیقی مغایرت والی ہستیوں کو پہلے ذکر کیا اور پھر فرضی غیریت والی ہستی یعنی اپنی ذات کو ذکر کیا۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلایا پھر کہا اے اللہ یہ ہی میرے اہل بیت ہیں۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ   پھر ہم زاری کریں۔ ابتہال اگرچہ باب افتعال ہے لیکن باب تفاعل کے معنی میں ہے۔ باب تفاعل کو چھوڑ کر باب افتعال کو اس لئے اختیار کیا کہ (باب افتعال کی خاصیت ہے کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنا اور لے لینا اور) یہاں مقصود یہ ہے کہ اگر جھوٹا ہو تو لعنت کو اپنے لئے کھینچ لے اور سچا ہو تو فریق مخالف کی طرف لعنت کا رخ پھیر دے اور ظاہر ہے کہ

[illegible] نفس پر [illegible] فوج مخالف پر [illegible] بصورت [illegible] تحصیل صحت [illegible]
[illegible] (اور مخالف پر [illegible] صورت میں [illegible])
[illegible] کو [illegible] رحمت [illegible]
[illegible] رحمت [illegible] عذاب [illegible] رحمت [illegible]
[illegible] اشارہ [illegible]

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ [illegible] لعنت [illegible] بصورت [illegible]
[illegible] مستقبل [illegible] اشارہ [illegible] مباہلہ [illegible] لعنت [illegible]
[illegible]

[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible] اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں
[illegible] جواب [illegible]
[illegible] قوم [illegible]
[illegible] ایسا [illegible]
[illegible] مطابق سب [illegible]
[illegible] حضرت حسین [illegible]
[illegible] حضرت حسن [illegible] حضرت فاطمہ [illegible] پیچھے حضرت علی [illegible]
[illegible] تھے [illegible] دعا [illegible]

[illegible] اللہ [illegible]
[illegible] قیامت تک [illegible] کوئی [illegible]
[illegible] آپ [illegible]
[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible] مسلمان [illegible] حقوق
[illegible] جائیں گے۔

جب اہل [illegible] مسلمان [illegible] ﷺ [illegible] جنگ [illegible]
[illegible] طاقت [illegible]
[illegible] مجبور [illegible]
[illegible] حضور ﷺ [illegible] اہل [illegible]
[illegible] مباہلہ [illegible]
[illegible] ہلاک ہو جاتے
[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] حضرت علی کے [illegible]
[illegible] حضرت حسن [illegible] حضرت فاطمہ [illegible] حضرت علی [illegible]
[illegible] اللہ نے علی کو نفس محمد قرار دیا [illegible] ظاہر ہے کہ
رسول اللہ ﷺ [illegible] الناس [illegible]

بھی ایسے ہی ہوئے لہٰذا علیؓ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد امام ہوئے۔

اس استدلال کا جواب چند طرح سے ہو سکتا ہے۔ نمبر ا۔ انفس جمع کا صیغہ ہے جو تعدد نفوس پر دلالت کر رہا ہے۔ ایک نفس رسول اللہ ﷺ کا اور دوسرے نفوس آپ کے متبعین کے۔ وحدت نفس پر کوئی لفظ دلالت نہیں کر رہا ہے اور وحدت نفس نہ ہونا بھی ظاہر (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت جدا تھی اور علیؓ کی شخصیت علیحدہ)۔

نمبر ۲۔ ممکن ہے کہ بطور عموم مجاز حضرت علی کا شمار بھی ابناء ہی میں ہو جائے کیونکہ عرف میں داماد پر ابن کا اطلاق ہوتا ہے۔

نمبر ۳۔ ممکن ہے کہ انفسنا سے مراد وہ سب لوگ ہوں جو نسب اور دین کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہوں دیکھو آیت وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور تقتلون انفسکم میں وہ لوگ مراد ہیں جو دین اور نسب میں متحد ہوں اسی طرح آیت ظن المومنون والمومنات بانفسہم خیرا اور ولا تلمزوا انفسکم میں انفس سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے باہم دینی اور نسبی رشتہ ہو لہٰذا ضروری نہیں کہ فضائل میں مساوات ہو۔

نمبر ۴۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام ہی اوصاف میں مساوات تو باتفاق فریقین غلط ہے (کیونکہ وصف رسالت میں شرکت نہیں) اور بعض اوصاف میں برابر ہونے سے مدعی ثابت نہیں ہوتا (کیونکہ کیا ضروری ہے کہ وصف امامت میں حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کے مساوی ہوں)۔

نمبر ۵۔ اگر اس آیت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا امیر المؤمنین ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی ایسا ہونا ضروری قرار پاتا ہے مگر آپ اس کے قائل نہیں البتہ اس واقعہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک یہ بزرگ ہستیاں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ یعنی عیسیٰ و مریم کا جو واقعہ بیان کیا گیا یہی سچا بیان ہے۔ ھُوَ ضمیر فصل ہے۔ یا مبتدا ہے اور القصص اس کی خبر ہے اور پورا جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام تاکید کا آنا صحیح ہے کیونکہ اصل میں تو یہ لام مبتدا پر آتا ہے اسی لئے اس کو لام ابتدا کہتے ہیں مگر خبر پر بھی آجاتا ہے مگر جب مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر فصل ہو تو چونکہ ضمیر مبتدا کے قریب ہوتی ہے (اور خبر اس کے بعد آتی ہے) اس لئے اس پر لام آجاتا ہے۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اور کوئی بھی الٰہ نہیں ہے۔ استغراق کلی کی تاکید کیلئے مِن کو زیادہ کیا ہے۔ یہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کا رد ہے۔

اِلَّا اللّٰهُ سوائے اللہ کے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور حقیقت میں اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس جملہ کی نحوی ترکیب وہی ہے جو مذکورہ بالا جملہ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عزت، کمال قدرت اور احاطہ حکمت میں کوئی بھی اللہ کے برابر نہیں ہے پھر الوہیت میں کوئی کس طرح اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا پس اگر اب بھی انہوں نے دلائل حق سے روگردانی اور توحید سے اعراض کیا تو اللہ ان کو عذاب دے گا (کیونکہ یہ مفسد ہیں)۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ اور اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے اِنْ کی جزا محذوف ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا فان تولوا عذبہم اللہ بعذاب لانہم مفسدون یعنی عذاب کا باعث تھا مفسد ہونا، پس علت کو معلول کے بجائے ذکر کر دیا (تاکہ حکم عذاب کی علت معلوم ہو جائے اور حکم کا ثبوت دلیل سے ہو جائے) کیونکہ کفر و معاصی کو دنیا میں پھیلا کر اور لوگوں کو ایمان سے روک کر ملک میں بگاڑ پیدا کرنا اور خود ولی نعمت کی ناشکری اور نافرمانی اور اس کے رسول کی مخالفت کر کے عالم کو تباہ کرنا عذاب پانے کا سبب ہے اور اللہ کو ان کا مفسد ہونا معلوم ہے (پس لامحالہ اللہ ان کو عذاب دے گا) اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حق سے روگردانی فساد انگیز حرکت ہے (اس سے امن تباہ ہو جاتا ہے) واللہ اعلم۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نجران کا وفد مدینہ میں آیا تو اس کی ملاقات یہودیوں سے ہوئی اور حضرت ابراہیم کے متعلق دونوں فریق کا مناظرہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں لہٰذا ہمارا ان سے خصوصی تعلق ہے اور یہودیوں نے کہا ابراہیم یہودی تھے۔ ہم ان کے مذہب پر ہیں ان کا ہم سے قریب ترین تعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں گروہوں کا ابراہیم اور ان کے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ابراہیم ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کے ہو گئے تھے اور اللہ کے فرمانبردار تھے میں ان کے دین پر ہوں لہٰذا تم سب ابراہیم کے دین یعنی اسلام کا اتباع کرو۔ یہودی بولے آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ کو رب بنایا اسی طرح ہم بھی آپ کو رب بنالیں۔ عیسائی کہنے لگے آپ کی تو یہ مرضی ہے کہ یہودیوں نے جو بات عزیرؑ کے بارے میں کہی ہے وہی ہم آپ کے متعلق کہنے لگیں۔ اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب۔ اہل کتاب کا لفظ دونوں کتابوں والوں کو شامل ہے۔

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ایک بات کی طرف آجاؤ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جس قصہ کی کچھ تفصیل ہو عرب اس کو کلمہ کہہ دیتے ہیں اسی لئے قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے۔

سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ جو ہمارے تمہارے درمیان ایک جیسی ہے سَوَاء، مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اسی لئے اس کا مونث نہیں آتا کیونکہ مصدر کا تثنیہ آتا ہے نہ جمع نہ مونث یعنی اس بات میں قرآن، توریت، انجیل کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوائے ہم کسی کو نہ پوجیں یعنی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں نہ انسان کو نہ بت کو نہ فرشتہ کو نہ شیطان کو۔

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔا اور کسی شی کو واجب الوجود ہونے میں اس کا ساجھی نہ قرار دیں جیسے یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ اللہ کو تین میں کا تیسرا قرار دیتے ہیں اور نتیجہ میں عزیرؑ اور مسیح کی پوجا کرتے ہیں۔

وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا اور ہم میں سے بعض آدمی بعض آدمیوں کو رب نہ بنائیں یعنی بعض لوگ بعض کی اطاعت نہ کریں۔

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کی اجازت کے بغیر۔ حضرت عدی بن حاتم راوی ہیں کہ جب آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو علماء و مشائخ کی پوجا نہیں کرتے تھے فرمایا کیا وہ (اپنی مرضی سے اشیاء کو) تمہارے لئے حلال حرام نہیں بنایا کرتے تھے اور پھر تم ان کے قول پر عمل نہیں کرتے تھے میں نے عرض کیا جی ہاں (ایسا تو کرتے تھے) فرمایا یہی تو وہ ہے (یعنی یہی تو غیر اللہ کو رب بنانا ہوا) ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

اطاعت رسول حقیقت میں اللہ ہی کی طاعت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اللہ نے فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اسی طرح علماء، اولیاء، حکام اور بادشاہوں کا حکم جب کہ شریعت کے موافق ہو اللہ ہی کی اطاعت ہے اللہ کا ارشاد ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور جو خلاف شرع ہو اس کی اطاعت غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ معصیت خداوندی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت تو معروف میں ہونی چاہئے۔ رواہ الشیخان فی صحیحیہما و ابو داؤد والنسائی۔

حضرت عمران بن حصین اور حضرت حکیم بن عمرو غفاریؓ کی روایت ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اس مقام سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کسی کی تحقیق میں کوئی مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے مقابل کوئی دوسری حدیث بھی نہ ہو اور کوئی حدیث اس کی ناسخ بھی نہ ہو اور امام ابو حنیفہ کا فتویٰ حدیث مذکور کے خلاف ہو اور

باقی آئمہ میں سے کسی امام کا مسلک حدیث مذکور کے موافق ہو تو اس صورت میں حدیث کا اتباع واجب ہے ایسی حالت میں اگر امام اعظمؒ کے فتوے پر جما رہے گا تو گویا یہ غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہو گی۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح اسناد کے ساتھ عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے ابن مبارکؒ نے کہا میں نے خود ابو حنیفہؒ کو یہ فرماتے سنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو ہمارے سر آنکھوں پر ہو اور کسی صحابی کا قول مل جائے تو ان کے اقوال سے ہم (کسی مسلک کو) ترجیح دیں گے اور کسی تابعی کا قول ہو تو ہم اس سے مقابلہ کریں گے بیہقی نے روضۃ العلماء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور صحابہ کے قول کے مقابلہ میں میرے قول کو ترک کر دو۔ یہ بھی منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ہم نے عمل بالحدیث کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی امام کا قول اس حدیث کے موافق ہونا ضروری ہے۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حدیث کے خلاف عمل کرنے سے اجماع کی خلاف ورزی لازم آئے گی کیونکہ تیسری یا چوتھی قرن کے بعد فرعی مسائل میں اہل سنت کے چار فرقے ہو چکے کوئی پانچواں مذہب باقی نہیں رہا پس گویا اس امر پر اجماع ہو گیا کہ جو قول ان چاروں کے خلاف ہو وہ باطل ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اتفاق گمراہی پر نہیں ہو گا۔ اللہ نے بھی فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ حدیث مذکور کا علم چاروں اماموں میں سے کسی کو نہ ہوا ہو اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی بڑے عالم کو اطلاع ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر سب نے بالاتفاق حدیث مذکور کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور حدیث پر عمل ترک کر دیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہو گی کہ اس حدیث کو کسی دوسری حدیث سے انہوں نے منسوخ یا مؤول قرار دیا ہے۔

"......فائدہ......"

اگر علماء شریعت کسی مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کر چکے ہوں تو پھر اس فتوے کی خلاف ورزی یہ کہہ کر کرنی جائز نہیں کہ مشائخ صوفیہ کا طریقہ اس کے علاوہ ہے اور ہم صوفیہ کے طریقہ کے پابند ہیں۔ حقیقت میں صوفیائے کرام نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ شریعت کا بگاڑ تو ان جاہلوں کی وجہ سے ہوا جو صوفیہ کے پیچھے آئے (اور تصوف کے علمبردار بنے)

"......فائدہ......"

اولیاء اور شہداء کے مزارات پر سجدے کرنا، طواف کرنا، چراغ روشن کرنا، ان پر مسجدیں قائم کرنا، عید کی طرح مزارات پر عرس کے نام سے میلے لگانا، جس طرح آج کل جاہل کرتے ہیں۔ جائز نہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مرض (وفات) میں رسول اللہ ﷺ نے دھاری دار کمبل سے چہرہ مبارک ڈھانک لیا اور دم گھٹا تو منہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے حضور ﷺ نے اس ارشاد میں یہود و نصاریٰ کے فعل سے مسلمانوں کو بازداشت کی۔

بخاری، مسلم و امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے بھی حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو قبروں پر سجدہ گاہ بناتے اور چراغ جلاتے ہیں۔ اللہ کی لعنت ہو۔ مسلم نے حضرت جندب بن عبدالملک کا قول نقل کیا ہے۔ جندبؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود وفات سے پانچ رات پہلے حضور ﷺ فرما رہے تھے ہوشیار! قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا۔ میں تاکید کے ساتھ تم کو اس کی ممانعت کرتا ہوں۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا یعنی اس سیدھی سادھی سچی بات سے جس پر اللہ کی تمام کتابیں اور پیغمبر متفق ہیں اگر یہ لوگ روگردانی کریں۔

فَقُولُوا تو اے پیغمبر تم اور سب مسلمان کہہ دیں کہ

اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ اے اہل کتاب تم گواہ رہو کہ تمام آسمانی کتابوں کو ہم سچے ہیں تم نہیں مانتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ابو سفیان بن حرب نے مجھ سے بیان کیا کہ ہرقل نے مجھے اور قریش کی ایک جماعت کو طلب کیا جس زمانہ میں ہماری اور رسول اللہ ﷺ کی صلح تھی اس مدت صلح میں ہم شام میں بسلسلہ تجارت گئے ہوئے تھے، ایلیا میں ہم ہرقل کے پاس پہنچے ہرقل نے ہم سب کو اپنی مجلس میں طلب کر لیا اندر داخل ہونے اس وقت اس کے گرد اکابر و سرداران روم موجود تھے اس کے بعد اس نے وہ خط منگوایا جو دحیہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ نے حاکم بصری کو بھیجا تھا اور حاکم بصری نے وہ ہرقل کو پہنچا دیا تھا خط ان الفاظ کے ساتھ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل سردار روم کے نام جو ہدایت پر چلے اس پر سلام ہو۔ مابعد۔ میں تم کو سلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ محفوظ رہو گے، اللہ تم کو دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو رعایا کا گناہ بھی تم ہی پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اس کا کسی چیز کو شریک نہ قرار دیں اور ہم میں سے کوئی کسی کی طاعت اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اس کے بعد بھی اگر انہوں نے روگردانی کی تو مسلمانو تم کہہ دو کہ (اے اہل کتاب) تم گواہ رہو کہ ہم (سب کو) مانتے ہیں (اور اللہ کے فرمان بردار ہیں)۔ متفق علیہ۔

"...... فائدہ ......"

رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت نجرانی نمائندوں کو پڑھ کر سنائی اور ہرقل کو لکھ کر بھیجی اور سب نے اس کو تسلیم کیا اور مضمون کا انکار نہیں کیا اور یہ کہہ کر رد نہ کر دیا کہ یہ بات ہماری کتابوں میں نہیں ہے یہ امور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا قطعی ثبوت ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ مندرجہ آیات امور پر تمام کتابوں اور پیغمبروں کا اتفاق ہے۔ رہا عزیر اور عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دینا یہ صرف وہمی تراشیدہ اور تقلیدی عقیدہ ہے۔ آسمانی کتابوں میں اس کی سند نہیں ہے۔ چونکہ عیسیٰ کا ابن اللہ ہونا کسی کتاب میں نہیں اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کے وقت انہوں نے (اپنی اختراعی عقلی یہ) دلیل پیش کی کہ کیا بن باپ کا آپ نے کوئی آدمی دیکھا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے قصہ میں کس قدر پر زور ہدایت کا طریقہ اختیار کیا اور مناظرہ میں کتنی خوبصورت ترتیب مناظرہ ملحوظ رکھی قابل غور ہے۔ اول حضرت عیسیٰ کے وہ احوال و اطوار بیان کئے جو الوہیت کے منافی ہیں پھر عیسیٰ کی تخلیقی حالت کو آدم کی تخلیقی حالت سے تشبیہ دے کر ان کے دل کی گرد اور شبہ کو دور کرنے کا طریقہ اختیار کیا لیکن اس کے بعد بھی جب ان کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اعجاز آگیں طریقہ سے مباہلہ کی دعوت دی اور جب دیکھا کہ مباہلہ سے وہ کترا گئے اور کسی قدر اطاعت کا اظہار کرنے لگے تو پھر ان کو ہدایت کرنے کی طرف رخ کیا اور اس طریقہ سے ہدایت کی پیش کش کی جو بہت ہی آسان اور لاجواب بنا دینے والا ہے یعنی ان کو ایسی چیز کی دعوت دی جس پر حضرت عیسیٰ انجیل و تمام پیغمبر اور کتابیں متفق ہیں اور یہ طریقہ بھی سود مند ثابت نہیں ہوا اور تمام آیات و تنبیہات غیر مفید ہوئیں تو پھر ہر طرف سے رخ موڑ کر فرمایا۔ اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔

ابن اسحاق نے اپنی مکرر سند سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے علماء یہود نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی ہی تھے اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ اے اہل کتاب یہ خطاب دونوں فریقوں کو ہے۔

تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ تم ابراہیم کے دین کے متعلق باہم کیوں جھگڑا کرتے ہو۔

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ حالانکہ توریت و انجیل تو ابراہیم سے مدت کے بعد نازل کی گئی تھی اور توریت کے نزول کے بعد دین یہود پیدا ہوا اور انجیل کے نزول کے بعد دین عیسائیت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک ہزار سال بعد حضرت موسیٰ آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار برس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے حضرت عیسیٰ انبیاء بنی اسرائیل میں آخری پیغمبر تھے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا تم اپنے قول کی غلطی نہیں سمجھتے۔ غالباً یہود و نصاریٰ کا دعویٰ یہ تھا کہ فرعی اعمال میں ابراہیم کا عمل توریت و انجیل کے موافق تھا۔ بلکہ ممکن ہے یہ بھی خیال ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے کے بعد دونوں فریقوں نے جو مسائل از خود ایجاد کر رکھے تھے ان میں بھی ابراہیم کا عمل ان کے خود ساختہ اعمال کے مطابق تھا یہی بحث دونوں گروہوں میں محل نزاع تھی جو سراسر غلط تھی کیونکہ ضابطۂ الٰہی اور سنت خداوندی اس طرح ہے کہ جب گزشتہ شریعت کو زیادہ زمانہ گزر جاتا تھا تو ہر زمانہ کی مصلحت کے پیش نظر اللہ گزشتہ شریعت کے فرعی احکام منسوخ فرما دیتا تھا ایسی حالت میں یہودیت یا عیسائیت کے موافق دین ابراہیم کا ہونا کس طرح ممکن ہے ہاں اصول دین اور غیر منسوخ فرعی احکام جیسے غیر اللہ کی عبادت کی حرمت اور کذب و ظلم کی ممانعت تو یہ امور تمام شرائع میں ایک ہی طرح موجود ہیں ان میں اختلاف کا احتمال ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

هٰٓاَنْتُمْ کوفیوں کی قرأت پر ھا حرف تنبیہ اور انتم ضمیر مذکر مخاطب ہے اور قنبل و ورش کی قرأت پر یہ لفظ بغیر مد کے ھانتم ہے جو اصل میں ءانتم تھا جیسے ھرقت اصل میں ارقت تھا ہمزہ استفہامیہ کو ہ سے بدل دیا۔ اس صورت میں جملہ استفہامیہ انکاریہ ہوگا اور اول صورت میں مخاطب کو غفلت پر تنبیہ ہوگی۔

هٰٓؤُلَآءِ انتم مبتدا ہے اور ھٰؤلاء اس کی خبر ہے اور آئندہ جملہ اس جملہ کے مضمون کا بیان ہے۔ یا انتم مبتدا ہے اور حاججتم اس کی خبر۔ اور ھٰؤلاء منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف ہے یعنی اے لوگو! تم نے باہم جھگڑا کیا ان امور میں جن کا تم کو علم ہے بعض لوگوں نے ھٰؤلاء کو موصول کے معنی میں قرار دیا ہے کیونکہ کوفیوں کے نزدیک موصول کی جگہ اسم اشارہ کا استعمال جائز ہے یعنی کیا تم ہی لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا۔

حَاجَجْتُمْ تم نے باہم جھگڑا کیا۔

فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ان امور میں جن کا تم کو علم ہے یعنی تم نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جھگڑا کیا اور ان کے دین پر ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ تم واقف ہو کہ توریت و انجیل کا دین کیا ہے اور تم نے کتنی تلبیس کی ہے۔ توریت و انجیل میں محمد رسول اللہ کے اوصاف موجود ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ دین محمدی سے ان کے احکام منسوخ کر دیئے جائیں گے مگر تم نے جانتے ہوئے ان باتوں کو چھپایا مگر اللہ نے یہ پردہ چاک کر کے تم کو رسوا کر دیا۔

فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ پس اے بیوقوفو! جو اپنے دعویٰ کی غلطی کی طرف سے غافل ہو تم ان امور میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جن کا تم کو کچھ علم نہیں ہے، یعنی ابراہیم کے دین و شریعت میں تم کیوں نزاع کرتے ہو وہ تم سے ہزاروں برس پہلے تھے اور توریت و انجیل میں ان کی شریعت کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اور ہر نبی پر جو احکام نازل کئے گئے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور تم نہیں جانتے مگر اتنا ہی جتنا تمہاری کتاب میں اللہ نے تم کو بتا دیا بلکہ تم کو کچھ علم ہی نہیں کیونکہ جو کچھ اللہ نے کتاب میں نازل کیا تھا اس کو تم نے چھوڑ دیا اور اللہ کی کتاب کو پس پشت پھینک دیا یہاں تک کہ تم محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے حالانکہ اللہ تم سے اس کا پختہ وعدہ لے چکا تھا پس اس مناظرہ بازی میں بھی تم کو رسوائی ہوگی کیونکہ تم جاہل ہو اور جاہل عالم سے مناظرہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے

دین ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سلسلہ میں مناظرہ صحیح ہے کیونکہ اللہ کے بتانے سے آپ کو دین ابراہیم کا علم ہو گیا تھا۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی یعنی دین ابراہیم بہت سے فرعی مسائل میں نہ دین موسیٰ کے موافق تھا نہ شریعت عیسیٰ کے۔

وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا بلکہ وہ تمام غلط عقائد سے روگرداں تھے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حنیف وہ ہے جو موحد ہو قربانی کرے، ختنہ کرائے اور کعبہ کی طرف (نماز میں) منہ کرے اور یہ باتیں نہ یہودیوں میں تھیں نہ عیسائیوں میں۔

مُّسْلِمًا اللہ کے تمام احکام کی تعمیل کرنے والے تھے، نفسانی خواہشات کے پیرو نہ تھے اور تم اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے تم اس پیغمبر کو ہی نہیں مانتے جس کا ذکر توریت و انجیل میں تمہارے پاس لکھا موجود ہے تم دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو اللہ کو تین میں کا تیسرا کہتے ہو اور عزیز و مسیح کو خدا کے بیٹے قرار دیتے ہو، پس تم ابراہیم کے دین و ملت پر ہونے کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے بلکہ موحدین میں سے تھے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ سب سے زیادہ ابراہیم سے خصوصیت اور ان کے دین سے قرب رکھنے والے۔ اَوْلٰی وَلِیٌّ سے مشتق ہے اور وَلْیٌ کا معنی ہے قرب۔

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ بے شک وہی لوگ ہیں جنہوں نے ابراہیم کی امت میں سے ان کی پیروی کی کیونکہ وہی لوگ بلاشبہ آپ کے دین پر تھے۔

وَهٰذَا النَّبِيُّ اور یہ نبی یعنی محمد ﷺ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جنہوں نے محمد ﷺ کو پیغمبر مانا کیونکہ یہ لوگ اکثر احکام میں ملت ابراہیمی کے موافق ہیں موحد ہیں، قربانی کرتے ہیں، ختنہ کراتے ہیں، کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، حج اور عمرہ کرتے ہیں اور ان احکام کو پورا کرتے ہیں جن سے اللہ نے ابراہیم کی جانچ کی تھی اور ابراہیم نے ان کو پورا کیا تھا۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اللہ مؤمنوں کا دوست ہے کیونکہ ان کا ایمان اول سے آخر تک تمام انبیاء پر ہے یہودی اور عیسائی ایسے نہیں ہیں۔

بغوی نے کلبی کی روایت سے اور محمد بن اسحاق نے زہری کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کچھ صحابیوں کو ساتھ لے کر مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ کو ہجرت کر گئے اور پھر بدر کی جنگ بھی ہو چکی (جس میں بڑے بڑے قریشی سردار مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو گئے) تو اس کے بعد قریش نے مشورہ گھر میں کمیٹی کی اور کہنے لگے محمد (ﷺ) کے جو ساتھی نجاشی کے پاس چلے گئے ہیں ان کے ذمہ ہمارے مقتولین بدر کا قصاص ہے لہٰذا کچھ مال جمع کر کے نجاشی کے پاس بطور ہدیہ لے جاؤ ممکن ہے کہ تمہاری قوم کے جو لوگ اس ملک کے پاس پہنچ گئے ہیں ان کو وہ تمہارے سپرد کر دے اور تم انتقام لے سکو) پس دو سمجھدار آدمیوں کو نمائندہ بنا کر بھیجو، چنانچہ عمرو بن عاصؓ اور عمارہ بن ابی معیط کو کچھ (طائف کے) چمڑے وغیرہ بطور ہدیہ دے کر نجاشی کے پاس سب نے باتفاق رائے بھیجا۔ یہ دونوں سمندری راستے سے حبشہ جا پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر اس کو سجدہ کیا اور دعا سلامتی دی اور عرض کیا ہماری قوم آپ کی خیر خواہ اور شکر گزار ہے اور آپ کی عافیت کی طلب گار ہے تو سب والوں نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ چند لوگ آپ کے پاس (مکہ کے) آئے ہیں ان سے آپ ہوشیار رہیں یہ لوگ ایک بڑے جھوٹے آدمی کے ساتھی ہیں جس نے رسول خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر سوائے بیوقوفوں کے ہم میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں ہوا ہم نے ان کو اتنا تنگ کیا کہ مجبور ہو کر انہوں نے ہمارے ملک کی ایک گھاٹی میں پناہ لی اور وہاں لوگوں کی آمد و رفت

بند ہو گئی نہ وہاں سے کوئی باہر نکلتا ہے نہ باہر سے اندر جاتا ہے، بھوک اور پیاس سے ان کی جانوں پر بنی ہوئی ہے، آخر تنگی سے تنگ آکر اس نے اپنے چچا کے بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ آپ کا مذہب خراب کر دے اور آپ کی حکومت و رعیت کو بھی تباہ کر دے آپ ان لوگوں سے احتیاط رکھیں اور ان کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان کو آپ سے روک دیں اور آپ کا کام ہو جائے، ہمارے اس قول کا ثبوت یہ ہے کہ چونکہ وہ آپ کے دین اور طور طریقہ سے نفرت کرتے ہیں اس لئے جب وہ آپ کے سامنے آئیں گے تو سجدہ نہیں کریں گے۔ اور نہ دوسروں کی طرح آداب شاہی بجا لائیں گے۔

نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو ساتھیوں سمیت طلب کیا، یہ حضرات دروازہ پر ہی پہنچے تھے کہ حضرت جعفرؓ نے چیخ کر کہا اللہ کا گروہ باریاب ہونے کی اجازت چاہتا ہے نجاشی نے آواز سن کر کہا اس چیخنے والے کو حکم دو کہ دوبارہ یہی الفاظ کہے حضرت جعفرؓ نے پھر وہی کہہ۔ نجاشی نے کہا جی ہاں اللہ کے امان اور ذمہ داری کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ عمرو بن عاصؓ نے اپنے ساتھی سے کہا سن رہے ہو انہوں نے کس طرح لفظ حزب سے کہا اور نجاشی نے ان کو کیا جواب دیا۔ عمرو بن عاصؓ اور عمارہؓ کو حضرت جعفرؓ کے کلام اور نجاشی کے جواب سے دکھ ہوا۔ جب وہ حضرات اندر آئے تو نجاشی کو انہوں نے سجدہ نہیں کیا، عمرو بن عاصؓ نے نجاشی سے کہا آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ آپ کو سجدہ کرنے سے بھی غرور کرتے ہیں (یعنی غرور کی وجہ سے آپ کو سجدہ بھی نہیں کرتے) نجاشی نے ان حضرت سے کہا کیا وجہ کہ تم نے مجھے سجدہ نہیں کیا اور وہ آداب بجا نہ لائے جو باہر سے آنے والے بجا لاتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا ہم اس خدا کو سجدہ کرتے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا اور بادشاہ بنایا۔ سلام کا یہ طریقہ ہمارا اس وقت تھا جب ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے (گویا آپ کو بھی ایک بت سمجھ کر سجدہ کر لیتے تھے) لیکن اللہ نے ہمارے اندر ایک سچا نبی مبعوث فرمایا اس نے ہم کو اسی طرح سلام کرنے کا حکم دیا جو اللہ کو پسند تھا یعنی لفظ سلام کہنے کا یہی اہل جنت کا سلام ہے۔ اس گفتگو سے نجاشی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے اور توریت و انجیل میں بھی یہی ہے۔ بولا تم میں سے کون ہے جس نے حزب اللہ کہہ کر باریاب ہونے کی چیخ کر اجازت طلب کی تھی۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا میں ہوں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں آپ کے سامنے نہ زیادہ باتیں کرنا مناسب ہے نہ کسی پر ظلم (آپ کے لئے سزاوار ہے) میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کی طرف سے (تنہا) خود جواب دوں۔ آپ ان دونوں آدمیوں کو حکم دے دیجئے کہ ان میں سے ایک بات کرے اور دوسرا خاموش رہ کر ہماری گفتگو سنتا رہے یہ سن کر عمرو نے حضرت جعفرؓ سے کہا بولو حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا ان دونوں سے دریافت کیجئے کہ ہم کیا آزاد ہیں یا غلام (کہ بھاگ کر آگئے ہیں) عمرو نے کہا نہیں تم آزاد ہو اور معزز ہو۔ نجاشی نے کہا غلام ہونے (کے الزام) سے تو بچ گئے۔ جعفرؓ نے کہا ان سے دریافت کیجئے کیا ہم نے ناحق کوئی خون کیا ہے جس کا قصاص ہم سے لیا جائے۔ عمرو نے کہا نہیں۔ ایک قطرہ خون بھی نہیں بہایا۔ جعفرؓ نے کہا کیا ہم نے ناحق لوگوں کا مال لے لیا ہے جس کی ادائگی ہمارے ذمہ ہے۔ نجاشی نے کہا اگر (تمہارے ذمہ) قنطار (یعنی ڈھیروں مال) بھی ہوگا تو اس کی ادائگی میرے ذمہ۔ عمرو نے کہا کوئی مال نہیں ایک قیراط بھی نہیں۔ نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا مطالبہ کرتے ہو۔ عمرو نے کہا ہم اور یہ ایک مذہب اور ایک طریقہ پر تھے باپ دادا کے دین پر تھے، انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا اور دوسرے مذہب کے پیرو ہو گئے اس لئے ہماری قوم نے ہم کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ نجاشی نے پوچھا مجھے سچ سچ بتاؤ وہ مذہب جس پر تم تھے وہ کیا تھا اور جس دین کے اب پیرو وہ کیا ہے؟ جعفرؓ نے کہا جس مذہب پر ہم تھے وہ شیطان کا دین تھا، ہم اللہ کا انکار کرتے تھے، پتھروں کو پوجتے تھے اور پلٹ کر جس دین کو ہم نے اختیار کیا وہ اللہ کا دین اسلام ہے۔ اللہ کے پاس سے اس دین کو لے کر ہمارے پاس ایک رسول آیا اور ایک کتاب بھی ویسی ہی آئی جیسی ابن مریم لے کر آئے تھے یہ کتاب بھی اس کتاب کے موافق ہے۔ نجاشی نے کہا تم نے سچ بولا ہے امن و قرار پر رہو، اس کے بعد نجاشی کے حکم سے ناقوس بجایا گیا اور تمام عیسائی علماء و مشائخ جمع ہو گئے، جب سب اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے کہا میں تم کو اس خدا کی جس نے عیسیٰ پر انجیل نازل کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو (کتاب میں) یہ بات ملتی ہے کہ عیسیٰ اور قیامت کے درمیان کوئی نبی مرسل آنے

گا۔ نجاشی نے جواب دیا بے شک خدا کی قسم وہ ایسا ہے ہم کو عیسیٰ نے اس کی بشارت دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اس پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔ نجاشی نے جعفرؓ سے کہا یہ شخص تم سے کیا کہتا ہے کیا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کس چیز سے منع کرتا ہے جعفرؓ نے جواب دیا وہ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، برے کاموں سے روکتے ہیں ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، قرابت داروں سے میل رکھنے اور یتیموں کو نوازنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بھی ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم فقط اللہ ہی کی پوجا کریں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نجاشی نے کہا جو کلام وہ تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اس میں سے کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ عنکبوت اور روم کی تلاوت کی جس کو سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے نجاشی کے ساتھی بولے۔ جعفرؓ یہ پاکیزہ کلام ہم کو کچھ اور سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورۂ کہف پڑھ کر سنائی۔ یہ حالت دیکھ کر عمرو بن عاصؓ نے چاہا کہ نجاشی کو جعفرؓ پر غصہ دلوائے اس لئے کہنے لگا یہ لوگ عیسیٰ اور ان کی ماں کو گالی دیتے ہیں اس پر نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا تم عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورۂ مریم کی تلاوت کی اور مریمؑ و عیسیٰؑ کے تذکرہ پر پہنچے تو نجاشی نے اپنے مسواک کا اتنا باریک ریزہ جیسے آنکھ میں تنکا پڑ جاتا ہے اٹھایا اور کہنے لگا۔

خدا کی قسم مسیحؑ اس بیان سے اتنے بھی زائد نہ تھے۔ پھر جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا جاؤ میرے ملک میں تم محفوظ ہو یعنی امن کے ساتھ رہو جو تم کو گالی دے گا یا کچھ ستائے گا اس کو تاوان بھگتنا ہو گا۔ پھر کہنے لگا تم خوش رہو کچھ اندیشہ نہ کرو۔ ابراہیمؑ کے گروہ کا آج بگاڑ نہیں ہو گا۔ عمرو نے پوچھا نجاشی ابراہیم کی جماعت کونسی ہے نجاشی نے جواب دیا یہی گروہ اور ان کا وہ آقا جس کے پاس سے یہ آئے ہیں اور ان کی پیروی کرنے والے۔ مشرکین نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا اور خود دین ابراہیمی میں ہونے کا دعویٰ کیا پھر نجاشی نے وہ مال واپس کر دیا جو عمرو اور اس کا ساتھی لے کر آئے تھے اور کہا تمہارا یہ ہدیہ محض رشوت ہے اس پر اپنا قبضہ کر لو اللہ نے بغیر رشوت کے مجھے بادشاہت عطا فرمائی ہے۔ حضرت جعفرؓ کا بیان ہے کہ پھر ہم لوٹ آئے اور بہترین مکان اور بڑی عزت کی عمدہ ہمسائی میں رہے اور ادھر اللہ نے اسی روز مدینہ میں رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابراہیم کے دین پر ہونے کے نزاع کے متعلق یہ آیت نازل فرمادی ان اولی الناس بابراہیم۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ حضرت معاذ بن جبل حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عمار بن یاسر کو یہودیوں نے اپنے مذہب کی دعوت دی تو اس آیت کا نزول ہوا یعنی یہودیوں کی ایک **لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ** جماعت چاہتی ہے کہ تم کو تمہارے دین سے گمراہ کرے اور لوٹا کر کفر کی طرف لے جائے، لو بمعنی ان مصدری ہے لیکن لفظی عمل ان کی طرح نہیں ہے ورنہ یضلون کا نون حذف کر دیا جاتا) پورا جملہ (بتاویل مفرد ہو کر) ودت کا مفعول ہے یا لو تمنائی ہے اس صورت میں یہ مودت کا بیان ہو جائے گا۔

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اور وہ سوائے اپنے نفسوں کے کسی کو گمراہ نہیں کرتے یعنی اس اغوا کا وبال انہی پر لوٹ کر پڑے گا اور عذاب دوگنا ہو جائے گا مسلمان تو بہر حال اللہ کی مدد کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اس مطلب کی بناء پر گمراہ کو گمراہ کرنا لازم نہیں آتا۔[1]

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور ان کو احساس بھی نہیں کہ ان کی ضرر رسانی (کی یہ کوشش) لوٹ کر انہی پر پڑے گی۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اے اہل کتاب تم اللہ کی ان آیات کا کیوں انکار کرتے ہو جو توریت وانجیل میں مذکور ہیں اور جن میں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کے اوصاف کی صراحت ہے یا یہ مراد کہ تم

---

[1] آیت پر یہ اعتراض کیا جا سکتا تھا کہ یہودی تو پہلے ہی گمراہ ہیں، دوبارہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے کا کیا معنی، گم کردہ راہ کو دوبارہ گمراہ بنانے کا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے، حضرت مؤلف نے توجیہ مطلب اس طرح کی کہ مسلمان تو گمراہ ہونے سے محفوظ ہیں لیکن یہودیوں کی ضلالت انگیزی ان کے لئے موجب عذاب ہے یعنی یہودیوں پر دوہرا عذاب ہو گا ایک تو خود گمراہ ہونے کا دوسرا ضلالت انگیزی کی کوشش کا۔

آیات قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو۔

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۞ حالانکہ تم آپس میں چھپ چھپ کر اقرار کرتے ہو کہ محمد ﷺ سچے نبی ہیں جن کا بیان توریت و انجیل میں موجود ہے یا یہ مطلب ہے کہ معجزات کو دیکھ کر تم جانتے ہو کہ یہ نبی برحق ہیں۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل کے ساتھ مخلوط کرتے ہو یعنی اصل توریت کی آیات کے ساتھ اپنی طرف سے لکھے ہوئے باطل کو ملا دیتے ہو

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اور حق کو چھپاتے ہو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے جو اوصاف توریت میں مذکور ہیں انکو چھپاتے ہو۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ اور جانتے ہوئے ایسا کرتے ہو یعنی جو کچھ کرتے ہو قصداً کرتے ہو۔ ع ۱۵

محمد ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن الصیف اور عدی بن زید اور حارث بن عوف نے باہم مشورہ کیا اور کہا کہ محمد اور ان کے ساتھیوں پر جو کچھ اترا گیا ہے (ہمارے لئے مناسب ہے کہ) شروع دن میں تو ہم اس کو حق مان لیں اور پچھلے دن میں انکار کر دیں، اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی اپنے دین میں شبہ پڑ جائے گا۔ ممکن ہے ہماری طرح وہ بھی کرنے لگیں اور اپنے مذہب سے لوٹ جائیں۔ انہی کے بارے میں اللہ نے یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سے وَاسِعٌ عَلِیْمٌ تک آیات نازل فرمائیں۔

وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ نے (آپس میں) کہا کہ دن کے اول حصہ میں اس قرآن پر جو مسلمانوں پر اترا ہے صرف زبان سے ایمان لانے کا اظہار کرو۔

وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ اور پچھلے دن میں اسکا انکار کر دو اور کہہ دو کہ ہم نے اپنی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اپنے علماء سے مشورہ بھی کیا ہم پر واضح ہو گیا کہ محمد وہ (نبی موعود) نہیں ہیں ہم کو ان کا جھوٹ معلوم ہو گیا (اسلئے ہم ان کے مذہب کو ترک کرتے ہیں)۔

لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۞ شاید اس ترکیب سے مسلمان بھی اپنے دین میں شک کرنے لگیں اور یہ خیال کر کے کہ تم ان کے مذہب میں کوئی خرابی پا کر ہی لوٹے ہو اپنے دین سے لوٹ جائیں۔ بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ اس رائے پر خیبر اور بیرون عرینہ کے بارہ یہودی عالموں نے اتفاق کیا تھا۔ ابن جریر نے سدی کی روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے اور مجاہد مقاتل اور کلبی کا قول ہے کہ یہ گفتگو قبلہ کے بارے میں ہوئی تھی جب بیت المقدس سے کعبہ کی طرف مسلمانوں کا رخ پھیر دیا گیا تو یہودیوں کو یہ بات شاق ہوئی کعب ابن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ کعبہ کی تحویل کو (بظاہر) مان لو اور دن کے ابتدائی حصہ میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو پھر دن کے آخری حصہ میں انکار کر دینا اور اپنے قبلہ کی طرف لوٹ آنا۔

وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اور دل سے نہ ماننا اس کا عطف اٰمِنُوْا پر ہے یعنی دل سے نہ ماننا اور کسی کو سچا نہ جاننا۔

اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ مگر انہی لوگوں کو جو تمہارے دین پر چلیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ شروع دن میں اپنے ایمان کا اظہار انہی لوگوں پر کرنا جو پہلے تمہارے ہم مذہب تھے کیونکہ انہی سے سابق مذہب کی طرف لوٹنے کی زیادہ امید ہو سکتی ہے اور انہی کی اہمیت بھی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لَا تُؤْمِنُوْا. اكْفُرُوْا کا بیان ہو یعنی دن کے آخر حصہ میں اسلام کا انکار کر دینا اور سوائے اپنے ہم مذہب لوگوں کے کسی کی بات کو نہ ماننا۔

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اے محمد آپ کافروں سے کہہ دیں کہ مسلمانوں کو جو ہدایت ملی ہے وہ خداداد ہے تم پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا نہیں سکتے اللہ تو اپنے نور کی تکمیل کر کے ہی رہے گا تمہاری مکاری مسلمانوں کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اے محمد آپ خود بھی اپنے دل کو سمجھا دیں اور مسلمانوں سے بھی کہہ دیں کہ یہ ہدایت خداداد ہے کسی مکار کی مکاری تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

اَنۡ یُّؤۡتٰۤی اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی (اے اہل کتاب) تم اس جلن میں یہ مکاری کرتے ہو کہ جیسی کتاب و حکمت تم کو دی گئی ہے ویسی ہی دوسروں کو بھی عطا کی جا رہی ہے۔

اَوۡ یُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ یعنی حوا کی ضمیر احد کی طرف راجع ہے۔

احد اگرچہ لفظاً مفرد ہے لیکن معنیً جمع ہے کیونکہ دائرہ نفی میں واقع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دوسرے لوگ خدا کے سامنے تم پر غالب آ جائیں گے کیونکہ تم ہدایت پر نہیں اور وہ ہدایت پر ہو جائیں گے۔ مراد یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر حسد کرنے سے تم کو مکاری پر آمادہ کیا مگر یہ مکر و حسد مناسب نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَنۡ یُّؤۡتٰۤی کا تعلق لَا تُؤۡمِنُوۡۤا سے ہو اس صورت میں تین طرح مطلب کی توجیہ کی جا سکتی ہے۔

(۱) اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ میں لام زائد ہے جیسے رَدِفَ لَكُمۡ میں لام زائد ہے۔ اَحَدٌ یُّؤۡتٰۤی کا فاعل ہے اور مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے پہلے ذکر کیا ہے یعنی اس بات کی تصدیق نہ کرنا نہ اس امر کا اقرار کرنا کہ کسی کو بھی سوائے تمہارے ہم مذہب لوگوں کے ویسی کتاب و حکمت عطا کی جا سکتی ہے جیسی تم کو دی گئی ہے اور نہ اس بات کا یقین کرنا کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے کوئی تم پر غالب آ سکے گا اس مطلب پر اَوۡ یُحَآجُّوۡكُمۡ میں او بمعنی واؤ ہوگا جیسے آیت لَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا میں او واؤ کے معنی میں ہے۔

(۲) ام اختصاص کے لئے ہے یا زائد ہے۔ استثناء مفرغ ہے یعنی مستثنیٰ منہ محذوف ہے یعنی کسی کے کہنے کا یقین و اقرار نہ کرنا کہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو بھی ویسی ہی چیز دی جا سکتی ہے جو تم کو دی گئی یا کوئی دوسرا خدا کے ہاں تم پر غالب آ سکے گا ہاں اپنے ہم مذہب لوگوں کا یقین کرنا اور انہی کے لئے اقرار کرنا۔ (۳) لَا تُؤۡمِنُوۡۤا کا ترجمہ لا تظہروا ہے اور لام صلہ کا ہے یعنی سوائے اپنے ہم مذہب لوگوں کے کسی پر اپنے اس ایمان کا اظہار نہ کرنا کہ کسی کو تمہارا جیسا مذہب مل سکتا ہے یا خدا کے ہاں کسی کو تم پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ سوائے اپنے ساتھیوں کے دوسروں کو اپنے ایمان کی اطلاع مت دینا کیونکہ اگر اس کا اظہار کر دو گے تو مسلمانوں کا ایمان اور مضبوط ہو جائے گا اور مشرکوں کو ایمان کی رغبت ہو جائے گی۔

ان تمام توجیہات پر آیت قل ان الہدی ہدی اللہ جملہ معترضہ ہوگا، جس کو کلام کے درمیان اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے داخل کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی مکاری سے نہ ان کو کچھ فائدہ ہوگا نہ مسلمانوں کو ضرر۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہدی اللہ، الہدی سے بدل ہو اور ان یؤتی، ان الہدی ہدی اللہ کی خبر ہو اور او یحاجوکم میں او، حتی کے معنی میں ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہدایت یعنی خدا کی ہدایت یہ ہے کہ جس کسی کو اللہ چاہے ویسی ہی کتاب دیدے جیسی تم کو دی گئی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے وہ تم پر غالب آ جائیں۔

بعض علماء نے کہا کہ یؤتی سے پہلے سیاقاً لا محذوف ہے جیسے آیت یبین اللہ لکم ان تضلوا میں ان لا تضلوا مراد ہے۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ تم ان کی تصدیق نہ کرنا تاکہ جیسے تمہارا علم ہے ان کا بھی علم ویسا ہی نہ ہو جائے اور تمہاری علمی فضیلت ان پر قائم نہ رہے اور اس لئے بھی ان کی تصدیق نہ کرنا کہ خدا کے سامنے تمہارے مقابلہ میں ان کو غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور وہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگیں کہ تم کو ہمارے دین کا حق ہونا معلوم تھا مگر تم ایمان نہیں لائے۔ مطلب کی یہ توجیہ ابن جریج کے قول پر ہوگی مگر سب سے زیادہ صحیح اور راجح توجیہ ہے۔

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ اے محمد ﷺ یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے تمہارے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے دیتا ہے پس اسی نے محمد اور ان کے ساتھیوں کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۚ اور اللہ کا فضل وسیع ہے اور وہی ان لوگوں سے بخوبی واقف ہے جو فضل کے اہل ہیں۔

يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝ وہی اپنی رحمت و نبوت کے لئے جس کو

چاہتا ہے، مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور بعض اہل کتاب یعنی عبد اللہ بن سلام اور ان جیسے وہ اہل کتاب جو مسلمان ہو گئے تھے

مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کی امانت میں کثیر مال بھی دے دو تو وہ

يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ــــ اپنی دیانت داری و امانداری کی وجہ سے پورا پورا مال تم کو واپس کر دیں۔

بغوی نے بسلسلہ جویبر از ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن سلام کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھا اور حضرت عبد اللہ نے وہ امانت پوری ادا کر دی (گویا یہ آیت حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق نازل ہوئی)۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں یعنی کعب بن اشرف اور اس جیسے دوسرے یہودی۔ کذا قال مقاتل۔

اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ کہ اگر ان کے پاس تم ایک دینار امانت رکھو تو وہ واپس نہ دیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ کسی قریشی نے فنحاص بن عازوراء یہودی کے پاس ایک دینار امانت رکھا مگر فنحاص نے بے ایمانی کرلی۔

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا مگر جب کہ تم اس پر کھڑے رہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قائما علیہ سے مراد ہے مُلِحًّا یعنی جب تک کہ تم سخت تقاضا نہ کرو اور تقاضے پر جم نہ جاؤ اور عدالت سے چارہ جوئی نہ کرو وہ امانت واپس نہیں کرتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ یعنی امانت واپس نہ کرنے اور خیانت کو حلال سمجھ لینے کا سبب یہ ہے کہ کافر یہودی کہتے ہیں کہ جو اہل کتاب نہیں ہیں ان کے معاملہ میں اللہ کے ہاں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ یہودی کہتے تھے کہ عرب کا مال ہر طرح ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ یہ ہمارے مذہب پر نہیں ہیں، ہماری کتاب میں ان کے حقوق ہی نہیں ہیں بلکہ یہودی غیر مذہب والوں پر ہر ظلم کو اور ان کی ہر حق تلفی کو حلال جانتے تھے۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اور وہ اللہ پر دانستہ یہ دروغ بافی کرتے ہیں کہ اللہ نے عرب کا مال ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔

بَلٰى یعنی جس طرح یہودی کہتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ مؤمنین کے معاملہ میں بھی ان کی گرفت ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ (کافروں کے) مال کے بچاؤ کی صرف دو صورتیں ہیں، مسلمان ہو جانا یا مسلمانوں کا ذمی بن جانا (یعنی یہودی الٹا سمجھے ہیں کہ مسلمان کے مال کو اپنے لئے مباح جانتے ہیں حقیقت اس کے برعکس ہے، ان کا مال مسلمانوں کیلئے مباح ہے ہر طرح سے لینا جائز ہے، بچاؤ کی صرف دو صورتیں ہیں، مسلمان ہو جانا یا جزیہ دینا) حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے لڑنے کا اس وقت تک حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کریں اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ ایسا کرلیں، تو ان کی جانیں اور ان کے مال سوائے اسلامی حقوق کے ہر طرح مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے اور (نمد روئی) حساب فہمی اللہ کے ذمہ ہے (کہ انہوں نے یہ قرار توحید و رسالت دل کے یقین کیساتھ کیا ہے یا نفاق کیساتھ) سلیمان بن بریدہ نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں یہ (حکم) بھی مذکور ہے کہ اگر وہ یعنی کفار سلام سے انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرنا، اگر دے دیں تو لے لینا اور (جنگ کو) ان سے روک دینا۔ متفق علیہ۔

مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ جس کسی نے بھی اپنا عہد پورا کیا، جو بھی اپنا عہد پورا کرے۔ مَنْ شرطیہ ہے یا موصولہ اور عہد سے مراد ہے مالک مال سے واپسی امانت کا کیا ہوا وعدہ یا اللہ کا وہ حکم جو توریت میں اللہ نے دیا تھا کہ تمام انبیاءؑ پر اور محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا اور امانت ادا کرتے رہنا اول مطلب پر عَهْدِهٖ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے اور دوسرے مطلب پر اللہ کی طرف۔

وَاتَّقٰى اور کفر و خیانت سے بچا رہا تو خدا اس سے محبت کرے گا۔

فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ کیونکہ اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے (اور ایسے لوگ تقویٰ والے ہیں)
یُحِبُّہُمْ کی جگہ یُحِبُّ الْمُتَّقِینَ کہنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ تمام امور کا مدار تقویٰ پر ہے۔ وفاء عہد اور تمام فرائض کی ادائیگی اور ممنوعات سے اجتناب تقویٰ ہی کی شاخیں ہیں۔ اسی عموم کی وجہ سے بجائے ضمیر کے المتقین کو ذکر کیا، یعنی بجائے خود یک جملہ کا قائم مقام ہے اور اس جملہ کی تاکید مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ پورا جملہ کر رہا ہے۔
بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار (خصلتیں) ہیں جس کے اندر یہ چاروں ہوں گی وہ خالص (پکا) منافق ہوگا اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک ہوگی وہ تاوقتیکہ اس کو ترک نہ کر دے نفاق کی ایک خصلت اس میں رہے گی جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ کرے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، کسی سے جھگڑا ہو تو بیہودہ بکے۔
صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ کرے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ مسلم کی روایت میں حدیث کے ساتھ الفاظ زائد ہیں کہ خواہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا صحیحین میں بروائل کی وساطت سے حضرت عبداللہ کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو اللہ کے سامنے اس کی پیشی ایسی حالت میں ہوگی کہ اللہ اس پر غضبناک ہوگا۔ اس کی تصدیق میں آیت مذکورہ آخر تک نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ یہ حدیث بیان کر چکے تو حضرت اشعث بن قیس باہر سے اندر آئے اور پوچھا ابو عبدالرحمٰن نے تم سے کیا حدیث بیان کی تھی لوگوں نے بتایا کہ یہ بیان کر رہے تھے حضرت اشعث نے کہا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ بات یہ ہوئی کہ میرا ایک کنواں میرے چچا کے بیٹے کی زمین میں تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے گواہ پیش کرو، ورنہ اس کی قسم کو مانو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو اس پر قسم کھا لے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمان آدمی کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی اور (دانستہ) وہ قسم میں جھوٹا ہو تو قیامت کے دن جب اللہ کی پیشی میں جائے گا تو اللہ اس پر غضبناک ہوگا۔
بخاری کے طریق سے بغوی نے اپنی سند سے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے لیکن ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں حضرت اشعث بن قیس کا قول اس طرح منقول ہے کہ میرے اور یک یہودی کے درمیان کچھ زمین کا نزاع تھا یہودی (میرے حق کا) منکر تھا میں اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں، میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قسم کھائے گا اور میرا مال لے جائے گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بخاری نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھانسنے کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی حالانکہ اس کو اس کی بیان کردہ قیمت نہیں ملتی تھی (یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس سامان کی اتنی قیمت دی ہے یعنی اتنے کو خریدا ہے حالانکہ اس نے اتنی قیمت نہیں دی تھی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں (کہ ایک کو صحیح ماننے کی صورت میں دوسری کو غلط ماننا پڑے) بلکہ ممکن ہے کہ نزول آیت کے دونوں سبب ہوں (ایک واقعہ بھی ہوا ہو اور دوسرا بھی)۔
ثَمَنًا قَلِيلًا ۝ سے مراد ہے متاع دنیا خواہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ جنت کی نعمتوں کے مقابل تو دنیا کا کثیر سامان بھی قلیل ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا و امانت کے عہد اور جھوٹی قسموں کے عوض متاع دنیا حاصل کرتے ہیں۔ ابن جریر نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول کعب بن اشرف، حیی بن اخطب اور ان جیسے دوسرے یہودیوں کے حق میں ہوا جو توریت میں

نازل شدہ اوصاف محمدی کو چھپاتے بدلتے اور ان کی جگہ دوسری چیزیں درج کیا کرتے تھے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ اس تبدیل و تحریف سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کو کھانے کو ملتا ہے اور جو رشوتیں وہ اپنے متعین سے لیتے رہتے تھے ان میں فرق نہ آئے۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے آیت میں اس سبب نزول کا بھی احتمال ہے لیکن اصل سبب نزول وہی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے۔

میں کہتا ہوں آیت کی رفتار اور کلام کا سیاق ابن جریر از عکرمہ کی روایت کی صحت کو چاہتا ہے اور جس طرح دونوں مذکورہ دونا حدیثوں میں باہم تضاد نہیں ہے اسی طرح ان حدیثوں سے عکرمہ کی روایت کا بھی تضاد نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ اسباب نزول تینوں ہوں۔ علقمہ نے اپنے والد حضرت وائل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے ایک حضر موت کا دوسرا کندہ کا۔ حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے میری زمین چھین لی۔ کندی نے جواب دیا وہ میری زمین ہے میرے قبضہ میں ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرمی سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں اس نے کہا نہیں فرمایا تو تم کو اس سے قسم لینے کا حق ہے۔ حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص تو علانیہ فاسق ہے کسی چیز سے اس کو باک نہیں۔ اس کو قسم کھانے کی پروا بھی نہ ہوگی۔ فرمایا اس کے علاوہ اس سے تم کو کوئی حق نہیں۔ چنانچہ کندی جب کھانے چلا اور پشت پھیری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے ناحق مال کھانے کے لئے قسم کھائی تو اللہ کی پیشی کے وقت خدا تعالیٰ اس سے رخ پھیرے ہوئے ہوگا۔ رواہ مسلم۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ کندی کا نام امرء القیس بن عابس اور اس کے حریف کا نام ربیعہ بن عبدان تھا۔ ابو داؤد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی قسم کھا کر (کسی کا) کوئی مال دبالے گا وہ اللہ کی پیشی کے وقت کوڑھی ہوگا یہ سن کر کندی نے قسم کھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اس پر امرء القیس (یعنی کندی) نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور سچے حریف کے حق کا اقرار کر لیا اور زمین اس کو دے دی۔

أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ان لوگوں کا راحت آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مار لیا اللہ نے اس کیلئے دوزخ لازم کر دی اور جنت اس پر حرام کر دی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ تھوڑی سی چیز ہو فرمایا اگرچہ درخت پیلو کی ایک ٹہنی ہو۔ رواہ مسلم۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آخری لفظ تین مرتبہ فرمایا۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ ان سے ایسا کلام نہیں کرے گا جس سے ان کو خوشی ہو اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا۔ صحیح یہ ہے کہ (آیت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ) بطور کنایہ غضبناک ہونا اور رخ پھیر لینا مراد ہے کیونکہ آیت کی تفسیر ہے جو حضرت عبد اللہ اور حضرت اشعث کی روایت سے ذکر کر دی گئی ہے کہ لقی اللہ وھو علیہ غضبان۔ اور حضرت وائل کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ لیلقین اللہ وھو عنہ معرض۔

وَلَا يُزَكِّيهِمْ اور اللہ ان کو پاک نہیں بنائے گا یعنی ان کی (پاکی کی) تعریف نہیں کریگا یہ مطلب ضعیف ہے) صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کا گناہ معاف نہیں کریگا کیونکہ یہ بندوں کا حق ہے اس کا بدلہ تو ضرور ملتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اعمالناموں کی تین مدیں ہیں ایک مد وہ ہے جس کی پروا (تحقیق کے ساتھ) اللہ نہیں کریگا، دوسری مد وہ ہے جس میں سے کوئی چیز (بغیر عوض کے) نہیں چھوڑے گا، تیسری مد وہ ہے جس کو معاف نہیں فرمائے گا، جس مد کو معاف نہیں فرمائے گا وہ تو شرک ہے اور جس کی مد کی کوئی خاص پروا نہیں کرے گا وہ خود انسان کا اپنی ذات پر ظلم ہے یعنی وہ حقوق جو براہ راست خدا کے انسان پر ہیں ان کو ادا نہ کرنا (جیسے) کوئی روزہ ترک کر دیا کوئی نماز چھوڑ دی اور وہ مد جس (کے اندراجات) میں سے کوئی چیز (بغیر بدلہ کے) نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کی باہم حق تلفیاں ہیں اس میں لامحالہ بدلہ دینا ہوگا۔ رواہ

ابن ہمام و احمد۔

طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اگر اوصاف رسول اللہ ﷺ کو چھپانے کی وجہ سے آیت کا نزول یہودیوں سے متعلق تسلیم کیا جائے تو عدم مغفرت کا حکم ان کے کفر کی وجہ سے قرار پائے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾ اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ یعنی ان کے اعمال کی سزا میں۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ کلام نہیں کریگا، اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کریگا اور انہی کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ حضور ﷺ نے یہ آیت تین بار تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ناکام اور نامراد ہوں گے کون ہیں کون لوگ۔ فرمایا (غرور سے) تہبند نیچی لٹکانے والا (یعنی ٹخنوں سے نیچے) اور وہ احسان جتلانے والا کہ جب کچھ دیتا ہے تو اس کا احسان ضرور جتلاتا ہے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے مال کی فروخت کو فروغ دینے والا۔ رواہ مسلم و احمد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جس کے پاس بیابان میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ دوسرے مسافر کو نہ دے۔ ایک وہ شخص جس نے عصر کے بعد (جب کہ بازار میں رونق ہوتی ہے) کچھ سامان تجارت کا فروخت کرنا چاہا اور اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ اتنے کو خریدا ہے حالانکہ بیان کردہ قیمت پر اس نے نہیں خریدا تھا اور لوگوں نے اس کی بات سچ مان لی اور ایک وہ آدمی جس نے امام کی بیعت کی اور صرف دنیا کے لئے کی اگر امام نے کچھ دنیا اسے دے دی تو وفادار رہا اور نہ دی تو اس نے بیعت کی وفا نہ کی (یعنی غداری کی)۔ رواہ اصحاب الستہ و احمد۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت اس طرح ہے کہ تین ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان پر نظر فرمائے گا۔ ایک وہ شخص جس نے کسی سامان کے فروخت پر جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ اتنے کو لیا ہے حالانکہ جو قیمت اس نے دی تھی اس سے بتائی ہوئی قیمت زیادہ تھی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی مسلمان کا مال مارنے کے لئے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائی، تیسرا وہ آدمی جس نے اپنی ضرورت سے بچا ہوا پانی (حاجت مند مسافر کو دینے سے) روک لیا (قیامت کے دن) اللہ اس سے فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جس طرح تو نے اپنے صرف سے بچی ہوئی وہ چیز روک رکھی تھی جو تو نے بنائی بھی نہ تھی۔ (یعنی پانی)۔

طبرانی اور بیہقی نے تین آدمیوں کی تفصیل حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے ایک بوڑھا زانی، دوسرا شیخی خور امفلس، تیسرا وہ شخص جس نے اپنا سرمایہ ہی اس بات کو بنا رکھا ہے کہ کچھ بیچے گا تو قسم کھا کر اور خریدے گا تو قسم کھا کر۔ طبرانی نے حضرت معقل بن یسار کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا بے شک اہل کتاب کا ایک گروہ ہے یعنی کعب بن اشرف حیی بن اخطب، ابو یاسر، مالک بن الصیف اور شعبہ بن عمرو شاعر

يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ جو (اللہ کی) کتاب پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو نازل شدہ الفاظ سے اپنے اختراع کردہ لفظوں کی طرف پھیر دیتا ہے (یعنی نازل شدہ الفاظ کی جگہ خود ساختہ عبارت کو پڑھتا ہے)۔

لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ تاکہ اے مسلمانو تم اس کی پڑھی ہوئی عبارت کو (اللہ کی اصل) کتاب کا جزو سمجھ لو۔

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ حالانکہ وہ کتاب اللہ کا حصہ نہیں ہے (بلکہ خود پڑھنے والے کا یا اس کے ساتھیوں کا بنایا ہوا ہے)۔

وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ (اور صرف اسی پر بس نہیں کرتے کہ آہستہ سے پڑھتے چلے جائیں تاکہ مسلمان غلط فہمی میں پڑ جائیں بلکہ) وہ صراحتہً کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس (سے ہی) آیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی

طرف سے (آیا ہوا) نہیں ہے۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۞ یہ لوگ دانستہ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں یہ جملہ تاکید مزید ہے اور بالارادہ دروغ بندی کرنے کی محکم صراحت ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ سب کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ ان سب نے توریت و انجیل کو بگاڑ دیا تھا اور کتاب میں اس (عبارت) کو ملا دیا تھا جو کتاب کی نہ تھی۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نیز دلائل میں بیہقی نے حضرت ابن عباس کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ (جب علماء یہود اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو) ابو رافع قرظی (مدنی) نے رسول اللہ ﷺ سے کہا محمد کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری ایسی ہی پوجا کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ کی کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کا میں حکم دوں۔ اللہ نے اس کے لئے مجھے نہیں بھیجا نہ اس کا مجھے حکم دیا اس پر اللہ نے آیت ماکان لبشر ــــــــــ مسلمون تک نازل فرمائی۔

عبد نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حسن بصری نے فرمایا مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو کرتا ہے (آپ ﷺ کو سلام کرنے کا کوئی امتیاز نہیں) تو کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں۔ فرمایا نہیں، بلکہ اپنے نبی کی عزت کرو اور اہل حق کا حق پہنچاؤ، اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مقاتل اور ضحاک کا بیان ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا کہ عیسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ان کو رب بنا لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی محمد ہوں یا عیسیٰ کسی بشر کے لئے جائز نہیں۔ بشر انسان کی طرح اسم جنس ہے مذکر مونث مفرد و جمع سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کبھی اس کا تثنیہ بھی آتا ہے جیسے آیت انؤمن لبشرین مثلنا میں آیا ہے بشر کی جمع ابشار آتی ہے (قاموس) بغوی نے لکھا ہے کہ بشر جمع ہے اس کا اطلاق انسانوں کی جماعت پر ہوتا ہے اس لفظ سے واحد نہیں آتا جیسے قوم، جیش اور واحد کے مقام میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے، حکم سے مراد ہے حکمت، سنت یا حکومت۔

ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ يقول کا عطف يؤتيه پر ہے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی توحید کو چھوڑ کر تم میرے پرستار بن جاؤ (یعنی میری بھی پوجا کرو) اس آیت میں اشارہ ہے کہ عبادت خداوندی کا حصر صرف توحید میں ہے کہ غیر اللہ کو عبادت میں شریک کیا تو عبادت اللہ نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے تو عطاء کتاب و نبوت ہو اور بندہ کی طرف سے غیر اللہ کی عبادت کا حکم ہو ایسا ہونا ممکن نہیں (کوئی نبی غیر اللہ کی پوجا کا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ) نبوت اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دو متضاد چیزیں ہیں اول دعوت توحید ہے اور دوسری دعوت شرک۔

وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم ربانی ہو جاؤ، یعنی احکام خداوندی کے مبلغ۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ربانیین کا تفسیری ترجمہ کیا، فقہاء، علماء۔ قتادہ نے حکماء، علماء کہا۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ ربانیین سے مراد ہیں فقہاء معلمین۔ عطاءؒ نے ترجمہ کیا با وقار دانشمند علماء جو اللہ کی طرف سے مخلوق کے خیر خواہ ہوں۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا باعمل عالم۔ ابو عبیدؒ نے کہا میں نے ایک عالم سے سنا کہ ربانی وہ شخص ہے جو حلال حرام اور امر و نہی کو جانتا ہو امت کے گزشتہ اور آئندہ احوال سے واقف ہو۔ بعض نے کہا ربانی کا درجہ حبر سے اونچا ہے حبر تو عالم کو کہتے ہیں اور ربانی اس عالم کو کہتے ہیں جو صاحب بصیرت بھی ہو۔

تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو علم، عمل، اخلاص اور درجات قرب میں خود بھی کامل ہو اور

کامل تر بھی ہو کیونکہ رَبَّ (ماضی) یَرُبُّ (مصدر) رَبًّا (مصدر) کا معنی ہے کسی چیز کی درستی اور تکمیل کرنا، ربانی علم کی ترقی اور تکمیل کرتے ہیں اور تحصیل کرنے والوں کو تربیت دیتے ہیں، بڑے بڑے علوم سے چھوٹے چھوٹے علوم کی تدریجی تعلیم دیتے ہیں اسی لئے ان کو ربانی کہا جاتا ہے ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے کہ رَبَّانِيِّينَ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال سے علم کی تکمیل کرتے ہیں یہ ربّان کی جمع ہے جیسے ریّان، عطشان، یا یہ نسبت مبالغہ کی ہے۔

بعض نے کہا ربانی وہ شخص ہے جو رب کی طرف منسوب ہو (الف نون) الف نون کو مبالغہ کے لئے زیادہ کردیا گیا ہے (جیسے اللحیانی) جیسے لحیانی بڑی لمبی داڑھی والا اور (رقبانی بڑی موٹی گردن والا) اگر مبالغہ مقصود نہ ہو اور صرف لحیہ اور رقبہ کی طرف نسبت کرنی غرض ہو تو لحی اور رقبی کہا جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی جس روز وفات ہوئی تو محمد بن حنفیہ نے فرمایا اس امت کے ربانی کا انتقال ہو گیا۔

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ یعنی تم ربانی ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب کے عالم اور معلم ہو اور ہمیشہ پڑھتے اور یاد رکھتے ہو، تَدْرُسُونَ کا معنی یہ ہے کہ ہمیشہ کتاب کو پڑھتے اور یاد رکھتے ہو ممکن ہے کہ لوگوں کے سامنے پڑھنا یعنی لوگوں کو پڑھانا مراد ہو، صحاح میں ہے دَرَسَ الدَّارُ یعنی گھر مٹ گیا (ہو گئے) نشانات باقی رہ گئے، درس الکتاب والعلم کتاب کو اور علم کو پڑھا یعنی کتاب اور علم کا اثر اپنی یادداشت میں لے لیا اور چونکہ یادداشت ہمیشہ پڑھتے رہنے سے ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ پڑھتے رہنے کی تعبیر لفظ درس سے کی اللہ نے فرمایا و درسوا ما فیہ، وبما کنتم تدرسون حاصل مراد یہ ہے کہ چونکہ تم کتاب کو پڑھتے پڑھاتے اور جانتے سکھاتے ہو اس لئے ربانی ہو جاؤ کیونکہ جاننے کا فائدہ عمل کرنا اور اپنی اصلاح کرنا ہے اور تعلیم کی غرض دوسروں کی اصلاح ہے مگر دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح لازم ہے تاکہ آیت لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ اور أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کے مصداق نہ ہو جاؤ۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ اور نہ اس کیلئے یہ جائز ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کو رب بنا لینے کا تم کو حکم دے بلکہ وہ تو اس بات کی ممانعت کرتا ہے لا یامر کا عطف یقول پر ہے اور ما کان لبشر میں جو نفی کا معنی ہے اس کی تاکید کے لئے لا کو ذکر کیا گیا ہے۔ قریش اور صابیوں کا فرقہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتا تھا یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو خدا کی اولاد کہتے تھے (ان کی تردید میں فرمایا کہ قریش اور یہود و نصاریٰ کی طرح) کسی ایسے شخص کے لئے جس کو اللہ نے نبی بنایا ہو اپنی پوجا کا یا ملائکہ وانبیاء کو رب اور خدا کہنے کا حکم دینا جائز نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا زائدہ ہو اس وقت مطلب اس طرح ہو گا کہ اپنی پوجا کا حکم دینا اس کے لئے جائز نہیں اور نہ وہ ملائکہ وانبیاء کو رب بنانے کا حکم دیتا ہے بلکہ اس کی ممانعت کرتا ہے کہ خدا کی شکل ملائکہ اور انبیاء کو رب بنایا جائے۔

أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ استفہام تعجب انکار کے لئے ہے (یعنی تعجب ہے کہ وہ تم کو کفر کا حکم دے ایسا نہیں ہو سکتا) کفر سے مراد ہے غیر اللہ کی پوجا۔

۸ ع ۱۶ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ اس کے بعد کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو اگر یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کو سجدہ کرنے کی خواہش کی تھی جیسا کہ حسن بصری کی روایت ہے۔ تو آیت کا مطلب صاف ہے اسی طرح اگر یہ نصاریٰ کے اس قول کی تردید ہو کہ حضرت عیسیٰ نے حکم دیا تھا کہ ہم ان کو رب بنالیں تب بھی مطلب میں کوئی خدشہ نہ ہو گا کیونکہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں عیسائی مسلمان تھے لیکن اگر مخاطب وہ یہود و نصاریٰ ہوں جنہوں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ محمد کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کریں تو (آیت کا مطلب واضح نہ ہو گا کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے) اس وقت کلام کی توجیہ اس طرح ہو گی کہ یہ خطاب بطور فرض ہے یعنی اگر مان لیا جائے کہ تم مسلمان ہو جاؤ گے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مان لو گے تو کیا تمہارے مسلمان ہونے کے بعد وہ غیر اللہ کی پرستش کا تم کو حکم دیں گے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ یعنی اللہ نے ہر نبی سے پختہ وعدہ لے لیا تھا کہ اپنے بعد آنے والے نبی کی تصدیق

کرنا اور اپنی امت کو بھی حکم دینا کہ وہ آنے والے نبی کی پیروی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو تشریح کی ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آدمؑ اور آدمؑ کے بعد ہر نبی سے اللہ نے وعدہ لے لیا تھا کہ تم اور تمہاری امت محمد کی تصدیق کرنا اور اگر تمہاری زندگی میں محمد کی بعثت ہو جائے تو تم سب ان کی مدد کرنا (گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر رسول اللہ ﷺ سے عام پیغمبر مراد ہیں اور حضرت علی کی تشریح پر صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک مراد ہے)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ میثاق النبیین سے میثاق اہل کتاب مراد ہے یعنی بنی اسرائیل سے اللہ نے عہد لیا تھا، اس صورت میں یا مضاف محذوف ماننا ہوگا یعنی میثاق اولاد النبیین یا بطور استہزاء میثاق اہل کتاب کو میثاق انبیاء فرمایا کیونکہ اہل کتاب کا خیال تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں ہم محمد سے زیادہ نبوت کے مستحق ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ میثاق کی اضافت فاعل کی طرف ہے انبیاء نے اپنی امتوں سے عہد لیا تھا۔ اس توجیہ کی تائید حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت سے ہوتی ہے ان دونوں حضرات کی قرأت میں میثاق الذین اوتوا الکتاب ہے (النبیین نہیں ہے)۔

مگر صحیح مطلب وہی ہے جو سب سے پہلے بیان کر دیا گیا، وہی متواتر قرأت کے موافق ہے یعنی اللہ نے حضرت موسیٰ سے عہد لیا تھا کہ تم خود عیسیٰ کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ عیسیٰ پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ سے بھی عہد لیا تھا کہ تم خود محمد ﷺ کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اسی لئے تو حضرت عیسیٰ نے کہا تھا، يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پھر قرأت ابن مسعودؓ اور قرأت متواترہ میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ لیڈر کا عہد اس کے متبعین کا عہد ہوتا ہے۔ (جب انبیاء سے عہد لے لیا تو بس ان کی امتوں سے بھی لے لیا)۔

لَمَا آتَيْتُكُمْ حمزہ کی قرأت میں لام جارہ مکسورہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ، متواتر قرأت فتح لام کے ساتھ ہے، لام تمہید قسم کے لئے ہے کیونکہ میثاق لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے۔ اس صورت میں ما شرطیہ ہے اور لتؤمنن بہ جواب قسم بھی ہے اور جزاء شرط بھی۔ اس وقت مطلب اس طرح ہوگا کہ اللہ نے پیغمبروں سے قسم لے لی تھی کہ اگر میں تم کو کتاب عطا کروں پھر اس کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول تمہارے سامنے آجائے تو تم اس کی تصدیق کرنا، یا ما موصولہ ہے اور من کتاب اس کا صلہ ہے اور لتؤمنن بہ خبر ہے یعنی اللہ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں تم کو دوں۔

مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ حکمت سے مراد ہے سنت یا دین کی سمجھ۔

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ ما معکم سے مراد ہے کتاب۔ بعض علماء کے نزدیک رسول سے مراد ہے صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کیونکہ تمام انسانوں کے لئے آپ ہی کی بعثت ہوئی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ کے قول سے یہی مطلب اخذ کیا گیا اور حضرت علیؓ کے کلام میں تو اس کی صراحت ہے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ لفظ عام ہے تعیین کی کوئی دلیل نہیں ہے گذشتہ امتیں ہوں یا آنے والی سب کے لئے تمام انبیاء پر ایمان "لانا" واجب ہے اور لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ کہنا لازم ہے (دین کی وحدت اور عدم تفرق کے متعلق) اللہ نے فرمایا شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے قول میں رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی خصوصیت صرف اہل کتاب کو قائل کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اہل کتاب سے کلام صرف رسول اللہ ﷺ کے متعلق تھا۔ کسی دوسرے پیغمبر کے متعلق نہ تھا لیکن اس خصوصیت کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اس جگہ کوئی دوسرا پیغمبر مراد ہی نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق خاص طور پر عہد و میثاق آپ کی فضیلت کے اظہار کے لئے ہو۔ مصدق لما معکم کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس رسول کی تکذیب سے کتاب سابق کی تکذیب لازم آتی ہے۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ تم ضرور اس رسول کی تصدیق کرنا۔

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ اور اگر تم کو اس کا زمانہ مل جائے تو خود اس کی مدد کرنا اور اگر وہ تمہارے زمانہ میں نہ آئے تو اپنے متبعین کو نصیحت کر دینا کہ جو اس کے زمانہ میں ہو وہ مدد کرے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے آدم کی پشت سے (تمام) ذریات کو برآمد کیا، جن میں انبیاء چراغوں کی طرح (روشن) تھے اور سب سے محمد ﷺ کے بارہ میں میثاق لیا۔

قَالَ وادا احد اللہ سے پہلے اگر لفظ اذکر محذوف قرار دیا جائے تو پورا جملہ احد اللہ اس کا مفعول ہوگا ورنہ حال کا مفعول ہوگا یا حال علیحدہ جملہ ہے جس میں میثاق لینے کی تفصیل ظاہر کی گئی ہے۔

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اپنے اس اقرار پر میرا عہد لے لیا۔ یہ استفہام (سوالیہ نہیں ہے بلکہ) تقریری ہے (اقرار پر جمانے کے لئے ہے)۔

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا انبیاء نے یا انبیاء اور ان کی امتوں نے بروز میثاق کہا ہم نے اقرار کیا۔

قَالَ فَاشْهَدُوْا اللہ نے پیغمبروں سے فرمایا تم اپنے اور اپنے متبعین کے اس اقرار کی قیامت کے دن شہادت دینا۔

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ اور میں بھی تمہارے اور ان کے اقرار پر تمہارے ساتھ شہادت دوں گا۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ اب اس اقرار کے بعد جس نے پیغمبروں کے اتباع سے اپنا رخ پھیرا۔ یہ رخ پھیرنے والے یہود و نصاریٰ ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس وہی ایمان سے خارج یعنی کافر ہیں۔ یہ آیت صراحۃً بتا رہی ہے کہ انبیاء اور ان کی امتوں سے سب سے عہد لیا گیا تھا مگر پیشواؤں کے ذکر کے بعد متبعین کے ذکر کی ضرورت نہ تھی اس لئے پیشواؤں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے طلب گار ہیں اس جملہ کا عطف فاولئک هم الفاسقون پر ہے اور استفہام انکاری ہے یا فعل محذوف پر عطف ہے اصلی عبارت اس طرح تھی ایعتو فغیر دین اللہ یبغون یا اصل میں کلام اس طرح تھا ایتولون فغیر دین اللہ یبغون۔

مفعول کو فعل سے پہلے تخصیص کی وجہ سے ذکر کیا گیا گویا مخصص کا انکار مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا دین اللہ کے علاوہ کسی اور ہی دین کو وہ چاہتے ہیں۔ اس سے بطور اشارہ یہ بات معلوم ہوئی کہ دین اللہ کی طلب کے ساتھ دوسرے دین کی طلب نہیں ہو سکتی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر فریق نے دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ جھگڑا لے کر حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے فرمایا دونوں فریق دین ابراہیم سے علیحدہ ہیں اس فیصلہ سے دونوں ناراض ہو گئے اور کہنے لگے ہم آپ کے فیصلہ کو نہیں مانتے اور نہ آپ کے مذہب کو پسند کرتے ہیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ حالانکہ اللہ ہی کے فرمان بردار اور مطیع ہیں جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ۔ یہ جملہ لفظ اللہ سے حال ہے لفظ اللہ (اگرچہ مفعول نہیں ہے بلکہ دین کا مضاف الیہ ہے مگر) مفعول کے دائرہ میں واقع ہے۔

وَالْاَرْضِ اور جو زمین میں ہیں یعنی جن و انس۔

طَوْعًا یعنی اپنے اختیار سے۔ مطلب یہ ہے کہ ملائکہ اور ایماندار جن و انس اوامر تکلیفیہ کی تعمیل بخوشی خاطر اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور اوامر تکلیفیہ میں اپنے محبوب کی مرضی پر راضی اور اللہ کے تکوینی فیصلہ سے خوش ہیں۔

وَّكَرْهًا اور مجبوراً بھی مطیع ہیں۔ خواہ اسلام کی قوت کی وجہ سے یا ایسے اسباب کا معائنہ کرنے کی وجہ سے جو اسلام پر مجبور کرتے ہیں جیسے (بنی اسرائیل کے سروں پر) پہاڑ کو اکھاڑ کر معلق کیا گیا یا آل فرعون کو غرق کیا گیا تھا، موت کا پھندا گلے میں پڑنے لگتا ہے تو منکر بھی اسلام پر مجبور ہو جاتا ہے یہ صورت تو اوامر تکلیفیہ میں ہوتی ہے اور اوامر تکوینیہ میں تو کوئی اختیار

ہوتا ہی نہیں ہے، نیچرل تسخیر سب کو محیط ہے اور سب مسخر ہیں (بہر حال مؤمن و کافر سب چار و ناچار اللہ کے فرمانبردار ہیں)۔

وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ اور اسی کی طرف سب کو واپس جانا ہوگا۔

قُلْ آمَنَّا آپ کہہ دیں کہ ہم مانتے ہیں۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے شاہانہ طریقہ کلام کا حکم دیا گیا۔ یہ حکم دیا کہ اپنے ساتھ اپنے متبعین کو بھی شامل قرار دے کر اظہار ایمان کرو یا خطاب ہر مؤمن کو ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ساتھ ہر مؤمن بھائی کو شامل سمجھ کر اظہار ایمان کریں۔

بِاللَّهِ خدا اللہ کو۔ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا اور اس قرآن کو جو ہم پر اتارا گیا ہے، اگر خطاب ہر مؤمن کو مانا جائے تو ہم پر نازل ہونے سے مراد ہوگا رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ہم تک پہنچنا، یا یوں تاویل کی جائے کہ اگر جماعت کے کسی ایک فرد کی طرف کسی فعل کی نسبت کی جائے (اور وہ فرد اہم ہو) تو پوری جماعت کی طرف اس فعل کی نسبت ہو جاتی ہے (اہل ایمان میں رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ سب سے اہم ہے اور آپ پر قرآن نازل ہوا، تو گویا سب پر نازل ہوا) مادۂ نزول کے بعد کبھی الی آتا ہے کیونکہ اللہ کا پیام پیغمبروں تک پہنچتا ہے کبھی علی آتا ہے کیونکہ اللہ کا پیام اوپر سے اترتا ہے۔

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ اور ان کتابوں اور صحیفوں کو جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں پر اتارے گئے۔ اسباط سے مراد ہیں حضرت یعقوب کی نسل کے انبیاء۔

وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى جن میں سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بھی تھے۔ چونکہ یا تو ان دونوں حضرات کی جلالت قدر کی وجہ سے ان کا خصوصی ذکر کیا، یا وجہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے انہی کے متعلق خصوصی نزاع تھا اور ان کو یہ خیال تھا کہ مسلمان حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو نہیں مانتے، اس گمان کو دفع کرنے کیلئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا۔

سے اس جگہ بھی کتابیں اور صحیفے مراد ہیں، یا ما انزل سے وحی جلی اور ما اوتی سے وحی خفی مراد ہے یا معجزات و فضائل مراد ہیں۔

وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ اور اسکو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ہم انبیاء کے باہم تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو سچا کہیں اور کسی کو جھوٹا۔

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ اور ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا جو طلب کرے گا سوائے اسلام کے کوئی دوسرا دین، اسلام سے مراد ہے توحید اور اللہ کی فرمانبرداری یا دین محمدی جو تمام مذہب کا ناسخ ہے۔ دینا تمیز ہے یا یبتغ کا مفعول اس صورت میں غیر الاسلام حال ہوگا جو دینا کے نکرہ ہونے کی وجہ سے پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔

فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ دین اللہ کے حکم اور پسند کے خلاف ہوگا۔

وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ وہ اسلام کا تارک اور دوسرے دین کا طالب ہے اس نے اپنی فطرت سلیمہ کو بگاڑ لیا ہے اس لئے فائدہ سے محروم اور نقصان سے ہم کنار ہوگا[1]۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اور اس کی بعد والی آیت کا نزول بارہ آدمیوں کے حق میں ہوا تھا، یہ لوگ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ کو چلے گئے تھے، انہیں میں سے حارث بن سوید انصاری بھی تھے (حارث مرتد ہو کر چلے گئے تھے لیکن پھر سچے دل سے

[1] بیہقی نے دعوات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کا سواری کا جانور سرکش ہو اور اس پر سوار ہونا دشوار ہو تو اس کے کانوں میں آیت ومن یبتغ غیر الاسلام الخ پڑھ دی جائے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔

توبہ کر کے واپس آگئے تھے)۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ یعنی اللہ جنت کا راستہ کیسے دکھائے گا، یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ ان کو جنت کی ہدایت نہیں کرے گا ان کا ہدایت یاب ہونا بہت بعید ہے۔

قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ایسے لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، جیسے بارہ آدمیوں نے کیا۔

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ اور جو رسول کے حق ہونے کی شہادت دینے کے بعد کافر ہو گئے (اللہ ان کو ہدایت نہیں کرے گا) شَهِدُوْا اگرچہ فعل ہے لیکن مصدری معنی مراد ہے جیسے تَسْمَعُ بِالْمُعَيْدِيِّ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَرَاهُ میں تَسْمَعُ فعل بمعنی مصدر ہے معیدی کا ذکر سننا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے یا اِيْمَانِهِمْ میں اِيْمَان (مصدر) ہونے کے باوجود اپنے اندر فعل کے معنی رکھتا ہے۔ اس لئے شَهِدُوْا کا عطف اس پر کر دیا گیا۔ یعنی ایسے لوگوں کو اللہ جنت کا راستہ نہیں بتائے گا جو ایمان لا چکے تھے اور حقانیت رسول کی شہادت دے چکے تھے اس کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شَهِدُوْا سے پہلے لفظ قد محذوف قرار دیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شَهِدُوْا کا عطف كَفَرُوْا پر ہو (شہادت رسالت اگرچہ کفر سے پہلے تھی لیکن) عطف بالواو میں ترتیب واقعی کی مطابقت ضروری نہیں، یا شَهِدُوْا حال ہے اور قد محذوف ہے، بہر حال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے اقرار رسالت کرنا ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں (اسی لئے تو شَهِدُوْا کا عطف اِيْمَانِهِمْ پر کیا ہے، معطوف معطوف علیہ سے غیر ہوتا ہے)۔

وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ بینات سے مراد ہیں روشن دلائل جیسے قرآن اور تمام معجزات۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اور اللہ کافروں کو جنت کی راہ پر نہیں لے جائے گا۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ یہی ہیں جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ لعنت اللہ سے مراد ہے اللہ کا غضب لیکن اللہ کے غضب کے بعد اس کی رحمت سے دوری ضروری ہے (اس لئے لعنت سے مراد ہوئی رحمت سے دوری)۔

وَالْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں کی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دور رہنے کی بددعا۔

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ اور تمام لوگوں کی لعنت۔ تمام لوگوں سے مراد ہیں تمام مؤمن یا سب آدمی خواہ کافر ہو یا مؤمن کیونکہ کافر بھی منکر حق پر لعنت کرتا ہے گرچہ (اس کی لعنت اسی پر پڑتی ہے کیونکہ وہ بھی منکر حق ہوتا ہے مگر وہ حق کی شناخت نہیں رکھتا) یا یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن بعض کافر بعض کافروں پر لعنت کریں گے اللہ نے فرمایا ہے یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے یا آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ کا ذکر گو صراحۃً نہیں ہے مگر کلام اس پر دلالت کر رہا ہے (کیونکہ لعنت کے بعد دوزخ لازم ہے)۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (کہ ٹھہر ٹھہر کر عذاب دیا جائے کا کچھ موقع دم لینے کا دے دیا جائے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ہاں جن لوگوں نے ارتداد سے توبہ کر لی۔

وَاَصْلَحُوْا اور اصلاح نفس کر لی۔ یہ تَابُوْا کی تفسیر ہے توبہ کر لی یعنی نیک ہو گئے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہو گئے یا یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ٹھیک کر لیا یعنی (کفر کی وجہ سے) جو ملک میں بگاڑ کیا تھا اس کو (ایمان کے بعد) درست کر لیا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ تو بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا ہے ان کی توبہ قبول فرمالے گا اور ان سے جو اللہ کی حق

تلفیاں ہوئی ہیں ان کو معاف کر دے گا۔

رَّحِيْمٌ ۝ وہ مہربان ہے۔ ان پر مہربانی کر کے جنت میں لے جائے گا۔ نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک انصاری مسلمان ہونے سے کچھ مدت کے بعد مرتد ہو گیا لیکن پھر اسے پشیمانی ہوئی اس نے اپنے خاندان والوں کے پاس پیام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر یہ دریافت کراؤ کہ کیا اب میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے اس پر آیت کیف یہدی اللہ سے غفور رحیم تک نازل ہوئی اور انصاری کے خاندان والوں نے اس کے پاس (قبول توبہ کا) پیام بھیج دیا وہ (پھر) مسلمان ہو گیا۔ ابن المنذر نے (مسند میں) اور عبدالرزاق نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ حارث بن سوید آکر مسلمان ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد کافر ہو کر اپنے قبیلہ میں لوٹ گیا۔ اللہ نے اس کے متعلق آیت کیف یہدی اللہ سے غفور رحیم تک نازل فرمائی۔ اس کے خاندان کے کسی شخص نے یہ آیت لے جا کر اس کو سنادی حارث نے کہا خدا کی قسم میری دانست میں تم بڑے سچے آدمی ہو اور رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ دونوں سے بڑھ کر سچا ہے اس کے بعد حارث واپس آکر مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا قتادہ اور حسن بصری کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول یہودیوں کے حق میں ہوا جنہوں نے حضرت موسیٰ اور توریت پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو ماننے سے انکار کر دیا، پھر کفر میں اور ترقی کی کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کو نہیں مانا۔ ابو العالیہ کے قول پر آیت کا نزول یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں ہوا دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف و حالات اپنی کتابوں میں پڑھے اور ان کو مانا لیکن بعثت نبوی کے بعد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور اس کفر کی حالت میں گناہوں کی وجہ سے مزید ترقی کی۔ مجاہد کے نزدیک آیت کا نزول تمام کفار کے حق میں ہوا جو اللہ کے خالق ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود شرک کرتے ہیں پھر کفر میں بڑھ جاتے ہیں یعنی مرتے دم تک کفر پر قائم رہتے ہیں۔ حسن نے کہا کہ کفر میں بڑھنے کا معنی یہ ہے کہ جو آیت نازل ہوتی گئی وہ اس کا انکار کرتے گئے۔ کلبی نے کہا کہ آیت کا نزول حارث بن سوید کے ساتھیوں کے متعلق ہوا کہ حارث کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ کفر پر قائم رہے اور مکہ ہی میں مقیم رہے۔ بعض علماء کے نزدیک الذین کفروا سے منافق مراد ہیں علانیہ کافروں سے منافقوں کا کفر زیادہ تھا وہ کفر کو پوشیدہ رکھنے اور ظاہر میں باوجود کراہت خاطر کے نماز مدد وادا کرنے کی مشقت اٹھاتے تھے کفر سے ان کو انتہائی محبت تھی۔

لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ یعنی جن لوگوں نے کفر کیا پھر کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر الذین کفروا سے یہود و نصاریٰ یا عام کافر مراد ہوں تو توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ کفر پر قائم رہیں گے ان دوسروں سے توبہ قبول نہیں کی جائے گی ہاں غرغرہ کے وقت (بھی) کفر سے توبہ مقبول ہے کیونکہ فتح مکہ کے بعد حارث بن سوید کے ساتھیوں میں سے جس نے بھی کفر سے توبہ کی رسول اللہ ﷺ نے اس کی توبہ قبول فرمائی اور اگر آیت میں منافق مراد ہوں تو یہ مطلب ہو گا کہ جب تک دل سے کفر پر جمے رہیں گے زبان سے توبہ ناقابل قبول ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ اور یہی لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر سے توبہ نہ کی اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا اگر بالفرض انہوں نے زندگی میں زمین بھر سونا خیرات کیا ہو گا تب بھی قیامت کے دن قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس سے کم کا تو ذکر ہی کیا ہے کیونکہ ایمان تمام صدقات و عبادات کے قبول ہونے کی شرط ہے بلکہ عبادت عبادت ہی نہیں ہوتی جب تک ایمان اور خلوص کے ساتھ نیت نہ ہو۔

چونکہ الذین میں شرط کا مفہوم ہے اس لئے ان کی خبر یعنی فلن یقبل میں فا (جزائیہ) لائی گئی اس سے یہ بات بھی معلوم

ہوگئی کہ کفر کی حالت میں مرنا خیریت قبول نہ ہونے کا سبب ہے۔

وَلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اگر قیامت کے دن بالفرض وہ زمین بھر سونا بدلہ میں دے تب بھی قبول نہ ہوگا۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب قیامت کے عوض اگر کوئی زمین بھر اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور سونا دے گا تب بھی قبول نہ ہوگا۔ جیسے دوسری آیت میں آیا ہے کہ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ (گویا یہاں بھی مراد ہے بمثلہ۔ لفظ مثل محذوف ہے) چونکہ دو یکساں طرح کی چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کسی ایک چیز کے ذکر کے وقت اس جیسی دوسری چیز بھی اس کے ساتھ کثرت مراد لے لی جاتی ہے۔

وَلَوِ افْتَدٰى میں لَو وصلیہ نہیں ہے (یعنی اگرچہ اور خواہ کا معنی نہیں ہے) کیونکہ شرط وصلی کی صورت میں نقیض شرط کا جزا ہونا بدرجہ اولیٰ صحیح ہوتا ہے جیسے آیت یکاد زیتہا یضیء ولو لم تمسسه نار کا مفہوم یہ ہے کہ (درخت زیتون اتنا چکنا اور شفاف ہوتا ہے کہ) اس کا تیل آگ کے چھوتے ہی مشتعل ہو جائے اور آگ اس کو نہ لگے تب بھی مشتعل ہو جائے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے بدلہ میں زمین بھر سونا دے تو قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ دے تب بھی قبول نہ ہوگا۔ (اور یہ مطلب غلط ہے) بعض علماء نے توجیہ مطلب اس طرح کی ہے کہ کوئی عوض قبول نہ ہوگا گو زمین بھر سونے سے کم دے تب قبول نہ ہوگا اور زمین بھر سونا دے تب قبول نہ ہوگا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت میں پر زور تخویف ہے کیونکہ جس کی طرف سے کوئی معاوضہ (جرم) قبول نہ ہو اس کو (بلا معاوضہ) محض کرم خدائی کے زیر اثر معافی مل جانا بہت کم ہوتا ہے (مگر ہو سکتا ہے) لیکن جب دردناک عذاب میں مبتلا ہونے کی صراحت کردی تو اس سے معافی کی طرف سے بالکل ناامید بنا دیا۔

ع ۹ ۱۷ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور ان کا کوئی حامی نہ ہوگا کہ عذاب کو دفع کر سکے۔ مِنْ کی زیادتی مفید استغراق ہے (یعنی کوئی بھی مددگار نہ ہوگا)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن خفیف ترین عذاب والے دوزخی سے اللہ فرمائے گا اگر تیرے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو کیا (آج) عذاب سے چھوٹنے کیلئے تو وہ سب چیزیں دے دیگا دوزخی کہے گا جی ہاں، اللہ فرمائے گا جب تو آدم کی پشت میں تھا اس وقت میں نے تجھ سے اس سے بہت زیادہ آسان چیز کی خواہش کی تھی کہ (پیدا ہونے کے بعد) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا مگر تو بغیر شرک کئے نہ رہا۔ (متفق علیہ)

چوتھا پارہ لن تنالوا (آل عمران)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لن تنالوا البر [illegible] احسان کی صفت، بھلائی، طاعت (قاموس) [illegible]
[illegible] کی طرف کی [illegible]
[illegible] اللہ کی طرف کی نسبت [illegible] رضا و رحمت [illegible]

[illegible]

[illegible] صدیق [illegible]

[illegible] مسلم [illegible]

[illegible] صدق [illegible]

حتیٰ تنفقوا مما تحبون [illegible]

[illegible] ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون [illegible]

[illegible]

مخصوص صورتیں اور خاص قسمیں ہیں (اس لئے اس آیت کا حکم عام مطلق نہیں ہے) ایک آیت ہے يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ اے پیغمبر مسلمان آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں آپ جواب میں کہہ دیں کہ جو چیز ضرورت سے زائد ہو وہ راہ خدا میں دے دو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کام کرنے والے اور بوجھ اٹھانے والے اور گھروں میں چارہ کھا کر پرورش پانے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کے علاوہ تجھ پر کچھ فرض نہیں ہاں اگر اپنی خوشی سے بطور نفل تو ادا کرے تو خیر۔ تیسری حدیث ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب بغیر تونگری کے نہیں ہوتا ہے (یعنی جو شخص غنی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں) ان احادیث و آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ان جانوروں میں واجب ہے جو (سال کے زیادہ حصہ میں) جنگل میں (مفت) چرتے ہوں (گھر پر ان کو خوراک نہ دی جاتی ہو) یا سونا چاندی بقدر نصاب ہو یا تجارتی سامان ہو (جس کی قیمت) بقدر نصاب ہو بشرطیکہ ایک سال سے اشیاء ملکیت میں ہوں یا کھیتی کا غلہ ہو یا پھل ہوں، ان تمام چیزوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر اجماع ہے۔ چونکہ یہ آیت زکوٰۃ کے متعلق ہے لیکن حکم مخصوص البعض ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ لیکن مجاہد و کلبی کے نزدیک اس آیت میں زکوٰۃ مراد نہیں ہے بلکہ دوسری آیت زکوٰۃ اس آیت کے عمومی حکم کی ناسخ ہے مگر یہ قول غلط ہے۔ جب آیت کے حکم کو زکوٰۃ پر محمول کیا جا سکتا ہے (اور حکم آیت کو عام مخصوص البعض کہا جا سکتا ہے) تو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

نسخ کا قول تو اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب دونوں آیات میں (ناقابل ازالہ) تعارض ہو، یہاں تعارض ہی نہیں ہے۔ اس آیت میں بلاشبہ محبوب ترین مال کو خرچ کرنے کا وجوبی حکم ہے لیکن محبوب ترین مال کے علاوہ دوسرے مال میں سے راہ خدا میں دینے کا عدم وجوب تو اس سے معلوم نہیں ہوتا (ہو سکتا ہے کہ محبوب مال میں سے راہ خدا میں دینا اس آیت کی رو سے واجب ہو اور دوسرے مال میں سے انفاق دوسری آیت سے ثابت ہو) نہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقدار زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسری مقدار واجب نہیں ہے۔ پھر یہ آیت مدنی ہے اور زکوٰۃ کی آیات مکی ہیں، سابق النزول حکم موخر النزول کا ناسخ کس طرح ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔

عام مال کو ماتحبون سے تعبیر کرنا اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو مال زیادہ محبوب خاطر ہو گا اس کو راہ خدا میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہو گا۔ دلالت النص سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ مال کا کچھ حصہ خرچ کرنا واجب ہے لیکن جو شخص کل مال راہ خدا میں دیدے وہ سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسلمان (جس قسم کا) جو مال خرچ کرے گا یہاں تک کہ ایک چھوارہ دے دے گا بھی اس بر کا مستحق ہے جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت حسن کے اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ آیت میں حسن سلوک کا حکم ہے وہ انفاق واجب اور انفاق مستحب دونوں کو شامل ہے اگر کوئی مطلقاً راہ خدا میں خرچ نہ کرے یہاں تک کہ فرض زکوٰۃ بھی نہ دے تو وہی بر کامل سے محروم ہو گا اور اسی پر فاجر (خارج از حکم خدا) کا اطلاق کیا جائے گا۔ عطاء نے آیت کا تفسیری مطلب ان الفاظ میں بیان کیا کہ تم فضیلت دین و تقوی کی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک صحت اور ضرورت کی حالت میں تم خیرات نہ کرو۔

حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ مدینہ میں حضرت ابو طلحہؓ انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور آپ کا مرغوب ترین مال (نخلستان) بیرحاء تھا جو مسجد کے سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی (کبھی کبھی) تشریف لے جا کر وہاں کا عمدہ پانی پیتے تھے جب آیت لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ مجھے اپنے مال میں بیرحاء سب سے زیادہ پسند ہے میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کو دیتا ہوں امید ہے کہ اللہ اس کا ثواب اور اجر میرے لئے جمع

رکھے گا۔ آپ جس طرح چاہیں اس (باغ) میں تصرف کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا واہ واہ یہ تو نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ تم یہ اپنے قرابت داروں کو دیدو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا (بہت خوب) یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے وہ باغ اپنے اقربہ اور چچازادوں کو تقسیم کر دیا۔ صحیح بخاری و مسلم۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ اپنے محبوب گھوڑے کو لے کر آئے اور عرض کیا۔ اللہ کی راہ میں (دیتا ہوں) رسول اللہ ﷺ نے وہ گھوڑا حضرت اسامہؓ بن زید کو سواری کے لئے دے دیا۔ حضرت زیدؓ نے کہا میں نے تو اس کو خیرات کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہاری طرف سے اس کو قبول کر لیا (یعنی تم کو خیرات کا ثواب ملے گا) ابن المنذرؒ نے اس حدیث کو محمد بن منکدرؒ کی روایت سے مرسل بیان کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ اس گھوڑے کا نام سبل تھا۔ ابن جریرؒ نے یہ حدیث عمرو بن دینار کی روایت سے مرسل اور ایوب سختیانی کی روایت سے معضل بیان کی ہے۔

بغوی نے مجاہدؒ کی روایت نقل کی ہے کہ جلولاء کی فتح کے دن حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ میرے لئے جلولاء کے قیدیوں میں سے کوئی باندی خرید لو (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حسب الحکم ایک باندی خرید لی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دی) آپ کو وہ باندی بہت پسند آئی اور فرمایا اللہ نے فرمایا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اس لئے آپ نے اس باندی کو آزاد کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے دل میں آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى کا خیال آیا تو دل میں سوچنے لگے خداداد نعمتوں میں سب سے مرغوب چیز کیا ہے۔ سوچنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں باندی سے زیادہ دل کو محبوب اور کوئی چیز نہیں یہ سوچ کر فرمایا فلاں باندی لوجہ اللہ آزاد ہے اگر بارگاہ الٰہی میں پیش کی ہوئی چیز کو واپس لینے (کی ممانعت) کا خیال نہ ہوتا تو میں اس سے نکاح کر لیتا۔ ان احادیث اور آثار صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں دینے کا مفہوم عام ہے اس کا اطلاق خیرات پر بھی ہوتا ہے اور استعمال کیلئے عاریۃً دینے پر بھی اور قرض دینے پر بھی اور باندی غلام کو آزاد کرنے پر بھی۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کو دینا افضل ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے خواہ وہ محبوب و مرغوب ہو یا غیر محبوب اللہ اس سے یقینی طور پر بخوبی واقف ہے۔ یعنی عمل اور نیت کے مطابق جزا دے گا علم سبب ہے اور جزا و ثواب اس کا نتیجہ۔ سبب کو بجائے نتیجہ کے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کریم کا اپنے بندہ کی نیکی کو جاننا ہی ثواب و جزا کے لئے کافی ہے۔ پھر ماضی (اَنْفَقْتُمْ) کی جگہ مستقبل کا صیغہ (تُنْفِقُوْا) ذکر کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ انفاق (راہ خدا میں صرف) سے اللہ واقف ہے خواہ تھوڑا انفاق ہو یا زیادہ اور خواہ (ماضی میں ہو گیا ہو یا حال میں ہو رہا ہو یا) آئندہ ہونے والا ہو۔ اس سے اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کے علم کے لئے علی الاعلان انفاق ضروری نہیں (چھپ کر بھی اگر خیرات کی جائے تو اللہ اس سے واقف ہوتا ہے بلکہ) پوشیدہ خیرات کرنے کی اس سے ترغیب مستفاد ہو رہی ہے۔ (آئندہ آیت کے شان نزول کے سلسلے میں)۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کو ملت ابراہیمی پر ہونے کا تو دعویٰ ہے مگر آپ اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں باوجودیکہ ابراہیمؑ نہ اونٹ کا گوشت کھاتے تھے نہ ان کا دودھ پیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کے لئے تو یہ چیزیں حلال تھیں کہنے لگے ہم آج جن چیزوں کو حرام کہتے ہیں یہ نوح کے لئے بھی حرام تھیں اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے بھی، اسی زمانہ سے آج تک ان کی حرمت چلی آئی ہے۔ اس قول کی وجہ یہ تھی کہ یہودی نسخ احکام کے قائل نہیں تھے۔ یہودیوں کی تکذیب کے لئے اللہ نے مندرجہ ذیل نازل فرمائی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ طعام مصدر ہے بمعنی کھانا۔ یہاں مفعول کے معنی مراد ہیں یعنی غذا۔ الف لام عہدی ہے یعنی وہ پاکیزہ غذائیں جو (توریت سے پہلے) حلال تھیں لیکن یہودیوں کی حرکات بیجا کی وجہ سے توریت میں ان کو حرام کر دیا گیا چونکہ الطعام سے معہود طعام مراد ہے اس لئے یہ لفظ مردار، خون، گوشت خنزیر اور دوسرے

درندوں کے گوشت کو شامل ہی نہیں ہے۔

حِلٌّ اصل میں مصدر ہے لیکن اس سے مراد صیغہ صفت ہے، مذکر مؤنث جمع واحد سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ایک اور آیت میں آیا ہے لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وہ عورتیں ان مردوں کے لئے حلال نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ توریت میں جو کھانے حرام کردیے گئے ہیں وہ پہلے اولاد یعقوب اور یعقوب کے باپ دادا اسحٰق و ابراہیم کے لئے حلال تھے۔

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ سوائے اس قسم کے کھانے کے جو یعقوب نے اپنے لئے خود حرام کرلئے تھے یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔

بات یہ ہوئی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ حضرت یعقوب کی مرغوب ترین غذا تھی لیکن آپ کو عرق النسا (درد ران) کی بیماری تھی اس لئے آپ نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ آپ کی بیماری دور کردے گا۔ تو آپ اس محبوب غذا کو کبھی نہیں کھائیں گے۔ احمد اور حاکم وغیرہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بسند صحیح بیان کی ہے اور بغوی نے ابوالعالیہ، عطاء، مقاتل اور کلبی کی روایت سے اس کو لکھا ہے لیکن جویبر کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النسا میں مبتلا تھے طبیبوں نے تجویز کی کہ آپ اونٹ کے گوشت سے پرہیز رکھیں اس لئے آپ نے اونٹ کا گوشت اپنے لئے ممنوع قرار دے لیا۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے کہا کہ حضرت یعقوبؑ نے اونٹ کا گوشت خدا پرستی کے جذبہ کے تحت اپنے لئے حرام کرلیا تھا اور اللہ سے دعا کی تھی کہ اللہ اس حرمت کو نافذ فرما دے، حسب دعا اللہ نے آپ کی اولاد کے لئے اونٹ کا گوشت حرام کردیا۔ عطیہ کا بیان ہے کہ اولاد اسرائیل کے لئے اللہ کی طرف سے اونٹ کے گوشت کی حرمت نہیں ہوئی تھی۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کیلئے خود حرام کر رکھا تھا کیونکہ (بطور منت کہا تھا کہ اگر اللہ مجھے شفا عطا فرما دے گا تو میری اولاد اونٹ کا گوشت نہیں کھائے گی۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ توریت نازل کئے جانے سے پہلے۔ اس فقرہ کا تعلق حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ سے تو یقیناً نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت اسرائیل کا بعض اشیاء کو اپنے لئے حرام کرلینا یقیناً نزول توریت سے پہلے ہی تھا (اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے) پھر اس فقرہ کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور کَانَ حِلًّا سے بھی اس کا تعلق نہیں ہے، ورنہ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ کو درمیان میں لانا خلاف ضابطہ ہے جب تک پوری صفت ذکر نہ کردی جائے۔ حصر صفت کا معنی کیا ہوسکتا ہے لامحالہ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے۔ کلام کا مطلب اس طرح ہوگا کہ نزول توریت سے پہلے تمام پاکیزہ چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں مگر یہودیوں کی بُری حرکتوں کی وجہ سے نزول توریت کے بعد بعض چیزیں حرام کردی گئیں۔ اللہ نے فرمایا ہے فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ۔ دوسری آیت ہے وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ۔

کلبی کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے جب بھی (بحیثیت اجتماع) کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا اللہ نے (سزا میں) ان کے لئے کسی پاکیزہ حلال غذا کو حرام کردیا یا مصیبت کی بارش کردی۔ ضحاک نے کہا بنی اسرائیل کے لئے کوئی غذا حرام نہیں تھی نہ توریت میں اللہ نے حرام قرار دی تھی بلکہ اپنے باپ (حضرت اسرائیل) کے اتباع میں انہوں نے خود اپنے لئے (بعض چیزوں کو) حرام کرلیا اور حکم حرمت کی نسبت اللہ کی طرف کردی مگر اللہ نے ان کے جھوٹ کو ظاہر کردیا۔ مگر ضحاک کا یہ قول غلط ہے کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ دوسری جگہ فرمایا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ایک حدیث آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو چربیاں ان پر حرام کردی گئیں تو انہوں نے ان کو پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت کھائی (گویا چربی نہ کھائی چربی بیچ کر قیمت کھائی)۔

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو

توریت لاؤ اور پڑھو (تمہارا جھوٹ خود توراۃ سے ظاہر ہو جائے گا) توریت میں مذکور ہے کہ جو چیزیں یہودیوں پر نزول توریت سے پہلے حرام نہ تھیں ان کی بد حرکات کی وجہ سے توریت میں حرام کر دی گئیں۔ اللہ نے یہودیوں کو لاجواب بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ یہودیوں سے کہو کہ توریت لا کر پڑھو یہودی توریت نہیں لائے اور لاجواب ہو گئے۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ کے ملت ابراہیمی پر ہونے کا ثبوت ہے اور نسخ احکام کی ممانعت کے جو یہودی قائل تھے ان کے قول کی تردید بھی ہے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ پس اب جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کریں گے اور دعویٰ کریں گے کہ اللہ نے اونٹ کا گوشت حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے لئے حرام کر دیا تھا

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد کہ ان کے قول کے خلاف خود توریت میں دلیل موجود ہے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پس یہی لوگ در حقیقت ظالم (حق ناشناس) ہیں جو حقائق کے واضح ہو جانے کے بعد تکرار کرتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور یہود و نصاریٰ جھوٹے ہیں جو بچے اپنے گروہ کو دین ابراہیم پر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم یہودی یا عیسائی تھے۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ پس اے طلب گاران دین ابراہیم ملت ابراہیمی یعنی اسلام کا اتباع کرو جو محمد ﷺ اور ان کی امت کا دین ہے، یہی دین ابراہیم تھا یعنی حضرت ابراہیم کے زمانہ میں آپ کا دین یہی تھا دین اسلام دین ابراہیم سے کامل مشابہت رکھتا ہے (گویا دونوں ایک ہی ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ ان اسرائیلی پیغمبروں کی طرح نہیں تھے جن کو حضرت موسیٰ کی شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا (بلکہ آپ خود صاحب شریعت تھے) لہٰذا ملت ابراہیم کا اتباع اس اعتبار سے واجب ہے کہ یہ ملت محمدی ہے اس وجہ سے اتباع واجب نہیں کہ یہ ملت ابراہیم ہے اور محمد ﷺ ابراہیم کے تابع تھے یہی وجہ ہے کہ ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر چلنے کا حکم دیا اور ابراہیم کی پیروی کا حکم نہیں دیا۔

ملت کا اطلاق دین کی طرح ان امور پر ہوتا ہے جو بندوں کو مرتبہ قرب تک پہنچانے اور دونوں جہان میں کامیاب بنانے کے لئے اللہ نے پیغمبروں کی معرفت بندوں تک بھیجے اور ان کا مکلف کیا ہے۔ دین اور ملت کا فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف نبی کی طرف ہوتی ہے دوسرے افراد کی طرف نہیں ہوتی نہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے نہ ملت خدا کہہ سکتے ہیں، نہ ملت زید و عمر بلکہ ملت محمد ﷺ، ملت موسیٰ، ملت ابراہیم بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ملت کا اطلاق پوری شریعت کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسے ملت اسلام ایک ایک رکن کو ملت نہیں کہتے اسی لئے صرف نماز (یا صرف زکوٰۃ یا صرف روزہ) کو ملت نہیں کہا جاتا دین اللہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ملت اَمْلَلْتُ سے ماخوذ ہے (مستعمل ہے میں نے لکھوایا) گویا ہر ملت اسی پیغمبر کی لکھوائی ہوئی ہے جو اللہ کی طرف سے اس کو ملا ہو) کذا فی صحاح جوہری۔

حَنِيْفًا یعنی ابراہیم نے تمام باطل مذاہب سے منہ موڑ کر دین حق کی طرف رخ کر لیا تھا یا افراط و تفریط سے رخ پھیر کر اعتدال کی طرف مائل تھے (گویا آپ نہ یہودی دین پر تھے نہ عیسائی مذہب پر کیونکہ) یہودیوں کے مذہب میں افراط اور شدت ہے اور عیسائیوں کے دین میں تفریط یعنی نرمی حد سے زائد ہے۔ یہی مؤخر الذکر مطلب اولیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ یہ یہود و نصاریٰ پر تعریض ہے یہ دونوں گروہ شرک کرنے کے باوجود دین ابراہیمی پر ہونے کے مدعی تھے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا ہمارا قبلہ بیت المقدس ہے جو کعبہ سے افضل بھی ہے اور پرانا بھی اور

انبیاء کا مقام ہجرت بھی مسلمانوں نے جو بیت المقدس سے کعبہ افضل ہے (اور مقدم بھی) اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے قائم کیا گیا یعنی اللہ نے لوگوں کیلئے قبلہ بنایا۔ بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے حج کرنے کے لئے سب سے پہلا مکان جو اللہ نے قائم کیا۔ حسنؒ اور کلبیؒ نے کہا کہ اول ترین مسجد اور عبادت خانہ مراد ہے جو اللہ کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا (گویا بیت سے مراد ہے مسجد) جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ اس جگہ بھی بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔

لَلَّذِي بِبَكَّةَ یقیناً وہی مکان ہے جو مکہ میں ہے بکہ اور مکہ دونوں ہم معنی ہیں۔ اہل عرب میم کو باء سے بدل دیتے ہیں جیسے سبد و سبط لازم و لازب۔ راتب و راتم۔ بعض علماء نے کہا مکہ شہر کا نام ہے اور بکہ صرف وہ جگہ جہاں کعبہ ہے یا مقام طواف۔ بکہ کا معنی ہے اژدہام۔ مکہ میں (ایام حج میں) لوگوں کا اژدہام ہوتا ہے اس لئے اس کو بکہ کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا مکہ بڑے بڑے جباروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے جس جابر نے اصحاب فیل کی طرح کعبہ (کو ڈھانے) کا ارادہ کیا اللہ نے اس کی گردن توڑ دی۔ مکہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مک کا معنی ہے پانی کی قلت (مکہ میں پانی کم ہے)۔

آیت میں اولیت بیت سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، مجاہدؒ، قتادہ اور سدیؒ نے فرمایا آسمان و زمین کی پیدائش سے زمانہ میں پانی کی سطح سے سب سے اول کعبہ کا مقام نمودار ہوا شروع میں یہ سفید جھاگ تھے (جو منجمد ہو گئے تھے) زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی تھی پھر اسی کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علی بن الحسینؓ (امام زین العابدین) نے فرمایا کہ اللہ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام بیت المعمور ہے اور (آسمان کے) فرشتوں کو اس کے طواف کرنے کا حکم دیا پھر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بنائیں فرشتوں نے حسب الحکم کعبہ کی تعمیر اور اس کا نام صراح رکھا پھر اللہ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین والے صراح کا طواف کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے فرشتوں نے کعبہ کی عمارت بنائی تھی اور اس کا حج کیا کرتے تھے آدم نے حج کیا تو فرشتوں نے کہا آپ کا حج مبرور ہے ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ حضرت آدم نے سب سے اول زمین پر کعبہ کی عمارت بنائی تھی یہ روایت ازرقی نے تاریخ مکہ میں نقل کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے قائم کی گئی۔ فرمایا مسجد حرام میں نے عرض کیا پھر کون سی، فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کیا دونوں میں کتنا فصل تھا، فرمایا چالیس سال پھر جہاں بھی تم کو نماز کا وقت آ جائے پڑھ لو اسی میں فضیلت ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ کعبہ کی عمارت سب سے اول حضرت آدم نے بنائی تھی اور طوفان نوح کے وقت اس کو اٹھا لیا گیا تھا۔ بعض نے کہا کہ طوفان سے مٹ گئی تھی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی پھر مٹ گئی تو قبیلہ جرہم نے بنائی پھر عمالقہ نے بنائی پھر قریش نے تعمیر کی۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی کا بیان ہے کہ طوفان کے زمانہ میں کعبہ کی عمارت اٹھا لی گئی تھی پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس کو بنانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کی جگہ آپ کو بتا دی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے خجوج نام کی ہوا بھیجی ہوا نے کعبہ کے گرد اگرد کی مٹی اڑا کر بنیاد نمودار کر دی اور آپ نے قدیم بنیاد پر تعمیر کی۔ خجوج ایک جانور ہوتا ہے جس کے دو بازو پرندوں کی طرح اور صورت سانپ کی طرح ہوتی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کعبہ کی اولیت زمانہ کے لحاظ سے مراد نہیں ہے بلکہ فضیلت کے اعتبار سے ہے یعنی کعبہ افضل ترین

عمارت ہے۔ اس قول کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی طرف کی گئی ہے۔ ضحاک نے کہا کعبہ سب سے اول مکان ہے جس کو برکت عطا کی گئی کیونکہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا۔

مُبٰرَكًا یعنی کعبہ برکت والا ہے اور اس کا اجر و ثواب بہت ہے۔ بعض عبادتیں تو کعبہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں (کسی دوسری جگہ نہیں ہو سکتیں) جیسے حج اور حج کی قربانی کا جانور بھیجنا، عمرہ اور بعض عبادتیں اس جگہ ادا کرنے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ کسی اور جگہ اس کی برابر نہیں جیسے نماز، روزہ اور اعتکاف۔ اسی لئے امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ جس نے مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو اور دوسری جگہ پڑھ لے تو کافی نہ ہوگا، کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر کے اندر آدمی کی نماز ایک نماز کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نماز کے برابر ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے (ابن ماجہ) بخاری نے حضرت عطاء بن زبیرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز (میری) اس مسجد میں سو نمازوں سے بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے مگر غیر مرفوع (یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہونا ظاہر نہیں کیا) اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت جابرؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز سو ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ نمازوں کی یہ ترجیحی فضیلت صرف فرض نمازوں کے متعلق ہے نوافل میں یہ فضیلت نہیں ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض کے علاوہ باقی نمازیں آدمی کی اپنے گھر میں افضل ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم۔

میں کہتا ہوں اعتکاف کا حکم فرض نمازوں کی طرح ہے کیونکہ بصورت اعتکاف آدمی مسجد کے اندر رہ کر فرض نمازوں کا انتظار کرتا رہتا ہے گویا وہ نماز میں مشغول رہتا ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل مکہ میں حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے بازار میں حزورہ مقام پر کھڑے فرما رہے تھے کہ خدا کی قسم تو یقیناً اللہ کی زمین میں سب سے اچھی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تیرے اندر سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔ یہی حدیث ابن جوزی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی مرفوعاً بیان کی ہے۔

وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ اور باعث ہدایت سب لوگوں کے لئے کیونکہ کعبہ سب کے لئے قبلہ ہے اس میں ایسی عجیب نشانیاں موجود ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں۔

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ اس میں (صداقت وحقانیت کی) بکثرت ایسی علامات موجود ہیں مثلاً پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے۔ شکاری جانور حرم کے باہر اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے لیکن اگر شکار بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو درندہ اندر نہیں آتا باہر ہی رک جاتا ہے۔

مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی مقام ابراہیم ہے یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جب مقام ابراہیم کو مبتدا اور خبر کو محذوف قرار دیا جائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ مقام ابراہیمؑ کو آیات سے بدل قرار دیا جائے اس وقت ترجمہ اس طرح ہوگا کہ کعبہ کے اندر کثرت واضح نشانیاں ہیں یعنی مقام ابراہیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی دیوار اونچی کی تھی اور اس پر آپ کے پاؤں کے نشانات پڑ گئے تھے لیکن (حاجیوں کے) ہاتھوں کی رگڑ سے رفتہ رفتہ مٹ گئے۔ جس پتھر کی چٹان پر قدموں کے نشانات پڑے تھے اور چٹان کے اندر قدموں کا گھستا

تک سما جانا اور پتھر میں اتنا گہرا گڑھا پڑ جانا اور آثار انبیاء میں سے صرف اسی اثر کا اتنے زمانہ تک باقی رہنا اور کثرت اعداء کے باوجود ہزاروں برس تک اس کا محفوظ رہنا ان امور میں سے ہر چیز کعبہ کے قبلہ ہونے کی واضح نشانی ہے۔ اسی لئے بعض علماء نے مقام ابراہیم کو آیات کا عطف بیان قرار دیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مقام ابراہیم پورا حرم ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور جو حرم میں داخل ہوتا ہے وہ مقتول ہونے اور لوٹے جانے سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ یہ جملہ ابتدائیہ ہے یا شرطیہ ہے اور معنوی اعتبار سے مقام ابراہیم پر اس کا عطف ہے یعنی آیات بینات میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ حرم میں داخل ہونے والا مامون ہو جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب باہم کشت و خون اور قتل و غارت میں مشغول رہتے تھے لیکن جو شخص حرم میں داخل ہو جاتا تھا اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے۔ حسن، قتادہ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ اسی آیت کی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا جو شخص حرم کے اندر آجائے وہ امن میں آجاتا ہے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پس حرم سے باہر اگر کسی نے کوئی جرم موجب قصاص یا موجب حد کیا ہو اور حرم میں آکر پناہ گیر ہو جائے تو اس سے حرم کے اندر نہ قصاص لیا جائے گا نہ حد جاری کی جائے گی ہاں اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور خرید و فروخت بھی اس سے ترک کر دی جائے گی تاکہ مجبور ہو کر وہ حرم سے باہر نکل آئے اور اس کو باہر سزا دی جا سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا بیرون حرم جرم کر کے حرم میں پناہ لینے والے سے حرم کے اندر بھی قصاص لیا جائے گا۔

لیکن حرم کے اندر کسی نے جرم کیا تو باتفاق علماء حرم کے اندر ہی اس کو سزا دی جائے گی آیت وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ حرم کے اندر مسلمانوں کی طرف سے کافروں کو قتل کرنے کی ابتداء نہ کی جائے اگر کافر مغلوب ہو کر حرم میں داخل ہو جائیں تو ہاتھوں یا تلواروں یا کوڑوں سے مار کر ان کو نکال دیا جائے یا ان کا محاصرہ کر لیا جائے اور (باہر سے) کھانے پینے کی رسد بند کر دی جائے تاکہ مجبور ہو کر وہ باہر نکلیں اس وقت ان سے قتال کیا جائے اور اگر کافر خود حرم کے اندر قتال کا آغاز کر دیں تو مسلمانوں کے لئے بھی حرم کے اندر ان سے لڑنا جائز ہے۔

پس آیت مذکورہ بالا اگرچہ صورۃً خبر ہے۔ لیکن حقیقت میں امر ہے مطلب یہ ہے کہ جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امن دو، جیسے آیت فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ باوجود خبر ہونے کے امر کا حکم رکھتی ہے یعنی حج کے درمیان نہ بیہودہ فحش کلام کرو نہ گناہ کرو۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جو شخص حرم کی تعظیم اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اندر داخل ہوگا قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگا۔ ابو داؤد طیالسی نے مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور طبرانی اور بیہقی نے شعب میں حضرت سلمانؓ کی روایت سے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت جابرؓ کی روایت سے اور دارقطنی نے سنن میں حضرت حاطبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دونوں حرموں میں سے کسی میں مرے گا قیامت کے دن دوزخ سے بے خوف اٹھے گا۔

حارث بن ابی اسامہ نے مسند میں سالم بن عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں ابو بکر و عمر (کی قبروں) کے درمیان (قبر) سے اٹھایا جاؤں گا پھر بقیع غرقد کو جاؤں گا اور میرے ساتھ وہ بھی اٹھ کر آئیں گے پھر اہل مکہ کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ بھی آ ملیں گے، پس میری بعثت اہل حرمین کے درمیان ہوگی۔

ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں سالم بن عبداللہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ کی یہ روایت موصولاً نقل کی ہے اور خطیب نے بطریق نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان اٹھایا جاؤں گا یہاں تک کہ اہل حرمین کے درمیان جا کر کھڑا ہوں گا اہل مدینہ و مکہ والے (وہاں میرے

پاس) آئیں گے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ اور لوگوں پر اللہ کا فرض ہے اور اسی کی طرف سے لازم ہے الناس سے مراد ہیں وہ لوگ جو آزاد ہوں، ہوش مند ہوں اور بالغ ہوں، بچوں اور دیوانوں پر حج فرض نہیں کیونکہ ان میں مخاطب ہونے کی اہلیت ہی نہیں ہے نہ غلاموں پر فرض ہے یہ فیصلہ اجماعی ہے۔ پس اگر کسی کافر نے یا ہوشیار بچہ نے یا غلام نے حج کیا تو باجماع کافر پر مسلمان ہونے کے بعد اور بچہ پر بالغ ہونے کے بعد اور غلام پر آزاد ہونے کے بعد حج دوبارہ واجب ہے (سابق ادائیگی کافی نہیں ہوگی) حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جس بچہ نے حج کر لیا ہو پھر بالغ ہو گیا ہو تو اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے اور (جو غیر مسلم) دیہاتی حج کر چکا ہو پھر (مسلمان ہو کر) اس نے ہجرت کی ہو اس پر بھی دوسرا حج کرنا واجب ہے اور جو غلام حج کر چکا ہو پھر آزاد کر دیا گیا ہو تو اس پر بھی دوسرا حج کرنا فرض ہے (رواہ الحاکم)۔

دیہاتی سے غیر مسلم دیہاتی مراد ہے کیونکہ عرب کے مشرک بھی حج کیا کرتے تھے۔ حاکم نے اس حدیث کو شرط شیخین کے مطابق کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی یہ حدیث (مصنف میں) ذکر کی ہے اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے ابوداؤد نے اس کو مرسلاً ذکر کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے ان احادیث کو امت اسلامیہ نے قبول کیا ہے اور ان کے مضامین پر اجماع امت ہے اس لئے آیت کے عموم کی تخصیص ان احادیث سے جائز ہے۔ (یعنی یہ احادیث اگرچہ آحاد ہیں لیکن امت اسلامیہ نے بالاجماع ان کے مضمون کو قبول کیا ہے تو گویا ان احادیث کا معنی درجہ استفاضہ یا تواتر تک پہنچا ہوا ہے اس لئے آیت میں اگرچہ بچہ یا دیوانہ یا غلام کی کوئی تخصیص حکم حج سے نہیں ہے مگر ان احادیث کی وجہ سے حکم کتاب عام مخصوص ہو جائے گا۔ اور الناس سے سب لوگ مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ لوگ مراد ہوں گے جو بچے اور دیوانے اور غلام نہ ہوں)۔

حِجُّ الْبَيْتِ کعبہ کا حج۔ ابو جعفر، حمزہ، کسائی اور حفص کی قرأت میں حج بکسر حاء آیا ہے، باقی قاریوں نے حَج بفتح حاء پڑھا ہے۔ بکسر حاء اہل نجد کے محاورہ میں اور بفتح حاء اہل حجاز کے محاورہ میں ہے معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ بکسر حاء اسم ہے اور بفتح حاء مصدر۔

حج کا لغوی معنی ہے قصد کرنا اس جگہ ایک مخصوص عبادت مراد ہے یہ لفظ اس جگہ مجمل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے فعل اور دوسری آیات میں اس کا (تفصیلی) بیان موجود ہے اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ایک اور آیت میں آیا ہے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ پہلی آیت میں عرفات سے روانگی کا بیان ہے اور دوسری آیت میں طواف کعبہ کا حکم ہے)۔

مسئلہ: اجماع امت ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور فرض عین ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی (عمارت کی) بناء پانچ امور پر ہے لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار اور نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ صحیح بخاری و مسلم۔ فرضیت حج کے متعلق احادیث بکثرت آئی ہیں۔[1]

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

یعنی ان لوگوں پر جو کعبہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ یہ جملہ الناس سے بدل ہے اس لئے جو مستطیع نہ ہو اس پر حج فرض نہیں سبیلاً سے مراد ہے راستہ پر چلنا سبیلاً کی طرف استطاع کی نسبت مجازی ہے جیسے جری النھر میں نہر کی طرف نسبت مجازی ہے (کیونکہ بہنے والی چیز پانی ہے نہر یعنی گڑھا جس میں پانی بہتا ہے خود نہیں بہتا) چونکہ حج کی فرضیت صرف اہل استطاعت پر ہے۔ اس لئے علماء کا اتفاق ہے کہ وجوب حج کے لئے راستہ کا پرامن ہونا لازم ہے اور راستہ میں جو فرود

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ... جو حج کو چھوڑ دیں خواہش ان سے جزیہ لینے کا جی چاہتا ہے، وہ مسلمان نہیں وہ مسلمان نہیں۔ (از مؤلف)

گاہیں ہوں ان میں کھانا پانی ملنا بھی ضروری ہے خطرۂ راہ کی صورت میں حج فرض نہیں۔ اگر راستہ میں سمندر پڑتا ہو اور اکثر سلامتی کے ساتھ سمندری راستہ طے ہو جاتا ہو تو حج واجب ہو گا صرف سمندر کا درمیان میں ہونا وجوب حج سے مانع نہیں ہے۔[1]

امام شافعی کا ایک قول اس کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جسمانی صحت بھی شرط ہے (زیادہ) ضعیف اور پاؤں سے معذور شخص پر حج واجب نہیں، خواہ وہ مال خرچ کر کے اپنے قائم مقام دوسرے کو بھیج سکتا ہو کیونکہ وہ خود اہل استطاعت نہیں اور حج ایک بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت کا مقصود ہوتا ہے خود تکلیف اٹھانا نائب کو اپنی جگہ بھیجنے سے اس عبادت کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

امام شافعی اور امام احمد (کے نزدیک بدنی صحت شرط نہیں ہے اس لئے ان) کے نزدیک معذور، لنگڑا اور کمزور شخص اہل استطاعت ہے یعنی اس کو مالی استطاعت حاصل ہے۔ بغوی نے (اس قول کی تائید میں) لکھا ہے کہ محاورہ میں بولا جاتا ہے۔ زید اپنا مکان بنانے کی استطاعت رکھتا ہے یعنی مال خرچ کر کے مکان بنوا سکتا ہے خواہ خود اپنے ہاتھ سے تعمیر نہ کر سکتا ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ایسا شخص حج کی استطاعت نہیں رکھتا یعنی حج کے خاص ارکان خود ادا نہیں کر سکتا خواہ مال خرچ کر کے دوسرے سے کرا سکتا ہو۔ حج کو مکان کی تعمیر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حج بدنی عبادت ہے اور مکان کی تعمیر کا مقصد خود تعمیر کرنا نہیں ہوتا۔ امام شافعی اور امام احمد نے اپنے قول کی دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ فضل (بن عباسؓ) حضور اقدس ﷺ کے ردیف تھے خاندان خثعم کی ایک عورت آئی فضل اس کی طرف دیکھنے لگے، وہ بھی فضل کی طرف دیکھنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فضل کا منہ دوسری طرف موڑ دیا اور اس عورت نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ اللہ کا فریضہ حج میرے باپ پر اس وقت آیا جبکہ وہ بہت بڑا بوڑھا ہے کجاوہ میں سنبھل کر بیٹھ بھی نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں فرمایا ہاں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ وہ ٹھیک سے کجاوہ میں بیٹھ بھی نہیں سکتا تو کیا اگر میں اس کی طرف سے حج کر لوں تو ہو جائے گا فرمایا ہاں اپنے والد کی طرف سے حج کر۔ صحیحین بخاری و مسلم

جواب - یہ حدیث آحاد ہے کتاب اللہ کی قائم کی ہوئی استطاعت کی شرط حدیث احاد سے منسوخ نہیں کی جا سکتی۔ جواب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ کا فریضہ حج جس کی فرضیت کتاب اللہ میں بشرط استطاعت آئی ہے میرے باپ پر ایسی حالت میں آیا ہے کہ وہ استطاعت نہیں رکھتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں یعنی کیا میرے لئے اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے یا یہ مطلب ہے کہ کیا میرے حج کرنے سے اس کو ثواب اور نفع ہو گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا (یعنی اگرچہ اس پر حج فرض نہیں ہے مگر تمہارے حج کرنے سے اس کو فائدہ ضرور ہو گا)۔

اعتراض - بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے کہ حج اس پر فرض ہے۔

جواب - اگر یہ الفاظ پایہ ثبوت تک پہنچ جائیں تو ان سے اس عورت کے خیال کا اظہار ہوتا ہے (کہ وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتی تھی کہ بوڑھے باپ پر بھی حج فرض ہے)۔

اعتراض - رسول اللہ ﷺ نے اس کو جواب دیا اگر اس کا خیال صحیح نہ ہوتا تو حضور ﷺ بیان فرما دیتے (کہ تیرا خیال غلط ہے تیرے باپ پر اس حالت میں حج فرض ہی نہیں ہے) اس اعتراض کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے جواب اس کے سوال کا دیا تھا اس نے حج کرنے کے متعلق پوچھا تھا۔ حضور ﷺ نے ہاں فرما دیا۔ یعنی اس کی طرف سے تو حج کر لے کیونکہ حضور ﷺ نے محسوس فرما لیا تھا کہ اس عورت کے دل میں اپنے باپ کو نفع اور ثواب پہنچانے کا بڑا شوق ہے اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا اپنے باپ کی طرف سے حج کر لے اگر تو اس کی بھلائی میں اضافہ نہیں کر پائے گی تو برائی میں بھی زیادتی نہیں کرے گی۔ لیکن حافظ

---

[1] فتاویٰ قاضی خان میں امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ منقول ہے کہ سمندر حائل ہو تو راستہ کو غیر مامون قرار دیا جائے گا یعنی حج فرض نہیں ہو گا۔ جیحون، سیحون، دجلہ، فرات دریا ہیں سمندر نہیں ہیں۔ مؤلف

حدیث نے اس روایت کو شاذ کہا ہے (اور شاذ نا قابل استدلال ہے)۔

اولیٰ جواب یہ ہے

کہ حدیث مذکور کو اس صورت پر محمول کیا جائے کہ حالت صحت میں حج فرض ہو، ہو اور ادا فرض سے پہلے اس پر کمزوری کا دور آجائے یا دل سے معذور ہو جائے ایسے شخص سے فریضہ حج ساقط نہیں ہوتا جب تک اس کی زندگی میں اس کے مال سے کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے حج نہ کرے یا مرنے کے وقت حج کی وصیت نہ کر دے بغیر حج کئے مر جائے تو اس کا وارث اس کی طرف سے حج کرے یا کسی غیر کو مال دے کر اس کی طرف سے حج کروا دے۔ پس کسی کی طرف سے حج فرض کرنا تضائے حج سرور ہے مگر بحث غیر معقول (یعنی خلاف قیاس) مگر اس حدیث میں اس کا حکم آگیا ہے (لہٰذا خلاف قیاس بھی مانا جائے گا) جیسے حیرنا کارہ کے حق روزہ کا فدیہ کتاب اللہ کی صراحت سے ثابت ہے (اور خلاف قیاس ہے مگر وجب التسلیم ہے) حج کی فرضیت حدیبیہ کے سال یعنی ۶ھ میں ہوئی تھی۔ اللہ نے فرمایا تھا واتموا الحج و العمرۃ للہ اور حدیث والا قصہ حجۃ الوداع کا ہے اس لئے اس ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا باپ ۶ھ کے بعد حج دو جے سے پہلے ضعیف ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

امام صاحب کے نزدیک وجوب حج کے لئے بینائی بھی شرط ہے، نابینا پر حج واجب نہیں ہے۔ خواہ رہبر اس کے پاس موجود ہو کیونکہ وہ خود اہل استطاعت نہیں ہے اور دوسروں کے سہارے سے استطاعت قابل اعتبار نہیں ہے۔ امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور جمہور کے نزدیک نابینا پر حج فرض ہے بشرطیکہ اس کے پاس رہبر موجود ہو۔ وجوب جمعہ میں بھی یہی اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت پر ادائیگی حج اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی دوسرا محرم ہو اور مکہ تک جانے میں تین منزل کا فاصلہ ہو۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسافت کی قلت و کثرت کا اعتبار نہیں۔ بہر صورت بغیر محرم کے عورت پر وجوب حج ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے اگر محرم موجود نہ ہو یا محرم اس کے ساتھ نہ جائے یا اتنی اجرت مانگتا ہو کہ عورت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو حج واجب نہیں۔ کیونکہ شرعاً عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے سفر کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جس چیز کی شرعاً ممانعت کر دی گئی ہے وہ غیر موجود کے حکم میں ہے تو گویا بغیر محرم کے عورت کو صاحب استطاعت ہی نہیں سمجھا جائے گا۔

امام صاحبؒ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت بغیر محرم کے تین منزل پر سفر نہ کرے (صحیح بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ جو عورت اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ تین رات کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔ دوسری روایت میں تین رات سے زائد کا لفظ آیا ہے۔ تین رات کے لفظ والی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے جس کو مسلم اور طحاوی نے نقل کیا ہے تین رات سے زائد کا لفظ بخاری کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی منقول ہے۔

عمرو بن شعیبؒ کے دادا کی روایت میں تین دن کا لفظ طحاویؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں ہے تین دن یا زائد کا فاصلہ، یہ روایت مسلم اور طحاوی نے نقل کی ہے۔ مسلم کی روایت میں تین رات سے اوپر یا زائد کا لفظ ہے۔

امام احمدؒ نے فرمایا تین رات یا تین رات سے زائد کی شرط محض اتفاقی ہے (تعیین مدت مقصود نہیں ہے پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو مفہوم مخالف معتبر بھی نہیں ہے کہ اگر تین دن کی مسافت نہ ہو تو بغیر محرم کے عورت کا سفر جائز ہو جائے گر شرط کو ضروری قرار دیا جائے گا اور اتفاقی نہ مانا جائے گا تو پھر احادیث میں (نا قابل تاویل) تعارض ہو گا تین اور تین سے زیادہ والی روایات میں توافق نہ ہو سکے گا۔ امام احمدؒ جو تین روز کی مسافت سے کم سفر کو بھی عورت کے لئے بغیر محرم کے ممنوع قرار دیتے ہیں ان کے اس قول کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اور اس میں ایک دن رات کی مسافت کی صراحت ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں فاصلہ ایک یوم اور دوسری روایت میں مسافت ایک شب مذکور ہے اور

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں حسب ذکر مسلم مسافت دور روز اور حسب روایت طحاوی فاصلہ دو شب مذکور ہے۔

ابو داؤد اور طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث نقل کی ہے کہ سوائے شوہر یا کسی محرم کی ہمراہی کے عورت ایک منزل سفر نہ کرے۔ ابن حبانؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور حاکم نے نقل کرنے کے بعد شرط مسلم کے موافق کہا ہے اور طبرانی نے معجم میں تین میل کے لفظ کی صراحت کی ہے۔ ان مختلف روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دن یا دو دن یا تین دن کی شرط صرف تمثیلی ہے (عدد معین مراد نہیں ہے) قلیل ترین تعداد مراد ہے ایک دن تو کم ترین ابتدائی عدد ہوتا ہی ہے اور یہ اکثر ایک ہی منزل ہوتا ہے دو دن سے کثرت شروع ہوتی ہے اور تین جمع کا اول مرتبہ ہے۔ بعض احادیث میں بلا شرط ممانعت آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر محرم کے عورت سفر نہ کرے اور عورت کے پاس کوئی (اجنبی) شخص اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک عورت کے پاس اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں فلاں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے فرمایا تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ صحیح مسلم و بخاری۔ اس سلسلہ کی حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ معتمد عورتوں کے ساتھ عورت حج کو جا سکتی ہے، دوسرے قول میں کہ کسی ایک معتمد عورت کے ساتھ جا سکتی ہے۔ لیکن جن معتمد عورتوں کے ساتھ جائے ان میں سے کسی ایک کا محرم مرد اس کے ساتھ ہونا چاہئے۔ منہاج میں (یہ شرط مذکور نہیں ہے بلکہ اس کا شرط نہ ہونا مذکور ہے۔ ایک روایت میں امام شافعیؒ کا قول اس طرح آیا ہے کہ بغیر (معتمد) عورتوں کے بھی عورت حج کو جا سکتی ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا اگر راستہ بے خطر ہو تو عورتوں کی جماعت (بغیر مرد کے) بھی حج کو جا سکتی ہے ان دونوں اماموں کے قول کے خلاف ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ استطاعت سے مراد سفر کی ایسی استطاعت ہے جس کی موجودگی میں حج کو جانے سے کوئی خرابی نہ پیدا ہو۔ اسی لئے جمہور کے نزدیک دیگر لوازم سفر کی فراہمی کے علاوہ زاد راہ اور سواری ہونا استطاعت کے لئے ضروری ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ قرض دار نہ ہو اور بیوی بچوں کے مصارف واپسی تک کے دے چکا ہو کیونکہ جو مال اصلی ضروریات کی فراہمی میں مشغول ہو وہ نادار کی طرح ہوتا ہے اسی لئے اس کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں جس کے پاس زاد راہ یا سواری نہ ہو وہ گویا سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور شریعت میں ہر قسم کی تنگی دفع کر دی گئی ہے (یعنی شریعت نے کسی پر تنگی نہیں کی ہے)۔ ۱

داؤد ظاہری کے نزدیک وجوب حج کے لئے نہ زاد راہ ضروری ہے نہ سواری۔ امام مالکؒ نے فرمایا اگر یہ شخص مانگنے کا عادی ہو یا راستہ میں کمائی کر سکتا ہو تو اس کے لئے زاد راہ کی شرط نہیں ہے اور اگر پیدل چلنے پر قادر ہو تو سواری کی شرط نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔

ہم کہتے ہیں کہ یاتوک ایک واقعہ کی خبر اور امر کا جواب ہے اور جو خبر امر کے جواب میں آتی ہے وہ امر کے حکم میں نہیں ہوتی، اس لئے آیت سے بلا سواری حج کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ رہا پیدل چلنے کی قدرت کا مسئلہ تو چلنے کی قدرت ایک پوشیدہ امر ہے۔ کبھی راستہ میں یہ قدرت جاتی رہتی ہے اس لئے شروع ہی سے زاد راہ اور سواری ہونا لازم ہے تاکہ انجام میں ہلاکت کا سامنا نہ کرنا پڑے شرعی احکام عمومی ہوتے ہیں (خاص خاص افراد کے لئے الگ الگ نہیں ہوتے) جیسے بادشاہ کو سفر

۱ اگر کوئی غیر کسی کا والد ہو اور اس کی اولاد اپنی طرف سے اس کے زاد راہ اور سواری کا انتظام کردے تو اس سے یہ شخص صاحب استطاعت نہیں سمجھا جاتا۔ امام شافعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے لیکن اگر زاد راہ اور سواری کا انتظام کرنے والا کوئی غیر شخص ہو تو اس میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں، مثبت اور منفی، بعض روایت میں آیا ہے کہ غیر ہونے کی حالت میں امام شافعیؒ عدم استطاعت کے قائل ہیں اور اولاد ہونے کی صورت میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں (فتاویٰ قاضی خاںؒ)

میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن اس کے لیے بھی مسافت سفر میں نماز کا قصر اور روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور مسافت سفر سے کم میں اس کے لیے بھی روزہ کا ترک جائز نہیں جس کو روزہ رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔

جمہور کے قول کا ثبوت حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا کی تفسیر میں فرمایا کہ سبیل (سے مراد) زاد راہ اور سواری ہے۔ یہ حدیث دار قطنی بیہقی اور حاکم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ حاکم نے اس کو شرط شیخین کے موافق صحیح کہا ہے۔ نیز حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے بھی حاکم نے نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور سعید بن منصور نے سنن میں مرسلاً مختلف طریقوں سے حسن بصری کی روایت سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو امام شافعیؒ ترمذی ابن ماجہ اور دار قطنی نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حج کو واجب کرنے والی کیا چیزیں ہیں فرمایا زاد اور سواری۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے لیکن اس سند میں ابراہیم بن یزید جوزی ہے جو امام احمد و نسائی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ ابن ماجہ اور دار قطنی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زاد و سواری یعنی اس آیت کی تفسیر میں (استطاعت سبیل کی تشریح کرتے ہوئے) فرمایا زاد و سواری مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

دار قطنی نے اس حدیث کی روایت کی نسبت حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ اور عمرو بن شعیب کے دادا کی طرف بھی کی ہے مگر یہ سب طریقے ضعیف ہیں۔

حج میں توشہ ساتھ لینا واجب ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى اور توشہ لے لیا کرو اور بہترین توشہ سوال سے بچا رہنا ہے۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل یمن بغیر توشہ ساتھ لیے حج کرنے چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں لیکن جب مکہ میں پہنچتے تھے تو لوگوں سے بھیک مانگتے تھے اس پر آیت وتزودوا الخ کا نزول ہوا۔

وَمَنْ كَفَرَ اور جس نے فرضیت حج کا انکار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ اور عطاءؒ خراسانی نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے۔ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں نفیع کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس نے حج کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔ فرمایا جس نے (اس طرح) حج کو ترک کر دیا کہ اس کو نہ ترک حج کے عذاب کا خوف رہا نہ ادائے حج کے ثواب کی امید (وہ کافر ہو گیا) نفیع تابعی ہے اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا اس آیت کا نزول یہودیوں کے حق میں ہوا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ مکہ کا حج کرنا واجب نہیں ہے۔

سعید بن منصور اور ابن جریر نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ جب شروع آیت (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الخ) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مختلف مذاہب والوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس لیے تم حج کرو۔ یہ سن کر ایک مذہب والوں نے تو اس حکم کو مان لیا یعنی مسلمانوں نے اور پانچ مذاہب والوں نے ماننے سے انکار

ـــــ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایا اگر کوئی تاجر جس کا گذران تجارت سے ہوتا ہے اتنے مال کا مالک ہو کہ جانے آنے کے لئے زاد راہ اور سواری کا انتظام کر لے اور حج کے وقت تک اہل و عیال کے لئے ضروری مصارف بھی فراہم کر دے اور پھر واپسی کے بعد اس کے پاس اتنا مال بھی رہ جائے کہ تجارت کر سکے تو اس پر حج فرض ہو گا ورنہ نہیں ہو گا اگر کوئی جائیداد والا ہو جائیداد بیچ کر زاد راہ اور سواری اور بیوی بچوں کے گزارے کا سامان فراہم کر سکتا ہو اور پھر بھی اس کے پاس اتنی جائیداد رہ جائے کہ اس کی آمدنی سے گذر کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے ورنہ نہیں اور کسان کاشتکار زاد راہ اور سواری اور بیوی بچوں کے گذران کی فراہمی کے بعد بیل اور دوسرے آلات کشاورزی باقی رکھتا ہو کہ واپس جا کر کھیتی کر سکے تو اس پر حج فرض ہے ورنہ نہیں۔ (مؤلف)

کر دیا یعنی یہودیوں نے، عیسائیوں نے، مشرکوں نے، صابیوں نے، مجوسیوں نے نہ مانا۔ اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ سعید بن منصورؒ نے عکرمہ کا قول بیان کیا کہ جب آیت وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا (الآیہ) نازل ہوئی تو یہودیوں نے کہا ہم تو مسلمان ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے یہودیوں نے حج کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے ہم پر حج فرض نہیں کیا گیا اس پر اللہ نے آیت وَمَنْ كَفَرَ الخ نازل فرمائی۔

(حج در حقیقت وسعت مال اور صحت جسمانی کا عملی شکریہ ہے) پس حج نہ کرنے کا مستحق ہوا اور مال و صحت کا شکر یہ ادا نہ کرنے کی کفران نعمت ہے (اس صورت میں کفر کا معنی ہو اکفران نعمت کیا) اول صورت میں کفر کرنے کا معنی ہے حج نہ کرنا، حج نہ کرنے کی تعبیر کفر سے وجوب حج کو پختہ کرنے اور ترک حج کو سخت جرم قرار دینے کے لئے کی۔ یہ دونوں معنی حضرت ابو امامہؓ کی روایت کردہ حدیث میں مراد ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو کھلی ہوئی احتیاج یا روک دینے والا مرض یا ظالم بادشاہ حج سے روکنے والا نہ ہو اور اس پر بھی وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (اللہ کو اس کی پرواہ نہیں) یہ روایت دارمی نے مسند میں اور بغوی نے اور ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کی ہے۔ حفاظ حدیث نے اس حدیث پر نکتہ چینی کی ہے۔ حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ جو شخص زاد راہ اور سواری ایسی رکھتا ہو کہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اور حج نہ کرے تو بعید نہیں کہ یہودی اور عیسائی ہونے کی حالت میں مرے۔ (رواہ الترمذی و ضعفہ)۔

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۝ تو بلاشبہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے (اس کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں جو کرے گا اپنے لئے کرے گا)۔

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ سے غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ تک حکم حج کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر تاکید کے ساتھ بیان کر دیا ہے نمبر ۱۔ امر وجوبی کی تعبیر صیغہ خبر سے کی گئی۔ نمبر ۲۔ امر کو جملہ اسمیہ کی صورت میں ظاہر کیا۔ نمبر ۳۔ اللہ کا وجوبی حق ہونا بیان کیا نمبر ۴۔ اول عمومی حکم دیا (اور فرمایا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ) پھر حکم کو ایک شرط کے ساتھ مخصوص کر دیا (اور فرمایا مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) گویا ابہام کے بعد وضاحت کی اور دوبارہ حکم دیا (ایک بار مبہم دوسری بار واضح) نمبر ۵۔ ترک حج کو کفر فرمایا گویا یہ کافروں کا فعل ہے نمبر ۶۔ اپنا استغنا ظاہر کیا اور اس جگہ استغناء کا ذکر نفرت اور بغض پر دلالت کر رہا ہے (گویا) مستحق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تارک حج سے نفرت اور بغض کرتا ہے نمبر ۷۔ لفظ اللہ کو دوبارہ ذکر کیا اور ضمیر ذکر نہیں کی تاکہ تارک حج کی طرف سے اللہ کا استغنا بصورت تعمیم مدلل طور پر ظاہر ہو جائے اور اللہ کا انتہائی غضب معلوم ہو جائے۔

حِجُّ الْبَيْتِ میں حج کی اضافت بیت کی جانب بتا رہی ہے کہ کعبہ وجوب حج کا سبب ہے اور چونکہ کعبہ متعدد نہیں اس لئے عمر میں حج کا وجوب بھی بار بار نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے حج (فرض) ایک بار ہے جو زیادہ کرے تو نفل ہو گا۔ رواہ احمد والنسائی۔

کعبہ نام کسی خاص چھت یا پتھر مٹی کی دیواروں کا نہیں ہے، پتھر مٹی کو اٹھا کر کہیں دوسری جگہ ڈال دیا جائے تو کعبہ منتقل نہیں ہو جائے گا۔ اگر اس مصالحہ سے کسی دوسری جگہ کوئی عمارت بنا دی جائے تو وہ قبلہ توجہ نہ بن جائے گی۔ بلکہ کعبہ ایک ربانی لطیفہ ہے جس کی فرودگاہ ایک موہوم مکان ہے جہاں تجلیات ذاتیہ کی بارش ہوتی ہے۔ پس ظاہر کعبہ اگرچہ مخلوق ہے اور اس کا تعلق عالم خلق سے ہے مگر حقیقت میں کعبہ ایک باطنی نسبت ہے جس کا ادراک نہ حس کر سکتی ہے نہ خیال بلکہ محسوس (ظاہری) ہونے کے باوجود وہ محسوس نہیں ہے اور جہت مخصوصہ میں ہونے کے باوجود اس کی کوئی جہت نہیں ہے یہ ظاہر کعبہ کی شان ہے رہی کعبہ کی حقیقت تو وہ کون جانے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ممکنات کو وجوب کا آئینہ (اور پر تو گاہ) بنایا اور عدم (ذاتی) کو وجوب وجود کا مظہر قرار دیا۔ پھر کعبہ کی حقیقت سے بالا حقیقت قرآن ہے (جو مخلوق بھی نہیں ہے) اور حقیقت قرآن سے بالا تر نماز کی حقیقت ہے اور اس مقام پر پہنچ کر سالک کی سیر بوساطت پیغمبر ختم ہو جاتی ہے اور فنا و بقاء کا مقام آتا ہے اور اس سے

بھی دور جا کر معبودیت (الوہیت) کا مقام ہے۔ جس کی سیر صرف نظری ہی ہو سکتی ہے (سلوکی نہیں ہو سکتی) واللہ اعلم۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں کہ اے علمائے کتاب (یہودی) تم اللہ کے ان نقلی اور عقلی دلائل کا کیوں انکار کرتے ہو جو محمد رسول اللہ کے فرضیت حج وغیرہ کے دعوے کی سچائی کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ کتاب کو جانتے ہوئے کفر کرنا بدترین فعل ہے۔

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۞ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کفر اور تحریف کتاب کے عمل سے باخبر ہے (دیکھ رہا ہے) تم کو اس کی ضرور سزا دے گا اس لئے حق کو پوشیدہ رکھنے کی تمہاری خواہش سودمند نہیں ہو گی۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ آپ کہہ دیں اے اہل کتاب تم کیوں اللہ کے راستہ سے یعنی اسلام کی راہ سے جو اللہ تک پہنچاتی ہے۔ ایمان لانے والوں کو روکتے ہو یعنی جو لوگ ایمان لانا چاہتے ہیں ان کو ایمان لانے سے کیوں روکتے ہو خطاب اور استفہام کی تکرار سے اس طرف اشارہ ہے کہ کفر اور ایمان سے باز داشت دونوں بجائے خود قبیح اور موجب عذاب ہیں اور کسی ایک فعل کا عذر بھی ممکن نہیں، گویا دو مرتبہ خطاب اور استفہام کر کے یہودیوں کی دونوں بد حرکتوں پر قوت کے ساتھ تنبیہ فرمائی ہے۔

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا عِوَجٌ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی تم چاہتے ہو کہ اللہ کا راستہ ٹیڑھا ہو یا مصدری معنی ہی مراد ہے اور ھا سے پہلے لام محذوف ہے یعنی تم اللہ کے راستے کے کج ہونے کے طلب گار ہو۔ یہودی حق کو چھپاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف مندرجہ توراۃ کو بگاڑ کر بیان کرتے تھے مذہب یہودیت کو دوامی کہتے تھے مؤمنوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے تھے تاکہ ان کی وحدت باقی نہ رہے اوس و خزرج کے قبائل کے درمیان گزشتہ جاہلیت کے زمانہ کی عداوتوں کی یاد دہانی کر کے کوشش کرتے تھے کہ از سر نو پرانی عداوتیں زندہ ہو جائیں۔

وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ یعنی تم اپنے (تازہ) کرتوت کے خود گواہ ہو یا یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف اور اسلام کا دینِ خدا ہونا جو توراۃ میں مذکور ہے تم خود اس کے گواہ ہو (اگرچہ زبانوں سے اس کی شہادت نہیں دیتے ہو)۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے اور نہ تمہاری اس خیانت نفس سے ناواقف ہے جو تم مسلمان ہونے والوں کو ایمان لانے سے روکتے ہو۔

ابن اسحاق اور ابو الشیخ اور ابن جریر نے زید کی مرسل روایت بیان کی ہے جس کو بغوی نے بھی ذکر کیا ہے کہ شماس بن قیس یہودی بڑا سخت کافر تھا مسلمانوں پر بہت طعن و تشنیع کرتا تھا ایک مجلس میں اوس اور خزرج قبیلوں کے کچھ لوگ جمع تھے شماس ادھر سے گزرا اور مسلمانوں کو باہم (الفت کی) بات چیت کرتے دیکھ کر جل گیا۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان دونوں خاندانوں میں عداوت تھی اور اسلام میں الفت ہو گئی۔ یہودی کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا کہنے لگا بنی قیلہ کی جماعتیں تو اس ملک میں کبھی جمع نہیں ہوئیں اگر یہ جمع ہو گئے تو ہمیں ان کے ساتھ اس جگہ استقرار حاصل نہ ہو گا یہ کہنے کے بعد اپنے ساتھی کو جو ایک یہودی جوان تھا حکم دیا کہ جاؤ اور جا کر انصار کی مجلس میں بیٹھو ان کے سامنے جنگ بعاث اور جنگ بعاث سے پہلی عداوتوں کا تذکرہ کرو اور جنگ بعاث کے متعلق فریقین نے جو (رجزیہ اور فخریہ) اشعار کہے ہیں وہ بھی ان کے سامنے پڑھو بعاث قبائل اوس و خزرج کی باہمی ایک لڑائی کا نام ہے جس میں خزرج پر اوس کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہودی جوان نے اوس و خزرج سے جا کر گفتگو کی (اور وہ پرانی عداوت یاد دلا کر ہر فریق کو دوسرے کے خلاف بھڑکایا) نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی زانو کے بل کھڑا ہو گیا اور مجلس میں سب جھگڑنے اور مقابل کے خلاف اپنے فخر کا اظہار کرنے لگے۔

ایک شخص قبیلہ اوس کے بنی حارثہ کے خاندان میں سے تھا جس کا نام اوس بن قیظی تھا دوسرا خزرجی تھا جو بنی سلمہ میں سے تھا اس کا نام جبار بن صخر تھا دونوں کے درمیان لاگ ڈانٹ ہوئی ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم چاہتے ہو تو ہم بھی اب از سر

تو اس کو (یعنی واقعہ بعاث کو) تازہ کرنے کو تیار ہیں دونوں فریق غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے ہم زور آزمائی کو تیار ہیں مدینہ سے باہر، ظاہرہ یعنی حرہ میں جنگ ہو گی سب لوگ حرہ کی طرف چل دیئے۔ اوس اور خزرج نے دور جاہلیت کے نعرے لگائے ہر فریق جمع ہو گیا یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچ گئی آپ مہاجروں کی جماعت ساتھ لے کر تشریف لے آئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام ابھی تو میں تمہارے اندر موجود ہوں باوجودیکہ اللہ نے تم کو اسلام کی عزت عطا فرما دی اور جاہلیت کی باتیں ختم کر دیں اور تمہارے آپس میں الفت پیدا کر دی پھر کیا دوبارہ تم جاہلیت کی سی پکار پکارتے ہو کی طرح کافر ہو جاؤ گے اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو اس وقت لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ شیطانی اغواء اور دشمن کی دسیسہ کاری تھی فوراً ہاتھوں سے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور آپس میں گلے مل گئے۔ پھر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سچائی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کے ساتھ لوٹ آئے اس پر مندرجہ ذیل آیت اوس اور جبار اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ‏ اے اہل ایمان یعنی اے انصار۔

إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ‏ اگر تم اہل کتاب سے کسی فریق یعنی شماس اور اس کے ساتھیوں کے کہنے میں آجاؤ گے تو۔

يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝ ‏ وہ تمہارے مؤمن ہونے کے بعد دوبارہ تم کو کفر کی طرف لوٹا دیں گے یعنی اعمال کفر کی طرف لے جائیں گے وزید کا بیان ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے اس روز سے زیادہ کوئی دن بھی بد آغاز اور خوش انجام نہیں دیکھا۔

شماس بن قیس ہی کے متعلق آیت قل یا اهل الکتاب لم تصدون الخ بھی نازل ہوئی تھی اس میں رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ اہل کتاب سے دریافت کریں (براہ راست اہل کتاب کو خطاب نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھے کہ اللہ ان کو خود مخاطب بناتا) اس سے اہل ایمان کی عظمت قدر کا اظہار اور مخاطب الٰہی بننے کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

فریابی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں اوس و خزرج میں باہم جنگ تھی (دور اسلامی میں سب متفق ہو گئے لیکن پھر بھی جاہلیت کی یاد دلوں میں باقی تھی) ایک روز سب مل جل بیٹھے تھے کہ آپس کی عداوت کا کچھ ذکر آ گیا اس تذکرہ (پارینہ) کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب غضبناک ہو گئے اور ایک دوسرے کے مقابل ہتھیار لے کر آ گیا اس پر آیت

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَى عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ ‏ نازل ہوئی کیف استفہامیہ تعجب وانکار کے لئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم اعمال کفر کی طرف جا رہے ہو حالانکہ بھی تازہ بتازہ اللہ کا کلام، رسول اللہ ﷺ کی معرفت تم پر اتارا جا رہا ہے اور پڑھ کر تم کو سنایا جا رہا ہے۔

وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ‏ اور اللہ کا رسول بھی تمہارے اندر موجود ہے جو تمہاری روک ٹوک کرتا وعظ فرماتا اور تمہارے شبہات مٹاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفر سے روکنے والے اور ایمان کی طرف بلانے والے سارے اسباب الٰہی موجود ہیں اور تمہارے سامنے جمع ہیں، قتادہؒ نے کہا اس آیت میں دو واضح علم مذکور ہیں اللہ کی کتاب اور اللہ کا نبی، رسول خدا تو چلے گئے کتاب اللہ باقی ہے جو اللہ کی رحمت اور نعمت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد قیامت تک ہونے والے اپنے جانشینوں کی طرف ہماری رہنمائی فرما دی ہے، حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو میں محض ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا میں تمہارے اندر دو بڑی عظمت والی چیزیں چھوڑ رہا ہوں پہلی کتاب اللہ ہے جس کے اندر ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ (کے احکام اور

خوف) کی یاد دلاتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جو اس کے حکم پر چلے گا ہدایت پر ہو گا جو اس کو چھوڑ دے گا گمراہ ہو گا (رواہ مسلم)۔

ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے (یہ دو چیزیں ہیں جن میں سے) ایک دوسری سے مرتبہ میں زائد ہے (ایک) اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک ایک آویختہ رسی ہے (اس کو پکڑ کر آسمان تک پہنچا جا سکتا ہے) (دوسری چیز) میری عترت یعنی میرے اہل بیت ہیں۔ حوض پر اترنے کے وقت تک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اس لئے غور کر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں کے معاملہ میں تم میری نیابت کس طرح کرتے ہو۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے حج میں عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی قصوء پر سوار ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے دیکھا آپ فرما رہے تھے کہ لوگو! میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اپنی عترت یعنی اہل بیت۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کو پکڑے رہنے کا اس لئے مشورہ دیا کہ اہل بیت ہی ولایت کے سلسلہ میں رہنمائی کے قطب ہیں۔ اگلوں اور پچھلوں میں سے کوئی بھی ان کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا۔ نمبر اول حضرت علیؓ کا ہے پھر آپ کے صاحبزادگان ہیں، حسن عسکری تک یہ سلسلہ آتا ہے اور آخری نمبر غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ان کے بعد دوسرے اولیاء اور علماء امت کا مرتبہ ہے جو بطور وراثت اہل بیت کے حکم میں داخل ہیں کیونکہ سب کے سب اہل بیت کے تابع ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور جو مضبوط پکڑے گا اللہ کو یعنی اللہ کے دین کو اور اللہ کی طرف ہمیشہ رخ رکھے گا، اصل لغت میں عصمت کا معنی ہے حفاظت اور کسی چیز کی حفاظت کرنے سے اس کا بچاؤ ہو جاتا ہے لہٰذا عاصم کا معنی ہوا بچاؤ کرنے والا (یعنی اللہ کے دین کے ذریعہ سے اپنا بچاؤ کرنے والا) اعتصام (باب افتعال) کا معنی ہے مضبوطی سے کسی چیز کو پکڑ لینا تاکہ ہلاکت سے محفوظ ہو جائے۔

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ تو اس کو ضرور ہدایت مل جائے گی (اللہ تک پہنچنے کی) سیدھی روشن کھلے ہوئے راستہ کی جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا

بغویؒ نے مقاتلؒ بن حبان کی روایت سے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں اوس اور خزرج کے درمیان دشمنی اور لڑائی تھی جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے دونوں میں صلح کرا دی (اور دونوں قبیلے مسلمان ہو کر باہم صلح کے ساتھ رہنے لگے) اتفاقاً کچھ مدت کے بعد ثعلبہ بن غنم اوسی اور اسعد بن زرارہ خزرجی میں باہمی قبائلی برتری کے متعلق نزاع ہو گیا اوسی نے کہا ہم ہی میں سے تھا وہ خزیمہؓ بن ثابت جس کی تنہا شہادت کو دو گواہوں کے برابر مانا گیا تھا اور ہم ہی میں سے تھا حنظلہؓ جس کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اور ہم میں ہی سے تھا عاصم بن ثابت بن افلحؓ، اور ہم میں ہی سے تھا سعد بن معاذؓ جس کی وفات پر عرش الٰہی میں لرزہ آگیا تھا اور بنی قریظہ کے متعلق اس کے فیصلہ کو اللہ نے پسند کیا تھا، خزرجی نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کو محکم کر لیا ہے (یعنی قرآن کے حافظ اور لفظ لفظ کے قاری اور معانی کے عالم ہیں) ابی بن کعب اور معاذ بن جبلؓ اور زید بن ثابتؓ ابو زیدؓ اور ہم میں سے ہیں۔ اسعدؓ بن عبادہ جو انصار کے خطیب اور سردار ہیں۔ غرض اسی طرح گفتگو کا رد و بدل ہو گیا دونوں کو غصہ آگیا اور دونوں نے فخریہ اشعار پڑھے آخر دونوں قبیلے اوس اور خزرج ہتھیار لے کر آ گئے پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

ربع

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اے ایمان والوں اللہ (کے عذاب سے ڈرو جیسا کہ حق ڈرنے کا ہے تقاۃ اصل میں وُقَیَۃ تھا تُخَمَۃ اور تُہَمَۃ کی طرح واؤ کو تاء سے بدل دیا پھر یاء کو الف سے بدل دیا کیونکہ یاء سے پہلے حروف صحیح ساکن تھا اور یاء پر فتحہ تھا اس کے علاوہ یاء کو الف سے بدلنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ اس مصدر سے جتنے افعال آتے ہیں ان میں یاء الف سے بدل دی گئی ہے جیسے وقی وعوا وغیرہ) لہٰذا فعل سے موافقت پیدا کرنے کے لئے مصدر میں بھی یاء کی جگہ الف آ گیا۔

عبد الرزاق، فریابی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور طبرانی نے معجم میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف روایت نقل کی ہے بلکہ ابو نعیم نے تو اس روایت کو مرفوع بھی کہا ہے کہ حق تقویٰ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے، شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے، اس کو یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے۔ بغوی نے بحوالہ حضرت ابن مسعود و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم صرف اول فقرہ نقل کیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔

میں کہتا ہوں یاد کرنے اور بھول جانے کا مدار فناء قلب پر ہے اور پوری اطاعت و عدم عصیان اور شکر و عدم کفران تو ان امور کا مدار نفس کے فناء پر ہے۔ حقیقی ایمان اور قلبی ایمان پر ہی اطاعت کلی اور شکر دوامی کی بناء ہے، پس اس آیت کا تقاضا ہے کہ کمالات ولایت کو حاصل کرنا واجب ہے۔ آیت کے سبب نزول کا بھی یہی تقاضا ہے اوس و خزرج کا باہمی تفاخر باقی ماندہ امراض نفس کا نتیجہ تھا اس لئے تمام امراض باطنہ سے نفس کو پاک کرنے اور مکارم اخلاق خشیۃ اللہ اور ذکر دوامی سے قلب و نفس کو آراستہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

مجاہد نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کرو احکام خداوندی کی تعمیل سے تم کو کسی ملامت گر کی ملامت نہ روکے۔ اللہ کے لئے انصاف قائم کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ خواہ خود تمہارا، تمہارے ماں باپ اور اولاد کا اس میں نقصان ہو رہا ہو، حضرت انس کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بندہ اس وقت تک حق تقویٰ ادا نہیں کرتا جب تک اپنی زبان کی نگہداشت نہ کرے، میں کہتا ہوں کہ مجاہد اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وہ راستہ بتایا ہے جو کمالات ولایت کو پہنچاتا ہے کیونکہ کم کھانا، کم سونا، ہمیشہ ذکر کرنا، زبان کو لغو باتوں سے روکنا، عوام سے اختلاط کو روکنا، اللہ کے حقوق کے معاملہ میں لوگوں کی پرواہ نہ کرنا کمال ولایت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ اہل تفسیر کا بیان ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ کے لئے بڑی دشواری ہو گئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس حکم کی (پوری) تعمیل کرنے کی کس میں طاقت ہے اس قول کے بعد اللہ نے نازل فرمایا فاتقوا اللہ ما استطعتم، جہاں تک طاقت ہو تقویٰ اختیار کرو پس اس آیت سے اول آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ مقاتل نے کہا کہ آل عمران میں سوائے اس آیت کے کوئی دوسری آیت منسوخ نہیں۔

میں کہتا ہوں اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ حق تقویٰ کا وجوب منسوخ ہو گیا کیونکہ غرور، بے جا غصہ، حسد، کینہ، نفاق، بد خلقی، دنیا کی محبت، اللہ کی طرف توجہ میں کمی، دوسروں سے دل کی لگاوٹ اور اسی طرح کی دوسری نفسانی خباثتیں بہرحال ہر وقت حرام ہیں ان کی حرمت کے منسوخ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ان بزرگوں کے قول کا مقصد یہ ہے کہ یک دم تمام امراض نفسانیہ کا دور کر دینا تو کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کا طریقہ یوں جاری ہے کہ امراض سے تزکیہ (رفتہ رفتہ) اہل دل اور مقدس نفوس والوں کی صحبت اور مختلف ریاضتیں کرنے سے ہوتا ہے، یکدم نہیں ہو جاتا اسی لئے اللہ نے اجازت دے دی اور بقدر امکان نفس کو پاکیزہ بنانے اور دل کو جلا دینے کی کوشش کو واجب قرار دے دیا اب جو شخص بالکل تزکیہ نفس کی کوشش سے منہ موڑ کر خواہشات کی طرف اپنا رخ پھیرے گا اس پر تمام رذائل نفس کا گناہ ہو گا، جو کچھ دلوں کے اندر ہو گا خواہ اس کو ظاہر کرو یا نہ کرو، اللہ اس کی حساب فہمی ضرور کریگا پھر جس کو چاہے گا معاف کر دیگا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جو شخص ازالہ

امر اس کے طریقہ کی جستجو میں لگا رہے گا اور اندرونی بیرونی خباثتوں کو دور کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے گا خواہ وہ درجہ کمال تک نہ پہنچا ہو مگر چونکہ وہ یہ فرض کر رہا ہے اس لئے امید ہے کہ اللہ اس کی کو معاف کر دے گا جس کو پورا کرنا طاقت سے باہر ہے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ یعنی حقیقی اسلام پر ہی تم مرو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام نواہی و اوامر کے پابند رہو تمام اعمال و افکار میں خلوص رکھو اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دو اس کے فیصلہ پر دل سے راضی رہو اس کے علاوہ تمہاری کوئی حالت نہ ہونی چاہئے اسی حالت پر تمہاری موت ہو۔

اگر کسی صفت یا حالت کے ساتھ کوئی فعل مقید ہو اور اس فعل کی ممانعت کی جائے تو کبھی (وہ قید محض اتفاقی ہوتی ہے اور) مقصود ہوتا ہے مطلق فعل سے منع کرنا جیسے اللہ کی زمین پر زنا نہ کرو (لفظ زمین پر محض اتفاقاً مذکور ہے اس سے مراد ہے مطلق زناء کی ممانعت خواہ زمین پر ہو یا ہوائی جہاز میں) کبھی نفی اور نہی کا رخ قید کی طرف ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے (کہ مطلق مرنے سے روکنا مقصود نہیں ہے بلکہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری حالت پر مرنے کی ممانعت کی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ تمہاری کوئی دوسری حالت نہ ہو کہ غیر اسلام پر تمہاری موت بھی آجائے) کبھی مجموعہ کی طرف نہی کا رخ ہوتا ہے جیسے مچھلی نہ کھاؤ جب کہ دودھ پی رہے ہو (یعنی دودھ مچھلی ایک وقت میں نہ کھاؤ، الگ الگ مختلف اوقات میں دونوں چیزیں کھا سکتے ہو) کبھی ممانعت کا رخ دونوں میں سے ہر ایک کی طرف انفرادی حالت میں ہوتا ہے جیسے ہمسایہ کی بیوی سے زنا نہ کرو (اس میں ہمسایہ کی بیوی سے زناء کرنے کی ممانعت بھی مقصود ہے اور مطلق زناء کی بھی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ اللہ سے پورے پورے ڈرتے رہو (یعنی آیت یایها الذین امنوا اتقوا الله حق تقاته، تلاوت فرمائی اور فرمایا) اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جاتا تو زمین والوں کی زندگی تلخ ہو جائے، پس کیا حال ہوگا اس شخص کا جس کا کھانا سوائے زقوم کے اور کچھ نہ ہوگا، رواہ الترمذی و قال حسن صحیح۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ کی رسی سے مراد ہے دین اسلام کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ومن یکفر بالطاغوت و یومن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقی لاانفصام لها، (اس آیت میں ایمان باللہ کو عروۃ الوثقیٰ فرمایا ہے) یا کتاب اللہ مراد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب ایک لمبی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہو (اس کو پکڑ کر آدمی اللہ تک پہنچ سکتا ہے)۔

جَمِیْعًا سب کے سب یعنی جو تفسیر کلام اللہ با جماع امت ہو اس کو مضبوطی سے پکڑو اجماع کی خلاف متفرق آراء کی طرف نہ جاؤ، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری تین باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین ناپسند تم اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا ساجھی نہ جانو اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنا دے اس کی خیر خواہی کرو یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں اور وہ ناپسند کرتا ہے فضول قیل و قال کو اور مال کو برباد کرنے کو اور کثرت سوال کو، رواہ مسلم و احمد۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو چھوٹ گیا (جماعت سے) چھوٹ کر دوزخ میں گیا، رواہ الترمذی، یہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ عظمت والے فرقہ کا اتباع کرو اسلئے کہ جو اس سے چھوٹ گیا وہ چھوٹ کر دوزخ میں گیا، رواہ ابن ماجہ۔ ؎

؎ حضرت مفسر قدس سرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک سواد اعظم سے وہ فرقہ مراد ہے جس کی تعداد زیادہ ہو مگر اس فقیر کی نظر میں یہ مطلب غلط ہے کیونکہ حق و صداقت کا معیار کثرت تعداد نہیں، اگر تعداد کی زیادتی پر صداقت کا مدار ہوتا تو سواد اعظم کی جگہ سواد اکثر کا لفظ ہوتا بلکہ اعظم سے مراد ہے زیادہ عظمت والا واللہ اعلم۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح بکریوں کو شکار کرنے والا بھیڑیا گلے سے بچھڑنے والی، گلے سے دور رہ جانے والی اور گلے سے الگ ہونے والی بکری کو شکار کر لیتا ہے اسی طرح انسان کیلئے شیطان بھیڑیا ہے (جماعت سے ہٹ کر) ادھر ادھر کی (گھاٹیوں) (میں بھٹکتے پھرنے) سے بچو اور جماعت و جمہور کے ساتھ رہو۔ رواہ احمد۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر الگ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔ رواہ احمد و ابوداؤد۔ یہ تفسیر اس صورت میں ہو گی جب جمیعا کو اعتصموا کی فاعلی ضمیر سے حال مانا جائے، لیکن حبل اللہ سے کر حال قرار دیا جائے تو یہ مطلب ہو گا کہ اللہ کی پوری کتاب کو پکڑے رہو ایسا نہ ہو کہ کتاب کے کچھ حصہ کو تو مانو اور کچھ کو نہ مانو کیونکہ رسی کے بل الگ الگ ہونے کی صورت میں طاقتور نہیں ہوتے۔

وَلَا تَفَرَّقُوْا اور آپس میں پھوٹ نہ پیدا کرو۔ یہ جملہ اول صورت میں تاکیدی اور دوسری صورت میں تاسیسی ہے۔ (دوسری صورت پر اس جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ پورے قرآن کو مانو اور آپس میں بھی تفرقہ نہ کرو کہ کوئی مانے کوئی نہ مانے بلکہ سب مل کر پوری کتاب کو پکڑے رہو) مطلب یہ ہے کہ دوسرے اہل کتاب کی طرح آپس میں اختلاف کر کے حق سے متفرق نہ ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو حالت بنی اسرائیل کی ہوئی وہی حالت میری امت پر آئے گی۔ یہ ان کے نقش قدم پر چلے گی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہو گا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا کرے گا، بنی اسرائیل بہتر فرقے بن گئے تھے اور میری امت پھٹ کر تہتر گروہ ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ (نجات پانے والا فرقہ) کون سا ہو گا فرمایا وہ (نجات یافتہ) ہو گا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہو گا۔ رواہ الترمذی۔

معاویہؓ کی روایت (جو احمد، ابوداؤد نے نقل کی ہے) کے یہ الفاظ ہیں کہ بہتر (فرقے) دوزخ میں اور ایک جنت میں ہو گا اور وہ (ایک نجات یافتہ فرقہ) جماعت ہے اور میری امت میں سے عنقریب کچھ جماعتیں ایسی نکلیں گی کہ خواہشات (ان کے رگ و پے میں گھس جائیں گی اور) ان کو بدعت میں گرا دیں گی جیسے داء الکلب اپنے مریض کے اندر گھس جاتا ہے کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں رہتا کہ یہ بیماری اس میں گھس نہ جائے۔ میں کہتا ہوں صحابہؓ میں یہ تفرقہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا نہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافتوں میں۔ امام برحق کے خلاف اول ترین بغاوت اہل مصر نے کی جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور خلافت کے معاملہ میں معاویہؓ کی طرف سے اول ترین اختلاف پیدا ہوا اور دین میں اول ترین اختلاف فرقہ حروریہ (خوارج، نواصب) نے کیا جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی پھر عبداللہ بن سبا نے مخالفت ڈالی اور حق کو چھوڑ دیا۔ یہی شخص رافضیوں کا سرچشمہ ہے پھر تابعین کے دور میں معتزلہ کا مسلک پیدا ہوا جنہوں نے فلاسفہ کا دامن جا پکڑا، قیل و قال میں پھنس گئے، منہ زوری بازی میں پڑ گئے، کتاب اللہ کی محکم آیات اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سلف کے طریقہ کو انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے ناقص گمراہ خیالات کے پیرو ہو گئے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اے گروہ انصار یاد رکھو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو۔ منجملہ اس کے احسان کے ایک بات یہ ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی جس کی وجہ سے تمہارے اندر اتفاق پیدا ہو گیا۔

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً جب کہ اسلام سے پہلے تم باہم دشمن تھے

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ پھر اسلام کے ذریعے سے اللہ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی۔

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا اور تم اس کی رحمت و ہدایت سے بھائی بھائی ہو، یعنی دین، دوستی، ہمدردی اور محبت کے اعتبار سے بھائی بھائی بن گئے (اگرچہ نسبی برادری نہیں تھی)۔

محمد بن اسحاق اور دوسرے اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ قبائل اوس و خزرج ایک ماں باپ کی نسل سے تھے لیکن ایک مقتول کی

وجہ سے دونوں میں دشمنی ہو گئی اور اتنی بڑھ گئی کہ ایک سو بیس برس تک باہم جنگ ہوتی رہی، آخر کار اسلام کی وجہ سے اللہ نے ان کی باہمی عداوت کی آگ بجھا دی اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے سب میں اتفاق ہو گیا ان کے اسلام اور باہمی الفت کا آغاز اس طرح ہوا کہ قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں ایک شخص تھا جس کا نام سوید بن صامت تھا اور قوم والے اس کو عاقل اور اصیل ہونے کی وجہ سے کامل کہتے تھے۔ سوید حج یا عمرہ کرنے کے لیے مکہ کو گیا اس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم مل چکا تھا، آپ نے سوید کی آمد کی خبر سنی تو اس کے پیچھے گئے اور اللہ اور اسلام کی اس کو دعوت دی سوید نے کہا شاید تمہارے پاس ویسی ہی کوئی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے حضور نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے، سوید نے کہا لقمان کا رسالہ یعنی لقمان کا پر حکمت کلام حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے لاؤ سوید نے پیش کیا (یعنی پڑھ کر سنایا) حضور نے فرمایا یہ اچھا ہے مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے افضل ہے، میرے پاس قرآن ہے جس کو اللہ نے نور اور ہدایت بنا کر اتارا ہے پھر آپ نے اس کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی، سوید نے نفرت نہیں کی اور کہنے لگا یہ اچھی چیز ہے پھر وہاں سے مدینہ چلا گیا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد جنگ بعاث میں قبیلۂ خزرج نے اس کو قتل کر دیا، اس کی قوم والوں کا بیان ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں اس کو قتل کیا گیا

اس کے بعد ابو الحیسر انس بن رافع بنی عبد الاشہل کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر جس میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھا، قریش سے معاہدۂ تعاون کرنے کے لیے آیا، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا جس کام کے لیے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تم کو خواہش ہے، لوگوں نے کہا وہ کیا چیز ہے، فرمایا میں اللہ کا پیغمبر ہوں اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ کسی چیز کو اللہ کا ساجھی نہ قرار دو، اللہ نے مجھ پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا ایاس بن معاذ جو نوجوان لڑکا تھا کہنے لگا قوم والو جس کام کے لیے تم آئے ہو خدا کی قسم یہ اس سے بہتر ہے، ابو الحیسر نے ایک لپ بھر کر کنکریاں ایاس کے منہ پر ماریں اور بولا یہ اپنی بات رہنے دے کہ ہم دوسری غرض سے آئے ہیں، ایاس خاموش ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور وہ لوگ بھی مدینہ کو لوٹ گئے مدینہ پہنچنے کے بعد اوس و خزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایاس کا انتقال ہو گیا پھر

جب اللہ نے چاہا کہ اس کا دین ظاہر اور رسول غالب ہو جائے تو ایک حج کے زمانہ میں ہر سال کے معمول کے موافق رسول اللہ ﷺ انصار کی ایک جماعت سے ملے اور عقبہ کے پاس ایک خزرجی گروہ سے ملاقات ہوئی اس گروہ میں چھ شخص تھے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث یعنی عوف بن عفراء، رافع بن مالک عجلانی، عطیہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ، اللہ کو منظور تھا کہ ان کو خیر نصیب ہو۔

حضور ﷺ نے دریافت کیا تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا خزرجی گروہ فرمایا کیا یہودیوں کے دوستوں میں سے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں، فرمایا کیا تم بیٹھ کر میری بات نہیں سنو گے انہوں نے کہا کیوں نہیں سنیں گے اس کے بعد سب بیٹھ گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اللہ کی دعوت دی اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا (وہ مسلمان ہو گئے) ان کے اسلام کی خدا کی طرف سے ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ مدینہ میں وہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے یہودی اہل کتاب اور اہل علم تھے اور یہ لوگ بت پرست اور مشرک، یہودیوں سے ان کا کچھ جھگڑا ہو جاتا تھا تو یہودی کہتے تھے اب ایک نبی آنے والا ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے ہم اس کا اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عاد کی طرح قتل کریں گے۔ پس اس گروہ نے جب رسول اللہ ﷺ کا کلام اور اسلام کی دعوت سنی تو آپس میں کہنے لگے لوگو تم جانتے ہو کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام لے کر یہودی تم کو دھمکیاں دیتے ہیں اب یہودی تم سے اس کی مدد حاصل کرنے میں سبقت نہ کرنے پائیں چنانچہ سب نے حضور ﷺ کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے اور عرض کیا ہم ایسی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں جن میں آپس کی جنگ اور دشمنی اتنی ہے کہ کسی قوم میں نہیں ہے اب امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعہ سے ان میں اتفاق کرا دے گا، عنقریب ہم ان کے پاس جائیں گے اور ان کو آپ کی بات کی دعوت دیں گے، اگر اللہ نے ان سب کو آپ کے معاملہ میں متفق کر دیا تو آپ سے بڑھ کر پھر کوئی عزت یافتہ نہ ہوگا، پھر یہ لوگ رسول اللہ

ﷺ کے پاس سے اپنے شہر کو لوٹ گئے اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کیا اور مدینہ والوں کو اسلام کی دعوت دی، حضور ﷺ کا ذکر مدینہ میں اتنا پھیل گیا کہ انصار کے ہر گھر میں آپ ہی کا چرچا ہونے لگا۔

پھر آئندہ سال ایام حج میں بارہ انصاری آئے، اسعد بن زرارہ، عوف بن عفراء، معاذ بن عفراء، رافع بن مالک عجلانی ذکوان بن عبد القیس، عبادہ بن صامت، زید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، عقبہ بن عامر، عقبہ بن عامر یہ سب خزرجی تھے اور قبیلہ اوس سے دو شخص تھے ابو الہیثم بن تیہان اور عویمر بن ساعدہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) عقبہ اولیٰ میں حضور ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی اور عورتوں کی بیعت کی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ شرک نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے (حضور ﷺ نے فرمایا) اگر تم ان شرطوں کو پورا کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہے اگر ان میں کچھ کھوٹ کرو گے اور دنیوی سزا میں گرفتار ہو جاؤ گے تو گناہ کا کفارہ ہو جائے گا لیکن اگر تمہارے جرم پر پردہ پڑا رہا تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا وہ چاہے تم کو عذاب دے چاہے معاف کر دے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ جنگ پیش آنے سے پہلے کا ہے ان لوگوں کی واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن مناف کو ان کے ساتھ کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قرآن پڑھانا، اسلام کی تعلیم دینا اور احکام سمجھانا، مدینہ میں مصعب کا لقب مقری (قرآن پڑھانے والا) ہو گیا اور اسعد بن زرارہ کے مکان پر آپ کا قیام ہوا۔

کچھ مدت کے بعد اسعد بن زرارہ، مصعبؓ کو ساتھ لے کر بنی ظفر کے ایک باغ کو گئے اور اندر جا کر بیٹھ گئے وہاں دوسرے مسلمان بھی جمع ہو گئے دوسری طرف سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا یہ دونوں آدمی ہمارے گھر میں آ کر ہمارے کمزور سمجھ کے آدمیوں کو بہکانا چاہتے ہیں تم جا کر ان دونوں کو جھڑک کر نکال دو، اسعد میرے ماموں کا بیٹا ہے اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی یہ کام کر لیتا تمہاری ضرورت بھی نہ ہوتی سعد اور اسید بنی اشہل کے سردار تھے اور اس وقت تک مشرک تھے حسب مشورہ اسید اپنا چھوٹا نیزہ لے کر مصعب اور اسعد کے پاس گیا دونوں باغ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اسید کو دیکھ کر اسعد نے مصعب سے کہا یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے، اس کو مسلمان بناؤ، مصعب نے جواب دیا اگر یہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا، اسید پہنچ کر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور گالیاں دینے لگا کہنے لگا تم ہمارے ہاں کیوں آئے ہو کیا ہمارے کمزور سمجھ والوں کو بے وقوف بنا رہے ہو اگر تم کو اپنی جان سے کچھ محبت ہے تو یہاں سے ہٹ کر چلے جاؤ، مصعبؓ نے کہا آپ بیٹھ کر ذرا ہماری بات تو سن لیجئے اگر ہماری بات آپ کو پسند آ جائے تو مان لینا ناپسند ہو تو آپ کے ناگوار طریقہ نہیں کی جائے گی اسید نے کہا یہ بات تم نے ٹھیک کہی یہ کہہ کر نیزہ زمین میں گاڑ کر دونوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

مصعبؓ نے اسلام کے متعلق اس سے گفتگو کی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعبؓ کا بیان ہے ابھی وہ کچھ بولا بھی نہ تھا مگر ہم کو اس کے چہرہ کی چمک اور بشاشت سے اسلام کے آثار دکھائی دے گئے تھے قرآن سننے کے بعد کہنے لگا یہ تو بڑی اچھی اور خوبصورت چیز ہے تم جا کر اس مذہب میں داخل ہونے کے وقت تم کیا کرتے ہو۔ مصعبؓ اور اسعد نے جواب دیا غسل کرو کپڑے پاک کرو پھر شہادت حق ادا کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ اسید نے فوراً اٹھ کر جا کر غسل کیا کپڑے پاک کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی پھر کہنے لگا میرے پیچھے ایک آدمی اور ہے، اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو اس کی قوم کا کوئی شخص نافرمانی نہیں کرے گا۔ وہ سعد بن معاذ ہے میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں پھر نیزہ لے کر چلا اور اپنی چوپال پر جا کر ٹھہر گیا۔ سعدؓ نے پوچھا پیچھے کیا چھوڑ کر آئے اسید نے کہا خدا کی قسم میں نے دونوں میں کوئی جرأت نہیں پائی میں نے ان کو روک دیا انہوں نے کہا جیسا آپ کو پسند ہے ہم ویسا ہی کریں گے۔ لیکن مجھے ایک خبر یہ ملی ہے کہ بنی حارثہ اسعد کو قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں کیونکہ اسعد تمہارا ماموں کا بیٹا ہے وہ اس کو قتل کر کے تم سے عہد شکنی کرنی چاہتے ہیں یہ سن کر سعد غضب ناک ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا نیزہ ہاتھ میں لیا اور بولا خدا کی قسم میرے خیال میں تم نے کچھ کام نہیں کیا باغ میں پہنچ کر دیکھا تو مصعب اور سعد دونوں کو مطمئن پا کر سمجھ گیا کہ اسید نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں خود پہنچ کر ان کی بات سنوں جب سامنے جا کر کھڑا ہوا تو

گالیاں دینے لگا اور اسعد بن زرارہ سے بولا اگر مجھ سے تیرا رشتہ نہ ہوتا تو پھر میرے متعلق تیری یہ جرات نہ ہوتی تو ہمارے گھر کے اندر ایسی باتیں لے کر آتا ہے جو ہم کو ناگوار ہیں سعد کو دیکھتے ہی سعد نے مصعب سے کہہ دیا تھا کہ یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم میں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔ مصعب نے سعد سے کہا ذرا بیٹھ کر ہماری بات سن لیجئے اگر آپ کو دل پسند اور مرغوب ہو تو مان لیں ورنہ آپ کے ناگوار خاطر کام ہم آپ سے الگ رکھیں گے۔ سعد نے کہا تیری یہ بات ٹھیک ہے۔ پھر نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گیا۔ مصعب نے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعب اور اسعد کا بیان ہے کہ سعد کے چہرہ کی چمک اور بشاشت دیکھ کر ہی ہم پہچان گئے تھے کہ اسلام اس کو پسند آگیا چنانچہ قرآن سن کر سعد نے کہا جب تم مسلمان ہوتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ مصعب نے کہا غسل کرو دونوں کپڑے پاک کرو پھر شہادت حق ادا کرو اور دو رکعت نماز پڑھو۔

سعدؓ نے اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے پاک کئے شہادت حق ادا کی اور دو رکعت نماز پڑھی اور نیزہ لے کر قصداً اپنی قوم کی چوپال کی طرف گئے ساتھ میں اسید بن حضیر بھی تھے۔ قوم والوں نے آتا دیکھ کر کہا خدا کی قسم اب سعد کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ سعد نے قوم سے کہا اے بنی عبد الاشہل تم مجھے اپنے اندر کیسا جانتے ہو۔ قوم والوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں سب سے زیادہ آپ کی رائے فضیلت رکھتی ہے۔ آپ کا قول و عمل نہایت مبارک ہے۔ سعد نے کہا تو (سن لو کہ) تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ سعد کے اس قول کے بعد بنی عبد الاشہل کے محلہ میں کوئی مرد عورت بغیر اسلام لائے نہیں رہا۔

اسعدؓ اور مصعبؓ دونوں لوٹ کر اسعدؓ کے گھر آگئے مصعبؓ یہیں مقیم رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے محلوں میں کوئی محلہ ایسا نہیں رہا جس میں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں ہاں بنی امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل اور واقف کے محلہ میں مسلمان نہ ہوئے کیونکہ ابو قیس بن اسلت شاعر ان میں موجود تھا اور یہ خاندان والے اسی کی بات سنتے اور مانتے تھے۔ اس نے سب کو اسلام سے روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے اور بدر و احد اور خندق کی لڑائیاں بھی گزر گئیں (اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوئے)۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مصعبؓ بن عمیر مکہ کو واپس چلے گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ ستر مسلمان انصاری اور کچھ مشرک تھے جو حج کے لئے گئے تھے مکہ پہنچ کر وسط ایام تشریق میں عقبہ ثانیہ پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہونے کا وعدہ ہوا۔ یہی بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ کعبؓ بن مالک کا بیان ہے کہ میں موجود تھا ہم حج سے فارغ ہوئے اور وعدہ ملاقات والی رات آئی یوں تو ہم اپنے ساتھ والے مشرکوں سے بات چھپا رکھتے تھے مگر ابو جابر عبد اللہ بن عمرو بن حرام کو ہم نے بتا دیا تھا اور اس سے گفتگو کر لی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل کو آگ کا ایندھن بنیں اس لئے جس حالت میں آپ ہیں اس حالت میں آپ کو چھوڑ دینا ہم کو پسند نہیں۔ غرض ہم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے وعدہ ملاقات کی اس کو اطلاع دیدی اور عقبہ میں ہمارے ساتھ آگیا اور نقیب ہو گیا۔ وعدہ والی رات کا کچھ حصہ ہم نے اپنی فرودگاہوں میں ہی گزارا جب ایک تہائی رات گزر گئی تو ہم چپکے چپکے چھپتے چھپاتے قطا (چکور) کی چال سے نکلے اور عقبہ کے پاس گھاٹی میں پہنچ کر جمع ہو گئے اس وقت ہم ستر مرد اور دو عورتیں تھے ایک بنی نجار کی ام عمارہ نسیبہ بنت کعب اور دوسری بنی سلمہ کی ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی۔ گھاٹی کے اندر ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے رہے، آخر رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے ساتھ تشریف لے آئے

حضرت عباسؓ نے فرمایا اے گروہ خزرج (خزرج کا اطلاق انصاریوں کے پورے گروہ پر ہوتا تھا خزرجی ہوں یا اوسی) تم واقف ہو کہ محمد ﷺ ہم میں سے ہیں جو لوگ ہماری قوم میں ہمارے خیالات کے ہیں ان سے ہم نے ان کی حفاظت کی ہے۔

سے اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں حفاظت سے ہیں لیکن یہ سب سے کٹ کر تم سے جڑنا چاہتے ہیں اور تم سے کٹنے پر راضی نہیں ہیں پس سوچ لو اگر اس بات کو تم پورا کر سکو جس کے لئے ان کو بلا رہے ہو اور مخالفوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تمہاری ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے (اور ان کو مدد کی ضرورت ہوگی) تو تم ان کو بے مدد و بے سہارا چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کو چھوڑ دو۔ یہ عزت و حفاظت کے ساتھ ہیں (کعب کا بیان ہے) ہم نے جواب دیا جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا لیکن اے رسول خدا ﷺ آپ خود کچھ فرمائیے اور اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے ہم سے جو عہد لینا چاہیں لے لیجئے۔

راوی کا بیان ہے اس پر رسول اللہ ﷺ بولے، قرآن مجید کی تلاوت کی اور اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی طرف راغب کیا پھر فرمایا میں تم سے ان شرطوں پر بیعت لیتا ہوں کہ اپنی بیوی بچوں کی جس چیز سے حفاظت کرو گے اس سے میری بھی حفاظت کرنا۔ یہ سن کر براء بن معرور نے دست مبارک پکڑ لیا۔ اور عرض کیا، قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم جس چیز سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے آپ کی بھی حفاظت کریں گے یا رسول اللہ ﷺ ہماری بیعت قبول کیجئے ہم خود بھی جنگجو ہیں اور دوسروں سے بھی تعاون کا ہمارا معاہدہ ہے جو بزرگوں سے موروثی چلا آتا ہے۔ براء اور رسول اللہ ﷺ سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان بیچ میں بول اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں سے ہمارے معاہدے ہیں اب ان کو ختم کرنا پڑے گا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ ہم سب سے معاہدے ختم کر دیں اور اللہ آپ کو غلبہ عنایت فرما دے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف آ جائیں۔ یہ کلام سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔

تم مجھ سے ہو اور میں تم سے جس سے تم لڑو گے میں بھی لڑوں گا۔ جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا

پھر حضور نے فرمایا اپنے میں سے بارہ نمائندے چھانٹ کر نکال لو جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرح اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں حسب الحکم بارہ نمائندے چھانٹے گئے نو خزرج میں سے اور تین اوس میں سے۔

عاصم بن عمرو بن قتادہ کا بیان ہے کہ جب بیعت کے لئے لوگ جمع ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا اے گروہ خزرج کیا تم جانتے ہو کہ کس شرط پر تم اس شخص کی بیعت کر رہے ہو۔ ہر گورے کالے سے لڑنے کی بیعت کر رہے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہو کہ جب تمہارے مالوں پر کوئی مصیبت پڑے گی اور تمہارے سردار مارے جائیں گے تو تم اس کو بے مدد چھوڑ جاؤ گے تو ابھی بیعت نہ کرو، ورنہ اس وقت خدا کی قسم دنیا و آخرت کی رسوائی نصیب ہوگی اور اگر مالوں کی تباہی اور سرداروں کی ہلاکت کے باوجود تم اپنے اس وعدہ کو پورا کر سکتے ہو جس پر تم اس شخص کو دعوت دے رہے ہو تو اس کو لے لو۔ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

انصار نے جواب دیا ہم مالوں کی تباہی اور سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد بھی ان کو نہیں چھوڑیں گے اور اسی شرط پر ان کو قبول کر رہے ہیں لیکن اے اللہ کے رسول اگر ہم نے یہ شرط پوری کر دی تو ہم کو اس کے عوض کیا ملے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جنت۔ انصار نے عرض کیا تو دست مبارک پھیلائیے۔ حضور ﷺ نے ہاتھ پھیلایا۔ سب نے بیعت کر لی۔ اول براء بن معرور نے ہاتھ پر ہاتھ مارا پھر یکے بعد دیگرے دوسرے لوگوں نے۔

جب ہم بیعت کر چکے تو عقبہ کی چوٹی سے انتہائی بلند آواز سے شیطان نے چیخ کر کہا اے اہل حباحب کیا تم کو مذمم (محمدؐ) کی بھی خبر ہے بے دین اس کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے یہ عقبہ کا ازب ہے (اس شیطان کا نام ازب تھا ازب لغت میں سانپ کو کہتے ہیں) اے دشمن خدا سن لے خدا کی قسم میں تیرے (مقابلہ کے لئے) بالکل فارغ ہو جاؤں گا پھر فرمایا اب تم اپنے اپنے پڑاؤ پر چلے جاؤ۔ عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم کل صبح ہی اہل منیٰ پر تلواریں لے کر ٹوٹ

پڑیں فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے تم اپنی فرودگاہوں پر چلے جاؤ حسب الحکم ہم اپنی خواب گاہوں پر آگئے اور سو گئے۔ صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے لوگ ہمارے پڑاؤ پر آئے اور کہنے لگے اے گروہ خزرج ہم کو اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کے پاس آئے ہو اس کو ہمارے پاس سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لئے اس سے بیعت کر رہے ہو خدا کی قسم عرب کے کسی قبیلہ سے جنگ چھڑ جانا ہمارے نزدیک اتنی قابل نفرت نہیں جتنی تم سے ہے یہ سن کر ہمارے (یعنی خزرج اور اوس کے) مشرک کھڑے ہو گئے اور اللہ کی قسمیں کھا کر انہوں نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہمیں اس کا علم ہے حقیقت میں انہوں نے سچ کہا تھا ان کو بیعت کا علم ہی نہ تھا ان کی باتوں کے وقت ہم آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے غرض سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

قریش میں ایک شخص حارث بن مغیرہ مخزومی نئی جوتیاں پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ابو جابر سے ایک بات کہی گویا میں (دوسرے قریش کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ میں) مشرکین انصار کے کلام کی تائید کر رہا ہوں اور بات یہ تھی کہ میں نے اس سے کہا ابو جابر تم ہمارے سرداروں میں سے ہو لیکن اتنی بھی تم میں استطاعت نہیں کہ اس قریشی جوان کی جوتیوں کی طرح جوتیاں ہی ہوں ابو حارث نے یہ بات سنی تو فوراً جوتیاں پاؤں سے نکال کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم اب ان کو تو پہنے گا ابو جابر نے کہا ارے نہیں تو نے جوان کو غصہ دلا دیا جوتیاں واپس کر دے میں نے کہا نہیں تو واپس نہیں کروں گا۔ یہ شگون اچھا ہے اگر فال سچی ہوئی تو خدا کی قسم میں اس کے کپڑے اتار لوں گا۔ غرض مضبوط معاہدہ کے بعد انصار مدینہ کو لوٹ گئے اور مدینہ میں اسلام کا ظہور ہو گیا۔

قریش کو اس کی اطلاع ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دکھ دینے لگے حضور ﷺ نے ساتھیوں سے فرمایا اللہ نے تمہارے کچھ بھائی بنا دیئے ہیں اور امن کی ایک جگہ بھی دے دی ہے تم ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ اور اپنے انصاری بھائیوں میں مل کر رہو۔ اس حکم پر سب سے پہلے سلمہ بن عبداللہ مخزومی کے بھائی نے مدینہ کو ہجرت کی پھر عامر بن ربیعہ نے پھر عبداللہ بن جحش نے پھر پے در پے جتھے جانے لگے اس طرح اسلام کی وجہ سے اللہ نے مدینہ والے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو متفق بنا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان میں باہم صلح کرا دی۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے یعنی قریب ہی تھا کہ اس میں گر پڑو سوائے موت علی الکفر کے کوئی چیز اس میں گرنے سے مانع نہیں رہی تھی۔

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا پس اللہ نے اسلام کی وجہ سے تم کو اس آگ یا گڑھے کے کنارے سے بچا لیا۔ شفا کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن اس کا مضاف الیہ یعنی حفرة کا لفظ مؤنث ہے اس لئے مؤنث کی ضمیر اس کی طرف راجع ہو سکتی ہے اس کے علاوہ شفا اور شفۃ ہم معنی ہیں۔ شفاء البئر اور شفۃ البئر کنویں کا کنارہ جیسے جانبٌ اور جانبۃٌ ہم معنی ہیں۔ دونوں کی اصل شفو تھی مذکر میں واؤ کو الف سے اور مؤنث میں تا سے بدل دیا اس لئے شفا کی جانب مؤنث کی ضمیر لوٹانا بھی درست ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی دلیلیں بیان فرماتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تاکہ تم ہدایت پر جمے رہو تمہاری ہدایت میں اضافہ ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ اور تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہئے مِنْ تبعیضیہ ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر فرض نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ امر و نہی کے لئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے (اور یہ بات سب لوگوں میں نہیں ہو سکتی بعض میں ہوتی ہے) آیت میں خطاب اہل اسلام کی پوری جماعت کو ہے مگر مکلف بعض کو کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی اس فرض کو انجام نہ دے گا تو فرض جماعت ادا نہ ہوگا اور سب گناہگار ہوں گے (کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جماعت کا فرض ہے) اور اگر بعض نے کر لیا تو سب کے سر سے فرض ادا

ہو جائے گا۔ مدہانہ بھی ہو سکتی ہے اس وقت ہر شخص پر ممنوع امر سے بازداشت کرنی لازم ہو گی (خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان سے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو) کم سے کم دل سے ہی (اس فعل سے نفرت) ہو۔

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں یعنی ان عقائد، اخلاق اور اعمال کی دعوت دیں جن کے اندر دین و دنیا کی بہتری ہو۔ ابن مردویہ نے حضرت امام باقرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قرآن اور میری سنت پر چلنا ہی خیر ہے۔ سیوطیؒ نے اس حدیث کو معضل کہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ آپ نے اس آیت کو (اس ترمیم اور اضافہ کے ساتھ) اس طرح پڑھا تھا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔ ویستعینون اللہ علی ما اصابہم۔ واولئک ہم المفلحون۔ یعنی خیر بالکل یہ ہے کہ لوگوں سے مصیبت دور ہو۔

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور ایسے کام کا حکم دیتے ہیں جس کی خوبی وجوبی طور پر یا استحبابی طور سے شریعت کی طرف سے جان لی گئی ہے۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بری باتوں سے روکیں یعنی جن محرمات اور مکروہات کو شرع نے برا قرار دیا ہے ان سے روکیں (خیر کا لفظ عام تھا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شامل تھا لیکن) امر و نہی کی فضیلت خاص طور پر ظاہر کرنے کے لئے عطف کر دیا گیا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے جو ایسا نہ کرے گا ناکام ہو گا اور گھاٹا اٹھائے گا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کو بری بات دکھائی دے وہ اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان ہی سے (اس سے روک تھام کرے) اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی اس کو برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان کا (درجہ) ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حدود اللہ میں سستی کرنے والے اور ان میں پڑ جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کی ہو اور قرعہ ڈالنے کے بعد کوئی کشتی کے بالائی درجہ میں سوار ہو گیا اور کوئی نچلے درجہ میں۔ نچلے درجہ والا پانی لے کر بالائی درجہ والوں کی طرف سے گزرتا تھا تو ان کو تکلیف پہنچتی تھی اس لئے نچلے درجہ والے نے کلہاڑی لے کر کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کیا۔ بالائی درجہ والوں نے جا کر کہا تو کیا کر رہا ہے اس نے جواب دیا آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور مجھے پانی کی بہر حال ضرورت ہے (اس لئے کشتی میں سوراخ کر رہا ہوں) اب اگر وہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچا لیں گے اور خود بھی محفوظ رہیں گے اور اگر (سوراخ کرتے) چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہوں گے۔ رواہ البخاری۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہو گی۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم آیت یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ پڑھتے ہو (اور خیال کرتے ہو کہ اگر کوئی برے کام کرے گا تو تم کو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا خواہ تم اس کی روک تھام کرو یا نہ کرو) حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ اگر لوگ بدکاریاں دیکھ کر ان کو بدلنے کی کوشش (ہاتھ یا زبان یا دل سے) نہیں کریں گے تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔ رواہ ابن ماجہ والترمذی وقال صحیح وروی ابو داؤد نحوہ عن جریر بن عبد اللہ جاء نحوہ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ۔

عدی بن عدی کندی کے ایک آزاد کردہ غلام کے دادا کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ خصوص لوگوں کے (برے) اعمال سے اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ عام لوگ اپنے سامنے بدکاریاں دیکھ کر باوجود تردید کی قدرت کے انکار نہ کرتے ہوں۔ جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ عام و خاص سب کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا مگر وہ نہ مانے مگر علماء ان کی مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور داؤد و عیسیٰ کی زبانی ان پر لعنت کرائی ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ. راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے یہ فرمانے کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم بھی ان کی طرف جھک جاؤ گے پورے طور پر۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔

﴿ ایک سوال ﴾

اگر کوئی خیر نہ کرتا ہو اور شر سے باز نہ رہتا ہو (یعنی بدکار ہو) تو کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس پر بھی واجب ہے۔

﴿ جواب ﴾

ہاں آیت کی عبارت سے ثابت ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس پر بھی واجب ہے لیکن اس سے بطور اقتضاء خود بھی پابندی کا وجوب نکل رہا ہے تاکہ آیت اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق نہ بن جائے۔

حضرت اسامہؓ بن زید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے اور وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹتا ہوا دوزخ میں اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے۔ دوزخی اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے اے شخص یہ تیرا کیا حال ہے کیا تو ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم اور برے کاموں سے باز داشت نہیں کرتا تھا وہ جواب دے گا بیشک تم کو نیکی کرنے کا حکم دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے روکتا تھا مگر خود کرتا تھا۔ متفق علیہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں نے کچھ آدمی دیکھے جن کے لب آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود اپنے کو بھول جاتے تھے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پھوٹ کر بٹ گئے۔ یعنی یہودیوں کی طرح نہ ہو جانا جو پھوٹ کر بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔

وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور کھلے ہوئے قطعی دلائل آنے کے بعد باہم اختلاف کرنے لگے۔ البینات سے مراد ہیں اللہ کی آیات محکمہ اور انبیاء کی احادیث متواترہ اور انہی جیسی دوسری دلیلیں جیسے اجماع امت اسلامیہ۔

اختلاف عام ہے خواہ اصول دین میں ہو جیسے اہل سنت سے اہل بدعت (معتزلہ خوارج وغیرہ) کا اختلاف یا ان فروعی مسائل میں ہو جن کا ثبوت اجماعی ہے جیسے وضو میں پاؤں دھونا اور موزوں پر مسح کرنا اور خلفاء اربعہ کی خلافت۔ تفرقیت کی شرط لگانے سے اس اختلافی حکم سے وہ اختلاف خارج ہو گیا۔ جو ظنی دلائل میں اجتہادی اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ ظنی دلائل کا اجتہادی اختلاف ضروری ہے اس اختلاف میں بعض مجتہدوں کی اجتہادی غلطی تو لا محالہ ہوتی ہے لیکن اگر ضد اور تعصب کے بغیر اجتہادی طاقت صرف کرنے کے بعد غلطی ہو جائے تو معاف ہے بلکہ لوگوں کے لئے رحمت (اور مجتہد کے

لئے موجب ثواب) ہے عبد بن حمیدؒ نے مسند میں اور دارمی اور ابن ماجہ نے اور عبدری نے الجمع بین الصحیحین میں اور ابن عساکر نے اور حاکم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے ساتھیوں کے اس اختلاف کے متعلق دریافت کیا جو میرے بعد ہوگا (کہ ان لوگوں کا کیا ہوگا) اللہ نے وحی بھیجی کہ محمد تیرے ساتھی میرے نزدیک ستاروں کی طرح ہیں بعض بعض سے زیادہ قوی (روشنی والے) ہیں۔

دوسری روایت میں تو یہ ہے کہ بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں اور روشنی ہر ایک میں ہے۔ اب اختلافی مسائل میں جو بھی جس مسلک کو لے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ رواہ الدار قطنی فی فضائل الصحابہ و ابن عبد البر عن جابر و البیہقی فی المدخل عن ابن عباسؓ۔

بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کو جو کچھ (حکم) اللہ کی کتاب سے دیا گیا ہے اس پر عمل کرو کسی کیلئے کتاب اللہ کو ترک کرنے کا عذر نہیں ہو سکتا اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو نبی کی سنت فیصلہ کن ہے اگر نبی کی سنت (میں) بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ کہیں (اس پر عمل کرو) میرے اصحاب آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جس کو پکڑ لوگے (اور پیچھے لگ جاؤ گے) ہدایت پاؤ گے میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

بیہقی نے مدخل میں اور ابن سعدؒ نے طبقات میں قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ محمد ﷺ کے صحابیوں کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ بیہقی نے عمر بن عبد العزیزؒ کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ یعنی قطعی دلائل کے بعد جن لوگوں نے تفرقہ کیا انہی کے لئے عذاب عظیم ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ وُجُوهٌ میں دونوں جگہ تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے یعنی جس روز مؤمنوں کے چہرے گورے اور کافروں کے چہرے کالے ہوں گے۔ تنوین تکثیر کے لئے بھی ہو سکتی ہے یعنی بہت چہرے گورے اور بہت چہرے سیاہ ہوں گے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے چہرے گورے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل سنت کے چہرے گورے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ پس جن کے چہرے سیاہ پڑ گئے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد پھر تم نے قطعی دلائل کا انکار کیا اور دین میں تفرقہ کیا اور متشابہات کی تفسیر کے پیچھے پڑ گئے۔ استفہام زجر اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ پس اپنے کفر کرنے کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ آیت اس امت اور گزشتہ امتوں کے بدعتیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوامامہؓ اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ خارجی ہیں۔ لیکن حضرت اسماءؓ کی روایت کردہ حدیث بتا رہی ہے کہ اس آیت میں اہل رائے مراد ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض پر دیکھ رہا ہوں گا کہ کون کون میرے پاس آتا ہے کچھ لوگ مجھ سے پرے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ (یعنی ان کو حوض پر نہیں آنے دیا جائے گا) میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے ہیں میری امت کے (افراد) ہیں جواب دیا جائے گا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا، خدا کی قسم یہ برابر اپنی ایڑیوں کے بل (تمہاری ہدایت سے) لوٹتے رہے (رواہ البخاری)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان فتنوں سے پہلے عمل کر لو جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح (تند و) چھا جائیں گے صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، شام کو کافر ہوگا اور صبح کو مؤمن۔ دین کو دنیا کے حقیر سامان کے عوض بیچ ڈالے گا۔ رواہ احمد و مسلم و الترمذی۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول مرتدوں کے حق میں ہوا تھا۔ بعض علماء نے سودہ نزول ان اہل کتاب کو قرار دیا ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ اور توریت پر ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا انکار کر دیا یا بعثت سے پہلے تو رسول اللہ ﷺ پر (غائبانہ) ایمان رکھتے تھے۔ مگر بعثت کے بعد انکار کر دیا۔ بعض نے کہا تمام کفار کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اللہ نے سب کو (ازل میں) اپنی ربوبیت کا شاہد بنایا تھا اور دنیا میں آنے کے بعد لوگ کافر ہو گئے۔ یا یوں کہا جائے کہ دلائل پر غور کرنے کے بعد ایمان لانے پر قادر تھے مگر ایمان نہ لائے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ اور جن لوگوں کے چہرے گورے ہوں گے یعنی اہل سنت۔

فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ پس وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت اور لازوال ثواب میں ہوں گے جنت کی تعبیر بلفظ رحمت کرنے سے اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مومن کی چاہے پوری عمر اللہ کی اطاعت میں صرف ہوئی ہو مگر جنت میں اس کا داخلہ اللہ کی رحمت اور فضل کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستی اختیار کرو اور درمیانی رفتار سے چلو اور خوش رہو کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو بھی (آپ کے اعمال جنت میں نہیں لے جائیں گے) فرمایا مجھ کو بھی ہاں اللہ اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھ کو ڈھانک لے (تو جنت میں داخلہ مل جائے گا) رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے اور مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے سوائے اللہ کی رحمت کے۔

یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے امام احمد نے اور حضرت ابو موسیٰ اور حضرت شریک بن طارق کی روایت سے بزار نے نیز مؤخر الذکر روی اور حضرت اسامہؓ بن شریک اور حضرت اسدؓ بن کرز کی روایت سے طبرانی نے نقل کی ہے لیکن ان تمام احادیث کا تعارض آیت ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون سے ہوتا ہے (کیونکہ آیت میں اعمال کو داخلہ جنت کا سبب بتایا گیا ہے) اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ جنت کے اندر مختلف مدارج و مراتب ہیں جن کا حصول اعمال پر موقوف ہے آیت کا یہی مطلب ہے باقی ابتدائی داخلہ اور دوامی سکونت یہ اللہ کے فضل و رحمت کی ممنون ہے احادیث کا یہی مقصد ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ تم پل صراط سے گزرو گے اللہ کی معافی کی وجہ سے اور جنت میں داخل ہو گے اللہ کی رحمت سے اور (جنت کے اندر) تمہارے حصے میں (مختلف) منازل آئیں گے تمہارے اعمال کے موافق۔ رواہ ہناد فی الزہد۔ ابو نعیم نے عون بن عبداللہ کی سند سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ وہ رحمت یا جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مستقل جملہ ماقبل کی تاکید بھی کر رہا ہے اور اس امر کی طرف اشارہ بھی کر رہا ہے کہ رحمت (یعنی ابتدائی داخلہ) مستقل نعمت ہے اور جنت کے اندر ہمیشہ کا قیام یہ الگ مستقل نعمت ہے۔

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ یہ اللہ کی آیات ہیں جن کے اندر (جنت و رحمت کا) وعدہ اور دوزخ و عذاب سے وعید ہے۔

نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں اور یہ آیات برحق ہیں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ اور اللہ اہل جہان پر ظلم کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس کی طرف سے ظلم ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملکیت میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اس پر نہ کچھ کرنا لازم ہے نہ نہ کرنا اور جب کوئی چیز اس پر واجب ہی نہیں ہے تو ظلم کیسا؟ (ظلم تو ترک واجب کو کہتے ہیں)۔

میں کہتا ہوں آیت کی مراد بظاہر یہ ہے کہ اللہ بندوں کے معاملات میں ظلم کرنا نہیں چاہتا کہ نیکی کرنے والے کے ثواب کو گھٹا دے یا جرم کرنے والے کی سزا کو جرم کی مقدار سے بڑھا دے اور کفر چونکہ سب سے بڑا گناہ ہے اس لئے اس کا عذاب بھی سب گناہوں کے عذاب سے زیادہ اور دائمی ہو گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی ملک ہے۔

ع ۱۱/۲ **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** اور اللہ ہی کی طرف تمام امور کی آخری واپسی ہو گی پس وہی وعدہ اور وعید کے موافق جزا سزا دے گا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ بغوی نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مالک بن الصیف اور وہب بن یہوذ یہودی تھے، ان دونوں نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ سے کہا ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا مذہب اس دین سے بہتر ہے جس کی دعوت تم ہم کو دیتے ہو اس پر مندرجہ آیت نازل ہوئی۔ خیر کی اضافت امت کی جانب اضافت صفت الی الموصوف ہے (یعنی واقع میں معنی کے لحاظ سے خیر صفت اور امت موصوف ہے)۔

﴿ ایک شبہ ﴾

کُنْتُمْ ماضی کا صیغہ ہے یعنی ماضی میں تم بہترین امت تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بہترین نہیں رہے نہ آئندہ بہترین رہنے کی کوئی صراحت ہے۔

جواب - بے شک کَانَ ماضی ہے جو زمانہ ماضی میں کسی چیز کے ثبوت پر دلالت کر رہا ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ثبوت ماضی منقطع ہو گیا یا آئندہ منقطع ہو جائے گا اس کی تعیین تو خارجی قرینہ سے ہی ہوتی ہے (جیسے زید نے کر سیر ہو کر کھانا کھا لیا ہو اور کوئی کہے کہ زید دو گھنٹے پہلے بھوکا تھا یہاں قرینہ موجود ہے کہ زید اس وقت بھوکا نہیں ہے بھوک کا زمانہ ختم ہو گیا اگر انقطاع ماضی یا انقطاع مستقبل کا خارجی قرینہ موجود نہ ہو تو استمرار ہی سمجھا جائے گا جیسے) اللہ نے فرمایا ہے وکان اللہ غفورا رحیما (یعنی اللہ کا غفور و رحیم ہونا کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اگرچہ اس جگہ بھی کان صیغہ ماضی موجود ہے) پس کنتم خیر امۃ کی آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ ماضی میں بھی بہترین تھے اور وقت خطاب میں بہترین ہیں اور آئندہ بھی بہترین ہوں گے۔

جس طرح آیت تامرون یا تعرفون میں (مضارع کے صیغے استعمال کئے ہیں جو حال اور مستقبل دونوں پر دلالت کرتے ہیں) یہ بھی احتمال ہے کہ امت اسلامیہ کے خیر الامم ہونے سے مراد یہ ہو کہ تم علم الٰہی میں خیر الامم تھے یا ذکر کے وقت گزشتہ اقوام میں خیر الامم تھے۔

اُخْرِجَتْ وہ بہترین امت جو ظاہر کی گئی (عدم سے وجود میں لائی گئی) اور پیدا کی گئی ہے کنتم کے مخاطب یا تو صحابہؓ ہیں، بروایت ضحاک جویبر نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ کنتم خیر امۃ ہمارے اولین کیلئے ہے پچھلوں کیلئے نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ چاہتا تو بجائے کنتم کے انتم فرماتا لیکن اس نے کنتم صرف صحابہؓ کیلئے اور ان لوگوں کیلئے جنہوں نے صحابہؓ کی طرح کام کئے فرمایا۔ یا مخاطب عام امت محمدیہ ہے دونوں مضمون نصوص سے ثابت ہیں اور یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے کیونکہ امت اسلامیہ تمام امتوں سے افضل ہے اور امت اسلامیہ میں قرن صحابہؓ افضل ہے۔[1]

اللہ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ دوسری آیت ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الخ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جب تک میں داخل نہ

[1] حاشیہ از مولف، قتادہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت کنتم خیر امۃ الخ تلاوت کی پھر فرمایا لوگو! جس کو اس امت میں داخل ہونے سے خوشی ہوتی ہو جو سب لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کی گئی ہے تو وہ شرط مخاطب کو ادا کرنا لازم ہے جو اللہ نے اس امت کیلئے مقرر کر دی ہیں۔

ہو جاؤں جنت میں داخلہ انبیاء کے لئے حرام کر دیا گیا ہے اور جب تک میری امت داخل نہ ہو جائے دوسری امتوں کے لئے جنت میں داخلہ حرام کر دیا گیا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند حسن عن عمر بن الخطاب۔

طبرانی کی مرفوع روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جنت تمام امتوں کے لئے حرام کر دی گئی ہے تاوقتیکہ میں اور میری امت یکے بعد دیگرے اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ امام احمد اور بزار اور طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یقینی امید ہے کہ جنتوں نے میری پیروی کی وہ (کل) جنت والوں کے ایک چوتھائی ہوں گے پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ وہ آدھے ہوں گے۔

ترمذی نے بسند حسن اور حاکم نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ اہل جنت کی ۱۲۰ قطاریں ہوں گی جن میں ۸۰ اس امت کی اور باقی دوسری امتوں کی ہوں گی۔ طبرانی نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے اس حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابن عباس حضرت معاویہ بن جندہ اور حضرت ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ستر متوں کا تتمہ ہو اور سب سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہو۔ یہ حدیث بہز بن حکیم کے دادا کی روایت سے ابن ماجہ اور دارمی نے بیان کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور بغوی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت انسؓ اور حضرت جعفرؓ بن محمد کے دادا کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے معاف فرما دی میری امت کے لئے بھول چوک اور وہ گناہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا ہو۔ یہ حدیث بیہقی اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین لوگ میرے دور کے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہوں گے اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہوں گے پھر ایسے لوگ آئیں گے جن میں سے بعض کی شہادت قسم سے پہلے اور قسم شہادت سے پہلے ہوگی۔ یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے شیخین اور ترمذی اور احمد اور طبرانی نے بیان کی ہے اور ایسی ہی حدیث مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ترمذی و حاکم نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کو گالی نہ دو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو ان کے سیر بھر بلکہ آدھے سیر (خرچ کرنے کے درجہ) کو بھی نہیں پہنچے گا۔ یہ حدیث شیخین نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ میں سے جو کوئی کسی زمین میں مرے گا قیامت کے دن وہاں لوگوں کے (یعنی اس زمین والوں کے) لئے قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

للناس — لوگوں کے لئے۔ اس لفظ کا تعلق خیر سے ہے یعنی تم لوگوں کے لئے خیر ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا، لوگوں کے لئے سب لوگوں سے زیادہ بہتر ہو کہ وہ زنجیروں میں بندھے آتے ہیں اور تم ان کو اسلام میں داخل کر دیتے ہو۔

میں کہتا ہوں کہ گذشتہ اقوام سے زیادہ اس امت کے مبلغین و مرشدین کی ہدایت شاہد ہے کہ لوگوں کو کھینچ کر اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ قطب الارشاد اور شاہ ولایت تھے گذشتہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روحانی وساطت کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکا پھر آپ کی اولاد میں سے آئمہ کرام اس منصب پر فائز ہوئے جس کا سلسلہ امام حسنؓ عسکری اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک مسلسل پہنچا اسی لئے حضرت شیخ جیلانی نے فرمایا وہ قسی عمل قدمی قد صفالی۔ آپ اس منصب پر قیامت تک فائز رہیں گے اسی لئے آپؒ نے فرمایا تھا۔ افلت شموس الاولین و

شمسنا: ابدا علی اهل العجم لا تغرب۔ پہلے لوگوں کے سورج چھپ گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی پر رہے گا کبھی غروب نہ ہوگا۔ بعض لوگوں کے نزدیک للناس کا تعلق اخرجت سے ہے یعنی لوگوں کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ مستقل جملہ ہے امت کی فضیلت کے بیان کے لئے لایا گیا ہے یا اور، جملہ امۃ کی صفت ہے یعنی جو امتیں ان صفات کی حامل تھیں ان سب سے تم افضل ہو۔

وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ یعنی تم نیکی کا حکم دیتے ہو بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ ایمان باللہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک ہر اس چیز پر ایمان لانا ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ ایسا ہی ایمان قابل اعتبار ہے (صرف اللہ کو ماننا اور کل یا بعض پیغمبروں کا انکار کر دینا یا قیامت کو نہ ماننا ایمان باللہ کے خلاف ہے) باوجودیکہ اہل کتاب (بعض پیغمبروں اور بعض کتابوں کو مانتے تھے مگر سب پیغمبروں اور کل کتابوں کو نہیں مانتے تھے مگر) اللہ پر ایمان رکھتے تھے پھر بھی اللہ نے ان کے متعلق فرمایا ولو امن اهل الکتاب۔

حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم واقف ہو کہ اللہ واحد پر ایمان لانا کیا (معنی رکھتا) ہے صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہے فرمایا (ایمان باللہ ہے) لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دینا۔ متفق علیہ فی الصحیحین

سوال :- ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ایمان باللہ کا ذکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے کیا جاتا، کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے۔ اعمال خیر ایمان پر مبنی ہیں لیکن آیت میں ایمان کا ذکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بعد کو کیا گیا۔

جواب

اس تقدیم و تاخیر سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان باللہ اور تصدیق قلبی کے ساتھ کرتے ہیں دکھاوٹ کے لئے نہیں کرتے گویا تؤمنون باللہ امر بالمعروف کی خصوصی شرط ہے یا مؤخر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آئندہ جملہ کے ساتھ اتحاد ہو جائے۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ یعنی تمہاری طرح تمام اہل کتاب ایمان لے آتے۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ تو ان کے لئے بہتر ہوتا کیونکہ اس وقت ان کا شمول بھی خیر الامم میں ہو جاتا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان باللہ سے مراد ہو حقیقی ایمان یعنی دل کو ماسوا کے خیال سے پاک اور نفس کو بری خصلتوں سے صاف کرنا اور ایسی خاص محبت کو دل میں جمانا جس میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہ ہو نہ دنیوی لالچ ہو نہ دینی۔

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ قابل اعتبار ایمان رکھتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ اور ان میں اکثر ایمان سے خارج ہیں۔ یہ جملہ سابق (ولو امن اهل الکتاب) کا بیان ہے کیونکہ جملہ سابقہ میں تمام اہل کتاب کا ایمان نہ لانا مراد ہے اور موجود بعض کا ایمان ہے، اکثر کافر ہیں۔ ولو امن اهل الکتاب سے ان اہل کتاب کو بدگمانی پیدا ہو سکتی تھی جو سچے دل سے مسلمان ہو گئے تھے (کہ اللہ کے نزدیک ہمارا ایمان شاید معتبر نہیں ہے) اس بدگمانی کو دفع کرنے کے لئے منهم المؤمنون فرمایا۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وہ تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے سوائے معمولی تکلیف کے یعنی زبان وغیرہ سے تکلیف کے علاوہ (کوئی جانی و مالی دکھ نہیں پہنچا سکیں گے) مقاتل کا بیان ہے کہ جب سرداران یہود نے مسلمان اہل کتاب (جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ) کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان اہل کتاب کو تسلی ہو۔

فَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ؕ اور اے مسلمانو اگر وہ یہودی تم سے لڑیں گے تو پیٹھ دے کر شکست کھا کر بھاگیں گے اور قتل، غارت یا قید کا رکھ تم کو نہ پہنچا سکیں گے۔

ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ پھر ان کو فتح نہیں مل سکتی فتح تمہاری ہی ہو گی۔ یہ آیت گذشتہ لا یضروکم کا بیان ہے اور ایک (کچی) پیشین گوئی ہے کیونکہ بنی قریظہ، بنی نضیر، اہل خیبر و فدک کا یہی حال ہوا۔

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ ان یہودیوں پر ذلت کی مہر لگادی گئی ہے یعنی ان کی جان اہل و عیال اور مال کو مباح کر دیا گیا ہے۔

اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا جہاں بھی پائے جائیں۔

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ مگر قرآن یا دین اسلام کی وجہ سے (ان کی حفاظت ہو سکتی ہے) جس نے امن طلب کافروں اور ذمیوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم دیا ہے اللہ نے فرمایا وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ دوسری جگہ فرمایا ہے حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ اور مسلمانوں کے عہد سے یعنی امان طلبی کے اگر مسلمان امان دہی کا عہد کریں یا قبول جزیہ کے بعد عقد ذمہ ہو جائے (تو یہودیوں کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا) گویا حبل اللہ اور حبل من الناس سے ایک ہی مراد ہے (یعنی عقد ذمہ بعد قبول الجزیہ یا امان دہی) گر دونوں جدا جدا چیزیں ہوتیں تو دونوں کے درمیان واؤ عاطفہ نہ ہوتا بلکہ آؤ ہوتا۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور اللہ کے غضب کے سزا وار ہو کر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹیں گے یعنی مریں گے یا مرنے کے بعد زندہ ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ اور مسکینی یعنی کنجوسی اور حرص کا احاطہ ان پر کر دیا گیا جیسے نصب کردہ ڈیرہ خیمہ اپنے اندر رہنے والوں کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ کنجوس آدمی مال خرچ نہیں کرتا، ہمیشہ مسکینوں کے حلیے میں رہتا ہے اور حریص ہمیشہ کمائی کی کوشش اور مشقت میں لگا رہتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہودی بیشتر فقیر اور مساکین ہوتے ہیں (یعنی باوجود مالدار ہونے کے فقیروں کی طرح بھیک مانگتے، مفلسی دکھاتے اور مال کو چھپائے رہتے ہیں)۔

ذٰلِكَ یہ ذلت، مسکینی اور غضب خدا کی مار اس لئے ہے۔

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ کہ وہ کفر کرتے رہے ہیں۔

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آیات کا

وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ اور انبیاء کو قتل کرتے رہے ہیں۔

بِغَیْرِ حَقٍّ ؕ ناحق۔ یعنی وہ جانتے رہے ہیں کہ انبیاء کو قتل کرنا ظلم اور خلاف حق ہے مطلب یہ کہ مذکورہ بالا ذلت و خواری اور غضب کی مار ان پر کفر اور قتل انبیاء کی پاداش میں پڑی۔

ذٰلِكَ یہ کفر اور قتل انبیاء۔

بِمَا عَصَوْا ضد اور عناد کے زیر اثر قصداً اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہوا۔

وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اللہ کے ضوابط سے سرکشی کرتے رہے۔ بعض علماء کے نزدیک ذلک دوم کا مشارالیہ بھی وہی دنیوی ذلت اور اخروی استحقاق عذاب ہے اور ذلت و استحقاق عذاب کی دو علتیں ہیں ایک کفر و قتل انبیاء اور دوسری معصیت و تجاوز از ضوابط کیونکہ وہ فرعی احکام کے بھی مکلف تھے (پس اصول کی مخالفت اور فروعی احکام کی خلاف ورزی دونوں دنیوی ذلت اور اخروی استحقاق عذاب کی موجب ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر پر دوسرے ذلک پر حرف عاطف لانا چاہئے تھا۔

ابن مندہ نے الصحابہ میں اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب حضرت عبداللہ بن سلام اور ثعلبہ بن شعبہ اور اسید بن سعیہ اور اسد بن عبید اور ان کے ساتھ دوسرے یہودی مسلمان ہو گئے اور ایمان لے آئے اور اسلام کی انہوں نے تصدیق کی اور دل سے اسلام کی طرف راغب ہوئے تو علماء یہود نے کہا کہ محمد پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو ہم میں برے تھے اگر اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرے کی طرف نہ جاتے اس پر اللہ نے نازل فرمایا لیسوا سواء من قوله من الصالحین۔

احمد اور نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی پھر دیر کے بعد (نبوت کدہ سے) برآمد ہو کر مسجد میں تشریف لائے لوگ نماز کے منتظر تھے حضور ﷺ نے فرمایا خبردار ہو جاؤ کہ اس وقت کسی مذہب کا کوئی شخص تمہارے سوا اللہ کی یاد نہیں کرتا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسُوا سَوَاءً یعنی تمام یہودی مذکورہ برائیوں میں برابر نہیں ان میں سے ہی بعض لوگ ان کے برعکس ہیں جس کی وضاحت یہ ہے کہ۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ اہل کتاب میں سے ہی ایک گروہ ہے جو نماز میں کھڑا رہتا ہے۔ قائمة سے مراد ہے نماز میں کھڑا رہنے والا۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے ہدایت یافتہ اللہ کے امر پر قائم رہنے والا۔ مجاہدؒ نے کہا امت عادلہ مراد ہے۔ یہ لفظ اس جگہ اقمت العود سے ماخوذ ہے۔ میں نے لکڑی کو سیدھا کر دیا۔ سدی نے کہا فرماں بردار، اللہ کی کتاب اور ضوابط کا پابند گروہ مراد ہے۔ امة قائمة سے مراد ہیں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی یہودی مسلمان۔

يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ کی آیات یعنی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔

اٰنَآءَ الَّيْلِ اوقات شب میں۔ یعنی کھڑے ہوتے ہیں اور پڑھتے ہیں اوقات شب میں اناء جمع ہے اس کا مفرد انیٌ ہے۔

وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ ایسی حالت میں کہ وہ سجدے کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ اہل کتاب عشاء کی نماز نہیں پڑھتے ہیں (یعنی ان کے مذہب میں عشاء کی نماز فرض نہیں ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک رات ہم عشاء کی نماز کا انتظار کرتے رہے ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے ہم کو نہیں معلوم کہ تاخیر کا باعث کوئی کام تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ تشریف لا کر فرمایا تم نماز کے انتظار میں ہو (اس وقت) تمہارے علاوہ کسی اور مذہب والا نماز کا انتظار نہیں کرتا۔ اگر امت پر بار پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو اسی وقت نماز پڑھایا کرتا۔ پھر آپ نے حکم دیا مؤذن نے اقامت کہی اور آپ نے (لوگوں کے ساتھ) نماز پڑھی۔ رواہ مسلم۔

میں کہتا ہوں سیاق کلام سے ظاہر یہ ہے کہ تہجد کی نماز مراد ہے عشاء کی نماز مراد نہیں ہے کیونکہ آیت کی رفتار کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی دوامی حالت یہ ہے (کہ اوقات شب میں نماز پڑھتے اور قیام کرتے ہیں) رہا تاخیر عشاء کا قصہ وہ ضرور ایک واقعہ ہے (دوامی عادت نہیں) پھر اس قصہ کے سلسلہ میں اس آیت کا نازل ہونا صحیحین میں مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ یتلون جمع کا صیغہ ہے اور عشاء کی نماز میں قرأت کرنے والا صرف امام ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو مجازاً ہی قرأت کرنے والا کہا جا سکتا ہے۔

عطاء نے کہا کہ امة قائمة سے مراد ہیں نجران کے چالیس اور حبش کے تیس اور روم کے آٹھ آدمی یہ سب عیسائی تھے جنہوں نے (بعثت سے پہلے ہی) رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار کی ان سے دوستی تھی۔ انصاریوں میں سے اسعد بن زرارہ اور براء بن معرور اور محمد بن مسلمہ اور محمود بن مسلمہ اور ابو قیس صرمہ بن انس

ان کے درست تھے چونکہ شریعت حنیفہ (ملت ابراہیمی) سے یہ لوگ واقف تھے اس لئے غسل جنابت کرتے اور رات کو نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوگئے تو سب نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور مدد دی۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور نیکی کا حکم دیتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں کیونکہ ان کو اللہ سے کامل خوف ہے اور ان کے ہر لوہوں کا سلسلہ کوتاہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے پہلے کہ ایسا بڑھاپا آجائے جس میں سر جھکے یا غفلت کی حالت میں موت آجائے یا (حرکت سے) روک دینے والی بیماری پیدا ہوجائے یا ناامید کر دینے والی تاخیر آجائے نیک اعمال کرلو۔ رواہ البیہقی عن ابی امامہ۔

چونکہ یہودیوں کے اوصاف و اطوار قبیحہ متعدد تھے، حق سے منحرف تھے دن رات خواب غفلت میں سرشار تھے، مشرک تھے، اللہ کی صفات کے عقیدہ میں کج رو تھے، آخرت کا عقیدہ رکھتے تھے، مگر غلط طور پر۔ بری باتوں کا حکم دیتے اور اچھے کاموں سے روکتے اور خود تیزی سے برائیوں میں گھستے تھے اس لئے آیات مذکورہ میں امہ قائمہ کے ایسے متعدد اوصاف بیان کئے جو یہودیوں کے اوصاف کی ضد تھے۔

وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ⑪ اور اوصاف مذکورہ کے پورے پورے حامل صالحین میں سے ہیں یعنی ان لوگوں میں ان کا شمول ہے جن کے دل درست اور نفوس پاکیزہ ہیں اور پاکیزگی قلب و نفس کی وجہ سے ان کے جسم بھی صالح ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وہ جو نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ یعنی ہم ان کی نیکی کو گھٹائیں گے نہ ثواب میں کمی کریں گے۔ جس طرح تکمیل ثواب کو شکر کہا گیا ہے اسی طرح ثواب سے محرومی یا ثواب کے نقصان کو ناشکری فرمایا۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ⑮ اور اللہ تقویٰ والوں سے خوب واقف ہے یہ جملہ متقیوں کے لئے بشارت بھی ہے اور ناقدری نہ ہونے کی علت بھی ہے کیونکہ کریم کا اپنے بندہ کی نیکیوں کو جان لینا ہی پورا بدلہ عطا فرمانے کی علت ہے۔ اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اوصاف مذکورہ سے جو لوگ متصف ہیں وہ صالح بھی ہیں اور متقی بھی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ⑯ جن لوگوں نے کفر کیا (اور کفر پر مرے) ان کے مال اور اولاد اللہ کے عذاب کو ان سے بالکل دفع نہیں کرسکیں گے اور وہی دوزخی ہوں گے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ دیکھو آغاز سورت۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ما مصدری ہے یعنی خرچ کرنا۔ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں یا سخی اور فخر کا مظاہرہ کرنے کے لئے خرچ کرنا جیسے کفار قریش لڑائیوں میں کرتے تھے یا ثواب کی امید میں خرچ کرنا جیسے یہودی اپنے علماء کے لئے اور کفار قریش بتوں کے لئے کرتے تھے یا دکھاوٹ کے لئے خرچ کرنا جیسے منافق کرتے تھے اس کی حالت ایسی ہے۔

كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ جیسے وہ ہوا جس میں سخت سردی ہو۔ صرٌّ سخت سردی (قاموس) ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ صر سخت گرم اور ہلاک کر دینے والی لو کو کہتے ہیں۔

أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ کسی ایسے گروہ کی کھیتی کو لگ جائے جس نے کفر و معصیت و بدکاری کی وجہ سے خود اپنے پر ظلم کیا ہو پھر اس کھیتی کو تباہ کر دے۔

مطلب یہ کہ جس طرح سخت سرد ہوا یا جاڑے نے والی ہوا ظالموں کی کھیتی کو تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کافروں کا مال خرچ کرنا بھی تباہی کا موجب ہے کیونکہ ایسا خرچ اللہ کے عذاب کو لاتا ہے مال کو بالکل برباد کر دیتا ہے کہ نہ دنیا میں اس کا کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ آخرت کے لئے ذخیرہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ما ینفقون میں ما موصول ہو اور تشبیہ مرکب ہو ایک قصہ کو دوسرے سے تشبیہ دی ہے اسی لئے حرف تشبیہ کو حرف پر داخل کرنے کی بجائے ریح پر داخل کریں (حالانکہ ریح مشبہ نہیں ہے) یہ بھی جائز ہے کہ منفق کردہ مال کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہو لیکن اس وقت ریح سے پہلے لفظ مہلک محذوف قرار دیا جائے گا یعنی وہ کھیتی جو ریح کی وجہ سے تباہ ہو گئی ہو۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اور اس صرف کو ناکارہ بنا کر کھیتی کو تباہ کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے کہ مال کو ایسے طریقہ پر صرف کرتے تھے جو اللہ کے ہاں فائدہ رساں نہیں تھا یا کھیتی والے ایسے کام کرتے تھے کہ سزا کے مستحق ہو گئے ابن جریر اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ مسلمانوں کا میل ملاپ کچھ یہودیوں کے ساتھ تھا کیونکہ دونوں ہمسائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں حلیف (ہم عہد) بھی تھے۔ اس سلسلہ میں ذیل کی آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ اے اہل ایمان اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذہب والوں کو اندرونی راز دار نہ بناؤ۔ بطانۃ راز دار اور وہ شخص جس پر اعتماد کر کے کوئی اس کو اپنے رازوں سے واقف بنا دے۔ دون بھی ہوتی۔ یعنی ان لوگوں کو اپنا راز دار نہ بناؤ جو تم سے نیچے اور کم مرتبہ والے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی مدح ہے کہ تمہارا مرتبہ غیر مسلموں سے زیادہ ہے اور اس بات کی بھی آیت سے ہدایت (مستفاد) ہوتی ہے کہ اونچے مرتبہ والوں کے ساتھ رہو ادنیٰ لوگوں کی صحبت اختیار کرو، گوشہ نشینی برے ہم نشیں سے بہتر ہے اور اچھا ہم نشیں تنہائی سے بہتر ہے۔

من دونکم کا لفظ رافضیوں، خارجیوں اور دوسرے بدعتیوں کو بھی شامل ہے اس لئے کافروں کی طرح ان کو بھی اندرونی راز دار بنانا جائز نہیں۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا یعنی جو لوگ دوسرے مذہب پر ہیں وہ تمہارے اندر شر اور بگاڑ پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے بلکہ تمہارے اندر شر فساد کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش خرچ کر دیں گے۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ما مصدری ہے یعنی تمہارا سخت دکھ اور تکلیف میں پڑ جانا وہ دل سے پسند کرتے ہیں بلکہ (بھی)

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے انتہائی بغض کی وجہ سے وہ منہ پر قابو بھی نہیں رکھتے اور ایسی باتیں کہہ گزرتے ہیں جن سے تم کو دکھ ہو۔

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ اور جو بغض ان کے دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے وہ ظاہر شدہ بغض سے بہت بڑا ہے کیونکہ وہ دھوکہ اور فریب دینے کے لئے (عموماً) دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ ہم نے تمہارے سامنے کھلی ہوئی نشانیاں کھول کر بیان کر دیں جن سے ان کی عداوت معلوم ہو جاتی ہے یا جو دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کا مخلص ہونا اور مومنوں سے دوستی رکھنا اور کافروں سے دشمنی کرنا واجب ہے۔ مذکورہ بالا چاروں جملے علیحدہ علیحدہ مستقل ہیں اور عدم موالات کی علت ہیں یا پہلے تین جملے بطانۃ کے اوصاف ہیں۔

بہر صورت کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مسلمان سے اس کے ایمان کی وجہ سے دشمنی نہ رکھتا ہو اور شر و فساد اس کا مقصود نہ ہو یا رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے مسلمان سے مودت رکھتا ہو اس سے موالات کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت عباسؓ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان مودت تھا یا ابو طالب اور رسول اللہ ﷺ کا تعلق تھا حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ابو طالب کو آپ نے کچھ فائدہ پہنچایا وہ تو آپ کے ارد گرد گھومتے رہتے تھے (یعنی آپ کی حفاظت کرتے تھے) اور آپ کی حمایت میں دوسروں پر غصہ کرتے تھے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک

آگ میں ہے لیکن اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔ رواہ مسلم۔ اسی طرح بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ یہ شرطیہ جملہ ہے جس کو جزاء کی ضرورت نہیں کیونکہ کلام سابق مفہوم جزاء پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو کافروں کی اندرونی دوستی سے باز رہو ان کو دشمن ہی سمجھو اللہ سے خلوص رکھو اور مسلمانوں سے موالات کرو۔

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ دیکھو تم تو قرابت یا دوستی کے پیش نظر ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ اختلاف مذہب کی وجہ سے تم سے محبت نہیں کرتے (یہ عجیب بات ہے)۔

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ باوجودیکہ تم ہی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یا پوری توراۃ پر تمہارا ہی ایمان ہے۔ اول مطلب پر الکتاب میں الف لام جنسی ہوگا اور دوسری صورت میں عہدی۔ اس جملہ میں واؤ حالیہ ہے اور مبتدا محذوف ہے۔ اصل کلام وانتم تؤمنون بالکتاب تھا انتم (مسند الیہ) کو تومنون (خبر فعلی) سے پہلے لانا مفید حصر ہے یعنی تم ہی ایمان رکھتے ہو کافر تمام کتابوں پر یا پوری توراۃ پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ توراۃ کے اندر جو نبی ﷺ کے اوصاف کا بیان ہے اس کو نہیں مانتے اس بیان میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جتنے تم لوگ حق پر مضبوط ہو اس سے زیادہ وہ باطل پر سخت ہیں۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا جب وہ تم سے ملتے ہیں تو نفاق کے ساتھ کہتے ہیں ہم تمہاری طرح محمد اور قرآن کو مانتے ہیں۔

وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ اور جب تنہائی میں (اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ) ہوتے ہیں تو غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ صحاح میں ہے کہ غیظ کا معنی ہے شدت غضب یعنی وہ حرارت جو دل کے خون کے جوش میں آنے کی وجہ سے انسان محسوس کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ تمہاری سلطنت دیکھتے ہیں اور تم کو ضرر پہنچانے کا کوئی راستہ ان کو نہیں مل جاتا تو شدت غضب کی وجہ سے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ اپنی انگلیاں چباتے ہیں یا اس سبب سے انگلیاں چباتے ہیں کہ اظہار ایمان کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا اور دل سے اس کو پسند نہیں کرتے۔ انگلیاں کاٹنے سے مراد مجازاً شدت غضب بھی ہو سکتی ہے، خواہ واقع میں انہوں نے انگلیاں نہ کاٹی ہوں۔

قُلْ آپ کہہ دیں۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا ہر مسلمان کو ہے آئندہ کلام میں مسلمانوں کو کافروں کی عداوت پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس طرح خطاب کرنے پر ابھارا گیا ہے جیسے دشمنوں سے خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ زخم شمشیر سے بھی زخم زبان تکلیف دہ ہوتا ہے۔

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ یعنی اے کافرو اور منافقو اپنے غصہ سے خود مر جاؤ۔ مطلب یہ کہ اسلام کی شان یونہی بڑھتی رہے گی اور تم اسلام کی شوکت دیکھ کر ہمیشہ جلتے اور مرتے رہو۔ اس کلام میں ایک خوبی یہ ہے کہ جس کے لئے بددعا کی جا رہی ہے اس کی طرف کلام کا رخ نہیں ہے بلکہ دعا اللہ سے کی گئی ہے۔ بظاہر کلام میں دو باتیں ہیں اول کافروں کو اس امر کی اطلاع ہے کہ آئندہ بھی تمہارے سامنے کوئی ایسی صورت نہیں آئے گی جو تمہارے لئے خوش کن ہو۔ دوسرے اس بات پر آگاہی دینا ہے کہ جو عداوت تمہارے دلوں میں ہے ہم اس سے واقف ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہ حقیقت ہے کہ اللہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے خوب واقف ہے یعنی تمہارے دلوں کے اندر جو شدت غضب پوشیدہ ہے اس کو اللہ جانتا ہے۔

یہ جملہ یا تو موتوا بغیظکم کی طرح قل کے ذیل میں داخل ہے یعنی تم ان سے مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ بھی کہہ دو اور اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بھی کہہ دو یا مستقل اور الگ جملہ ہے یعنی اے مسلمانو! تم اگرچہ واقف نہیں کہ کافروں کو تم سے قلبی محبت نہیں ہے اور وہ غصہ سے تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں مگر اللہ تو واقف ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ اللہ نے تم کو

جو کافروں سے بغض رکھنے کا حکم دیا ہے اس پر چلو اور باہمی تعلقات کی وجہ سے ان سے محبت نہ کرو۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ اے مسلمانو! اگر تم کو کوئی بھلائی چھو بھی جاتی ہے مثلاً دشمن پر تم کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، اسلام کی شوکت بڑھتی ہے، تم کو مال غنیمت یا زندگی کی فراغت نصیب ہو جاتی ہے تو ان کو دکھ پہنچتا ہے وہ اس سے جلتے ہیں۔ لفظ مس سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمہاری ادنیٰ بہتری بھی ان کے لئے رنج آفریں ہوتی ہے۔

وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا اور اگر تم پر کوئی برائی پڑ جاتی ہے مثلاً دشمن کو کچھ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے یا قحط پڑ جاتا ہے اور تمہاری روزی تنگ ہو جاتی ہے تو وہ خوب خوش ہوتے ہیں۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر ان کی دشمنی یا تمام مصائب یا حکم الٰہی کی تعمیل کی مشقت پر تم صبر کرو گے۔

وَتَتَّقُوْا اور ان کی موالات سے اور دوسرے ممنوعات سے بچتے رہو گے۔

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا تو ان کی مکاری تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ یعنی وہ پوشیدہ طور پر جو تم کو ضرر پہنچانا چاہتے ہیں کچھ ضرور نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ کا فضل اور اس کی طرف سے حفاظت جس کا وعدہ اہل صبر و تقویٰ سے کیا گیا ہے تمہارے شامل حال رہے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ صبر اور تقویٰ کا جو شخص آہستہ آہستہ مشاق ہو جائے اور رفتہ رفتہ کوشش کرتا رہے وہ متاثر بھی کم ہوتا ہے پھر مومن کو ہر مصیبت کے ثواب کی امید ہوتی ہے اس سے نعمت ملنے سے زیادہ اس کو مصیبت سے خوشی ہوتی ہے۔ عاشق کو اگر معلوم ہو جائے کہ اس پر جو دکھ آیا ہے وہ محبوب کا بھیجا ہوا ہے تو اس کو اس دکھ میں اتنی لذت حاصل ہوتی ہے جتنی نعمت میں نہیں حاصل ہوتی کیونکہ محبوب کی مرضی اور خوشی اس کو اپنی مرضی اور خوشی سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھا ارشاد فرمایا لڑکے اللہ کا حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا اللہ کا خیال رکھ، تو اپنے سامنے اللہ کو پائے گا اگر کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور مدد کی درخواست کرے تو اللہ سے مدد طلب کر اور سمجھ لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تیرے لئے مقرر کر دیا ہو گا اور اگر سب مل کر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں گے تو صرف اتنا ہی ضرر پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور لکھی ہوئی تحریریں خشک ہو گئیں۔ رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اس کو پکڑ لیں تو وہی ان کے لئے کافی ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ رواہ احمد وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرے بندے میری فرمانبرداری کرتے تو میں رات میں ان پر بقدر سیرابی پانی برساتا اور دن میں سورج نکالتا اور گرج کی آواز بھی نہیں سناتا۔ (یعنی لوگوں کی تجارت صنعت اور دوسرے کاروبار بھی خراب نہ ہوتے اور زراعت کا بھی نقصان نہ ہوتا اور نباتات وحیوانات پیاسے بھی نہ رہتے) رواہ احمد۔

حضرت صہیبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے سارے کام خیر ہی خیر ہیں اور یہ بات مومن کے علاوہ کسی کو میسر نہیں اگر اس کو راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ شکر اس کیلئے موجب خیر ہوتا ہے اور کچھ دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے موجب خیر ہوتا ہے۔ رواہ مسلم۔

۱۲ ع ۳ **اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ** یقیناً اللہ ان کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے یعنی کفار جو مسلمانوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اللہ کا علم اس کو محیط ہے وہ کافروں کو سزا دے گا۔ اگر وہ چاہے گا تو ان کی ایذا رسانی سے تم کو محفوظ رکھے گا اور اس کی

رضی ہوئی تو تم کو تکلیف کی جراحت کرے گا۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے لئے ان کے مقامات یعنی میمنہ، میسرہ اور ساقہ میں ٹھیک کر کے بٹھلا رہے تھے۔

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ اور اللہ ان کے اقوال کو خوب سننے والا اور ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے۔ مجاہد، حسنؒ بصری نے فرمایا یہ واقعہ جنگ بدر کا تھا اور مقاتل کے نزدیک جنگ احزاب کا، اور باقی اہل تفسیر کے نزدیک جنگ احد کا یہی قول صحیح ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا مجھ سے جنگ احد کا واقعہ بیان فرمایئے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا آل عمران کی ایک سو بیس آیات کے بعد والی آیات پڑھو تم کو ہمارا قصہ وہاں مل جائے گا اللہ نے فرمایا وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ الی قولہ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا یہ بزدل ہو جانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے کافروں سے امان طلب کی تھی اور وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ الخ میں اس آرزو کا بیان ہے جو مسلمانوں نے دشمن سے مقابلہ کے لئے کی تھی۔ اور افائن مات او قتل انقلبتم کا قصہ یہ ہوا کہ احد کے دن شیطان نے چیخ کر کہا تھا محمد ﷺ مارے گئے اور امنة نعاسا کی صورت یہ ہوئی کہ مسلمانوں پر غنودگی کا دورہ پڑ گیا تھا (تاکہ خوف اور تھکان اور وحشت دور ہو جائے) حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ساٹھ آیات کے آخر تک یعنی وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ تک تلاوت فرمائی اور اس کے بعد آیت لقد سمع اللہ تک ہے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اللہ نے آل عمران کی ساٹھ آیات جنگ احد کے حالات کے بیان میں نازل فرمائیں جن کے اندر ان باتوں کو ظاہر فرمایا جو اس روز ہوئی تھیں اور جو لوگ جنگ سے غیر حاضر تھے ان پر عتاب فرمایا۔

مجاہد، کلبی اور واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو حضرت عائشہؓ کے مکان سے برآمد ہوئے اور پیادہ چل کر احد تک پہنچے اور لڑائی کے لئے اپنے ساتھیوں کی صف بندی (ایسی سیدھی) کرنے لگے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں ابن اسحٰق کے حوالہ سے اور عبدالرزاق نے مصنف میں معمر کی وساطت سے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ۲ شوال ۳ھ کو بروز بدھ تین ہزار مشرکوں نے احد میں پڑاؤ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور عبداللہ بن ابی بن سلول کو بھی (مشورہ کے لئے) بلوایا اس سے پہلے حضور ﷺ نے عبداللہ کو کبھی طلب نہیں فرمایا تھا، عبداللہ اور اکثر انصاریوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور کو (سب مسلمانوں کے ساتھ) مدینہ کے اندر ہی رہنا چاہئے باہر نہ نکلنا چاہئے۔ کیونکہ خدا کی قسم (ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت ہم اگر باہر نکلے ہیں تو دشمن ہم پر کامیاب رہا ہے اور اگر دشمن اندر آ کر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو ہم اس پر کامیاب رہے ہیں اب جبکہ آپ ہم میں موجود ہیں ہم کو کیا ڈر ہے۔ اگر مشرک جہاں ہیں وہیں قیام پذیر رہیں گے تو وہاں سے قیام بہت بری جگہ ہے اور اگر وہ شہر کے اندر گھسیں گے تو ہمارے مرد ان کے سامنے سے لڑیں گے اور بچے اور عورتیں اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر لوٹ کر چلے جائیں گے تو ناکام لوٹیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی، بزرگ مہاجرین اور انصار کی یہی رائے تھی، لیکن حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت نعمان بن مالکؓ اور انصاریوں کی ایک جماعت (جن میں اکثر نوجوان تھے اور بدر کی شرکت سے محروم رہے تھے اور دشمن کے مقابلہ میں شہید ہونے کے خواستگار تھے اور اللہ نے احد کے دن ان کو شہادت عطا بھی فرما دی) کی رائے ہوئی کہ ان کتوں کی طرف نکل کر چلنا چاہئے تاکہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل اور کمزور ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے، جس کی تعبیر ہے بھلائی اور میں نے اپنی تلوار کی دھار ٹوٹی ہوئی دیکھی ہے۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر ہے شکست اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کیا اس کی تعبیر میں نے لی مدینہ میں داخلہ (یا قیام) پس اگر مدینہ میں ہی قیام رکھنے کی تمہاری رائے ہو (تو بہتر ہے) آپ کو یہی بات پسند تھی کہ دشمن

مدینہ کے اندر آجائیں اور گلی کوچوں میں ان سے لڑائی ہو۔

احمد، دارمی اور نسائی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے (اپنا ہاتھ) مضبوط زرہ میں اور ذبح کیا گائے کو ذبح کئے جاتے دیکھا تو میں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے اور گائے خدا کی قسم بہتری ہے۔ بزار اور طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں نے پڑاؤ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا میں نے خواب میں اپنی شمشیر ذوالفقار کو شکستہ دیکھا ہے اور یہ مصیبت ہے اور گائے کو ذبح ہوتے دیکھا ہے یہ بھی مصیبت ہے اور اپنے بدن پر اپنی زرہ دیکھی ہے یہ تمہارا شہر ہے انشاء اللہ وہ تمہارے شہر تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

ابن اسحاق، ابن عقبہ اور ابن سعد وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ خواب جمعہ کی رات کو دیکھا تھا۔ عروہؓ نے کہا تلوار کی شکستگی جو دیکھی تھی وہ وہی زخم تھا جو چہرہ مبارک پر لگا تھا۔ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تلوار کی شکستگی تو یہ ہے کہ میرے گھر والوں میں سے کوئی آدمی مارا جائے گا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) پھر میں نے اس کو یعنی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ پہلی حالت سے بہتر حالت پر ہو گئی پس یہ وہی فتح ہے جو اللہ نے عنایت فرمائی۔ حضرت حمزہؓ نے کہا تھا قسم ہے اس کی جس نے آپ پر (قرآن) نازل کیا جب تک میں ان سے مدینہ کے باہر تلوار سے مقابلہ نہیں کر لوں گا، آج کھانا نہیں کھاؤں گا۔ حضرت حمزہؓ جمعہ کے دن بھی روزہ دار رہے اور سنیچر کے دن بھی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ! آپ ہم کو جنت سے محروم نہ کریں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تو جنت میں ضرور ضرور داخل ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں۔ حضرت نعمانؓ نے جواب دیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور لڑائی کے دن نہیں بھاگوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ چنانچہ حضرت نعمانؓ اس روز شہید ہو گئے۔ نیز مالک بن سنان خدری اور ایاس بن عتیک نے بھی لڑائی کے لئے مدینہ سے باہر نکلنے کی ترغیب دی۔

غرض جب لوگ نہ مانے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور نصیحت کی اور خوب کوشش و محنت کرنے کا حکم دیا اور بتا دیا کہ اگر صبر رکھو گے تو فتح تمہاری ہو گی لوگ دشمن کی طرف روانہ ہونے (کی اجازت ملنے) سے خوش ہو گئے لیکن مدینہ سے خروج بہت سے لوگوں کو پسند بھی نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز بھی لوگوں کو پڑھا دی اور باہر مدینہ کے رہنے والے بھی آ گئے عورتوں کو اونچے ٹیلوں پر (محفوظ مقامات میں) بھیج دیا اور رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر اپنے گھر میں تشریف لے گئے لوگ حجرہ مبارک سے منبر تک صف بستہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی برآمدگی کا انتظار کرنے لگے اتنے میں حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیرؓ آ گئے اور لوگوں سے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف کیا اور جو کچھ تم نے کہا حالانکہ آسمان سے وحی رسول اللہ ﷺ پر اترتی ہے (تم پر نہیں اترتی) مناسب یہ ہے کہ معاملہ کو حضور ﷺ ہی کے سپرد کر دو اور جو کچھ آپ حکم دیں وہی کرو۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ ہتھیار لگائے زرہ پہنے برآمد ہو گئے۔ اس وقت آپ کمر پر تلوار کا چمڑہ کا پرتلہ بطور پیٹی باندھے، عمامہ پہنے اور تلوار لٹکائے ہوئے تھے لوگ حضور ﷺ کی مرضی کے خلاف رائے دینے پر پشیمان ہوئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ ہم نے حضورؐ کی مرضی کے خلاف رائے دی۔ ہم کو یہ نہ چاہئے تھا اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو بیٹھ جائیے (یعنی مدینہ سے باہر نہ نکلئے) فرمایا میں نے تم کو اسی بات کی دعوت دی تھی مگر تم نے نہ مانا اور کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ جب وہ ہتھیار لگا لے تو بغیر جنگ کے ہتھیار اتار دے، دیکھو میں جو حکم دوں اس پر چلو۔ اللہ کے نام پر (بھروسہ کر کے) روانہ ہو جاؤ جب صبر رکھو گے تو فتح تمہاری ہو گی۔

اس فرمان کے بعد مالک بن عمرو نجاری کا جنازہ جنازوں کے مقام میں آپ نے رکھا ہوا پایا، مالک کی وفات ہو گئی تھی اور

لوگوں نے میت کو لا کر رکھ دیا تھا۔ حضور ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھی، پھر باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر جس کا نام سکب تھا سوار ہو گئے کمان کاندھے پر ڈالی۔ سعدؓ بن عبادہ اور سعد بن معاذؓ مسلح آگے آگے دوڑ رہے تھے اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ گھاٹی کے سرے پر پہنچے تو وہاں ایک بھاری طاقتور فوجی دستہ تھا دریافت فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا یہ عبداللہ بن ابی کے یہودی معاہد ہیں (جنہوں نے عبداللہ سے تعاونی معاہدہ کیا ہوا ہے) فرمایا کیا یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ جواب دیا گیا، نہیں۔ فرمایا تو مشرکوں کے خلاف اہل شرک سے ہم مدد کے طالب نہیں، یہاں سے چل کر مقام شیخین میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے لشکر بندی کی شیخین دو ٹیلوں کا نام تھا۔

اس روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ لڑکے جن کی عمریں ۱۴ برس کی تھیں لشکر میں شامل کیے جانے کے لیے پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو لوٹا دیا، ان کی تعداد ۱۷ سترہ تھی۔ کچھ اور لڑکے جن کی عمریں پندرہ سال کی تھیں پیش ہوئے آپ ﷺ نے ان کو لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ جن میں سے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابو سعید خدری اور اوس بن ثابت انصاریؓ بھی تھے، رافع بن خدیج کو لوٹا دیا گیا تھا لیکن جب بتایا گیا کہ یہ تیر انداز ہے تو شامل ہونے کی اجازت عطا فرما دی اس پر سمرہ بن جندب بولے کہ رافع بن خدیج کو تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی اور مجھے لوٹا دیا حالانکہ کشتی میں، میں اس کو پچھاڑ دوں گا۔ اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی دی گئی تو آپ نے فرمایا دونوں کشتی لڑو۔ کشتی ہوئی تو سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا اس لیے سمرہ کو بھی جنگ میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی، فوج کا معائنہ ختم ہو گیا اور سورج ڈوب گیا تو بلال نے مغرب کی اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو نماز پڑھائی پھر (کچھ دیر کے بعد) عشاء کی اذان دی اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور رات شیخین میں بسر کی، اس رات لشکر کی نگرانی کے لیے محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمی دے کر مقرر کیا گیا ان لوگوں نے لشکر کے گرد گھوم پھر کر چوکیداری کی اور رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ سحر ہوئی تو فجر کی نماز پڑھ کر فرمایا کیا کوئی ایسا رہبر ہے جو دشمنوں کی طرف سے گذارے بغیر ہم کو نیچے سے نکال کر لے جائے، ابو خیثمہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا کروں گا چنانچہ ابو خیثمہ بنی حارثہ کے میدان اور ان کے باغات کے درمیان سے لے کر چلا یہاں تک کہ مربع بن قیظی کے باغ میں سے پہنچا، مربع منافق اور نابینا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی آہٹ پا کر ان حضرات کے منہ کی طرف خاک اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ بھی ہو تب بھی اپنے باغ میں داخل ہونے کی میں تم کو اجازت نہیں دیتا یہ کہہ کر اس نے لپ بھر مٹی لی اور بولا کہ مجھے علم ہو جاتا کہ جس وقت میں یہ مٹی ماروں گا تو تمہارے چہرہ پر ہی پڑے گی تو ضرور مار دیتا لوگ اس کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر حضور ﷺ نے فرمایا اس کا قتل نہ کرو یہ اندھا کور دل بھی ہے اور کور چشم بھی۔ لیکن حضور ﷺ کی ممانعت سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی اندھے کے پاس پہنچ چکے تھے اور کمان مار کر اس کو زخمی کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے ہزار آدمی لے کر احد کی طرف نکلے تھے، بعض روایات میں نو سو پچاس کی تعداد آئی ہے جب دونوں فوجوں کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی ایک تہائی یعنی تین سو آدمی لے کر واپس لوٹ گیا اور کہنے لگا ہم کیوں اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں دیں۔ ابو جابر سلمی اس کے پیچھے گیا اور کہا میں تم کو تمہارے نبی اور تمہاری جانوں کا واسطہ دیتا ہوں (واپس لوٹ کر نہ جاؤ) عبداللہ بولا، لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے ایک گھوڑا خود آپ کا تھا اور دوسرا ابو بردہ کا، ابن عقبہ کا بیان ہے کہ اس روز مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اسلامی لشکر کے دو بازو تھے ان دونوں قبیلوں نے بھی عبداللہ بن ابی کے ساتھ لوٹ پڑنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان کو محفوظ رکھا اور وہ نہیں لوٹے اسی کے متعلق اللہ نے ان کو یاد دلائی اور فرمایا۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ اس وقت کو یاد کرو جب دو گروہوں یعنی بنی حارثہ اور بنی سلمہ نے ارادہ کر لیا تھا۔

مِنْكُمْ تم میں سے۔ اس میں عبداللہ پر طنز ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی تم میں سے نہیں تھے اس لئے انکی واپسی کا ذکر نہیں کیا

اَنْ تَفْشَلَا کہ بزدل اور کمزور ہو جائیں۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا اور اللہ دونوں گروہوں کا دوست تھا یا اس خطرہ سے بچانے والا تھا یا ان کا مددگار اور کارساز تھا پس کیا سبب تھا کہ وہ بزدل ہو رہے تھے اور اللہ پر اعتماد نہیں کر رہے تھے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ رکھنا چاہئے پس منافقوں کے بھاگنے سے ان کو بزدل نہ ہونا چاہئے تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا اس آیت کا نزول ہمارے حق میں ہوا تھا (ہم نے ہی بھاگنے کا ارادہ کیا تھا) لوگوں نے کہا کہ جب اللہ نے فرمایا واللہ ولیہما تو اب ہم کو گذشتہ ارادۂ فرار سے اتنی مسرت ہے کہ اگر ہم ارادۂ فرار نہ کرتے تو اتنی مسرت نہ ہوتی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ مسلمانوں کی تعداد کی قلت اور اسباب کی کمزوری کے باوجود اللہ نے بدر میں مسلمانوں کو فتح عنایت کی تھی اور یہ واقعہ موجب توکل تھا، اس لئے یہاں سے واقعہ بدر کی یاد دلائی ہے کثر کے نزدیک بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام تھا، بعض نے کہا ایک کنویں کا نام تھا یہ بھی ایک قول مروی ہے کہ بدر نام کے ایک شخص کا کنواں تھا یہ قول شعبی کا ہے۔

وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اذلۃ کا مفرد ذلیل ہے ذلیل کی جمع ذلائل بھی ہے مگر اذلہ فرمایا ذلائل نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ (اذلۃ بروزن افعلۃ ہے اور یہ جمع قلت ہے اور ذلائل جمع کثرت ہے) حالات کی کمزوری، سواریوں اور ہتھیاروں کی کمی ظاہر کرنے کے ساتھ بدر میں مسلمانوں کی قلت کا اظہار بھی مقصود ہے، مسلمان تین سو مرد تھے اور ستر اونٹ ان کے ساتھ تھے جن پر باری باری سے سوار ہو جاتے تھے اور دو گھوڑے تھے ایک حضرت مقداد کا اور دوسرا حضرت زبیر بن عوام کا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اس آیت کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اللہ نے تم کو فتح عنایت فرمائی تاکہ تم اس کا شکریہ اس طرح ادا کرو کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر اللہ سے ڈرتے رہو، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم شکر گزار ہونے کی امید میں تقویٰ اختیار کرو۔ اس جملہ میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ بندہ کی اصل نظر شکر کی طرف ہونی چاہئے اس کو اللہ کی نعمت کی رغبت اس لئے ہو کہ حصول نعمت شکر ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ اللہ نے تم کو فتح دی اس وقت کیا جب تم مومنوں سے کہ رہے تھے کہ کیا تین ہزار فرشتوں کو اتار کر اللہ کی طرف سے تمہاری امداد کرنا کافی نہیں ہے۔ قتادہ نے فرمایا یہ واقعہ بدر کے دن کا تھا شروع میں اللہ نے ایک ہزار ملائکہ سے امداد فرمائی تھی جیسے فرمایا ہے فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ پھر فرشتے تین ہزار اور پھر پانچ ہزار کر دیئے گئے، الن یکفیکم میں استفہام انکاری ہے (اور لن نافیہ ہے اور انکار نفی، ثبات ہوتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ تین ہزار فرشتوں کی مدد تمہارے لئے کافی ہے)۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن ابی حاتم نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات مسلمانوں پر شاق گزری تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لن (نفی تاکیدی) لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت اور دشمن کی قوت و کثرت کو دیکھ کر فتح سے گویا ناامید ہو چکے تھے (ایسی حالت میں اللہ نے مدد کی)۔

بَلٰٓى لا کیوں کافی نہیں۔ یہ نفی موکد کے بعد اثبات ہے، آگے صبر و تقویٰ کی ترغیب دینے اور دلوں کو قوی بنانے کے

لئے مزید مشروط امداد کا وعدہ فرمایا۔

اِنْ تَصْبِرُوْا اگر تم قتال پر صبر رکھو گے۔

وَتَتَّقُوْا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرتے رہو گے۔

وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اور اسی حالت میں کہ تم کمزور ہو اور وہ طاقتور ہیں تم پر اسی وقت آپڑیں گے۔ فور بمعنی سرعت۔ اصل میں یہ فارت القدر کا مصدر ہے (ہانڈی میں ابال آگیا) مجازاً بمعنی سرعت ہے پراس حالت کو کہنے لگے جو موجود ہو۔

میں کہتا ہوں کلام میں فور کی قید لگانے کا کوئی خاص مفہوم نہیں بلکہ بات میں قوت پیدا کرنا مقصود ہے کہ آئندہ جب تم میں مشرکوں سے مقابلہ کرنے کی قوت ہو جائے گی تو اس وقت بدرجۂ اولیٰ اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو فتحیاب کرے گا لیکن موجودہ حالت میں بھی اگر تم ثابت قدم رہے اور مخالفت امر رسول نہ کی اور مشرک تم پر آپڑے تب بھی۔

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اللہ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ مدد کا معنی ہے فوجی کمک۔

مُسَوِّمِيْنَ ۝ جو نشاندار یعنی نشان والے ہوں گے۔ [1]

ابن ابی شیبہ اور ابن ابی حاتم نے اس روایت کی نسبت شعبی کی طرف کی ہے کہ کرز (بن جابر کو بدر کے دن) مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو (وہ پست حوصلہ ہو گیا اور) اس نے مشرکوں کو مدد نہیں دی (اور چونکہ مسلمانوں کو ضرورت باقی نہیں رہی تھی) اس لئے پانچ ہزار فرشتوں کی کمک مسلمانوں کے لئے بھی اللہ نے نہیں بھیجی۔ مسومین تسویم سے اسم فاعل ہے تسویم کا معنی ہے نشاندار ہونا (یا نشان دار بنانا) قتادہ اور ضحاک نے کہا فرشتوں نے (اپنے) گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں میں اون کا نشان لگا دیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں عمرو بن اسحاق کی روایت مرسلاً نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے بدر کے دن صحابہؓ سے فرمایا تم بھی نشان لگا لو کیونکہ ملائکہ نے سفید اون کے نشان اپنی ٹوپیوں اور خودوں میں لگائے ہیں، ابن جریر نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ یہ اول ترین جنگ تھی جس میں اون کا نشان لگایا گیا۔

یا تسویم کا معنی ہے اسامہ یعنی کھلا چھوڑنا۔ عروہ بن زبیرؓ نے فرمایا ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد تھے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کے عمامے سفید تھے جن کی دمیں دونوں شانوں کے درمیان انہوں نے چھوڑ رکھی تھیں۔ ہشام بن عروہ اور کلبی نے کہا ان کے عمامے زرد تھے جو شانوں پر لٹکے ہوئے تھے۔

قتادہؓ نے فرمایا بدر کے دن مسلمان صابر رہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی سے مجتنب رہے اس لئے اللہ نے حسب وعدہ پانچ ہزار ملائکہ کی ان کو مدد دی، حسن نے فرمایا یہی پانچ ہزار قیامت کے دن تک مسلمانوں کے لئے پشت پناہ رہیں گے یعنی بشرط صبر و تقویٰ۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کا بیان ہے کہ بدر کے علاوہ ملائکہ نے کسی معرکہ میں جنگ نہیں کی ہاں موجود ضرور رہے مگر لڑے نہیں، صرف تعداد بڑھانے اور مدد کرنے کے لئے حاضر رہے۔

کچھ علماء کا بیان ہے کہ بدر کے دن اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر لڑائیوں میں ثابت قدم رہیں گے اور ممنوعات سے مجتنب رہیں گے تو اللہ تمام لڑائیوں میں ان کی مدد کرے گا مگر سوائے جنگ احزاب کے مسلمان کسی جنگ میں صابر نہیں رہے، چنانچہ احزاب کے دن قریظہ اور نضیر کے محاصرہ کے وقت اللہ نے ان کی مدد بھی کی، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا بیان ہے کہ ہم بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کئے رہے لیکن فتح حاصل نہیں ہوئی، رسول اللہ ﷺ پانی منگوا کر سر دھو رہے تھے

---

[1] حاشیہ از مفسر قدس سرہٗ۔ طبرانی اور ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لفظ مسومین کی تشریح میں فرمایا، معلمین۔ نشان والے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بدر کے دن فرشتوں کا نشان سیاہ عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے۔

کہ جبرئیل نے آکر کہا تم لوگوں نے ہتھیار کھول دیئے اور ملائکہ نے ابھی تک اپنے سلحہ نہیں اتارے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فوراً ایک کپڑا منگوا کر سر سے لپیٹا، سر نہیں دھویا پھر ہم کو جمع کرنے کے لئے منادی کرائی ہم فوراً تیار ہو گئے اور قریظہ و نضیر کی بستیوں پر جا پہنچے اس روز تین ہزار ملائکہ نے ہماری مدد کی اور آسانی سے فتح عنایت کر دی۔

ضحاک اور عکرمہ نے کہا کہ "بیت ادتقول للمومنین الیٰ یکفیکم الخ میں جنگ احد کے واقعہ کا بیان ہے (بدر کے واقعہ کا بیان نہیں ہے) اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ مدد بشرط صبر و تقویٰ کیا تھا لیکن انہوں نے صبر نہیں رکھا، رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اس لئے ان کی مدد نہیں کی گئی۔

مجاہد و ضحاک نے کہا کہ من فورہم کا معنی ہے من غضبہم یعنی یہ ہوئی تھی کہ بدر کے دن کی شکست سے مشتعل ہو کر انتہائی غضب کے ساتھ احد میں لڑنے کے لئے کفار آئے تھے چونکہ رسول اللہ ﷺ احد کے دن ثابت قدم رہے تھے اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی اس لئے اللہ نے جبرئیل اور میکائیل کے ذریعہ سے آپ کی مدد کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ احد کے دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ کی معیت میں دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے دشمن سے لڑ رہے تھے ان دونوں آدمیوں کو میں نے نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ بعد کو دیکھا، متفق علیہ۔ یہ دونوں آدمی جبرئیل و میکائیل تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر لوگ پراگندہ ہو گئے۔ صرف سعد بن مالک حضور ﷺ کی طرف تیر چلاتے رہے تھے اور ایک جوان تیر دان میں تیر لا لا کر دے رہا تھا جب تیر ختم ہو گئے تو جبرئیل تیر لے کر آئے اور لا کر بکھیر دیں اور دو مرتبہ کہا ابو اسحاق تیر مار۔ جب معرکہ ختم ہو گیا تو اس جوان کے متعلق دریافت کیا گیا (کہ کون تھا) مگر کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ اللہ نے تم کو فرشتوں سے مدد صرف اس لئے دی کہ تم کو فتح کی بشارت ہو۔

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی تم کو پروا نہ ہو، ظاہری اسباب پر اعتماد انسان کی فطرت ہے، مددگاروں کی ظاہری کثرت دیکھ کر آدمی کو اطمینان خاطر ہو جاتا ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور درحقیقت فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے سامان کی فراوانی اور تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی، کیونکہ آدمی ہوں یا فرشتے سب کے افعال اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

الْعَزِيْزِ ایسا غلبہ والا جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

الْحَكِيْمِ حکمت والا کہ با قتضاء حکمت جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، خواہ بالواسطہ یا بلا ذریعہ اور جس کو چاہتا ہے بے مدد چھوڑ دیتا ہے اگر وہ مدد کرتا ہے تو اپنی مہربانی سے کرتا ہے اس پر لازم نہیں۔

لِيَقْطَعَ تاکہ کاٹ دے (ہلاک کر دے) اس کا تعلق یمددکم اللہ سے ہے یمددکم سے یا ما النصر سے۔ مؤخر الذکر صورت میں النصر میں لام عہدی ہو گا۔

طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے۔ قاموس میں طرف کا معنی ہے

۱؎ عیاض اشعری راوی ہیں کہ میں جنگ یرموک میں خود موجود تھا اس وقت ہمارے پانچ کمانڈر تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان، حضرت ابن حسنہ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عیاضؓ (یہ عیاض، عیاضؓ اشعری نہیں ہیں)، حضرت عمرؓ نے فرمادیا تھا کہ لڑائی کی نوبت آجائے تو تم سب کے کمانڈر ابو عبیدہؓ ہوں گے۔ ہم نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ موت سامنے ہے، کمک بھیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ مجھے تمہارا خط ملا تم مجھ سے مدد کے طالب ہو میں تم کو ایسی ہستی بتاتا ہوں جس کی مدد سب پر غالب اور جس کا لشکر ہر وقت موجود ہے وہ ہستی اللہ کی ہے اسی سے مدد مانگو کیونکہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کا سامان اور جمعیت تم سے کم تھا مگر اللہ نے ان کو فتح یاب فرمایا تھا جب تم کو میرا یہ خط پہنچے تو خود کافروں سے جنگ کرنا مجھ سے مدد نہ مانگنا۔ اس خط کے وصول ہونے پر ہم نے دشمن سے جنگ کی اور چار فرسخ تک اس کو بھگا دیا۔ ۱۲

کنارہ، کسی چیز کا ایک ٹکڑا اور شریف آدمی۔ چنانچہ بدر میں کافروں کے کمانڈر اور سردار ستر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ جس مفسر نے ان آیت کو جنگ احد کے متعلق قرار دیا ہے اس نے کہا کہ احد میں کافروں کے سولہ سردار مارے گئے تھے اور شروع میں فتح مسلمانوں کی ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تو فتح شکست سے بدل گئی۔

اَوْ يَكْبِتَهُمْ یا ان کو لوٹا دے۔ کبت کا معنی ہے سختی کے ساتھ لوٹا دینا (صحاح) کبتہ اس کو پچھاڑا، ہلاک کیا، رسوا کیا، پھیر دیا، توڑ دیا، دشمن کو غصہ کے ساتھ لوٹا دیا، ذلیل کر دیا (قاموس)۔

میں کہتا ہوں شکست کے لئے یہ تمام باتیں لازم ہیں، لفظ او تردید کے لئے نہیں بلکہ نوعیت کے اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی اللہ نے تمہاری مدد کی تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے اور باقی کو شکست دے کر بھگا دے۔

فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ پس وہ اپنے شہروں کو ناکام ہو کر پلٹ جائیں، مسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کا اگلا دانت اور چہرۂ مبارک زخمی ہو کر خون بہنے لگا، حضور ﷺ نے فرمایا کسی قوم کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر ﷺ سے یہ سلوک کیا ہو، حالانکہ پیغمبر ان کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ آپ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(اس آیت کے شان نزول میں ایک اور قصہ بھی آیا ہے) جو امام احمدؒ اور بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اے اللہ فلاں شخص پر لعنت کر۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ابوسفیان پر لعنت کر، اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت کر، اے اللہ سہیل بن عمرو پر لعنت کر، اے اللہ صفوان ابن امیہ پر لعنت کر، اس پر آیت نازل ہوئی اور ان سب کو توبہ کی توفیق عنایت کی گئی، بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

شیخ ابن حجرؒ نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جنگ احد کے دن جو واقعہ ہوا (اور حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا) اس کے بعد مذکورہ بالا اشخاص کے لئے رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بددعا کی، پس ان دونوں قصوں پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سعید بن مسیب اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جب احد کے دن رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے مسلمانوں کے ناک کان اور آلات تناسل کاٹ کر سب کو مثلہ بنا دیا تو کہنے لگے اگر اللہ نے ہم کو ان پر غلبہ عنایت کیا تو جیسا انہوں نے کیا ہے ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور اس طرح مثلہ بنائیں گے کہ کسی عرب نے کسی کے ساتھ نہ کیا ہوگا اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بیخ و بن سے تباہ ہو جانے کی بددعا دینے کا ارادہ کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ ان میں سے بہت لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔

لیکن ان روایات کا تعارض اس روایت سے ہوتا ہے جو مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے اللھم العن رعلا و ذکوان وعصیۃ یہاں تک کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی (اور حضور ﷺ نے بددعا کرنا موقوف کیا) کیونکہ رعل و ذکوان کا قصہ اس کے بعد کا ہے۔ رعل و ذکوان قبائل کا تعلق بیر معونہ کے قصہ سے تھا رسول اللہ ﷺ نے ستر قاری قرآن سکھانے پڑھانے کے لئے ان قبائل کے پاس روانہ کئے تھے جن کے امیر منذر بن عمروؓ تھے۔ مگر عامر بن طفیل نے ان سب قاریوں کو شہید کر دیا، حضور کو اس کا سخت رنج ہوا اور مہینہ بھر تک ہر نماز میں آپ نے ان قبائل کے لئے بددعا کی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو مدرج قرار دیا ہے، تعارض کو دور کرنے کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جنگ احد سے چار ماہ بعد ماہ صفر ۴ھ میں رعل و ذکوان کا قصہ ہوا تھا اس لئے ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول دونوں واقعات کے بعد ہوا ہو، اگر سبب نزول سے کچھ مدت کے بعد آیت کا نزول ہوا ہو تو بعید نہیں۔ لیکن بخاریؒ نے تاریخ میں

اور ابن اسحاق نے سالم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیت کا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ ایک قریشی شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر کہا تم ایک بات سے منع کرتے ہو پھر اس کو پلٹ دیتے ہو یہ کہہ کر اس نے اپنی پشت رسول اللہ ﷺ کی طرف پھیر دی اور پیچھے سے سرین کھول دیئے، حضور ﷺ نے (اس گستاخی کی وجہ سے) اس کے لئے بددعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر وہ شخص مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام اچھا رہا یہ روایت مرسل اور غریب ہے۔

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ یہاں تک کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے یا ان کو عذاب دے گا اگر وہ کفر پر جمے رہیں گے۔ دنیوی عذاب بصورت قتل و گرفتاری ہو گا اور آخرت میں عذاب جہنم ہو گا۔

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔ یہ عذاب دینے کی علت ہے۔ فراء نے کہا او یتوب میں لفظ او حتی (یہاں تک) کے معنی میں ہے۔ ابن عیسیٰ نے او کا معنی الا ان (مگر یہ کہ) کہا ہے جیسے بولا جاتا ہے لالزمنک او تعطینی حقی میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تو میرا حق دے دے (بر قول فراء) یا مگر یہ کہ تو میرا حق دے دے (بر قول ابن عیسیٰ) آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو عذاب دینا یا نہ دینا کوئی بات آپ کے اختیار میں نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ مسلمان ہونے کی وجہ سے یا ان پر رحم فرمائے گا اور تم کو اس سے خوشی ہو گی یا (کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے) ان کو عذاب دے گا اور اس سے تم کو تسکین حاصل ہو گی۔

بعض علماء نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ او یتوب کا عطف الامر یا شئی پر ہو یعنی آپ کو ان کے معاملہ کا یا ان کو عذاب دینے یا رحم کرنے کا کوئی اختیار نہیں آپ صرف اس بات پر مامور ہیں کہ ان کو ڈرائیں اور ان سے جہاد کریں نتیجہ کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، تفتازانی نے اعتراض کیا ہے کہ اس صورت میں عام پر خاص کا عطف ہو گا (الامر عام ہے اور یتوب و یعذب خاص ہے) لیکن ایسے موقع پر لفظ او نہیں لایا جاتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امر سے اس جگہ حال مراد ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر بمعنی حکم ہو اس وقت یہ مطلب ہو گا کہ آپ جو حکم دیتے ہیں وہ آپ کی طرف سے نہیں ہوتا حکم دینا اور فرض کرنا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے اور نہ رحم کرنا اور عذاب دینا آپ کے اختیار میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس آیت کے نزول کو پہلی آیت سے مربوط قرار دیا جائے تو او یتوب علیہم کا عطف او یکبت پر ہو گا اور مطلب اس طرح ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد اس لئے کی کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے یا شکست دے کر ایک گروہ کو ناکام لوٹا دے یا مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ان پر رحم کرے یا ان کو عذاب دے۔ گویا احوال کفار کی چار نوع بیان فرمائیں، اس تفصیل پر لیس لک من الامر شئی بددعا سے روکنے کے لئے جملہ معترضہ ہو گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے اس لئے تمام امور اسی کے قبضہ میں ہیں۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وہ جس کی مغفرت چاہے گا اسلام کی توفیق دے کر کر دے گا، خواہ اس نے (گناہوں سے) توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا، یہ آیت صراحۃً بتا رہی ہے کہ گناہ گاروں کو عذاب دینا اللہ پر لازم نہیں۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اللہ غفور و رحیم ہے لہٰذا تم ان کے لئے بددعا کرنے میں پیش قدمی نہ کرو۔ فریابی نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ لوگ (ادائے ثمن کی) ایک مدت مقرر کر کے خرید و فروخت کرتے تھے اور جب میعاد پوری ہو جاتی تو ثمن میں اضافہ کر دیتے اور مدت بڑھا کر بھی توسیع کر دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ع ۱۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ اے اہل ایمان سود نہ کھاؤ چند در چند بڑھا کر اضعافا مضاعفۃ قید احترازی نہیں ہے (کہ اگر چند در چند نہ ہو تو سود کھانے کی ممانعت نہیں) بلکہ مطلق ربوا کی

ممانعت ہے اوران کے طریق کار پر زجر ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ اور فلاح کی امید رکھتے ہوئے سود اور دوسرے ممنوعات میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ آگ اصل میں کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور بالعرض گناہ گار مؤمنوں کے لئے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ (الذی) صفت (یعنی اعدت للکافرین) تخصیص کے لئے ہے۔ جو آگ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے وہ الگ ہے اور جو گناہ گار مومنوں کے لئے تیار کی گئی ہے وہ الگ ہے۔ اس توضیح پر آیت میں اس طرف اشارہ ہوگا کہ سود کھانے سے دل میں اتنی قساوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اکثر کفر تک لے جاتی ہے اس توضیح کی تائید تفسیر مدارک کی اس صراحت سے ہوتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے قرآن میں یہ سب سے زیادہ خوفناک آیت ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کو بصورت خلاف ورزی احکام اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اس کے بعد اللہ نے اپنی رحمت کی امید واری کو اطاعت خدا اور رسول سے وابستہ کیا ہے اس سے آیت سابقہ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے (جس میں امید فلاح کو تقویٰ کے ساتھ وابستہ کیا ہے)۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اور رحمت کی امید رکھتے ہوئے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ بہرحال آگ کی تخلیق اصل میں کافروں کے لئے اور عارضی طور پر اہل ایمان کے لئے قرار دی جائے یا کافروں کے لئے الگ اور گناہ گار مومنوں کے لئے الگ تخلیق مانی جائے دونوں صورتوں میں اس آیت کا مضمون مرجئہ کے مسلک کے خلاف ہے مرجئہ قائل ہیں کہ اگر ایمان موجود ہو تو پھر کسی گناہ سے کوئی ضرر نہ ہوگا

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ اللہ کی طرف سے لعل اور عسی کا استعمال تحقیق کے لئے ہے۔ (امید کا مفہوم نہیں ہے کیونکہ امید وہ کرتا ہے جس کو کسی بات کا انتظار ہو اور وہ بات حاصل نہیں ہوئی ہو اور اللہ کے لئے کوئی حالت منتظرہ نہیں اس لئے اس کی طرف سے کسی بات کی امید نہیں ہو سکتی) ظاہر یہ ہے کہ لعل اور عسی مفید وجوب نہیں (یعنی رجائیت کا مفہوم بالکل معدوم ہو گیا ہو اور قطعیت کا کامل مفہوم آ گیا ہو ایسا نہیں ہے) بلکہ بیم آمیز امید کے لئے ہے۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ ایسے مقامات میں لعل اور عسی امید خیر تک پہنچنے کی دلیل ہوتا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ اور تیزی سے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف۔ حضرت ابن عباسؓ نے مغفرۃ کی تشریح میں الی الاسلام اور عکرمہؓ کی روایت میں الی التوبۃ فرمایا (یعنی مغفرت سے مراد ہے اسلام یا توبہ)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادائے فرض اور حضرت انس بن مالکؓ نے نماز کی تکبیر اولی سے تفسیر فرمائی۔ تمام اقوال کا مآل یہ ہے کہ مغفرت سے مراد ہیں ایسے عقائد، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ جن سے گناہوں کی مغفرت، دوزخ سے رہائی اور محل رحمت میں پہنچنے کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ کی روایت کردہ حدیث پہلے گزر چکی کہ بادروا بالاعمال هرما ناصعا الخ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات امور سے پہلے نیک اعمال کرلو تمہارے سامنے (بس یہی سات امور ہیں) یا تو ایسا افلاس ہے جو ہر چیز کو فراموش کرا دینے والا ہے یا ایسی مالداری ہے جو سرکش بنا دینے والی ہے یا نظام صحت کو بگاڑ دینے والی بیماری ہے یا سٹھیا دینے والا بڑھاپا ہے یا جلد آنے والی موت ہے یا دجال ہے اور وہ بدترین انتظار کی چیز ہے یا قیامت ہے اور قیامت عظیم ترین مصیبت اور بہت ہی تلخ چیز ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم۔

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ یہ جنت کی صفت ہے یعنی یہ جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت

کی طرح ہے۔ یہ کلام بطور تمثیل ہے، حقیقت مراد نہیں ہے (جنت تو ان سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن) عوام کے خیال میں سب سے زیادہ وسعت مکانی آسمان و زمین کی ہے اس لئے آیت میں آسمان و زمین کی وسعت سے جنت کی وسعت کو تشبیہ دے کر بیان کیا جس طرح آیت خالدین فیہا مادامت السموات والارض میں جنت کے اندر دوام سکونت کو بتانے ارض و سماء کی مدت سے تشبیہ دی ہے (کیونکہ عامی نظر میں آسمان و زمین سے زیادہ کسی چیز کی مدت کا بقاء نہیں ہے پس) انسانوں کے خیال کے مطابق تشبیہ دی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں، فرمایا کس زمین و آسمان میں جنت کی سمائی ہو سکتی ہے، دریافت کیا گیا پھر کہاں ہے، فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے۔ قتادہؒ نے کہا کہ وہ (یعنی صحابہؓ) خیال کرتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ ابو الشیخ نے العظمہ میں باسناد جو اثر مرا حضرت عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت سب سے اونچے ساتویں آسمان میں (یعنی ساتویں آسمان کے اوپر) ہے اور دوزخ سب سے نچلی، ساتویں زمین میں (یعنی ساتویں زمین کے نیچے) ہے۔

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ جو کامل طور پر تقویٰ رکھنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے کامل متقی وہی ہیں جو اللہ کے سوا کسی چیز سے دل بستگی نہیں رکھتے اور رذائل نفس سے مجتنب رہتے ہیں۔

گویا حقیقت میں جنت کامل تقویٰ والوں کے لئے تیار کی گئی ہے اور غیر متقیوں کو ذیلی طور پر (عفو معاصی کے بعد) ملے گی یہ دونوں گروہوں کے لئے الگ الگ مستقل طور پر بنائی گئی ہے یہ دونوں تشریحیں اسی طرح اس آیت کی بھی ہیں جیسے دوزخ کے متعلق دونوں تشریحیں آیت اعدت للکافرین کے ذیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وہ مسرت جو مالدار ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اضراء مال کی کمی (قاموس) یعنی وہ لوگ جو کسی حالت میں راہ خدا میں خرچ کرنے سے باز نہیں رہتے تھوڑا بہت جو کچھ میسر ہو ہر حال میں راہ خدا میں دیتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ من جملہ ان اوصاف کے جو اہل تقویٰ کو مستحق جنت بناتے ہیں سب سے اول سخاوت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سخی اللہ سے قرب رکھنے والا ہے، جنت سے قرب رکھنے والا ہے، لوگوں سے قرب رکھنے والا ہے دوزخ سے دور رہنے والا ہے اور کنجوس اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور، اور دوزخ سے قریب ہے۔ جاہل سخی عابد بخیل سے اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ۔ بغوی کی نقل کردہ روایت میں عابد بخیل کی بجائے عالم بخیل کا لفظ آیا ہے۔ مذکورہ حدیث بیہقی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ سخاوت اللہ کی سب سے بڑی صفت ہے۔ رواہ ابن النجار۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جائے گی اور کنجوسی دوزخ کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ایک ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جائے گی رواہ الدارقطنی والبیہقی عن علیؓ وابن عدی والبیہقی عن ابی ہریرۃ وابو نعیم فی الحلیۃ عن جابر والخطیب عن ابی سعیدؓ وابن عساکر عن انسؓ والدیلمی فی مسند الفردوس عن معاویہؓ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم ایک لاکھ سے بازی لے گیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے فرمایا ایک آدمی جو بڑا مالدار ہو اور اپنے مال میں سے وہ ایک لاکھ درہم خیرات کرے اور ایک اور آدمی ہو جس کے پاس صرف دو درہم ہوں اور وہ دو درہموں میں سے ایک درہم خیرات کر دے (پس یہ ایک درہم ایک لاکھ سے بہتر ہوگا) رواہ النسائی وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ اور سخت غصہ کو ضبط کرنے والے۔ کظم کا معنی ہے باوجود بھر پور کرنے کے اپنے نفس کو روک لینا۔ کظمت القربۃ میں نے مشک کو بھر دیا اور اس کے منہ کو باندھ دیا۔ یعنی باوجود قدرت رکھنے کے غصہ نکالنے سے

جب آپ کو روکنے والے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے سخت غصہ کو روک لیا، باوجودیکہ اس کو پورا کرنے کی قدرت تھی اللہ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ رواہ احمد و عبد الرزاق و ابن ابی الدنیا فی ذم الغضب۔ بغویؒ نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جو شخص سخت غصہ کو پی گیا۔ باوجودیکہ غصہ نکالنے پر اس کو قابو تھا قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے اللہ اس کو بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے لے لے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اپنے غصہ کو روکے گا اللہ اس کی عیب پوشی کرے گا۔

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور لوگوں سے درگزر کرنے والے یعنی بدخوئی، غلاموں کی بے ادبی کو معاف کرنے والے (کلبی) یا حق تلفی کرنے والوں اور برا سلوک کرنے والوں سے درگزر کرنے والے (زید بن اسلم و مقاتل) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسے لوگ میری امت کے تھوڑے ہیں سوائے اس کے جس کی اللہ نے حفاظت فرمائی۔ رواہ الثعلبی فی تفسیرہ عن مقاتل والدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابن مالک۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ المحسنین میں لام جنسی ہے جو مذکورہ بالا متقیوں کو بھی شامل ہے یا عہدی ہے اور مذکورہ اوصاف کے متصف یہ بالا شخاص ہی مراد ہیں۔ بہر تقدیر دوم اسم ظاہر کو بجائے ضمیر کے لانے کی غرض مدح بھی ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کرنا بھی کہ محسنین کے اوصاف وہی ہیں جن کا ذکر کر دیا گیا۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا برائی کرنے والے سے بھلائی کرنا احسان ہے اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے تو تجارت ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ جب حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے احسان کی تشریح پوچھی تو آپ نے فرمایا احسان (یعنی خوبی عبادت) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھ پاتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس صورت میں تو اہل احسان صوفیہ ہیں اور شاید کظم غیظ سے بطور کنایہ فناء نفس مراد ہو کیونکہ غرور، حسد، کینہ، بخل اور اسی طرح کی دوسری رذیل صفات ہی غضب کی بنیاد ہیں اور شاید عفو سے بطور کنایہ فنائے قلب مراد ہو کیونکہ قلب کے فنا کے بعد آدمی کی نظر سے فاعلیت انسان کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور اس کو دکھنے لگتا ہے کہ تمام افعال کی (فاعل حقیقی) نسبت اللہ ہی کی طرف ہے لہٰذا وہ کسی آدمی کو کسی فعل کی وجہ سے قابل مؤاخذہ نہیں سمجھتا ہے اور خود سمجھتا ہے تو بسلسلہ حق اللہ جتنا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور شاید تنگی و فراخی دونوں حالتوں میں راہ خدا میں خرچ کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان کے دل دنیوی سامان سے وابستہ نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

اصحاب تقویٰ و اہل احسان موصوفوں کے ذکر کے بعد آئندہ آیت میں ان (گناہگار) مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو توبہ کر کے اہل تقویٰ کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً فاحشۃ فحش سے ماخوذ ہے فحش کا اصل معنی ہے بدی اور حد سے باہر نکل جانا یہاں فاحشۃ سے مراد ہے گناہ کبیرہ، کیونکہ مرتکب کبیرہ عصیان اور بدی کی حد سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاحشہ زنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سے تو بنی اسرائیل ہی اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والے تھے ان میں سے اگر کوئی (رات کو) گناہ کر لیتا تھا تو صبح کو دروازہ کی چوکھٹ پر اس کا کفارہ لکھا ہوا ملتا تھا کہ اپنی ناک یا کان کاٹ ڈال یا ایسا کر لے۔ حضور ﷺ یہ سن کر خاموش ہوئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عطاء نے کہا اس آیت کا نزول نبہان خرما فروش کے حق میں ہوا تھا جس کی کنیت ابو معبد تھی۔ قصہ یہ ہوا کہ ایک خوبصورت عورت چھوارے خریدنے اس کے پاس آئی نبہان نے کہا یہ چھوارے اچھے نہیں ہیں گھر کے اندر اس سے عمدہ

موجود ہیں چنانچہ اس عورت کو لے کر جہاں گھر میں گیا اور اندر جا کر اس کو چمٹا لیا اور بوسہ عورت نے کہا اللہ سے ڈر۔ جہان نے فوراً چھوڑ دیا اور اس حرکت پر پشیمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ ایک انصاری تھا دوسرا ثقفی۔ ثقفی ایک جہاد پر گیا اور انصاری بھائی کو اپنے بال بچوں کا نگران بنا گیا۔ ایک روز انصاری نے ثقفی کے گھر والوں کے لئے گوشت خریدا اور ثقفی کی بیوی نے جب انصاری سے گوشت لینا چاہا تو وہ عورت کے پیچھے پیچھے گھر میں آگیا اور اس کے ہاتھ کو چوم لیا پھر اس کو پشیمانی ہوئی اور واپس لوٹ آیا مگر خاک سر پر اڑاتا ہوا سرگرداں ہو کر (جنگل میں) نکل گیا۔ ثقفی لوٹ کر آیا اور انصاری استقبال کے لئے نہ آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال پوچھا عورت نے کہا ایسے بھائیوں کی تعداد خدا زیادہ نہ کرے اور پوری حالت بیان کر دی۔ ادھر انصاری پہاڑوں میں گھومتا اور توبہ استغفار کرتا پھر رہا تھا۔ ثقفی نے اس کی تلاش کی اور جب مل گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے کر اس امید پر آیا کہ شاید کوئی سکون اور کشائش کا راستہ آپ کے پاس مل جائے۔ انصاری نے قصہ عرض کر دیا اور کہا میں تباہ ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تیرا برا ہو کیا تجھے معلوم نہیں کہ غازی کے سلسلے میں اللہ اتنی غیرت رکھتا ہے کہ مقیم کے سلسلے میں نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ نے دیا تھا۔ آخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ نے بھی شیخین کا سا جواب دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو یعنی صغیرہ گناہ کر کے یا زنا سے کم درجہ کا گناہ کر کے جیسے بوسہ یا معانقہ اور ہاتھ لگانا۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فاحشہ کا ارتکاب کیا ہو قولاً اور اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو عملاً۔ بعض اہل علم نے کہا کہ فاحشہ وہ ہے جو متعدی گناہ ہو اور ظلم نفس سے وہ گناہ مراد ہے جو متعدی نہ ہو یہی زیادہ ظاہر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جنت ان لوگوں کیلئے بھی تیار کی گئی ہے جو کسی فاحشہ کا ارتکاب یا اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں پھر،

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ اللہ کے عذاب کی یاد ان کو ہو جاتی ہے تو گناہ کے پیچھے وہ اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے چاہتے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کو یاد کرتے ہیں اور ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ ان سے پوچھے گا لہٰذا پشیمان ہو کر وہ توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ مقاتل بن حیان کے نزدیک ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی زبانی یاد۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ ذکر اللہ سے صلوٰۃ استغفار مراد ہو کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جو مومن بندہ یا جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے پھر اللہ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو اللہ اس کا گناہ ضرور معاف فرما دیتا ہے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان۔ ترمذی نے اتنا لفظ اور روایت کیا ہے پھر حضور ﷺ نے پڑھا وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الآیۃ۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ استثناء مفرغ اور استفہام بمعنی نفی ہے۔ یعنی اللہ کے علاوہ کوئی بھی گناہ معاف نہیں کر سکتا، کیونکہ جو لوگ (دنیا و آخرت میں) دوسروں کو معاف کرنے والے ہیں وہ صرف اپنے حقوق سے درگزر کرنے والے ہیں، گناہ معاف نہیں کر سکتے۔ گناہ کو معاف کرنا تو اللہ کا حق ہے (معصیت اللہ کے حق کے خلاف کرنے کا نام ہے)

یوں کہا جائے کہ معاف کرنے والے اشخاص جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں وہ اس امید پر معاف کرتے ہیں کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا گویا ان کی معافی تجارتی ہوتی ہے اور گناہوں کو معاف کرنے والا وہی ہوتا ہے جو بلا لالچ اور بغیر غرض کے معاف فرمائے اور ایسا سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ یہ جملہ معترضہ درمیان میں وسعت رحمت اور عموم مغفرت کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے پھر اس میں استغفار کی ترغیب اور توبہ قبول ہونے کا وعدہ بھی ہے۔

وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوْا یعنی اور اپنے گناہوں پر جم کر نہ بیٹھ رہے۔ صحاح میں ہے کہ (اس جگہ) اصرار کا معنی ہے گناہ میں گھس کر بیٹھ رہنا اور شدت کرنا اور ترک گناہ سے باز رہنا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کے لئے جس طرح گناہ پر ندامت ضروری ہے اسی طرح ترک گناہ کا عزم بھی لازم ہے خواہ آئندہ یہ عزم ترک ٹوٹ جائے اور گناہ صادر ہو جائے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ دن میں لوٹ لوٹ کر ستر بار (گناہ) کیا ہو۔ رواہ ابو داؤد والترمذی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا گناہ پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے رب سے استہزاء کر رہا ہو۔ رواہ البیہقی و ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

مسئلہ:۔ صغیرہ گناہوں پر جم جانا کبیرہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ اور اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی معصیت پر اصرار کو اس لئے انہوں نے ترک کر دیا کہ وہ معصیت کو معصیت جانتے ہیں اور معصیت پر اصرار سے ان کو اللہ کا خوف روکتا ہے۔ ترک گناہ کی وجہ ان کی اپنی سستی یا طبعی نفرت یا بندوں کا خوف یا موقع کا میسر نہ آنا نہیں ہے کیونکہ اگر اطاعت کی نیت سے کسی ممنوع کام سے نفس کو روکا جائے تو اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے (بغیر نیت اطاعت کے) محض ترک ممنوع موجب ثواب نہیں ہاں اس صورت میں اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ مطلقاً ترک معصیت کی وجہ سے اس عذاب سے بچاؤ ہو جائے گا جو معصیت کے لئے مقرر ہے۔ گناہ پر قابو نہ پانا خود ایک قسم کا عذاب سے بچاؤ ہے۔

ضحاکؒ نے کہا ھم یعلمون سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کو مغفرت معاصی کا مالک جانتے ہیں۔ حسین بن فضلؒ نے کہا کہ وہ اس امر کو جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا ہے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ گناہ کتنے ہی ہوں اللہ کے عفو سے بڑے نہیں۔ بعض دوسرے علماء نے یہ مطلب کہا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں گے تو اللہ معاف فرما دے گا۔

شیخین نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندہ نے ایک گناہ کیا پھر عرض کیا میرے رب مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے تو اسے معاف کر دے، اللہ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد اسی شخص نے پھر ایک گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار مجھ سے ایک اور گناہ ہو گیا تو معاف کر دے، اللہ نے فرمایا میرا بندہ واقف ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور (بھی) گرفت بھی کر لیتا ہے، میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا۔ کچھ وقت کے بعد بندہ نے ایک اور گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار تو معاف فرما دے۔ اللہ نے فرمایا میرا بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے، میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اب وہ جو کچھ چاہے کرے۔

طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ فرمان رسول اللہ ﷺ نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا جو شخص مجھے مغفرت معاصی پر قادر جانتا ہے میں اس کو بخش دیتا ہوں اور (اس کے گناہوں کی کثرت کی) پرواہ بھی نہیں کرتا جب کہ اس نے کسی چیز کو میرا ساجھی نہ ٹھہرایا ہو۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

ان ہی سب تقویٰ رکھنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی یا فقط توبہ کرنے والوں کی جزا مغفرت الٰہی ہے اور ایسے باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

جنت کی تنوین بتا رہی ہے کہ وہ اہل تقویٰ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں ان کی جزا سے ان مغفور گناہ گاروں کا ثواب کم درجہ کا ہوگا اسی لئے اہل تقویٰ کی جزا والی آیت کا تتمہ واللہ یحب المحسنین کے ساتھ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل احسان محبت خداوندی کے مستحق ہیں اور مغفور اہل معصیت کے ثواب کا بیان اولیٰ کی آیت پر ختم کیا۔

وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ بے شک اپنی کوتاہی کی تلافی کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو فوت شدہ چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن فوت شدہ کی تلافی کر لینے والے میں اور صاحب احسان میں بڑا فرق ہے۔ اول اجیر ہے دوسرا محبوب اور اجیر محبوب کی طرح نہیں ہو سکتا۔ شاید لفظ جزاء کو اس جگہ لفظ اجر سے بدل کر ذکر کرنے میں یہی نکتہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہے۔ رواہ البیہقی وابن عساکر عن ابن عباسؓ والقشیری فی الرسالۃ وابن النجار عن علی کرم اللہ وجہہ۔

فائدہ۔ بے شک جنت اہل تقویٰ اور (گناہ گار) اہل توبہ کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہوں پر جم جانے والے (اہل ایمان) جنت میں نہیں جائیں گے جیسے دوزخ اگرچہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن دوسروں کا دوزخ میں جانا اس سے لازم نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ کو اللہ گناہوں سے پاک کرکے جنت میں داخل فرما دے خواہ تطہیر کی یہ صورت ہو کہ دوزخ کا عذاب دے کر پاک صاف کر دے جیسے بھٹی میں پڑ کر معدنی چیزوں کا میل صاف ہو جاتا ہے یا بغیر عذاب دیئے اللہ بخش دے اور اس طرح توبہ نہ کرنے والا گناہ گار بھی توبہ کرنے والے کی طرح ہو جائے۔

ثابت بنانی نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ جب آیت والذین اذا فعلوا فاحشۃ نازل ہوئی تو ابلیس رویا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(سنن سنۃ کی جمع ہے اور) سنت کا معنی ہے اچھائی یا برائی کا وہ راستہ جس کی پیروی کی جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا جس نے اچھا (طریقہ) اسلام میں جاری کیا اس کو خود اس طریقہ پر چلنے کا ثواب بھی ملے گا اور ان لوگوں کا بھی جو اس طریقہ پر عمل کریں گے مگر ان عمل کرنے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا اس پر خود بنانے کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کا بھی جو اس طریقہ پر عامل ہو جائیں گے مگر ان عمل کرنے والوں کے بار میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

سُنَنٌ سے معاملات محذوف ماننا بھی جائز ہے یعنی سنن سے مراد اہل سنن ہیں

بعض علماء نے سنن کا ترجمہ کیا ہے اقوام۔ سنۃ کا معنی ہے قوم ایک شاعر کا قول ہے لوگوں نے ان کے فعل جیسی کوئی فعل اور ان کی طرح کی کوئی قوم گزشتہ اقوام (سالف السنن) میں نہیں دیکھی۔ اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ تم سے پہلے خیر و شر کے بہت طریقوں والے گزر گئے تم ملک میں چل پھر کر دیکھ لو کہ تکذیب خیر کا نتیجہ کیسا ہوا اور انجام کار تکذیب کرنے والوں کی تباہی کس طرح ہوئی۔

مجاہدؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم سے پہلے گزشتہ کافر قوموں کے لئے میرے طریقے رہے ہیں کہ میں ان کو اس حد تک مہلت اور ڈھیل دیتا رہا کہ وہ اپنی مقررہ حد زندگی تک پہنچ جائیں آخر جب ان کی تباہی کا وقت آ گیا تو میں نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور اپنے پیغمبروں کو اور ان کے متبعین کو فتح عنایت کی چل پھر کر دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ کلبیؒ نے کہا ہر قوم کے لئے اللہ کی طرف سے ایک طریقہ اور دستور ہے جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس پر چلے اللہ ان سے راضی ہوا جس نے نہ مانا اور اس طریقے پر نہ چلا اللہ نے اس کو تباہ کر دیا۔ تکذیب کرنے والوں کا انجام دیکھ لو۔

هٰذَا یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے یا آیت قد خلت کی طرف یا فانظروا کے مفہوم کی طرف۔

بَيَانٌ لِّلنَّاسِ کھلا ہوا بیان ہے عام طور پر لوگوں کے لئے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ اور خصوصیت کے ساتھ متقیوں کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے کیونکہ حق

ہی اس سے فائدہ اندوز ہوتے ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا اور احد کے دن تمہارے جو آدمی قتل یا زخمی ہو گئے ان کی وجہ سے تم دشمنوں کے مقابلہ سے کمزور اور بے ہمت نہ ہو۔

وَلَا تَحْزَنُوْا اور مقتولوں کے قتل کا رنج نہ کرو۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ حالانکہ تم ہی ان سے اونچے ہو کیونکہ اس مصیبت کے اجر و ثواب کے تم امیدوار ہو اور کافروں کو آخرت و ثواب کی امید نہیں۔ تمہارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں۔ احد کی لڑائی میں پانچ مہاجر حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعبؓ وغیرہ اور ستر انصاری شہید ہوئے تھے۔ یہی مضمون ہے ایک اور آیت کا جس میں فرمایا ہے۔ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ۔ کلبی کا بیان ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو زخمی ہونے کی تکلیف ہوئی لیکن باوجود زخمی ہو جانے کے رسول اللہ ﷺ نے ان کو دشمن کے تعاقب کا حکم دیا۔ یہ حکم مسلمانوں پر بہت گراں گزرا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یا یہ مطلب ہے کہ آخر میں تم ہی اونچے رہو گے اللہ کی طرف سے تم کو ہی فتح و ظفر حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ گھاٹی میں صحابہؓ کو شکست ہو گئی، خالد بن ولید مشرکوں کا سوار دستہ لے کر پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے حملہ کرنا چاہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ یہ ہمارے اوپر نہ آئیں ہم کو تیرے سوا کسی اور کی قوت حاصل نہیں۔ مسلمان تیر اندازوں کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اور انہوں نے رات وہیں گزاری تھی اس گروہ نے مشرک دستہ کو تیروں پر رکھ لیا اور بھگا دیا آیت وانتم الاعلون کا یہی مطلب ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ یعنی اگر تم ایماندار رہو اور تمہارا ایمان پکا ہے تو کمزور اور رنجیدہ نہ ہو کیونکہ ثواب کی امید رکھنا اور اللہ پر بھروسہ کر کے قوی دل ہونا ایمان کا تقاضا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تمہارا ایمان درست ہوگا تو تم ہی آخر میں اونچے رہو گے کیونکہ اہل ایمان کی مدد کرنے کا ہمارا وعدہ ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۚ قَرح اور قُرح ہتھیار وغیرہ کی چوٹ جس سے بدن زخمی ہو جائے (قاموس) فراء نے کہا قَرح بفتح قاف زخم اور بضم قاف زخم کی تکلیف یعنی احد کے دن تم کو زخم لگے اور تکلیف ہوئی تو بدر کے دن کفار قریش کو بھی ایسے ہی زخم لگے اور تکلیف ہوئی تھی مگر وہ دوبارہ تم سے لڑنے کے لئے آنے سے بے ہمت نہ ہوئے پس تم تو اس سے زیادہ مستحق ہو۔ مسلمان جب دکھ اور رنج کے ساتھ احد سے لوٹے تو مسلمانوں کو تسلی دینے اور کافروں کے مقابلہ میں حوصلہ بڑھانے کے لئے اس آیت کا نزول ہوا۔

وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ اور یوم فتح کو ہم لوگوں میں باری باری سے گھماتے پھیرتے رہتے ہیں یعنی ہماری عادت یونہی جاری ہے کبھی اس گروہ کی فتح ہوئی ہے اور کبھی اس کی۔ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس پیادوں کا جبیر بن مطعم کو سردار بنا کر (گھاٹی کے دہانہ پر جمے رہنے کا) حکم دے دیا تھا اور فرما دیا تھا اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو جھپٹ کر لئے جا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میرا پیام تمہارے پاس نہ پہنچ جائے اور اگر دیکھو کہ ہم نے دشمن کو بھگا دیا اور روند دیا تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا تاوقتیکہ میں تمہارے پاس پیام نہ بھیجوں۔

راوی کا بیان ہے کہ (شروع میں) رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھگا دیا میں نے خود دیکھا کہ عورتیں ہاتھوں سے کپڑے اٹھائے تیزی سے بھاگی جا رہی ہیں اور ان کی پازیبیں اور پنڈلیاں کھل گئی ہیں۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیر کے ساتھی بولے لوگو تمہارے ساتھی غالب آ گئے تم کیا انتظار کر رہے ہو، لوٹو، لوٹو۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھول گئے۔ کہنے لگے خدا کی قسم ہم تو ضرور ان کے پاس پہنچ کر مال غنیمت حاصل کریں گے۔ چنانچہ جونہی یہ لوگ (بھاگتے ہوئے) کافروں پر پہنچے ان کے رخ پھر گئے اور یہ شکست کھا کر بھاگے (اور رسول اللہ ﷺ پچھلی قطار میں کھڑے تم کو پلٹ کر آنے کے لئے پکار

رہے تھے) یہی مضمون ہے والرسول یدعوکم فی اخراکم۔ کا حضور ﷺ کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ کافروں نے ہمارے ستر آدمی قتل کئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے بدر کے دن ستر مشرکوں کو قتل اور ستر کو قید کیا تھا۔ ابوسفیان نے تین بار (پکار کر) کہا کیا قوم میں محمد ﷺ ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جواب دینے سے منع فرما دیا۔ ابو سفیان نے تین بار کہا کیا ابو قحافہ کا بیٹا موجود ہے۔ پھر تین بار کہا کیا ابن خطاب ہے (جب کوئی جواب نہ ملا تو) لوٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے سب مارے گئے یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بولے۔

" اے دشمن خدا، خدا کی قسم تو جھوٹا ہے جن کے تو نے نام لئے وہ سب زندہ ہیں اور تجھے دکھ دینے والا کافی موجود ہے۔"

ابوسفیان بولا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہو گیا۔ لڑائی چرخ کے ڈولوں کی طرح نیچی اونچی ہوتی رہتی ہے مقتولین میں تم کو کچھ لوگ مثلہ (ناک، کان، پیشاب گاہ کٹے ہوئے) ملیں گے لیکن میں نے اس کا حکم نہیں دیا تاہم مجھے یہ برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد جنگی لے میں گانے لگا اُعل ہبل ہے۔ (ہبل ایک بت کا نام تھا قریش اس کی پوجا کرتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کو کیوں جواب نہیں دیتے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ سب سے بالا و برتر ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہماری عزّیٰ ہے تمہاری کوئی عزّیٰ نہیں (عزّیٰ بھی ایک مورتی تھی جس کی شکل عورت کی تھی گویا ہبل دیوتا تھا اور عزّیٰ دیوی)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جواب نہیں دیتے صحابہؓ نے عرض کیا ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا تم خوشی کے ساتھ یہاں آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ جاؤ دیکھو اس کا کیا کام ہے حسب الحکم حضرت عمر گئے۔ ابوسفیان نے کہا عمرؓ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا بخدا نہیں وہ تو اس وقت بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تم میری نظر میں ابن قمیہ سے زیادہ سچے ہو اور پکی قسم والے ہو۔ ابن قمیہ نے قریش سے جا کر کہہ دیا تھا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا سال ختم ہونے پر بوعدہ بدر صغریٰ پر تم سے مقابلہ ہو گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہہ دو اچھا ہمارا تمہارا وعدہ ہو گیا پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر لوٹ گیا اور روانہ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے اس حدیث میں آیا ہے کہ ابوسفیان نے کہا دن کے بدلے دن اور ایام کی گردش رہتی ہے اور لڑائی چرخ کے ڈولوں کی طرح اوپر نیچے ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دونوں برابر نہیں ہیں ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں۔

زجاج نے کہا مسلمانوں کا غلبہ تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وان جندنا لهم الغالبون احد کے دن جو مسلمانوں پر کافروں کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے فرمان رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا تھا۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس جملہ کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے یعنی ہم ایام فتح و شکست کی باری باری تداول مختلف حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ جو مومن صبر اور ثبات ایمانی کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ممتاز ہو چکے ہوں ان کو ہم جان لیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معطوف علیہ محذوف نہ ہو بلکہ اس جملہ پر عطف ہو جو تلک الایام نداولها بین الناس سے سمجھ میں آرہا ہے اس صورت میں کلام اس طرح ہو گا کہ ایام فتح و شکست کا تداول ہم اس لئے کرتے ہیں کہ نیکی بدی کو وجود میں لانا پیدا کرنا اور فنا کرنا عادت خداوندی ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ جان لے۔

اس محل (ثبت) پایہ خلاف (منفی) آیت میں اللہ کے علم کو ثابت کرنا یا نفی کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ برہانی طور پر معلوم خارجی کا ثبوت یا اس کی نفی مقصود ہوتی ہے کیونکہ علم خداوندی معلوم خارجی کے لئے لازم ہے اور نفی علم نفی معلوم کے لئے دوسری طرف نفی معلوم نفی علم کو مستلزم ہے ورنہ علم علم نہیں رہے گا بلکہ جہالت ہو جائے گا۔ پس آیت میں لزوم

ہوں کہ لازم مراد لیا گیا ہے یعنی تبادل ایام کی علت یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں اہل ایمان کا دوسروں سے امتیاز ہو جائے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یعلم سے مراد ہے ایسا علم جس سے جزا و سزا وابستہ ہے اور یہ علم بندہ کے عمل کے ظہور کے بعد ہی ہوتا ہے (رہا وہ علم خداوندی جو تخلیق کائنات سے پہلے سے ہے اس پر سزا و جزا مرتب نہیں)۔

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ اور تم میں سے بعض لوگوں کو انعام شہادت سے سرفراز کردے اس سے مراد شہداء احد ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن دوسری اقوام پر صبر اور ثبات کی شہادت دینے کی جن مسلمانوں میں اہلیت ہو ان کو چن لے۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (احد کے دن) جب دیر تک عورتوں کو جنگ کی خبر نہ ملی تو دریافت حال کے لئے وہ نکلیں، سامنے سے دو شخص ایک اونٹ پر سوار آتے دکھائی دیے ایک عورت نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے سواروں نے کہا زندہ ہیں۔ عورت بولی اب مجھے پروا نہیں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنادے پس اسی عورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور اللہ ظالموں یعنی ان کافروں منافقوں کو ناپسند کرتا ہے جن سے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا ظہور نہیں ہوا (اور وہ منہ موڑ کر چلے آئے) اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ حقیقت میں تو کافروں کی مدد نہیں کرتا لیکن کبھی کبھی جو ان کو غلبہ عنایت کر دیتا ہے تو یہ ان کے لئے ڈھیل اور مسلمانوں کا امتحان ہوتا ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور اس لئے بھی کہ اہل ایمان کو گناہوں سے پاک صاف کردے۔

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹادے، محق کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے کسی چیز کو توڑنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ ہوتا ہے تو مسلمانوں کے امتیاز کرنے، شہید بنانے اور گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوتا ہے اور مسلمانوں کا غلبہ ہوتا ہے تو کافروں کو گھٹانے اور ان کے نشان مٹانے کے لئے ہوتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ استفہام انکاری اور ام منقطعہ ہے۔

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ حالانکہ تمہارے مجاہدوں کا اللہ نے (لوگوں کی نظر میں) امتیاز ابھی تک نہیں کیا اور نہ صبر کرنے والوں کا امتیاز کیا۔ یعنی ابھی تک نہ تم نے جہاد کیا (کہ لوگوں کو تمہارا مجاہد ہونا معلوم ہوگیا ہو) اور نہ تم نے مصائب جنگ پر صبر کیا کہ تمہارا صابر ہونا معلوم ہو جاتا) دوسرے یعلم سے پہلے ان مضمر ہے اور واؤ جمع کے لئے ہے جیسے لاتاکل السمک وتشرب اللبن یعنی مچھلی اور دودھ کو ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو حالت جزم میں قرار دے کر مفتوح پڑھا جائے کیونکہ دو ساکن جمع ہیں اور ساکن سے پہلے حرف (لام) پر فتحہ ہے۔

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ صحابی کہا کرتے تھے کاش ہم بھی بدر والوں کی طرح دشمنوں کو مارتے یا یوں کہتے کہ کاش بدر کے دن کی طرح ہم کو بھی کسی دن مشرکوں سے لڑنے کا موقع ملتا اور اس روز ہمارا اچھا امتحان ہوتا یا ہم شہادت پا کر جنت میں شہیدوں کی زندگی اور رزق کے طلب گار ہوتے لیکن (آزمائش کے وقت) سوائے ان کے جن کو اللہ نے چاہا کوئی (میدان جنگ میں) نہ ٹھہر سکا۔ اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ اور تم بلاشبہ اللہ کی راہ میں مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے یا موت سے مراد ہے لڑائی کیونکہ لڑائی موت کا ایک سبب ہے یعنی تم لڑائی کی تمنا کیا کرتے تھے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ موت یا لڑائی کو دیکھنے اور اس کی شدت کا مشاہدہ کرنے سے پہلے۔

فَقَدْ رَاَیْتُمُوْہُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ سو تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا یعنی تمہارے بھائی بند تمہارے سامنے مارے گئے اور تم نے خود دیکھ لیا۔ آیت میں زجر ہے اس امر پر کہ پہلے لڑائی کی تمنا کیا کرتے تھے پھر لڑائی ہوئی تو بزدل بن کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یا زجر ہے تمنائے شہادت پر کیونکہ شہادت مسلمین کی تمنا کا معنی ہے غلبۂ کفار کی تمنا۔

ابن ابی حاتم نے ربیع کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن جب مسلمانوں پر زخمی ہونے کی جو مصیبت پڑنی تھی پڑی تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو پکارا۔ لوگوں نے کہ وہ تو شہید ہو گئے کچھ لوگ کہنے لگے کہ اگر نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے دوسرے لوگوں نے کہا جس چیز کے لئے تمہارے نبی نے قتال کیا تھا اسی کے لئے تم بھی اس وقت تک لڑو کہ اللہ تم کو فتح عطا فرما دے یا تم بھی رسول اللہ ﷺ سے جا ملو۔ ابن منذر نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر پراگندہ ہو گئے۔ میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور ایک یہودی کو کہتے سنا۔ محمد مارے گئے میں نے کہا جو کوئی بھی کہے کا محمد مارے گئے میں اس کی گردن مار دوں گا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے لوگ واپس آرہے ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں ابو نجیح کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مہاجر کسی انصاری کی طرف سے گزرا انصاری خون میں تڑپ رہا تھا مہاجر نے انصاری سے (یا انصاری نے مہاجر سے) کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے اس نے جواب دیا اگر محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو وہ (پیام خداوندی) پہنچا گئے اب تم اپنے دین کی طرف سے لڑو اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ ¹

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اور محمد ﷺ نہیں ہیں مگر رسول یعنی خدا نہیں ہیں جن کا مرنا اور فنا ہونا ناممکن ہو اور وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔

محمد ﷺ کا مادہ حمد ہے اور مصدر (تحمید) قاموس میں ہے حمد کا معنی ہے شکر، رضا، جزا، ادائے حق اور تحمید کا معنی ہے پیہم حمد کرنا پس محمد ﷺ کا معنی ہوا وہ شخص جس کی پیہم حمد کی جائے۔ میں کہتا ہوں محمد ﷺ وہ شخص ہے جس کی پیہم غیر متناہی حمد کی جائے۔

بغویؒ نے لکھا ہے محمد ﷺ وہ شخص ہے جو تمام محامد کا جامع ہو کیونکہ حمد کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو کامل الصفات ہو اور تحمید کا درجہ حمد سے زیادہ ہے (باب تفعیل میں باب مجرد سے زیادہ قوت اور کثرت ہونی چاہئے کثرت لفظ کثرت معنی پر دلالت کرتی ہے) پس مستحق تحمید وہی شخص ہوگا جو انتہائی کمالات کو محیط ہو۔ حضرت حسانؓ بن ثابت کا قول ہے۔

کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ نے اپنے بندہ کو اپنی برہان (یعنی قرآن) دے کر بھیجا اور اللہ سب سے بزرگ و برتر ہے۔ اور

---

¹ بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ (کاشانۂ نبوت سے برآمد ہوئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمرؓ بیٹھ جاؤ پھر فرمایا اما بعد جو محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو (اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ) محمد ﷺ کی وفات ہو گئی اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ زندہ ہے اللہ نے خود فرمایا ہے وما محمد الا رسول ... الشاکرین تک۔ راوی کا بیان ہے خدا کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سے پہلے لوگوں کو علم ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی ہے اور ابو بکر سے سن کر سب نے اس کی تلاش شروع کر دی میں نے کوئی شخص نہیں پایا کہ وہ پڑھتا نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور عروہؓ وغیرہ راوی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اگر لوگ اونٹ کے پاؤں میں باندھنے کی رسی بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو (زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ) رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افإن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم۔

---

² حضرت علیؓ نے الشاکرین کی تفسیر میں فرمایا دین پر جمے رہنے والے یعنی ابو بکرؓ اور ان کے ساتھی۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے ابو بکرؓ شاکرین کے سردار تھے۔ مؤلف

اس کی عزت افزائی کے لئے اپنے نام سے مشتق کر کے (اس کا نام رکھا) پس مالک عرش محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہیں (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

قَدْ خَلَتْ یعنی گزر گئے اور مر گئے۔

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ان سے پہلے پیغمبر پس یقیناً وہ بھی مریں گے۔

اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ پس کیا اگر وہ (اپنی موت) مر جائیں گے یا مارے جائیں گے تو تم ایڑیوں کے بل اپنے پہلے مذہب یعنی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ استفہام انکاری ہے یعنی جب سابق انبیاء مر گئے تو ان کا دین نہیں مر گیا پس محمد بھی ایک رسول ہیں اگر مر جائیں گے تو ان کا دین نہیں مرے گا لہذا تم کو لوٹ کر مرتد نہ ہونا چاہئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاء سببیت کے لئے ہے اور ہمزہ انکاری ہے یعنی رسول اللہ کی وفات تمہارے ارتداد کا سبب نہ ہونا چاہئے۔

وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے گا یعنی دین سے پھر جائے گا۔

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ لے اور جو لوگ اسلام پر قائم رہ کر نعمت اسلام کے شکر گزار رہیں گے اللہ ضرور ان کو جزا دے گا۔

قصہ احد

اہل مغازی نے بیان کیا ہے کہ احد کی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ سات سو صحابہؓ کی جمعیت کے ساتھ اترے اور عبداللہ بن جبیرؓ کو (پچاس) پیادوں کا سردار بنا کر گھاٹی پر مقرر فرما دیا جیسا کہ حضرت براء بن عازبؓ کی سابق روایت میں گذر چکا ہے اب قریش آئے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کمانڈر تھے عورتیں ان کے ساتھ تھیں جو دف بجا بجا کر شعر گا رہی تھیں گھمسان کا رن پڑا رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کرے گا کہ دشمن کو مارے اور خوب خون بہائے۔ ابو دجانہ سماک بن حرسہ انصاری نے وہ تلوار لے لی اور سر پر سرخ عمامہ باندھ کر اکڑ کر چلنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا یہ چال اللہ کو ناپسند ضرور ہے مگر اس موقع پر درست ہے مشرکوں کے سرداروں کو ابو دجانہ نے اس تلوار سے قتل کیا، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے مشرکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور اپنا وعدہ پورا کیا مسلمانوں نے کافروں کو تلوار سے کاٹ کر رکھ دیا میدان جنگ سے ان کو بھگا دیا اور خوب قتل کیا۔

مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر تین بار حملہ کیا لیکن ہر بار ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی گئی اور ان کو پسپا ہونا پڑا، تیر انداز مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کر رہے تھے اور مشرکوں کے سواروں کو تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے ہر تیر یا گھوڑے کے لگتا تھا یا آدمی کے، آخر کار سب پشت دے کر بھاگے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مشرکوں کے علمبردار طلحہ بن طلحہ کو قتل کر دیا اور مسلمان تکبیر کہہ کر کافروں کو خوب ہی مارنے لگے نتیجہ میں کافروں کی صفیں پراگندہ ہو گئیں، حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ہندہ اور اس کے ساتھ والیاں بھاگتی ہوئی تیزی کے ساتھ پہاڑ پر جا رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں (یعنی پنڈلیاں) کھلی ہوئی تھیں ان کی گرفتاری سے کوئی مانع نہ تھا جب حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ والے تیر اندازوں نے دیکھا کہ دشمنوں پر چھٹ گئے تو لوٹنے کے لئے یہ بھی میدان جنگ کی طرف چل دیئے جیسا کہ حضرت براء کی سابق حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔

لے حضرت علیؓ نے شاکرین کی تفسیر میں فرمایا دین پر جمے رہنے والے یعنی ابو بکرؓ اور ان کے ساتھی۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے ابو بکرؓ شاکرین کے سردار تھے۔ مؤلف

تیراندازوں کے کمانڈر یعنی حضرت عبداللہ کے ساتھ دس سے کم آدمی رہ گئے خالد بن ولید نے جب پہاڑ کی طرف نگاہ کی اور پہاڑ کے محافظ کم نظر آئے اور مسلمانوں کو لوٹ میں مشغول پایا اور ان کی پشت خالی دکھائی دی تو کافروں کے سواروں کو چیخ کر آواز دی اور مسلمانوں کے پیچھے آکر حملہ کیا، عکرمہؓ بھی خالدؓ کے پیچھے سے آگئے غرض مسلمانوں کو کافروں نے بھگا دیا اور قتل کیا۔

عبداللہ بن جبیر اپنی جگہ جمے رہے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، کافروں نے آپ کے کپڑے اتار لئے اور بہت بری طرح سے مثلہ کیا جب مسلمان لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے اسی وقت خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر پشت کی طرف سے حملہ کیا، مار بھگایا اور بے تامل قتل کیا، مسلمان ہر طرف سے پراگندہ ہو گئے جو مال لوٹا تھا اس کو بھی چھوڑ گئے جن لوگوں کو قید کیا تھا وہ بھی چھوڑنا پڑے شروع دن میں ہوا پروائی تھی پھر (پچھلے دن میں) پچھمی ہو گئی، بھاگنے والوں کے تین حصے ہو گئے، ایک حصہ زخمی ہوا، ایک حصہ قتل ہوا اور ایک حصہ بھاگ گیا۔

بیہقی نے حضرت مقدادؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت مقدادؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ اپنی جگہ سے بالشت بھر نہیں ہٹے، دشمن کے سامنے مقابلہ پر رہے آپ کی طرف صحابہ کی ایک جماعت (حفاظت کے لئے) لوٹتی رہی اور کبھی ان میں شگاف پڑتے رہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ برابر کھڑے کمان سے تیر پھینک رہے تھے اور پتھر مار رہے تھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (اس روز) پندرہ آدمی جمے رہے آٹھ مہاجر، ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور سات انصار حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، محمد بن مسلمہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم۔ بعض روایات میں سعد بن معاذ کی جگہ سعد بن عبادہ کا ذکر ہے۔

عبدالرزاق نے مرسلاً زہری کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر تلوار کے ستر وار ہوئے اور کوئی ضرب کارگر نہ ہوئی اللہ نے محفوظ رکھا، عتبہ بن وقاص نے حضور پر چار پتھر مارے جن سے آپ کا اگلا داہنا نچلا دانت ٹوٹ گیا اور زیریں لب زخمی ہو گیا، حافظ نے کہا اس سے مراد وہ دانت ہے جو کاٹنے والے اور چیرنے والے دانتوں کے درمیان تھا، حاطب بن بلتعہ کا بیان ہے میں نے عتبہ کو قتل کر دیا اور اس کا سر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لاکر حاضر کر دیا، آپ ﷺ کو اس سے خوشی ہوئی اور میرے لئے دعا فرمائی۔ رواہ الحاکم۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے حضور ﷺ کے سر کو زخمی کر دیا، اس واقعہ کے بعد یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا چہرۂ مبارک پر خون بہنے لگا یہاں تک کہ ریش اقدس خون سے تر ہو گئی، عبداللہ بن قمیہ کے پتھر سے رخسار مبارک زخمی ہو گیا اور خود کی دو کڑیاں رخسار میں گھس گئیں عبداللہ بن قمیہ حضور ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آگے آیا لیکن مصعب بن عمیرؓ نے مدافعت کی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے علمبردار تھے، ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور یہ سمجھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا، لوٹ کر گیا تو اپنے لوگوں سے کہا میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا اس پر ایک چیخنے والے نے ندا کی محمد مارے گئے، کہا جاتا ہے کہ یہ پکارنے والا ابلیس تھا، طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن قمیہ سے فرمایا تھا، اقماک اللہ اللہ تجھے بیخ و بن سے ہلاک کر دے۔

اس بددعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسی پہاڑی بکرے کو اللہ نے اس پر مسلط کر دیا اور بکرے نے سینگ مار مار کر اس کو پارہ پارہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن زرہ دوہری پہنے تھے اس لئے خود چڑھ نہ سکے، حضرت طلحہ نے نیچے بیٹھ کر اپنے اوپر رسول اللہ ﷺ کو اٹھالیا اور اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا طلحہؓ نے واجب کر دیا (یعنی اپنے لئے جنت کو) ہندہ اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں شہیدوں کے ناک کان کاٹنے میں یہاں تک کہ ہندہ نے ان کے ہار بنا کر وحشی کو دیئے اور حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی تھوک دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ لوگوں کو پکار رہے تھے اللہ کے بندو (ادھر آؤ) آواز سن کر حضور (ﷺ) کے پاس تیس آدمی جمع

ہو گئے جن میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا میرا چہرہ (زخمی ہو) آپ کا چہرہ نہ ہو، میری جان (کام آئے) آپ کی جان ایسی نہ ہو (یعنی آپ محفوظ رہیں میں قربان ہو جاؤں) آپ سالم رہیں۔ غرض سب آپ کے محافظ ہو گئے اور مشرکوں کو آپ کی طرف سے ہٹا دیا، سعدؓ بن ابی وقاص نے اتنے تیر مارے کہ آپ کی چھ کمانیں ٹوٹ گئیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اپنی ترکش سے تیر بکھیر دیئے اور فرمایا تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ قربان، رواہ بخاری۔

ابو طلحہؓ بھی بڑے تیر انداز تھے اور کمان کھینچنے میں بڑے طاقتور تھے، آپ نے بھی اس روز دو یا تین کمانیں توڑی تھیں جو شخص بھی ان کی طرف سے تیر دان لے کر گزرتا آپ فرماتے تھے ابو طلحہؓ کے لئے تیر بکھیر دو، جب ابو طلحہؓ تیر پھینکتے تو رسول اللہ ﷺ بھی گردن اٹھا کر تیر گرنے کی جگہ کو دیکھتے۔

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے کرتے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کا ہاتھ تیروں سے چھلنی ہو کر آخر خشک ہو گیا۔ ابو داؤد طیالسی اور ابن حبانؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا وہ دن سارا کا سارا طلحہؓ کے لئے ہوا (یعنی حضرت طلحہؓ کی حفاظت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ محفوظ رہے) محمد بن عمرؓ کا بیان ہے کہ اس روز حضرت طلحہؓ کے سر میں ایک چوٹ لگی کہ خون بہہ گیا اور آپ پر غشی طاری ہو گئی، حضرت ابو بکرؓ نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا جس سے آپ کو ہوش آگیا، ہوش آتے ہی فرمایا رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خیریت سے ہیں انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، حضرت طلحہؓ نے کہا اللہ کا شکر ہے اس کے بعد ہر مصیبت حقیر ہے اس روز حضرت قتادہؓ بن نعمانؓ کی آنکھ میں چوٹ لگی تھی، جس کی وجہ سے آنکھ رخسار پر آپڑی تھی رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ جگہ پر لوٹا دی اور آنکھ اچھی ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ احد سے واپس آرہے تھے کہ (راستہ میں) ابی بن خلف جمحی نے آیا اور کہنے لگا کہ اب (میرے ہاتھ سے) تم بچ نکلے تو مجھے خدا بچائے (یعنی اس وقت میں ضرور قتل کر دوں گا) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس پر نہ جھک پڑے (یعنی قتل نہ کر دے) فرمایا رہنے دو، جب وہ قریب آگیا، اس سے پہلے ابی رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے وقت کہا کرتا تھا میرے پاس خوشتری رنگ کی ایک گھوڑی ہے جس کو روزانہ ایک فرق جوار دے کر میں پالتا ہوں، اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہو گا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزہ لے کر ابی کے سامنے اس کی گردن پر مارا جس کی وجہ سے کچھ خراش پڑ گئی، ابی گھوڑے سے لڑھک کر نیچے گرا اور بیل کی طرح ڈکارنے لگا اور کہنے لگا محمد ﷺ نے مجھے مار ڈالا لوگوں نے کہا کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، بولا کیوں نہیں ہے اگر یہ میرا زخم (تمام قبائل) ربیعہ و مضر کے لگتا تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا، انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا، اس قول کے بعد تو اگر یہ مجھ پر تھوک دیتے تب بھی قتل کر دیتے غرض زیادہ مدت نہیں گزری کہ مقام سرف میں پہنچ کر وہ مر گیا۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے جس کو نبی نے قتل کیا اس پر اللہ کا سخت غضب ہوا اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو خون آلود کر دیا اس پر بھی اللہ کا غضب سخت ہوا۔

اہل مغازی نے لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ محمد قتل کر دیئے گئے یہ سن کر بعض مسلمان کہنے لگے، کاش کوئی قاصد عبداللہ بن ابی کے پاس چلا جاتا تاکہ ابن ابی ابو سفیان سے ہمارے لئے امان لے لیتا کچھ صحابی پست ہمت ہو کر بیٹھ رہے بعض اہل نفاق کہنے لگے اگر محمد مارے گئے تو تم اپنے پہلے مذہب میں شامل ہو جاؤ، حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انسؓ بن نضر بولے قوم والو اگر محمد مارے بھی گئے ہوں تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا تم رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے جس کام کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تم بھی اسی کے لئے لڑو اور جس غرض کے لئے وہ مرے تم بھی اسی کے لئے مر جاؤ پھر بولے اے اللہ یہ لوگ یعنی مسلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں میں تیرے سامنے اس کی معذرت کرتا ہوں اور یہ لوگ یعنی منافق جو بات پیش کر رہے ہیں میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں یہ کہہ کر تلوار لے کر حضرت انسؓ نے حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ پتھر کی چٹان کے پاس جا کر لوگوں کو پکارنے لگے سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے آپ کو پہچانا، خود کے نیچے حضور ﷺ کی آنکھیں چمکتی دیکھ کر شناخت کی، حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو پہچان کر اونچی آواز سے پکار کر کہا اے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں حضور ﷺ نے میری طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہو پھر صحابہؓ کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آکر جمع ہو گئی آپ نے بھاگنے پر ان کو ملامت کی صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم کو اطلاع ملی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس سے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہم پشت پھیر کر بھاگ نکلے (یعنی آپ کو چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ جب آپ کی شہادت کی خبر سن لی تو لڑائی کو بیکار سمجھ کر راہ فرار اختیار کی تھی) اس پر اللہ نے نازل فرمایا، وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ یعنی کوئی شخص بغیر اللہ کی مشیت اور حکم کے نہیں مر سکتا یہ مطلب کہ جب تک ملک الموت کو کسی کی جان قبض کرنے کی اجازت نہ مل جائے وہ نہیں مر سکتا۔

كِتَابًا مُؤَجَّلًا موجلاً کتابا کی صفت ہے اور کتابا مصدر ہے فعل محذوف ہے یعنی اللہ نے موت کی موقت تحریر لکھ دی ہے لکھے ہوئے وقت سے آگے پیچھے موت نہیں آسکتی اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب اور جنگ کی جرأت دلائی گئی ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا یعنی جو شخص اپنے عمل کا دنیوی بدلہ چاہتا ہے ہم دنیا میں ہی اس کو اپنی مشیت کے مطابق جو کچھ ہم نے اس کے لئے مقدر کر دیا ہے دے دیتے ہیں اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض ہے جو مال غنیمت کی طرف راغب ہو کر جہاد سے غافل ہو گئے تھے۔

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا اور جو اپنے عمل سے آخرت کے ثواب کا خواستگار ہو گا ہم آخرت کا ثواب اس کو دیں گے۔

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ اور شکر گزاروں کو یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو ضرور جزا دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اس فقرہ سے یہ مراد ہے کہ جو شخص اپنے عمل سے صرف شکر گزار ہونے کا طلب گار ہو اور نہ اس کے پیش نظر ثواب دنیا ہو، نہ ثواب آخرت تو اللہ اس کو ایسی عظیم الشان جزا دے گا جس کا اندازہ کوئی عقل نہیں کر سکتی نہ کسی فہم کی رسائی وہاں تک ہو سکتی ہے اور یہ جزا صرف ذات باری ہے، جزا کو مبہم رکھنا (اور تعیین کے ساتھ کسی خاص قسم کے ثواب کا ذکر نہ کرنا) بتا رہا ہے کہ جزاء غیر معروف ہے انسان کی عقل اس کو نہیں جان سکتی۔

قاموس میں ہے شکر کا معنی ہے احسان کو پہچاننا اور اس کو پھیلانا۔ حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی نیت طلب آخرت کی ہو اللہ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے بے نیازی پیدا کر دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کی نیت طلب دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اس کی جمعیت (خاطر) کو پراگندہ بنا دیتا ہے اور دنیا میں سے اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔ رواہ البغوی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال صرف نیتوں سے وابستہ ہیں اور آدمی کے لئے صرف اس کی نیت کا پھل ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اس کی ہجرت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہو گی اور جس کی ہجرت مال حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت اسی غرض

ے مولف قدس سرہ نے اس جگہ حاشیہ میں فارسی کے یہ دو شعر لکھے ہیں: ہر کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند، فرزند و عیال و خانماں را چہ کند، دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی، دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند۔

یعنی جس نے تجھے پہچان لیا وہ اپنی جان اور اہل و عیال اور خاندان کا کیا کرے گا تو اپنا دیوانہ بنانے کے بعد اس کو دونوں جہان عطا فرماتا ہے تیرا دیوانہ دونوں جہان کا کیا کرے گا۔

کے لئے ہو گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہو گی، متفق علیہ۔

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر بکثرت آدمیوں نے (کافروں سے) جنگ کی۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور قتادہؒ نے ربیون کا ترجمہ کیا ہے کثیر جتھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے ہزار۔ کلبی نے کہا ایک ربیہ دس ہزار۔ ضحاک نے کہا ایک ربیہ ایک ہزار۔ حسن بصریؒ نے ربیون کا معنی کیا، فقہاء، علماء۔ بعض نے متبعین ترجمہ کیا ہے اس صورت میں ربیون سے مراد ہوں گے حکام اور ربیون سے رعایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربی رب کی طرف منسوب ہے یعنی خدا پرست۔

فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی جو لوگ قتل سے بچ رہے تھے وہ اللہ کی راہ میں زخمی ہونے، شدائد سامنے آنے اور ساتھیوں کے مارے جانے کی وجہ سے پست ہمت نہ ہوئے۔

وَمَا ضَعُفُوا اور نہ جہاد کرنے سے کمزور پڑ گئے۔

وَمَا اسْتَكَانُوا اور نہ دشمن کے مطیع ہوئے نہ ذلیل ہو کر جھکے بلکہ وہ اللہ کے حکم پیغمبر کی اطاعت اور دشمن سے جہاد کرنے پر جمے رہے۔

استکان کا مادہ سکن اور (تجرد کا مصدر) سکون ہے عاجز فرمانبردار بھی اپنے مقابل کے سامنے بے حرکت ہو جاتا ہے وہ اس کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس جملہ میں تعریض ہے ان لوگوں پر جو ابو سفیان سے امن طلب کرنے کے خواستگار تھے یا لڑائی سے پست ہمت ہو بیٹھے تھے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿﴾ اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اس لئے ان کی مدد اور عزت افزائی کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا قولھم، کان کی خبر ہے اور اَنْ قَالُوا، کان کا اسم ہے کیونکہ اسم کو خبر سے اعرف ہونا چاہئے اور قالوا چونکہ فاعل نسبت اور زمانہ پر دلالت کر رہا ہے اس لئے قولھم سے (جو صرف نسبت پر دلالت کرتا ہے) معرفہ ہونے میں زیادہ ہے، ذنوب سے مراد ہیں صغیرہ گناہ۔

وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا اسراف حد عبدیت سے تجاوز۔ امر، حال، معاملہ۔ اسراف سے مراد ہیں کبیرہ گناہ، یعنی شدائد و مصائب میں مبتلا ہونے کے بعد بھی ان کا قول (بجائے شکوہ و شکایت اور آہ و بکا و بے صبری کے) صرف یہ تھا کہ اے رب ہمارے چھوٹے بڑے گناہ معاف کر دے۔

وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا اور ہمارے پاؤں اپنے سیدھے راستے پر اور دشمن کے مقابل جہاد میں جمائے رکھ۔

وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿﴾ اور کافروں کے مقابلہ پر ہم کو فتح عطا فرما۔ دعا کی یہ صورت تھی کہ اللہ نے اہل ایمان کو فتح و غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے، حقا علینا نصر المومنین، دوسری جگہ فرمایا ہے ان جندنا لهم الغالبون اور اہل ایمان پر جو دکھ اور مصیبت آتی ہے وہ گناہوں کے اور حدود عبودیت سے تجاوز کرنے کے سبب سے آتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر، پس مصیبت کے وقت مومن کا فرض ہے کہ اپنے گناہ کا اقرار کرے تاکہ ندامت حاصل ہو اور معافی کا طلب گار ہو پھر اللہ سے امداد دینے اور ثابت قدم رکھنے کی دعا کرے، وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم گناہوں سے پاک ہونے اور استغفار کرنے کے بعد دعا باب قبول تک جلد پہنچتی ہے۔

فَآتَاهُمُ اللَّهُ اس قول کی برکت سے اللہ نے ان کو عطا فرمایا۔

ثَوَابَ الدُّنْيَا دنیاوی ثواب یعنی فتح، مال غنیمت، ملک اور نیک نامی (وغیرہ)۔

وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ اور ثواب آخرت کا حسن یعنی جنت، مرتبہ قرب اور اپنی خوشنودی اور رب کی دائمی خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہے۔ حسن ثواب معمولی ثواب سے افضل ہے اور واجب القصد بھی، اس لئے ثواب آخرت

کے ساتھ حسن کا ذکر کیا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾ اور اللہ اہل احسان کو پسند فرماتا ہے یحبہم نہیں فرمایا بلکہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر کیا تاکہ اس امر کی صراحت ہو جائے کہ مذکورہ مقولہ کے قائل ہی اہل احسان ہیں کیونکہ احسان کا معنی ہے اللہ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے عبادت کرنا یعنی ہر طرح کی غفلت دور کر کے دل کو حاضر رکھنا پس احسان کا تقاضا ہے کہ مقولہ مذکورہ زبان سے کہا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ راحت و رنج اور دکھ سکھ سب اللہ کی طرف سے آتا ہے مگر اللہ کریم ہے اس لئے انسان جب تک اپنی طاعت میں کوئی قصور نہ کرے اللہ کی طرف سے نعمت نہیں بدلی جاتی جب اطاعت میں کمی کی ہے تو اللہ اپنی نعمت بدل دیتا ہے اور نعمت کی جگہ کچھ تکلیف بھیج دیتا ہے تاکہ انسان بیدار ہو کر معافی کا طلب گار ہو اور دنیوی سزا بھگت کر پاک صاف ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اے ایمان والو اگر تم (ان) کافروں کا کہا مانو گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ الذین کفروا سے منافق مراد ہیں اور اطاعت سے مراد ہے منافقوں کا یہ مشورہ ماننا کہ اپنے سابق مذہب میں لوٹ جاؤ، اگر محمد نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر تم ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کی طاعت کرو گے ان کے سامنے عاجزی کرو گے اور ان سے امن کے خواہشمند ہو گے تو

يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تو وہ تم کو اسلام سے سابق شرک کی طرف ایڑیوں کے بل چلا دیں گے۔

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ نتیجہ میں تم لوٹ کر گھاٹے میں پڑ جاؤ گے دنیا اور دین دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ (یہ تمہارے دوست نہیں ہیں) بلکہ اللہ تمہارا دوست مددگار اور مسلمان ہونے کی حالت میں محافظ ہے لہٰذا اس کے سوا تم کافروں سے (اندرونی) دوستی نہ کرو۔

وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ اور وہی بہترین مددگار ہے پس اس کے ہوتے ہوئے تم کو کسی دوسرے کی دوستی اور مدد کی ضرورت نہیں، روایت میں آیا ہے کہ ۱۶ / شوال کو جب ابو سفیان اور مشرک مکہ کو جانے لگے اور روانہ ہو گئے تو کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ان کو پشیمانی ہوئی اور کہنے لگے ہم نے برا کیا اول تو ہم نے ان کو قتل کیا پھر جب چند بھاگے ہوئے لوگوں کے سوا ہمارے مقابلہ میں کوئی نہ رہا تو ہم ان کو چھوڑ آئے اس لئے مناسب ہے کہ ابھی لوٹ چلو اور ان کی جڑ ہی اکھاڑ دو۔ کافروں نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ نے ان کے دلوں کے اندر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ اپنے ارادہ سے باز آ گئے اور اللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ

یعنی ہم ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسی چیزوں کو اللہ کا ساجھی بناتے ہیں جن کی شرکت کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب مکہ واپس جاتے وقت مشرکوں نے مدینہ کو لوٹنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔ اگر اس آیت کا نزول واقعہ کے بعد مانا جائے تو پھر سنلقی میں سین صرف تاکید کے لئے ہو گی، استقبالیہ نہ ہو گی بلکہ گذشتہ واقعہ کی نقل ہو گی۔

سلطان کا اصل لغوی معنی ہے قوت۔ اس جگہ مراد ہے، برہان۔ مطلب یہ کہ ایسے معبودوں کو انہوں نے اللہ کا ساجھی بنا رکھا ہے جن کے شریک ہونے کی نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان بلکہ عقلی نقلی تمام دلیلیں اور حجتیں اللہ کی توحید پر دلالت کر رہی ہیں۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ اور ان کا یعنی مشرکوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ظالموں کی بری قرارگاہ ہے، ضمیر کی جگہ الظلمین کہنے کی وجہ سے بداختری کی درشتی کا اظہار بھی ہو گیا اور دوزخی ہونے کی علت کی بھی

صراحت ہو گئی۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ جب احد کی افتاد کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ مدینہ کو لوٹے تو بعض صحابیوںؓ نے کہا کہ اللہ نے ہم سے وعدہ تو فتحیاب بنانے کا کیا تھا پھر یہ کیا ہوا اس پر اللہ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ یعنی اللہ نے جو تم کو فتحیاب بنانے کا وعدہ بشرط صبر و تقویٰ کیا تھا وہ اس نے پورا کیا آغاز جنگ میں تم کو فتحیاب کیا۔

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ جب اللہ کے حکم و فیصلہ کے مطابق تم کافروں کو بے دریغ تلوار سے کاٹ رہے تھے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا حسّ کا معنی ہے قتل کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔ یہاں قتل عام مراد ہے۔ یہ لفظ احسّہٗ سے نکلا ہے۔ احسّ کا معنی ہے حس کو باطل کر دیا۔ (پس تحسونهم کا مطلب یہ ہوا کہ تم قتل عام کر کے ان کے حواس بگاڑ رہے تھے ان کے اوسان بجا نہیں رہے تھے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ لیکن جب تم بزدل اور کمزور پڑ گئے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تمہاری رائے کمزور پڑ گئی اور تم مال غنیمت پر جھک پڑے (گویا کمزوری سے مراد ہے رائے کی کمزوری) کیونکہ مال کی حرص ضعف عقل کی علامت ہے۔

وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ اور قیام و عدم قیام کے معاملہ میں تم باہم جھگڑنے لگے۔ عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھیوں نے جب مسلمانوں کا غلبہ اور مشرکوں کی شکست دیکھی تو بعض نے کہا اب یہاں ٹھہرے رہنے کی کیا ضرورت، عبداللہؓ نے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھول گئے انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ کی یہ مراد نہیں تھی (کہ کافروں کو شکست ہو جائے تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا) ہم تو ضرور جا کر لوٹ کا مال حاصل کریں گے، عبداللہ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے کہا، ہم حکم رسول سے بالکل تجاوز نہیں کریں گے۔

وَعَصَيْتُمْ اور تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف کیا۔ بعض علماء نے کہا کہ حتیٰ اذا فشلتم اور تنازعتم کے درمیان واؤ زائد ہے (اور تنازعتم جزاء ہے یعنی جب تم بزدل ہو گئے تو باہم نزاع کرنے لگے) مگر یہ بات غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نزاع باہمی سے پہلے بزدلی پیدا ہو گئی تھی (جزاء سے پہلے شرط کا تحقق ضروری ہے) حالانکہ بزدلی باہمی نزاع کے بعد پیدا ہوئی تھی شروع میں تو وہ جرأت مند تھے کافروں کی شکست دیکھ کر لوٹنے کے لئے میدان جنگ کی طرف گئے تھے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اگر واؤ کو زائد نہ مانا جائے تو کہنا پڑے گا کہ کلام کی ترتیب میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل کلام یوں تھا حتی اذا تنازعتم فی الامر وعصیتم فشلتم (یہ خواہ مخواہ کلام کی توڑ مروڑ ہے لہٰذا) صحیح یہ ہے کہ واؤ زائد نہیں ہے اور جزا محذوف ہے۔ یعنی جب تم ہار بیٹھے اور قیام و عدم قیام کے متعلق باہم جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی تو اللہ نے اپنی مدد روک لی اور تم پر مصیبت ڈال دی، چونکہ واؤ مطلق عطف کیلئے ہے ترتیب واقعہ کو ظاہر کرنے کیلئے نہیں ہے اس لئے نزاع اور نافرمانی پر بزدلی کی تقدیم لازم نہیں آتی۔

مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ اس فقرہ کا تعلق فشلتم سے ہے یعنی تم بزدل ہو گئے اس کے بعد کہ تم کو اللہ نے تمہاری محبوب چیز یعنی فتح اور مال غنیمت کی صورت دکھا دی تھی۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا تم میں سے کچھ تو دنیا کے طالب تھے جنہوں نے مرکز کو چھوڑ دیا اور لوٹنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اور کچھ آخرت کے طلبگار تھے جو عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھ جمے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے دنیا کا طلبگار نہیں پایا یہاں تک کہ احد کا دن آیا (اور) یہ آیت نازل ہوئی آپ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی نے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے مال غنیمت کی طلب کی تھی دنیا کی طلب نہیں کی اور انہی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ پھر تم کو تمہاری نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے کافروں کی طرف سے پھیر دیا پس پشت

یا، کافر تم پر غالب آ گئے اور تم کو شکست ہو گئی۔

لِيَبْتَلِيَكُمْ تمہاری جانچ کرنے کیلئے تاکہ اہل نفاق سے مؤمن ممتاز ہو جائیں۔ یا اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ تمہاری بیجا حرکت کی وجہ سے اللہ نے تم پر مصیبت ڈالنی چاہی۔ اس مطلب پر یہ مسئلہ نکلے گا کہ بعض لوگوں کی نافرمانی کی وجہ سے کبھی عام لوگوں پر مصیبت پڑ جاتی ہے اور یہ مصیبت نافرمان کیلئے سزا اور فرماں بردار کیلئے زیادتی اجر کا باعث ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اور اللہ نے تم سے درگزر فرمایا کہ معصیت اور حکم رسول کی مخالفت کے بعد بھی اللہ کی یہ مہربانی ہوئی کہ کفار تمہارا استیصال نہ کر سکے یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ کی نافرمانی پر جب تم نادم ہوئے تو اللہ نے تم کو معاف کر دیا۔

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ اور اللہ مؤمنوں پر بڑا مہربان ہے کہ اگر اس کی مشیت ہوتی ہے تو اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر حال میں اللہ مہربانی فرماتا ہے معصیت کے بعد مؤمنوں پر مصیبت ڈالنا بھی اس کی مہربانی ہے کہ گناہوں سے پاکیزگی اور صفائی ہو جاتی ہے۔ بغوی نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کیا میں تم کو قرآن کی وہ بزرگ ترین آیت بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت یہ ہے وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ میں تم سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتا ہوں تم پر جو بیماری، عذاب یا دنیوی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے آتی ہے (ایسے لوگوں کو) آخرت میں دوبارہ عذاب دینا اللہ کی شان سے بعید ہے اور دنیا میں اگر سزا دینے سے اللہ درگزر فرما دے تو (آخرت میں) دوبارہ پکڑنے کا اس کو اختیار ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ جب تم تیزی کے ساتھ چلے جا رہے تھے اس فقرہ کا تعلق صرفکم سے ہے یا لیبتلیکم سے یا عفا عنکم سے یا اذکر محذوف سے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی، حسن اور قتادہ کی قرأت میں تصعدون فتح تاء مجرد سے آیا ہے لیکن اجماعی قرأت بضم تاء باب افعال سے ہے۔ مفضل نے کہا کہ صعد (صعود سے) اور اصعد (اصعاد سے) اور صعّد (تصعید سے) سب ہم معنی ہیں۔ ابو حاتم نے کہا باب افعال سے اصعاد کا معنی ہے اپنے منہ کے سامنے ہموار میدان میں جانا اور صعود کا معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا۔ مبرد نے کہا اصعد یعنی دور چلا گیا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ واقعہ دونوں طرح ہوا تھا کوئی ہموار میدان میں دور نکل گیا تھا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ اور کسی کی طرف گردن موڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے یعنی شدت دہشت کی وجہ سے کوئی کسی کی طرف منہ موڑ کر نہیں دیکھتا تھا۔

وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ اور پچھلی جماعت میں (کھڑے) رسول تم کو پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں جو میری طرف مڑ کر آئے گا اس کے لئے جنت ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔

فَأَثَابَكُمْ پس اللہ نے تمہاری بزدلی اور نافرمانی کے بدلہ میں دیا۔ اثاب، ثواب سے ماخوذ ہے۔ بجائے عقاب کے ثواب کا لفظ (صرف استہزاء کے طور پر) ذکر کیا یعنی تم ثواب کی امید لگائے ہوئے تھے مگر جو حرکت تم نے کی اس کے عوض اللہ نے تم کو سزا دی (اور یہی سزا تمہارے لئے ثواب کی جگہ تھی) جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (میں عذاب کی وعید کو بشارت سے تعبیر کیا ہے)۔

غَمًّا بِغَمٍّ غم بالائے غم یعنی متواتر غم قتل، زخم، شکست، مشرکوں کی فتح اور شہادت رسول کی جھوٹی خبر کی اشاعت۔ بعض علماء نے کہا پہلے غم سے مراد ہے مال غنیمت ہاتھ سے جاتے رہنے کا غم اور دوسرے غم سے مراد ہے قتل اور زخمی ہونا اور شکست کھانا یا پہلے غم سے قتل اور زخمی ہونے کی مصیبت اور دوسرے غم سے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر مراد ہے جس نے پہلے غم کو بھلا دیا تھا یا پہلے غم سے مراد ہے گھاٹی سے خالد بن ولید کا سواروں کا دستے لے کر برآمد ہونا اور دوسرے

غم سے مراد ہے ابوسفیان کا سامنے سے نمودار ہو جانا۔ قصہ یہ ہوا کہ اس روز رسول اللہ ﷺ لوگوں کو پکارتے پکارتے اس جگہ پہنچے جہاں چٹان والے (مسلمان) جمع تھے انہوں نے جب آپ کو دیکھا تو (نہ پہچاننے کی وجہ سے) ایک شخص نے کمان میں تیر جوڑ کر آپ ﷺ کو مارنا چاہا آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں رسول اللہ ﷺ کو پا کر وہ لوگ بہت خوش ہو گئے اور ہی یقین کو پا کر رسول اللہ ﷺ کو بھی خوشی ہوئی پھر یہ لوگ فتح ستدہ مال غنیمت کا اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کا ذکر کرنے لگے اتنے میں ابوسفیاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے سے مگر گھاٹی کے دہانے پر ظاہر ہو گیا۔ مسلمان ان کو دیکھ کر فکر میں پڑ گئے اور ان کو خیال ہوا کہ یہ لوگ ہم پر لوٹ پڑیں گے اور قتل کریں گے اس خیال نے آتے ہی ان کے پہلے خیال کو بھلا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہمارے اوپر نہیں آ سکیں گے۔ اے اللہ اگر یہ گروہ مارا گیا تو زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا پھر آپ نے صحابہؓ کو آواز دی صحابہؓ نے کافروں کو پتھر مار مار کر نیچے اتار دیا۔ میں کہتا ہوں آیت سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب اسی مقام پر نازل ہوئی۔ اسی جگہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے غم سے مراد مدینہ کے لوٹے جانے کے خیال سے پیدا ہونے والا غم مراد ہو کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ جب ابوسفیان ساتھیوں سمیت کوچ کر کے مکہ کو چل دیا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مدینہ پہنچ کر بچوں اور عورتوں کو ہلاک نہ کر دیں اس لئے آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کے لئے بھیجا اور فرمایا اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو ساتھ لے جا رہے ہوں تو یقیناً وہ مدینہ کو جانا اور لوٹنا چاہتے ہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تو میں خود جا کر ان سے مقابلہ کروں گا۔ حسب الحکم حضرت علیؓ اور حضرت سعدؓ مشرکوں کے پیچھے گئے اور دیکھا کہ وہ خود اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو پہلو سے لگائے لئے جا رہے ہیں لیکن ایسا انہوں نے مدینہ کو لوٹنے کے متعلق مشورہ کرنے کے بعد کیا تھا کیونکہ صفوان بن امیہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ایسا نہ کرو (یعنی مدینہ پر چڑھائی نہ کرو)۔

آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر کے جو غم تم نے رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا تھا اس کے بدلہ میں اللہ نے تم کو غم دیا۔

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ تاکہ تم فوت شدہ فتح اور مال غنیمت پر غمگین نہ ہو۔ (تحزنوا میں لا معنی کے اعتبار سے زائد ہے۔

وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ اور قتل ہونے زخمی ہونے اور شکست ہونے کی جو مصیبت تم پر پڑی ہے اس پر بھی تم غمگین نہ ہو۔

آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے تم کو پیہم غم دیا اس کی غرض یہ تھی کہ مصائب پر صبر کرنے کی تم میں جرأت پیدا ہو اور آئندہ کسی فوت شدہ فائدے یا پہنچنے والے دکھ سے تم کو رنج نہ ہو۔ میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ نے مسلسل غم کے عوض تم کو ثواب عطا فرمایا اور نبی کی زبانی تم کو اس کی اطلاع کر دی تاکہ فوت شدہ فائدے اور پہنچے ہوئے دکھ کا تم کو غم نہ ہو بلکہ اللہ کے ثواب کی خبر پا کر تم خوش ہو جاؤ۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اثاب کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور باء سببیہ یا معیت کے لئے ہے یعنی اس غم میں رسول اللہ ﷺ تمہارے برابر کے شریک ہو گئے۔ مطلب یہ کہ جس مصیبت کی وجہ سے تم غمگین ہوئے تمہاری طرح رسول اللہ ﷺ بھی ہوئے اور نافرمانی پر انہوں نے تم کو ملامت نہ کی تاکہ تم کو تسلی رہے اور فوت شدہ نعمت اور پہنچنے والی مصیبت کا تم کو غم نہ ہو۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ اور اللہ تمہارے اعمال سے اور عمال کی غرض سے باخبر ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً پھر اے گروہ اہل اسلام اللہ نے غم کے بعد تمہارے لئے امن یعنی قلبی اطمینان اور سکون اتارا۔ نزول رحمت کے وقت اس سکون کا وجدان صوفی کو ہوتا ہے۔

نُّعَاسًا یعنی اونگھ۔ یہ امنۃ سے بدل یا انزل کا مفعول ہے۔ ممکن ہے کہ نعاس سے مراد وہ استغراقی کیفیت ہو جو نزول رحمت کے وقت صوفی کو حاصل ہوتی ہے اور وہ تمام ماسوا سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت اونگھ سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔

يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ جو تمہارے ایک گروہ پر چھا گئی تھی۔ یہ گروہ اہل ایمان کا تھا۔

بخاری وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا کہ احد کی دن جب ہم صف بند میدان میں تھے کہ ہم پر اسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری جا رہی تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا وہ گری جا رہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ ثابتؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا احد کے دن میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو لوگوں میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آیا کہ اونگھ کی وجہ سے ڈھال کے نیچے وہ جھکا نہ پڑ رہا ہو۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ اور ایک گروہ یعنی منافقوں کو (صرف) اپنی جانوں کی فکر تھی (اس لئے وہ نزول امن و سکون خاطر سے محروم رہے) یا یہ مطلب ہے کہ ان کے نفسوں نے خود ان کو غموں میں ڈال دیا تھا اور وہ سکون و اطمینان سے محروم تھے۔

يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ اللہ کے متعلق وہ ناجائز گمان رکھتے تھے یعنی یہ گمان رکھتے تھے کہ اللہ محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا یہ خیال کرتے تھے کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ اہل جاہلیت یعنی مشرکوں اور کافروں کے گمان کی طرح۔

يَقُوْلُوْنَ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کہتے ہیں۔

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ استفہام انکاری ہے یعنی جس نصرت کا وعدہ اللہ نے کیا تھا ہم کو اس سے کچھ نہیں ملا روایت میں آیا ہے کہ بنی خزرج کے شہید ہونے کی اطلاع جب ابن ابی کو ملی تو اس نے یہ بات کہی۔

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم کو خود اپنی تدبیر اور انتظام کرنے سے روک دیا گیا، ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا یا یہ مطلب ہے کہ کیا ہم پر سے یہ جبر بھی دور ہو گا اور اپنے معاملہ کا اختیار ہم کو حاصل ہو گا۔

ابن راہویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت زبیرؓ بن عوام نے فرمایا مجھے (اب تک) کو کہ رہا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ سخت خوف کا وقت تھا تو اللہ نے ہم پر نیند مسلط کر دی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں رہا کہ اس کی ٹھوڑی سینہ سے نہ جا لگی ہو خدا کی قسم مجھ پر اونگھ چھائی ہوئی تھی اور ایک خواب کی طرح میں معتب بن قشیر کا یہ قول سن رہا تھا لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا اسی کے متعلق اللہ نے آیت ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تک نازل فرمائی۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں کہ حکم سارا اللہ ہی کا ہے وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور جیسی مشیت ہوتی ہے کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حقیقی غلبہ تو اللہ اور اس کے دوستوں ہی کو حاصل ہے اللہ کا گروہ ہی غالب رہتا ہے لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے بعض اوقات اس کا (ظاہری طور پر) ظہور نہیں ہوتا۔

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ وہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے رکھتے ہیں جن کا تم پر اظہار نہیں کرتے یعنی ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے طلبگار اور فتح کے خواستگار ہیں مگر باہم ایک دوسرے سے اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ یعنی ان الامر کلہ للہ کا انکار کرتے ہوئے آپس میں پوشیدہ طور پر کہتے ہیں۔

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا کہ اگر ہمارے لئے وہی ہوتا جو محمد ﷺ نے وعدہ کیا تھا یا جو محمد ﷺ کا خیال تھا کہ غلبہ پورا اللہ کو اور اس کے دوستوں کو ہوتا ہے تو ہم یہاں مارے نہ جاتے یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہمارا

اختیار ہوتا اور ہماری تدبیر چلتی تو ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے جیسا کہ ابن ابی وغیرہ کا مشورہ تھا اور یہاں قتل نہ ہوتے۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ آپ کہہ دیں کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کیلئے قتل ہونا لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا اور مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور چل خوابگاہوں یعنی قتل گاہوں میں نکل کر پہنچتے مدینہ میں قیام ان کیلئے سود مند نہ ہوتا جب تک وہ مدینہ کے اندر ٹھہر ہی نہ سکتے۔

وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اس کا تعلق برز سے ہے اور عطف محذوف پر ہے یعنی گھروں میں بیٹھ رہنے والے بھی ضرور اپنی قتل گاہوں میں آتے (اور مارے جاتے) کیونکہ حکم الٰہی کا نفاذ ضروری تھا اس کے علاوہ دوسری مصلحتیں بھی تھیں۔ نیز دلوں کے اخلاص اور نفاق کی جانچ اور پوشیدہ خیالات کا اظہار بھی مقصود تھا یا اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے اور جملہ کا عطف سابق جملہ پر ہے یعنی اللہ نے ایسا کیا تاکہ امتحان کرے۔ یا کیلا تحزنوا پر عطف ہے۔

وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ۗ اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کے خیالات کو کھول دے اور چھانٹ دے یعنی اے مسلمانو تمہارے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے وسوسوں کو دور کر دے۔

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اور اللہ تمہارے اندرونی خیالات سے بخوبی واقف ہے نہ اس کو اظہار کی ضرورت ہے نہ جانچ کی، صرف مسلمانوں کو کھرا اور منافقوں کے حال کو ظاہر کرنا اور ان کے خلاف دلیل قائم کرنا اس کی علت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ جس روز دونوں گروہ یعنی اہل اسلام و اہل شرک کا مقابلہ ہوا اور تم میں سے جو مسلمان پیٹھ دے کر شکست کھا کر بھاگ گئے۔ یہ احد کے دن کا واقعہ ہے سوائے تیرہ آدمیوں کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی باقی نہیں رہا سب بھاگ گئے اور عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھ صرف دس آدمی قائم رہے (چالیس آدمی ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے)۔

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بس شیطان نے ڈگمگا دینا چاہا، شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈال کر لغزش یعنی گناہ پر آمادہ کر دیا۔ ازل اور استزل کو ہم معنی بھی کہا گیا ہے۔

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے کہ بعض لوگوں نے مرکز کو چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔

حسن بصری نے فرمایا کسبوا سے مراد ہے شیطان کے وسوسہ کو مان لینا۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ یقیناً اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔

جب مصر والوں نے حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کی، احد کے دن آپؓ کے فرار ہونے کا ذکر کیا اور جنگ بدر اور بیعت رضوان سے غیر حاضر ہونے کا بھی اظہار کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یک بات ان کے جواب میں فرمائی، فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ جنگ احد سے فرار کو تو اللہ نے معاف فرما دیا اور بدر سے غیر حاضری کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کے عقد میں تھیں اور بیمار تھیں (جن کی وجہ سے بہ اجازت آپ کو رکنا پڑا) اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ شرکاء بدر کے برابر تم کو ثواب بھی ملے گا اور حصہ بھی رہا بیعت رضوان سے غیر حاضر رہنے کا معاملہ تو وادی مکہ کے اندر اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی معزز شخص ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کو (قریش مکہ کے پاس) بھیج دیتے (لیکن عثمانؓ ہی سب سے زیادہ عزت والے تھے اس لئے) حضور ﷺ نے آپ کو مکہ بھیج دیا تھا اور ان کے جانے کے بعد بیعت رضوان ہوئی، پس حضور ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے پھر اس کو دوسرے ہاتھ پر خود ہی مارا اور فرمایا یہ عثمانؓ کی بیعت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد نکتہ چینی کرنے والے سے فرمایا اب اس (تفصیل) کو اپنے ساتھ لے جا۔ (رواہ البخاری)۔

لہٰذا جنگ احد سے فرار کرنے کی بنیاد پر کسی صحابی کو مطعون کرنا جائز نہیں، اس کے علاوہ یہ امر بھی تو ہے کہ فرار کی ممانعت سے پہلے یہ واقعہ ہوا تھا (اس لئے قابل طعن نہیں ہے کیونکہ ورود حکم سے پہلے عدم تعمیل کوئی جرم نہیں بلکہ قابل تصور ہی نہیں)۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بڑی مغفرت اور حلم والا ہے (اس لئے اس نے اہل قرار سے مواخذہ نہیں کیا اور معاف فرما دیا)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا اے اہل ایمان تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا، کافروں سے مراد ہیں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی منافق۔

منافقوں کی طرح نہ ہو جانے کا حکم اس لئے دیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی قوم (کے افکار و اعمال) کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہو گا۔ اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابوداؤد نے مرفوعاً اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے طبرانی نے مرفوعاً نقل کیا ہے، خصوصاً اس مشابہت (سے تو اجتناب فرض ہے) جو موجب کفر ہو، اس جگہ جس مشابہت کو اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ موجب کفر ہی ہے کیونکہ یہ تقدیر کا انکار ہے اور تقدیر کا انکار کفر ہے۔

وَقَالُوا اور انہوں نے کہا، قالوا اگرچہ ماضی ہے لیکن اس جگہ استقبال کا معنی مراد ہے کیونکہ آگے اذا صربوا اس کا ظرف (یعنی ظرف زمان) آیا ہے اذ نہیں ہے اور اذا اگر ماضی پر بھی داخل ہو تب بھی معنی استقبال کے ہوتے ہیں (کیں مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر کہیں گے) لیکن صیغہ استقبال کی جگہ ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ قول یقیناً کہنا، یقینی تھا اور مستقبل میں جو بات یقینی الوقوع ہو اس کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے (گویا وہ بات ہو گئی) جیسے اذا السماء انشقت میں (کہ اگرچہ آسمان ابھی نہیں پھٹا لیکن پھٹنا یقینی ہے اس لئے ستشق مضارع کی جگہ انشقت ماضی ذکر کیا ہے)۔

لِإِخْوَانِهِمْ اپنے نسبی بھائیوں کے متعلق یا منافق بھائیوں سے

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ لاخوانہم کا مطلب اپنے بھائیوں کے بارے میں اور ان کے متعلق ہے (یعنی لاخوانہم کا ترجمہ بھائیوں سے نہیں ہے) کیونکہ آیت لوکانوا عندنا ماماتوا وما قتلوا بتا رہی ہے کہ اخوانہم سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو مخاطب تھے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو مر چکے یا مارے جا چکے تھے)۔

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے اخوانہم سے مراد مخاطب ہی ہوں کیونکہ کچھ لوگ تو حاضر تھے ہی اور لوکانوا عندنا الخ میں وہ لوگ مراد ہوں جو مر گئے یا مارے گئے۔ اگر کسی فعل کے فاعل جماعت کے اندر چند اشخاص ہوں تو فعل کی نسبت جماعت کی جانب کر ہی دی جاتی ہے۔ اگر اخوان سے برادران نفاق مراد ہوں تو پھر صرف مخاطب ہی مراد ہوں گے کیونکہ غازی (سفر جہاد پر جانے والے) اکثر وہ لوگ تھے جو منافق نہ تھے۔

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ جب وہ تجارت وغیرہ کے لئے ملک میں چلیں پھریں اور دور نکل جائیں۔ اذا کا تعلق قالوا سے ہے، گویا تینوں افعال کے صدور کا وقت ایک ہی ہے، ملک میں جانا مر جانا اور پھر کافروں کا یہ بات کہنا ایک ہی مدت زمانہ کے واقعات ہیں۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ قالوا ماضی کا صیغہ ہے اس لئے بجائے اذا کے اذ ہونا چاہئے تھا لیکن گذشتہ حال کی اس وقت حکایت کی گئی ہے (تو گویا قالوا ماضی کا صیغہ نہیں رہا بلکہ حال کا صیغہ ہو گیا اس لئے اذا لایا گیا) بیضاوی کا یہ قول قابل اعتراض ہے کیونکہ ماضی کے ساتھ اذا کا لانا تو ماضی کو مستقبل بنا دیتا ہے حال کا معنی پیدا نہیں ہوتا پھر ماضی کی حکایت کر کے ماضی کو حال فرض کر لیا جائے یا حال کے کلام کو ماضی میں قرار دے دیا جائے کوئی صورت جائز نہیں، نہ اذا کے دخول سے ماضی حال بنتی ہے نہ اذا کے ساتھ ماضی لانے سے حال ماضی ہوتا ہے بلکہ ماضی مستقبل ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ قالوا کا معنی اس جگہ استقبال کا ہے۔

أَوْ كَانُوا غُزًّى غزی، غازی کی جمع ہے جیسے عفی، عافی کی جمع ہے یعنی سفر پر ہوں یا جہاد پر پھر

مر جائیں یا جہاد میں مارے جائیں۔

لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے (اور سفر پر نہ گئے ہوتے) تو مرتے نہیں اور (جہاد پر نہ جاتے تو) مارے نہ جاتے۔ یہ بات کہنے کی وجہ یہ تھی کہ تقدیر پر ان کا ایمان نہ تھا۔ (اسلام میں) فرقہ قدریہ بھی اسی کا قائل ہے۔

لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ لام عاقبت کا ہے (یعنی لام کے بعد والا کلام پہلے کلام کا نتیجہ اور علت ہے) اور ذلک سے اشارہ اعتقاد کی جانب ہے اور لام کا تعلق قالوا سے ہے یعنی ان کا عقیدہ مذکورہ جس پر ان کا قول دلالت کر رہا ہے آخر کار ان کی قلبی حسرت بن جائے گا۔ لاتکونوا سے لام کا تعلق ہے یعنی منافقوں کی طرح تمہارا عقیدہ اور قول نہ ہونا چاہیے تاکہ تمہارا یہ عقیدہ اور قول ان کے لئے حسرت بن جائے عقیدہ اور قول کی مخالفت منافقوں کے لئے حسرت آفریں ہے۔

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ اور اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے یعنی نہ سفر و جہاد موت آور ہیں نہ ترک سفر و جہاد حیات آفریں بھی مقیم خانہ نشین مر جاتا ہے اور مسافر مجاہد زندہ رہتا ہے۔

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے اس آیت میں اہل ایمان کو منافقوں کی مشابہت (اعتقادی و عملی) اختیار کرنے سے تہدید ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے بھی گئے یا مر گئے۔ نافع، حمزہ اور کسائی کے نزدیک مِتُّم ہر جگہ بکسر میم باب خاف یخاف (سمع یسمع) سے ہے اور ابن کثیر و ابو عمرو و ابن عامر و ابو بکرؒ کے نزدیک بضم میم۔ باب نصر ینصر سے ہے حفص کے نزدیک مُتُّم یہاں دونوں جگہ نصر ینصر سے بضم میم ہے باقی مقامات پر مِتُّ مِتْنا بکسر میم۔

لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ یہ کلام جواب قسم ہے اور جزاء شرط کے قائم مقام ہے۔ یعنی سفر اور جہاد کو موت اور زندگی میں کوئی دخل نہیں اللہ ہی حیات بخش اور موت آفریں ہے لیکن ظاہری طور پر اگر سفر و جہاد موت کا سبب نظر آتا بھی ہے تب بھی ایسی موت جس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے گناہوں کی مغفرت اور رحمت حاصل ہو اس دنیوی مال و متاع سے بہتر ہے پس مناسب یہی ہے کہ آخرت و خیر کی طلب کی جائے اور فوت شدہ دنیا کا افسوس نہ کیا جائے۔

وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ اور اللہ کی راہ میں اگر تم مر گئے یا مارے گئے خواہ کسی طور پر ہو تو اللہ ہی کی طرف تمہارا حشر ضرور ہوگا کسی دوسرے کے پاس جانا نہ ہوگا اس لئے تم کو مکافی کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ کی محبت تم کو حاصل ہو تاکہ مرنے کے بعد تم فراق کے قید خانہ سے چھوٹ کر بارگاہ محبوب تک پہنچ جاؤ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ پس اللہ ہی کی عظیم الشان رحمت (جو تم پر اور تمہاری امت پر ہے) کی وجہ سے تم مومنوں کے حق میں نرم دل ہو اور باوجودیکہ انہوں نے تمہارے حکم کے خلاف کیا پھر بھی ان کی تکلیف پر اللہ کی توفیق اور خدا داد قلبی وجدان کے زیر اثر رنجیدہ ہوتے ہو۔ تمہاری یہ نرمی قلب باعث رحمت اس وجہ سے ہے کہ

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ اگر تم درشت روز شت خو اور سخت دل ہوتے۔ **لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ** تو وہ تمہارے آس پاس سے بچھڑ جاتے آپ کے پاس نہ رہتے اور دائرہ اسلام سے نکل جاتے اور جنت کے استحقاق سے محروم ہو جاتے اور متبعین کی تعداد کم ہونے سے تمہارا اجر کم ہو جاتا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ پس ان پر جو تمہارا حق ہے اس سے در گزر کرو ان کو معاف کرو۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اور اللہ کے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں اور یہ ادا نہیں کر سکے ہیں ان کے لئے ان حقوق کی

معافی کی اللہ سے دعا کرو۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور جنگ کا معاملہ ہو یا کوئی اور معاملہ بہر حال جن چیزوں کا تعلق مشورہ سے ہو اور اللہ کی طرف سے تم کو کوئی خاص ہدایت نہ ملی ہو تو ان کی رائے طلب کرو تاکہ تم کو ان کے مشورہ سے قوت حاصل ہو اور ان کے دل بھی خوش ہو جائیں اور امت کیلئے بھی باہمی مشاورت کا ایک دستور مقرر ہو جائے۔ بغوی نے تی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں کیلئے مشورہ لینے والا میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

فَإِذَا عَزَمْتَ پھر جب مشورہ کے بعد تمہارا ارادہ محکم ہو جائے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تو اللہ پر بھروسہ کرو، اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو اور اس پر اعتماد رکھو۔ رسول اللہ ﷺ کی یہی حالت تھی۔ اسی لئے جب احد کے دن جنگ کے ارادہ سے برآمد ہو گئے (اور پھر پشیمان ہو کر لوگوں نے روکنا چاہا) تو فرمایا کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ جب اس نے زرہ پہن لی ہو تو بغیر جنگ کے اتار دے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ باہم مشورہ کے بعد مشورہ سے جو کچھ طے ہو اس پر عمل کرو اور اعتماد اللہ پر رکھو یہ مطلب نہیں کہ اپنی رائے پر عمل کرو (اور مشورہ کو نظر انداز کر دو) کیونکہ غیب کا علم تو اللہ کو ہے مگر باہم مشورہ کے بعد افکار و خیالات کے رد و بدل سے وہ بات نکل آتی ہے جو زیادہ مفید ہوتی ہے۔ پھر بھی نتائج مشورہ قابل بھروسہ نہیں ہوتا کہ یقیناً مفید ہی ہو کیونکہ انسانی افکار کی رفتار کبھی اندھا دھند ہوتی ہے اور اللہ معینوں کے خلاف بھی نتیجہ پیدا کر دیتا ہے اس لئے بھروسہ لوگوں کی رائے پر نہیں صرف اللہ پر ہونا چاہئے۔

توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے سپرد کر دی جائے اسی سے درخواست کی جائے کہ کوشش کا نتیجہ اچھا نکلے اور اللہ پر بدگمانی نہ کی جائے حسن ظن رکھا جائے (کہ وہ ضرور اچھا نتیجہ نکالے گا)۔

بعض علماء کا قول ہے کہ رزق حاصل کرنے کے لئے اللہ کی نافرمانی نہ کرنا توکل ہے اس قول پر اللہ کی طرف (رزق کے معاملے میں) رجوع کرنا لازم ہے لیکن گناہ کے معاملہ میں اللہ سے التجا کا کوئی معنی نہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ توکل کا معنی یہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے اللہ کے سوا کسی کو ناصر اور رزق کا کسی کو خازن اور اعمال کا کسی کو نگراں نہ قرار دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہوں گے فرمایا وہ لوگ جو داغ نہیں لگواتے، منتر نہیں پڑھتے پڑھواتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ متفق علیہ۔ بغوی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تم کو اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں، رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔

اگر شبہ کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری معمولی اسباب کو ترک کر دینا توکل ہے جیسے (زخم وغیرہ کے لئے) داغ نہ لگوانا اور منتر، افسوں کو ترک کرنا۔ میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہے (ترک

لہ (حاشیہ از مؤلف قدس سرہٗ) حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ آیت وشاورھم فی الامر میں ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ لینے کا حکم ہے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں مشورہ میں متفق الرائے ہو جاؤ تو میں مخالفت نہیں کروں گا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ جنگ کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ مشورہ لیا کرتے تھے اس لئے تم بھی مشورہ لیا کرو، ضحاک نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشورہ لیا کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی۔ ۱۲

اسباب نہیں) بلکہ اسباب پر اعتماد نہ کرنا توکل ہے۔ دیکھو مشورہ لینا بھی تو ایک طرح کے سبب کا استعمال ہے جس کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس پر اعتماد کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ رہی حدیث ابن عباسؓ تو اس کے آخر میں وعلی ربہم یتوکلون داغ نہ لگوانے اور فسوں نہ کرنے کرانے کی تفسیر نہیں ہے۔

عطف غیریت کو چاہتا ہے اور ان دونوں جملوں کے مفہوم میں تغایر و تضاد نہیں ہے۔

اور شاید ستر ہزار سے مراد وہ لوگ ہیں جو کثرت سے اسباب کا استعمال نہیں کرتے (کیونکہ مطلقاً ترک اسباب تو ممکن ہی نہیں) یا ترک تشبث سے مراد ہے اسباب مکروہ کو چھوڑ دینا کیونکہ اسباب کا استعمال تو زندگی کے لوازم میں سے ہے (ان کا ترک تو ناممکن ہے) کھانا پینا عادۃً زندگی کے اسباب میں سے ہے۔ نماز روزہ دعا یقیناً حصول جنت کا سبب ہے اور ان کو ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور اللہ کا محبوب ہونا ہی سب سے اونچا مقصد ہے اس کے علاوہ توکل علی اللہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ مدد فرماتا ہے اور (دین و دنیا کی) صلاح کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ حدیث قدسی میں آیا ہے میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوں (یعنی بندہ جیسا مجھ پر اچھا یا برا گمان کرتا ہے میں ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک کرتا ہوں)۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو پھر کوئی تم پر غلبہ پانے والا نہیں کیونکہ جو اللہ کی طرف سے مدد یافتہ ہو وہ کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتا ورنہ اللہ کا عجز اور کمزور ہونا لازم آئے گا جو قطعاً محال ہے۔

وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ اور اگر وہ تم کو بے مدد چھوڑ دے اور اپنی مدد کو روک دے تو پھر کون تمہاری مدد کر سکتا ہے (استفہام انکاری ہے) یعنی کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ بندوں کے تمام افعال اللہ کے پیدا کردہ ہیں اس لئے اگر وہ بے مدد چھوڑ دے تو پھر کسی کی طرف سے مدد کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

مِنْ بَعْدِهِ اس کے مدد نہ کرنے کے بعد یا یہ مطلب ہے کہ جب تم نے اللہ سے مدد کی طلب چھوڑ دی تو کسی دوسرے کی طرف سے مدد کا تصور ممکن ہی نہیں۔ شرعاً اللہ پر توکل رکھنے کا حکم بصیغہ امر واجب ہے لیکن اس آیت میں توکل کے عقلی وجوب کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو توکل کرنا چاہئے کیونکہ وہ جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ مال غنیمت میں خیانت کرنا نبی سے بعید ہے۔ غلول مال غنیمت میں خیانت کرنا۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول وحی کے متعلق ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی لالچ یا خوف یا سہل انگاری کی وجہ سے وحی کا کچھ حصہ ظاہر نہ کرنا نبی کے لئے جائز نہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ کچھ طاقتور لوگوں نے اصرار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مال غنیمت کی طلب کی، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ کہ مال غنیمت میں خیانت کرنا کہ کسی گروہ کو دے اور کسی کو نہ دے۔ نبی کے لئے جائز نہیں بلکہ مساوات کے ساتھ سب کو تقسیم کرنا اس پر لازم ہے۔ ابوداؤد و ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن بھی کہا ہے کہ اس آیت میں اس سرخ دھاری والی کملی کا بیان ہے جو بدر کے دن گم ہو گئی تھی اور بعض لوگوں نے خیال کیا تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مال غنیمت میں خیانت نبی ﷺ کے لئے درست نہیں۔

کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ آیت کا نزول جنگ احد کی غنیمت کے متعلق ہوا جب تیر اندازوں نے احد کی گھاٹی کے مرکز کو چھوڑ دیا اور کہنے لگے ہم کو اندیشہ ہے کہیں رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرما دیں کہ جس نے جو چیز لی ہو وہ اسی کی ہے اور بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی غنیمت کی تقسیم نہ کریں پس اس خیال سے انہوں نے اپنی مقررہ جگہ چھوڑ دی اور اموال غنیمت پر ٹو

پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیدیا تھا کہ جب تک میرا حکم تم کو نہ پہنچے اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ کہنے لگے ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کو وہیں کھڑا چھوڑ آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ بات یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا کہ ہم مال غنیمت میں خیانت کرلیں گے بانٹ کر تم کو نہیں دیں گے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں اور ابن جریرؒ نے ضحاک کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ جاسوس دشمن کے حال کی دیکھ بھال کے لئے بھیجے تھے ان کی غیر حاضری میں رسول اللہ ﷺ نے سب تمیموں کو مال غنیمت بانٹ دیا اور جاسوسوں کو کوئی حصہ نہیں دیا اس پر اس آیت کا نزول ہوا پس بعض مستحقین کے محروم رہ جانے کو غلول فرمایا۔ اگرچہ یہ خیانت نہ تھی لیکن سختی اور مبالغہ کی وجہ سے اس کو خیانت قرار دیا۔ آیت کی دوسری قرأت میں ان یُغَلَّ فعل مجہول آیا ہے یعنی نبی کو خائن قرار دینا جائز نہیں یا یہ مطلب کہ نبی سے امت کا خیانت کرنا جائز نہیں۔

قتادہ نے فرمایا ہم سے بیان کیا گیا تھا کہ کچھ صحابہ نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی ان کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ طبرانی نے کبیر میں باوثوق سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کہیں بھیجا مگر اس کا جھنڈا (ناکام) واپس آ گیا پھر بھیجا تو پھر واپس آگیا اور وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ہرن کے سر کے برابر سونے کی خیانت کرلی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن چرائے ہوئے مال کے ساتھ آئے گا (لازم مال کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا) کلبیؒ نے کہا دوزخ کے اندر اس چرائی ہوئی چیز کی ہم شکل کوئی شے بنادی جائے گی اور اس خائن سے کہا جائے گا جا اتر کر اس کو لے لے وہ اتر کر اس چیز کو پشت پر اٹھا کر لے آئے گا جب اپنی جگہ آجائے گا تو وہ چیز چھوٹ کر پھر اندر گر پڑے گی اور اس شخص کو حکم دیا جائے گا کہ اتر کر جائے اور اس چیز کو لاد کر لے آئے وہ ایسا کریگا اور یہی معاملہ اس کے ساتھ (خدا جانے کب تک) ہوتا رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب نکلے وہاں سونا چاندی کچھ لوٹ میں ہاتھ نہیں آیا صرف اونٹ، کپڑے اور سامان ملا یہاں سے حضور ﷺ نے وادی قریٰ کا رخ کیا۔ ایک حبشی غلام جس کا نام مدعم تھا رفاعہ بن زید نے رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کیا تھا (وہ بھی ساتھ تھا) جب ہم وادی قریٰ میں پہنچ گئے اور مدعم رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کا کجاوہ اتارنے لگا تو اچانک ایک نامعلوم تیر اس کے آلگا معلوم نہیں کس نے مارا اس تیر سے وہ مر گیا لوگوں نے کہا اس کو جنت مبارک ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چھوٹی کملی جو اس نے خیبر کی جنگ میں مال غنیمت سے لے لی تھی اور اس کے حصہ میں نہیں آئی تھی وہ اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ بات سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور خدمت گرامی میں پیش کر دیئے۔ فرمایا ایک یا دو تسمے بھی آگ کے ہیں (یعنی اگر داخل نہ کئے جاتے تو مرنے کے بعد یہ آگ کے ہو جاتے) رواہ البغوی۔

شیخین کی روایت میں بحوالہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک غلام جس کا نام مدعم تھا بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص کا انتقال ہو گیا لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھو یہ سن کر لوگوں کے رنگ فق ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے راہ خدا میں خیانت کی ہے ہم نے اس کا سامان کھول کر دیکھا تو اس میں یہودیوں سے لوٹے ہوئے کچھ نقلی موتی (پوتھ) ملے جو دو درہم کی قیمت کے ہوں گے۔ رواہ مالکؒ والنسائی۔

حضرت ابو حمید ساعدی راوی ہیں کہ قبیلہ ازد کا ایک شخص تھا جس کا نام ابن اللتبیہ تھا اسے رسول اللہ ﷺ نے وصول صدقہ کا افسر بنا کر بھیجا جب وہ مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو (کچھ مال پیش کر کے) کہنے لگا یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ

میں دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا امابعد اللہ نے جن امور کا مجھے منتظم بنایا ہے میں ان میں سے بعض کاموں کا ناظم تمہارے بعض اشخاص کو بناتا ہوں پس وہ آ کر کہتے ہیں کہ یہ (مال تو اے مسلمانو) تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے آخر وہ اپنی ماں اور اپنے باپ کے گھر کیوں نہیں بیٹھ رہتا کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ (گھر بیٹھے) اس کے پاس آ جاتا خدا کی قسم جو شخص بھی تم میں سے کوئی چیز ناحق لے گا وہ ضرور جب اللہ کے سامنے جائے گا تو وہ چیز اپنے اوپر لادے ہو گا میں تم میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اللہ کی پیشی کے وقت بلبلاتے اونٹ کو یا بانگتی گائے کو یا ممیاتی بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے لائے۔ متفق علیہ۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ پھر حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے (تیرا حکم) پہنچا دیا۔ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا۔

حضرت عدی بن عمیرہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ہم نے جس کسی کو تم میں سے کسی کام پر مقرر کیا اور اس نے ہم سے ایک سوئی یا اس سے زیادہ کوئی چیز چھپالی تو یہ چوری ہوگی جس کو ساتھ لے کر قیامت کے دن اس کو آنا ہوگا۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (خطاب کرنے) کھڑے ہوئے اور (مال زکوٰۃ یا مال غنیمت کی) خیانت کو بڑا جرم بتایا اور فرمایا خوب سن لو قیامت کے دن تم میں سے کسی کی ایسی حالت میں مجھ سے ملاقات نہ ہو کہ اس کی گردن پر بلبلاتا اونٹ سوار ہو اور وہ کہہ رہا ہو یا رسول اللہ ﷺ دہائی ہے اور میں کہوں اللہ کے مقابلہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں تو تجھے حکم پہنچا چکا تھا پھر حضور ﷺ نے اس شخص کا ذکر کیا جس کی گردن پر گھوڑا اور بکری اور سونا چاندی لدا ہوگا اور اس سے آگے وہی فریاد کرنے اور مدد نہ کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ بخاری و مسلم۔

ابو یعلی اور بزار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت سعد بن عبادہ اور بلب کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن عمرؓ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن مسعود اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کی روایت سے اسی طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں اور یہ تمام احادیث مال زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے متعلق ہیں جو مال زکوٰۃ میں خیانت کرتے ہوں۔

حضرت ابومالک اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے بڑی خیانتی چوری گز بھر زمین کی ہے کسی زمین یا مکان میں اگر دو شخص ہم جوار (شریک) ہوں اور ایک دوسرے کے حق کی ایک گز زمین کاٹ لے تو قیامت کے دن اللہ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنائے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے (عامل بنا کر) یمن کو بھیجا اور فرمایا میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لے لینا کیونکہ وہ خیانتی چوری ہوگی ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ جو شخص خیانتی چوری کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانتی مال کے ساتھ آئے گا۔

عمرو بن شعیبؒ کے اسلاف راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیانتی چور کا سامان جلوا دیا اور اس کو مارا۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامان پر ایک شخص مقرر تھا جس کو کرکرہ کہا جاتا تھا کرکرہ مر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے لوگ اس کا سامان دیکھنے گئے تو اس میں ایک عبا ملا جس کی اس نے خیانت کی تھی۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیبر کے دن صحابہؓ کی ایک جماعت آئی اور کہنے لگی فلاں شہید ہوا فلاں شہید ہوا یہاں تک کہ ایک آدمی (کے جنازہ) کی طرف سے گزرے اور بولے فلاں شہید ہوا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اس کو آگ میں دیکھا ہے ایک چادر کی خیانت کرنے کی وجہ سے یا فرمایا ایک عبا

کی خیانت کی وجہ سے۔ پھر فرمایا اے خطاب کے بیٹے جا اور تین بار لوگوں میں منادی کردے کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے حسب الحکم میں نے باہر نکل کر تین بار لوگوں میں منادی کردی کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے۔ رواہ مسلم

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہوگا یعنی کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝ اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی یعنی نہ اطاعت گزار کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ نافرمان کے عذاب میں زیادتی۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ بھلا جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کی اتباع کی ہے یعنی انصار اور مہاجرین۔

كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا یعنی منافق اور بعض فاسق۔

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ حالانکہ اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ اور جہنم برا مقام واپسی ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ مرضی خدا کا اتباع کرنے والے اور اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹنے والے مختلف درجات والے ہیں مختلف مراتب ہیں ثواب و عذاب میں اول و دوئم کا بڑا تفاوت ہے اس لئے ان لوگوں کو درجات فرمایا۔

عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک بعض مومن، بعض مومنوں سے اللہ کے زیادہ مقرب ہوں گے اور بعض کفار و نافرمان دوسرے کافروں اور نافرمانوں سے دوزخ کے زیادہ نچلے درجہ میں ہوں گے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝ اور اللہ ان کے اعمال سے واقف ہے پس اعمال کے موافق بدلہ دیگا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک المؤمنین سے مراد ہیں صرف حضور ﷺ کے خاندان (قریش) کے مومن کیونکہ نعمت بعثت اگرچہ تمام مومنوں کے لئے عمومی ہے لیکن قریش کو زیادہ فائدہ حاصل ہوا اور حضور ﷺ کی ذات سے خصوصی بزرگی ملی۔ اس لئے قریش پر یہ اللہ کا خصوصی احسان تھا کہ ان میں سے اللہ کا پیغمبر مبعوث ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ قریش کے تابع ہیں (عام) مومن قریشی مومنوں کے اور (عام) کافر قریشی کافروں کے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ امر یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی جب تک ان میں سے دو شخص بھی باقی رہیں گے (یہ خبر بمعنی امر ہے یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہنی چاہئے لیکن یہ حکم بشرط صلاحیت و تقویٰ ہے۔ فاسقوں اور ظالموں کے خلیفہ بنانے کے لئے امر نہیں ہے) بعض علماء کا خیال ہے کہ المؤمنین سے عرب کے تمام مومن مراد ہیں کیونکہ بنی تغلب کے علاوہ باقی ہر عربی قبیلہ کا قریش سے کچھ نہ کچھ نسبی تعلق ہے اللہ نے فرمایا ہے هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم (الامیین) سے عام عرب مراد ہیں اس لئے المؤمنین سے بھی عام عربی مومن مراد ہونا چاہئے)۔

من انفسهم سے مراد ہے من جنسهم یعنی اللہ نے رسول کو عربوں کی جنس کا بنایا تاکہ آسانی سے اس کا کلام سمجھ لیں اور اس کی صداقت و امانت کی حالت سے واقف ہوں اور اس کی وجہ سے قابل فخر ہو جائیں۔ حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے بغض نہ رکھنا (یعنی نفرت نہ کرنا) ورنہ دین سے الگ ہو جائے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں۔ حضور ﷺ ہی کے ذریعہ سے تو اللہ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا عرب سے بغض رکھے گا تو مجھ سے بغض رہے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ تمام مومن مراد ہیں (عجمی ہوں یا عربی) جیسے آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

میں تمام انسان مرد ہیں یعنی پیغمبر انسانوں میں سے آیا کوئی فرشتہ نہیں آیا تاکہ نوعی مناسبت کی وجہ سے اثر آفرینی اور اثر پذیری (بآسانی) ہو سکے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا۔ اگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے رہتے بستے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے (مگر انسانوں کے لئے تو انسان ہی رسول ہونا چاہئے)۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ جو اللہ کی آیات یعنی قرآن ان کو پڑھ کر سناتا ہے حالانکہ وہ پہلے کچھ نہ جانتے تھے۔

وَيُزَكِّيهِمْ اور ان کو پاک کرتا ہے یعنی ان کے دلوں کو غلط عقائد اور اللہ کے سوا دوسروں کے ساتھ لو لگانے سے پاک کرتا ہے۔ نفوس کو رذیل خصائل سے طاہر بناتا ہے اور اجسام کو نجاستوں، گندگیوں اور برے اعمال سے صاف کرتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے یعنی وہ علوم سکھاتا ہے جو قرآن سے اخذ کئے جاتے ہیں یا وہ علوم سکھاتا ہے جو ورق پر لکھے جانے کے قابل ہیں۔

وَالْحِكْمَةَ اور ان کو حکمت سکھاتا ہے یعنی ایسے صحیح یقینی علوم سکھاتا ہے جو ایک دانشمند دوسرے دانشمند سے کتاب اور بیان کے بغیر سیکھ لیتا ہے۔

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ إِنْ شرطیہ نہیں ہے نہ وصلیہ ہے بلکہ مخففہ ہے یعنی إِنَّ تھا اور إِنَّ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ یعنی بلا شبہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا اور جب تم پر ایک مصیبت پڑی کہ اس سے دوگنی تم (دشمنوں پر) ڈال چکے تھے تو اب تم کہتے ہو کہ یہ کدھر سے آئی۔ مصیبت سے مراد ہے ستر آدمیوں کا قتل اور شکست جو احد کے دن واقع ہوئی اور دوگنی مصیبت ڈالنے سے مراد ہے بدر کی لڑائی میں کافروں کا قتل اور قید ہونا۔

امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت براءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن مشرکوں نے ہمارے ستر آدمی مارے اور بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ نے ایک سو چالیس مشرکوں پر مصیبت ڈالی۔ ستر کو قتل کیا اور ستر کو قید۔ میں کہتا ہوں قیدی کو بھی اللہ نے مقتول کے حکم میں قرار دیا کیونکہ مسلمان ان کو قتل کر سکتے تھے اور ان کو قتل کر ڈالنے کی ہی اللہ کی مرضی تھی۔ فدیہ لے کر قتل نہ کرنا (اور رہا کر دینا) تو مسلمانوں کی اپنی رائے سے ہوا (جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہوا)۔

لَمَّا کا تعلق قُلْتُمْ سے ہے۔ أَنَّى هَذَا یعنی عجیب ہے تم نے کہا کہ یہ شکست اور قتل کی مصیبت ہم پر کہاں سے پڑی ہم تو مسلمان ہیں اور اللہ کا رسول ﷺ ہم میں موجود ہے۔ أَوَلَمَّا میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے یعنی تم کو ایسا کہنا نہ چاہئے تھا۔ اس جملہ کا عطف آیت لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ پر ہے یعنی اللہ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ پورا کیا اور تم کہتے ہو کہ یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آگئی یا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ پر عطف ہے یا لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ پر عطف ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا موجود ہونا تو تم پر اللہ کا احسان ہے اور تم مصیبت کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے اور کہتے ہو کہ ان کی وجہ سے یہ مصیبت آئی۔

یا محذوف جملہ پر عطف ہے کلام اس طرح تھا کہ اللہ نے تم سے فتح کا وعدہ صبر رکھنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی شرط پر کیا تھا تم نے صبر نہیں کیا اور مصیبت پڑی تو کہنے لگے یہ کدھر سے آگئی۔ یا اس طرح کلام تھا کہ تم نے باہم اختلاف رائے کیا اور رسول کی نافرمانی کی اور بزدل بن گئے اور جب مصیبت پڑی تو ایسی بات کہنے لگے وغیرہ۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔ یعنی مرکز کو چھوڑ دینے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے آئی کیونکہ فتح کا وعدہ تو صبر و تقویٰ کے ساتھ وابستہ تھا۔ بعض علماء نے کہا کہ من عند انفسکم سے مراد یہ ہے کہ تم نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا پسند کیا اور یہ تمہارا ذاتی فعل تھا اس سے یہ مصیبت پڑی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن مسلمانوں کو اس حرکت کی سزا

دی گئی جو انہوں نے بدر کے دن کی تھی کہ قیدیوں کا فدیہ لے لیا تھا (ستر کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ احد کے دن ستر مسلمان مارے گئے اور صحابہؓ کو شکست ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کا اگلا دانت شہید ہو گیا اور سر مبارک پر خود ٹوٹ (کر گڑ) گیا اور چہرہ مبارک پر خون بہنے لگا اور اللہ نے آیت اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ نازل فرمائی۔

بغویؒ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کی قوم کی یہ حرکت اللہ کو ناپسند ہوئی کہ قیدیوں کا معاوضہ لے لیا حالانکہ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ ان کو دو باتوں میں سے ایک بات پسند کر لینے کا اختیار دیدیں یا تو وہ آگے بڑھ کر قیدیوں کی گردنیں ماردیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں، مگر اس صورت میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر مسلمانوں کا شہید ہونا لازم ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا تذکرہ مسلمانوں سے کیا، انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے قبیلہ والے ہیں بھائی بند ہیں ہم ان سے فدیہ لے لیں گے اور اس مال سے دشمن کے مقابلہ کے لئے طاقت فراہم کر لیں گے ہم میں سے ان کی تعداد کے برابر شہید ہو جائیں گے تو ہو جائیں (ہم اس پر راضی ہیں) چنانچہ احد کے دن بدر کے قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہو گئے آیت هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ

سعیدؒ بن منصور نے ابو جعفر کی روایت سے مرسلاً نقل کیا کہ احد کے دن ستر شہید ہوئے چار مہاجر حضرت حمزہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت شماسؓ بن عثمان اور باقی (۶۶) انصاری۔ لیکن ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابی بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن ۶۴ انصاری اور چھ مہاجر شہید ہوئے (چار تو وہی تھے جن کا ذکر ابو جعفر کی روایت میں آچکا ہے اور) بقول حافظ پانچویں مہاجر شہید حضرت حاطب بن بلتعہ کے آزاد کردہ غلام سعد تھے اور چھٹے ثقیف بن عمرو اسلمی تھے۔ بخاری نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انصار سے زیادہ شہداء عرب کے کسی قبیلہ کے ہم کو معلوم نہیں۔ ہم سے حضرت انسؓ نے فرمایا تھا کہ احد کے دن ستر انصاری شہید ہوئے اور بیر معونہ[1] کے دن ستر اور جنگ یمامہ میں ستر۔ حافظ محبؒ طبری نے بروایت مالک لکھا ہے کہ شہداء احد ۷۵ تھے جن میں ۷۱ انصاری تھے۔ امام شافعیؒ کے ایک قول میں ۷۲ کی تعداد آئی ہے اور العیون میں شہداء احد کے ناموں کی ترتیب وار فہرست آئی ہے یہ کل تعداد ۹۶ ہوتی ہے ۱۱ مہاجر ۳۸ اوس کے اور ۴۷ خزرج کے۔ العیون میں دمیاطی کے حوالہ سے کل شہداء احد کی تعداد ۱۰۳ یا ۱۰۵ آئی ہے لیکن قرآن ان کی تعداد ستر بتا رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مدد کرے یا بے مدد چھوڑ دے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ ان دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا تھا اللہ کے حکم اور تقدیر سے پڑی تھی احد کے دن جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا اور مسلمانوں پر قتل و شکست کی مصیبت پڑی تو وہ بحکم خدا پڑی۔

ایک شبہ

اذن یعنی اجازت خداوندی کا تعلق جائز امور سے ہوتا ہے جو امر غیر مشروع ہے اس کی اجازت اللہ کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور جہاد سے فرار امر غیر مشروع ہے اس کا باذن الٰہی وقوع کیسے ممکن ہے۔

ازالہ :- اذن سے مراد ہے امر تکوینی یعنی وہ امر جس کی تعبیر کن مکنون سے کی ہے اور امر تکوینی کا تعلق مشروع

[1] حضور ﷺ نے قبائل عرب میں تبلیغ کے لئے ستر قراء انصاری بھیجے تھے کافروں نے دھوکہ سے چاہ معونہ کے قریب ان سب کو شہید کر دیا اور حضور ﷺ نے ان قاتلوں کے لئے بددعا کی۔ ۱۲۔

اور غیر مشروع دونوں سے ہے بات امر تکلیفی یعنی حکم شرعی کا تعلق امر مشروع سے ہی ہوتا ہے اور امر تکلیفی یہاں مراد نہیں بلکہ قضاء و قدر یہ مراد ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا یعنی تم پر یہ مصیبت مختلف مصالح کی وجہ سے آئی اور اس لئے بھی کہ اللہ مومنوں کو دیکھ لے اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لے جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا۔ یعنی لوگوں کی نظر میں دونوں گروہ الگ الگ آجائیں ان کا ایمان اور ان کا کفر پہچان لیا جائے۔

وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا اور منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا (کم سے کم) دفعیہ ہی کرو۔ مطلب یہ کہ اگر طاقت رکھتے ہو تو اللہ کی راہ میں کافروں سے جہاد کرو ورنہ مسلمانوں کی جماعت بڑھانے کے لئے اپنی جگہ جمے رہو فرار نہ کرو تاکہ دشمنوں کی مدافعت ہی ہو جائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر سچے مومن ہو تو اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے (اور اخلاص نہیں رکھتے) تو اپنے بچوں کی طرف سے ہی دشمنوں کو دفع کرو۔

قَالُوا انہوں نے کہا یعنی عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی جن کی تعداد تین سو تھی مسلمانوں کے مذکورہ بالا قول کے جواب میں کہنے لگے

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ اگر ہم (اس ٹکراؤ کو) لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے مگر یہ تو جنگ نہیں خودکشی ہے یا یہ مطلب کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم اس جنگ کو راہ خدا میں جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے یا یہ مطلب کہ اگر ہم سمجھتے کہ یہ لڑائی ہمارے ساتھ ہے تو ہم تمہارا ساتھ دیتے مگر یہ لڑائی تو ہمارے ساتھ نہیں مشرکوں کو صرف تم سے لڑنا مقصود ہے یا یہ مطلب کہ اگر ہم اچھی طرح لڑنا جانتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ اس صورت میں یہ قول محض استہزاء کے طور پر کہا تھا۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ وہ منافق جتنے ایمان سے قریب تھے اس روز اس سے زیادہ کفر کے قریب ہو گئے (یا قریب تھے) یعنی منافق ایمان و کفر کے درمیان چکر میں تھے جیسے اجنبی بکری دو گلوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اگر اسلام میں ان کو کچھ دنیوی فائدہ مل گیا تو اطمینان سے رہے اور اگر کچھ دکھ پڑ گیا تو کفر کی طرف پلٹ گئے۔ جنگ احد میں مصیبت آپڑی تھی اور یہ آزمائش تھی پس منافق اس روز کفر سے زیادہ قریب ہو گئے یہ ہی پہلا دن تھا جس میں ان کا کفر اور نفاق ظاہر ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بہ نسبت اہل ایمان کے کافروں سے ان کی مدد زیادہ قریب تھی کیونکہ مسلمانوں سے ان کا بچھڑ جانا اور مدد نہ دینا بالواسطہ مشرکوں کی قوت اور مسلمانوں کے ضعف کا باعث ہوا۔

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وہ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ یعنی اسلام کو منہ سے ظاہر کرتے ہیں اور دلوں میں کفر پوشیدہ ہے۔ قول کی نسبت منہ کی طرف کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام پر ان کا عقیدہ نہیں کہ دل سے اقرار کریں ان کا ایمان صرف زبانی ہے جو ہیچ ہے۔ اس جملہ میں منافقوں کی عام حالت کو بیان کیا ہے۔ صرف احد کے دن کی خصوصی حالت کا اظہار نہیں ہے اسی لئے الگ یعنی بغیر عطف کے یہ جملہ ذکر کیا گیا۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ اور جس بات کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یعنی ان کے نفاق کو خوب جانتا ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا یہ وہی لوگ ہیں کہ خود تو جنگ سے بیٹھ رہے اور اس حالت میں اپنے ان نسبی بھائیوں کے متعلق جو جنگ میں مارے گئے انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے یعنی ہماری طرح جنگ سے بیٹھ رہتے تو جس طرح ہم نہیں مارے گئے وہ بھی نہ مارے جاتے۔

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیں کہ اب تو اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تدبیر تقدیر کو ٹال دیتی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو۔ ترمذی نے بسند حسن اور ابن خزیمہ نے بسند صحیح اور ابن ماجہ اور بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مجھے ملے اور فرمایا جابرؓ کیا سبب ہے میں تجھے کچھ شکستہ (خاطر) دیکھ رہا ہوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ شہید ہو گیا اور اس نے بچے رہ گئے اور اس پر قرض بھی ہے فرمایا کیا تجھے بشارت نہ دوں کہ اللہ تیرے باپ سے کس طرح ملا، میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمائیے۔ ارشاد فرمایا اللہ نے جس سے بھی کلام کیا پردہ کی اوٹ سے کیا مگر تیرے باپ کو زندہ کر کے رو در رو کلام کیا اور فرمایا میرے بندے اپنی آرزو مجھ سے بیان کر میں تجھے دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا میرے رب مجھے پھر زندہ کر دے کہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں اللہ نے فرمایا میرا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ (مرنے کے بعد) پھر وہ نہیں لوٹیں گے۔ راوی کا بیان ہے پھر ان شہداء کے بارے میں نازل ہوئی آیت لا تحسبن الذین قتلوا۔

مسلم، امام احمد، ابوداؤد، حاکم اور بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ احد کے دن جب تمہارے بھائی مارے گئے تو اللہ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں داخل کر دیا وہ جنت کی نہروں پر اترتے ہیں (یعنی انہار جنت کا پانی پیتے ہیں) جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے پھرتے ہیں اور لوٹ کر سونے کی ان قندیلوں میں چلے جاتے ہیں جو عرش کے نیچے آویزاں ہیں۔ جب انہوں نے اپنی عمدہ خواب گاہ اور کھانا پینا دیکھا اور اللہ نے ان کے لئے جو عزت فراہم کی ہے اس کا معاینہ کیا تو بولے کاش ہماری قوم کو ہماری اس موجودہ راحت کی اور اس سلوک کی جو اللہ نے ہمارے ساتھ کیا اطلاع ہو جاتی تاکہ ان کو بھی جہاد کی رغبت ہوتی اور وہ جہاد سے روگرداں نہ ہوتے۔ اللہ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے اطلاع دے دوں گا اور تمہارے بھائیوں کو خبر پہنچا دوں گا، شہداء یہ سن کر خوش اور ہشاش بشاش ہو گئے پس اللہ نے (آیت مذکورہ) نازل فرما دی۔

ابن المنذرؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب حضرت حمزہؓ اور آپ کے ساتھی احد کے دن شہید ہو گئے تو شہداء نے کہا کاش کوئی خبر پہنچانے والا ہمارے بھائیوں کو اللہ کی عطا کردہ اس عزت کی جس میں ہم آ گئے ہیں اطلاع دے دیتا۔ اللہ نے ان کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے بھائیوں کو تمہارا پیام پہنچا دوں گا پس اللہ نے آیت لا تحسبن الذین قتلوا ۔ لا یضیع اجر المؤمنین۔ تک نازل فرمائی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہداء کے اعزہ و اقارب کو جب (دنیا میں) کچھ راحت اور نعمت ملتی تو ان کو افسوس ہوتا کہ ہم تو ایسے مزے میں ہیں اور ہمارے باپ بھائی بیٹے قبروں میں ہیں (کاش وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتے) اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ لا تحسبن کا خطاب یا رسول اللہ ﷺ کو ہے یا شہیدوں کے اقارب کو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافقوں کو خطاب ہو کیونکہ (بطور طعن) انہوں نے کہا تھا لو اطاعونا ما قتلوا، اس وقت یہ آیت ان کے ذیل میں داخل ہو گی (یعنی ان کا منقول ہو گی)۔

سبیل اللہ سے مراد ہے جہاد۔ یہ لفظ عام ہے ہر راہ خیر میں مرنے والے کو شامل ہے مگر لفظ قتل کی وجہ سے دوسرے خیر کے راستوں میں مرنے والوں کو صراحۃً شمول نہ ہوگا مگر بدلالت نص بدرجہ اولیٰ یا کم سے کم بالمساوات شمول ہو جائے گا یا نفس کے ساتھ جہاد ہونے والے کو مقتول فی سبیل اللہ پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ اپنے نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے اور جہاد اصغر سے زیادہ سخت ہے اموات سے مراد ہیں وہ مردے جن کو لذت و راحت کا احساس نہ ہو۔

بَلْ اَحْیَآءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ابو العالیہ نے اس فقرہ کی تشریح میں کہا کہ وہ سبز پرندوں کی شکلوں پر ہیں جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں، رواہ ابو حاتم، بغوی نے لکھا ہے کہ روز قیامت تک ہر رات عرش کے نیچے ان کی روحیں رکوع

اور سجدہ کرتی رہیں گی۔

ابن مندہ راوی ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جنگل میں اپنے اونٹوں کی تلاش میں گیا وہاں مجھے رات ہو گئی تو میں عبداللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس قیام پذیر ہو گیا وہاں قبر کے اندر سے مجھے قرآن پڑھنے کی ایسی اچھی آواز آئی کہ اس سے بہتر آواز میں نے نہیں سنی میں نے خود پس آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا فرمایا وہ عبداللہ تھا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے ان (شہداء) کی ارواح قبض کرنے کے بعد زمرد یا قوت کی قندیلوں میں رکھ کر وسط جنت میں ان قندیلوں کو لٹکا دیا ہے جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحیں واپس لوٹا دی جاتی ہیں اور رات بھر ایسی ہی رہتی ہیں پھر فجر نکلتی ہے تو روحوں کو پھر ان کے اصل مقامات پر (قندیلوں کے اندر) واپس کر دیا جاتا ہے۔ اس قول پر شہید کو مرنے کے بعد کی حاجات کا ثواب اور درجے بھی ملتے رہتے ہیں، اور شہید قبر کے اندر گلتا سڑتا نہیں اور نہ اس کو زمین کھاتی ہے یہ اس کی زندگی کے نشانوں میں سے ایک نشان ہوتا ہے۔

بیہقی نے اپنی سندوں سے اور ابن سعد و بیہقی نے دوسرے طریقوں سے اور محمد بن عمرو نے اپنے مشائخ کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا جب معاویہؓ نے چشمہ (سر) جاری کرنا چاہا تو ہم اپنے شہداء احد کے مزاروں پر چیختے ہوئے پہنچے اور ان کو باہر نکالا تو دیکھا وہ تر و تازہ ہیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں میں (زندہ کی طرح) لچک ہے محمد بن عمرو کے مشائخؒ کا بیان ہے کہ لوگوں نے حضرت جابرؓ کے والدؓ کو ایسی حالت میں پایا کہ ان کا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا جب ہاتھ زخم سے الگ کیا گیا تو خون ابلنے لگا مجبوراً ہاتھ کو پھر اس کی جگہ لوٹا دیا گیا تو خون تھم گیا، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ کو قبر کے اندر دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں اور جس دھاریدار کمبل کا ان کو کفن دیا گیا تھا وہ بھی ویسی ہی تھی حالانکہ اس کو چھیالیس برس ہو چکے تھے، ان شہداء میں ایک شخص کی ٹانگ میں (زمین کھودتے وقت) پھاوڑا لگ گیا تو اس سے خون ابل پڑا مشائخؒ نے کہا یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا اس کے بعد کوئی منکر (حیات شہداء کا) انکار نہیں کر سکتا، لوگ (ان مزاروں کی) مٹی کھودتے تھے جب تھوڑی سی بھی مٹی کھودتے تھے تو مشک کی خوشبو مہکنے لگتی تھی۔

بغوی نے حضرت عبید بن عمیر کا بیان نقل کیا ہے کہ احد سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کا گذر حضرت مصعب بن عمیر (شہید احد) کی طرف سے ہوا مصعب شہید ہو چکے تھے آپ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کے لئے دعا کی پھر یہ آیت پڑھی من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه، پھر فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہوں گے مخاطب ہو جاؤ تم ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کیا کرو، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا وہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت خبابؓ بن ارت کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی طرف سے گزرے، حضرت مصعبؓ حضور ﷺ ہی کے راستہ پر شہید پڑے تھے آپ وہاں ٹھیر گئے ان کے لئے دعا کی پھر پڑھا من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه، اس کے بعد ارشاد فرمایا میں نے تجھے مکہ میں دیکھا تھا کہ تجھ سے زیادہ مکہ میں نہ کوئی خوش لباس تھا نہ حسین بالوں والا (یعنی نہ تجھ سے زیادہ خوش جمال اور آج اللہ کی راہ میں تیری یہ حالت ہو گئی کہ تجھے مثلہ کیا گیا)۔

سوال ۔ کیا شہید کے مرتبہ کو کوئی اور پہنچ سکتا ہے۔

جواب ۔ ہاں پہنچ سکتا ہے شہداء کے فضائل جو کچھ بیان کئے گئے ہیں ان کا تقاضا یہ نہیں کہ دوسرے وہاں تک نہ پہنچیں۔ ابو داؤد اور نسائی نے حضرت عبیدؓ بن خالد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں میں بھائی چارہ کرا دیا ان میں سے ایک راہ خدا میں شہید ہو گیا پھر تقریباً ایک جمعہ کے بعد دوسرا بھی مر گیا لوگوں نے اس کی نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا تم نے (نماز میں اس کے لئے) کیا کہا لوگوں نے عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمادے اس پر رحم کرے اور اس کو اس کے ساتھی تک پہنچادے (یعنی اس کو بھی شہید کا درجہ مل جائے) حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر اس کی مابعد کی نمازیں اور اس کے اعمال کے بعد والے اس کے اعمال یا فرمایا اس کے روزوں کے بعد والے اس کے روزے کہاں جائیں گے ان دونوں کے درمیان (مرتبہ) کا فاصلہ تو اتنا ہے جتنا آسمان زمین کا (یعنی بعد کو مرنے والا پہلے شہید ہونے والے سے مرتبہ میں بہت اونچا ہے اس کی نمازیں اور روزے اس سے زائد ہیں) انبیاء، شہداء، صدیقین اور مومنین کے مقامات کا بیان ہم نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں کیا ہے اور حیاتِ شہداء کا مسئلہ سورۂ بقرہ کی آیت وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کر دیا ہے۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے رب کے پاس یعنی اللہ کے قرب میں جو بلا کیف ہے (جسمانی اور مکانی نہیں، اتصالی، ارتفاعی اور نسبتی نہیں ان سب سے الگ ایک ایسا قرب ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی نہ سمجھی جا سکتی ہے یعنی قرب امتیازی ہے)۔ شیخ شہید نے جو میرے شیخ و امام تھے (غالباً حضرت مولف قدس سرہ کی شیخ شہید سے مراد حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی ذات مبارک ہے) کہا شہداء پر تجلیات ذاتیہ کی بارش کو کشف کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں دے دیں اور اللہ نے فرمایا ہے وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ چونکہ ان لوگوں نے اپنے لئے اپنی ذاتیں (ہستیاں) خرچ کر دیں لہٰذا اللہ بھی ان کو خاص تجلیات ذاتیہ عطا فرمائے گا۔

يُرْزَقُونَ یعنی ان کو جنت سے رزق دیا جاتا ہے یہ ان کے زندہ ہونے کی تائید ہے۔

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ اللہ جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے وہ اس پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ وہاں تک کسی عقل کی رسائی نہیں نہ اس کی تفصیل لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے۔

عبدالرزاق نے مصنف میں اور ابن ابی شیبہ نے اور احمد اور مسلم اور ابن المنذر نے مسروق کا قول بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ یعنی ابن مسعودؓ سے اس آیت کی تشریح پوچھی فرمایا ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح ہوتی ہیں (بہرحال) ان پرندوں کے لئے سونے کی قندیلیں (پنجرے) عرش سے آویزاں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں، پھر لوٹ کر قندیلوں میں آجاتی ہیں، اللہ ان کو ایک بار جھانکتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کچھ چاہتے ہو ایسا (رونہ) تین بار کرتا ہے دوسری آیت میں آیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ چاہو وہ جواب دیتے ہیں اے رب ہم کیا مانگیں جس جنت میں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ بغیر مانگے ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو عرض کرتے ہیں اے رب ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کے اندر دوبارہ لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایک بار اور تیرے راستے میں جہاد کریں (اللہ فرماتا ہے میں لکھ چکا ہوں کہ دوبارہ دنیا میں لوٹنا نہیں ہوگا) آخر جب اللہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت (باقی) نہیں تو ان کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا جاتا ہے۔

وَيَسْتَبْشِرُونَ اور وہ بشارت پائیں گے یعنی مسرور و خوش ہوں گے۔

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ ان لوگوں کی جو ان سے نہیں ملے ہیں یعنی جن کو دنیا میں زندہ ایمان، اطاعت اور جہاد پر چھوڑ کر آئے تھے یہ مراد کہ جو مرتبہ میں ان کو نہیں پہنچے۔

مِنْ خَلْفِهِمْ ان کے پیچھے والوں میں سے یعنی بعد کے رہنے والے یا مرتبہ میں پیچھے رہنے والے۔

أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کہ ان کو نہ کوئی خوف ہے نہ ان کو رنج ہے (یعنی نہ آئندہ تکالیف کا خوف ہے نہ دنیا کی زائل شدہ نعمت کا رنج) ممکن ہے آیت کا یہ معنی ہو کہ وہ اپنے ان بھائیوں کے سلسلہ میں جو ابھی نہیں مرے ہیں خوش ہوں کہ شہداء پر (زندہ) بھائیوں کی طرف سے کچھ اندیشہ نہیں یعنی بھائیوں کے حقوق جو شہداء کے ذمہ رہ گئے تھے

ان کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اللہ (شہداء کی طرف سے) اہل حقوق کو راضی کر دے گا اور وہ عوض سے دست بردار ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شہداء کے بھائی بند اور دوست جو مرتبہ میں شہیدوں کے درجہ کو نہیں پہنچے شہداء ان کے معاملہ میں بشارت پائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ان کے بھائی بندوں کو بھی عذاب کا کچھ اندیشہ نہیں اور نہ ان کو رنج ہوگا کیونکہ اللہ نے شہداء کو اپنے بھائی بندوں کی شفاعت کرنے کا حق عطا فرمایا ہے۔

ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودرداءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا، احمد اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ترمذیؒ و ابن ماجہ نے حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء بزار نے بھی یہ حدیث لکھی ہے اور آخر میں اتنا زائد لکھا ہے پھر موذن۔ میں کہتا ہوں حدیث میں جن علماء کو شفاعت میں شہداء پر سبقت عطا فرمائی ہے شاید ان سے مراد وہ علماء راسخین ہیں جو حقیقت کے عالم ہیں۔

يَسْتَبْشِرُونَ وہ بشارت پائیں گے یہ پہلے یستبشرون کی تاکید ہے یا پہلے سے دفع مضرت کی بشارت مراد ہے اور اس سے حصول منفعت کی۔

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ اللہ کی طرف سے نعمت کی یعنی اعمال کے ثواب کی۔

وَفَضْلٍ اور (جزاء اعمال سے) زیادہ پانے کی بھی۔ اس سے مراد ہے دیدار الٰہی اور مراتب قرب، نعمۃ اور فضل کی تنوین ان دونوں کی عظمت شان کو ظاہر کر رہی ہے (کیونکہ تنوین بھی عظمت قدر کا بھی اظہار کرتی ہے)۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اور اس بات کی بھی ان کو بشارت ہوگی کہ اللہ اہل ایمان کے اجر کو اکارت نہیں کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں جہاد کرے اور صرف جہاد فی سبیل اللہ (کا خیال) اور کلمۃ اللہ کی تصدیق ہی اسکے گھر سے نکلنے کا سبب ہو تو اللہ نے اس کے متعلق ذمہ لے لیا ہے کہ (اگر مر گیا تو) اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اس گھر میں جس سے وہ نکلا ہے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لے آئے گا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کوئی راہ خدا میں زخمی ہوگا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخم کھاتا ہے (اور کون نام آوری اور شہرت کے لئے زخمی ہوتا ہے) جب وہ قیامت کے دن (سامنے) آئے گا تو اس کے زخم سے خون ابلتا ہوگا جس کا رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی۔ رواہ البغوی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید قتل کا دکھ بس اتنا (تھی دیر) پاتا ہے جتنا (یعنی جتنی دیر) تم چیونٹی کے کاٹنے سے پاتے ہو رواہ الدارمی والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے، نسائی نے سنن میں اور طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند سے حضرت ابوقتادہؓ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ مؤمنوں کا اجر ضائع نہ ہوگا خواہ کوئی مومن ہو، شہید ہو یا نہ ہو گویا شہداء کو سب مؤمنوں کی حالت سے خوشی ہوگی۔

بعض علماء نے کہا کہ اس آیت کا نزول شہداء بدر کے متعلق ہوا جن کی تعداد ۱۴ تھی، آٹھ انصاری اور چھ مہاجر، مگر یہ روایت ضعیف ہے، کسائی نے اَنَّ کی جگہ اِنَّ بکسر ہمزہ پڑھا ہے اور جملہ کو استینافیہ معترضہ کہا ہے گویا آیت اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ اجر شہداء کے ایمان کا ہوگا کیونکہ جس کا ایمان نہ ہو اور اس کے تمام اعمال اکارت جائیں گے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول بئر معونہ کے شہداء کے حق میں ہوا جس کی تفصیل محمد بن اسحاق اور عبداللہ بن ابیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت کی بناء پر اس طرح بیان کی ہے کہ عامر بن مالک بن جعفر عامری جس کا لقب مُلَاعِبُ الْاَسِنَّۃ تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو گھوڑے اور دو اونٹنیاں ہدیہ میں پیش کیں حضور ﷺ

ے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کر لوں تو مسلمان ہو جاؤ، وہ مسلمان نہیں ہوا لیکن اسلام سے دور بھی نہیں گیا (یعنی نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا) اور بولا محمد (ﷺ) جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو وہ تو اچھی خوبصورت ہے اگر تم اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے پاس (دعوت دینے کے لئے) بھیج دو تو مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری دعوت کو قبول کر لیں گے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے اپنے آدمیوں کا خطرہ ہے۔ ابو براء بولا میں ان کی پناہ کا ذمہ لیتا ہوں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت منذر بن عمر ساعدی کو ستر منتخب انصاری صحابہ کا سردار بنا کر سب کو بھیج دیا، ان ستر آدمیوں کو قاری کہا جاتا تھا (یعنی یہ سب قاری اور عالم قرآن تھے) انہی میں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ یہ روانگی ماہ صفر ۴ھ میں ہوئی۔ غرض یہ لوگ چل دیئے اور بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا، بیر معونہ کی زمین بنی عامر کی زمین اور بنی سلیم کے پتھریلے علاقے کے درمیان واقع تھی یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت حرام بن ملحان کو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک دے کر بنی عامر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، حضرت حرامؓ نے پہنچ کر کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں تمہارے پاس آیا ہوں میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ حضرت حرامؓ کی اس تبلیغ کے بعد ایک شخص نیزہ لے کر گھر کی جھونپڑی سے برآمد ہوا اور آتے ہی حضرت حرامؓ کے پہلو پر چھا مارا جو دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرامؓ فوراً بول اٹھے، اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر کو ان صحابیوںؓ کے خلاف چیخ کر آواز دی بنی عامر نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے ابو براء کی ذمہ داری کو نہ توڑو۔ عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کو پکارا انہوں نے آواز پر لبیک کہی اور نکل کر صحابہؓ پر چھا گئے اور فرودگاہ پر آ کر سب کو گھیر لیا، صحابہؓ نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے، صرف کعبؓ بن زید بچ گئے اور وہ بھی اس طرح کہ کافر ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ان میں کچھ سانس باقی تھی اس لئے زندہ رہے اور آخر خندق کی لڑائی میں مارے گئے۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں نے قید کر لیا تھا لیکن عمروؓ نے ان کو بتایا کہ میں قبیلہ مضر کا ہوں تو عامر بن طفیل نے ان کو چھوڑ دیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ حرکت ابو براء کی ہے، ابو براء کو اس کی اطلاع ملی تو عامر بن طفیل کی طرف سے اس کو اپنی ذمہ داری کی شکست بہت بار گزری۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ عامر بن طفیل کہتا تھا ان میں وہ شخص کون تھا کہ جب وہ مارا گیا تو اس کو آسمان و زمین کے درمیان اٹھایا گیا، یہاں تک کہ آسمان مجھے اس سے نیچا نظر آنے لگا لوگوں نے کہا وہ عامر بن فہیرہؓ تھے۔

اس واقعہ کے بعد ابو براء کے بیٹے ربیعہ نے عامر بن طفیل پر حملہ کر دیا، عامر گھوڑے پر سوار تھا ربیعہ نے اس کے نیزہ مارا اور قتل کر دیا۔ صحیحین میں بوساطت قتادہؓ حضرت انسؓ کا قول مروی ہے کہ رعل اور ذکوان اور عصیہ اور بنی لحیان کے قبائل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے (فوجی) مدد مانگی، حضور ﷺ نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو ہم قاری کہتے تھے بطور مدد کر دیئے یہ حضرات دن میں لکڑیاں جمع کرتے (اور فروخت کر کے گزارا کرتے) اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو کافروں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور (سب کو) شہید کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعاء قنوت[1] پڑھی جس میں کچھ قبائل عرب یعنی رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لئے بددعا کی۔

امام احمدؒ اور بخاریؒ اور مسلم اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی

[1] دعاء قنوت سے مراد قنوت نازلہ ہے۔ ۱۲ مصحح

اللہ عنہ کی روایت سے اور بخاری نے عروہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں، حضور ﷺ نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو قاری کہا جاتا تھا بھیج دیئے، مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی یہ درخواست کرنے والے ان قاریوں کے درپے ہو گئے اور سب کو شہید کر دیا، شہداء نے کہا اے اللہ ہمارے نبی کو یہ خبر پہنچا دے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم نے (اے اللہ) تجھے پا لیا ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے اللہ نے وحی بھیجی کہ میں شہداء کی طرف سے (اے مسلمانو) تم کو یہ پیام پہنچاتا ہوں کہ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے راضی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے ہم (قرآن میں) ان شہداء کے بارہ میں پڑھتے تھے، بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔ لیکن پھر یہ جملے منسوخ کر دیئے گئے (اور قرآن سے خارج کر دیئے گئے) اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک چلہ تک صبح کی نماز میں قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لئے بددعا کی ان قبائل نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی۔

بغویؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کے آخر میں اتنے الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ہم اس کو ایک زمانہ تک پڑھتے رہے ہیں پھر اس کو اٹھا لیا گیا اور اللہ نے نازل فرمایا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا آخر آیت تک۔ میں کہتا ہوں آیت کے شان نزول میں اگرچہ اختلاف ہے جیسا مذکور بالا سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن آیت کے الفاظ تمام شہداء کو شامل ہیں اور حکم عام ہے۔

مسئلہ: اجماع علماء ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ احد کے شہداء کو غسل نہیں دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور چمڑے (کا سامان) تو اتار لئے جائیں باقی خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن ابن عباسؓ۔

نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ثعلبہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ان کو خون سمیت چھپا دو کیونکہ اللہ کی راہ میں جو شخص زخمی ہو گا وہ قیامت کے دن خون سمیت آئے گا اس کے خون کا رنگ تو خون کا سا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک ہو گی۔ اسی بحث کی ایک حدیث حضرت جابرؓ کی روایت سے آئی ہے کہ ایک آدمی کے سینہ میں تیر لگا جس سے اس کی موت ہو گئی اس کو انہی کپڑوں میں اور اسی طرح لپیٹ دیا گیا (اور دفن کر دیا گیا) اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ رواہ ابو داؤد باسناد علی شرط مسلم۔

مسئلہ: اگر جنابت کی حالت میں کوئی شہید ہو جائے تو کیا اس کو غسل دیا جائے، یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غسل دیا جائے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں غسل نہ دیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان زملوھم بدمائھم عام ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ کا قصہ ماخذ استدلال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہ بن ابی عامرؓ کو آسمان و زمین کے درمیان سفید ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے تھے۔ ابو اسید ساعدی کا بیان ہے ہم نے جا کر حنظلہؓ کی نعش کو دیکھا تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا میں نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے ان کی بیوی کے پاس دریافت حال کے لئے آدمی بھیجا بیوی نے کہا وہ جنابت کی حالت میں باہر گئے تھے حنظلہؓ کی اولاد کو اسی لئے غسیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) کی اولاد کہا جاتا ہے۔

ابن الجوزی نے اس حدیث کو محمد بن سعدؓ کی روایت سے مرسلاً اور ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے ابن اسحاق کے سلسلہ سے (بقول حافظ) مسنداً نقل کیا ہے حاکم نے اکلیل میں ابو سعید کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی و بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے لیکن حاکم کی

روایت میں معلی بن عبدالرحمن راوی متروک ہے اور طبرانی کی اسناد میں حجاج مدلس ہے اور بیہقی کی سند میں ابوشیبہ واسطی ضعیف ہے۔

مسئلہ:۔ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے (امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ) نہ پڑھی جائے (امام شافعیؒ) امام احمدؒ کے دونوں قول روایت میں آئے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز یا تو اس کی مغفرت کے لئے ہے یا میت کی عزت افزائی اور ترقی درجات کے لئے اور شہید عزت افزائی کا زیادہ مستحق ہے اگر نماز پڑھنے میں تکریم میت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے، آپ کی نماز نہ پڑھی جاتی حالانکہ اجماعاً آپ کی نماز پڑھی گئی۔ پھر اصل نماز ہی ہے (جب تک کوئی شرعی منع ہو ترک کرنا جائز ہے) امام شافعیؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ احد کے شہداء میں دو دو کو رسول اللہ ﷺ ایک کپڑے میں جمع کر کے فرماتے تھے ان دونوں میں قرآن کس کو زیادہ یاد تھا جب ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو لحد میں پہلے اتارتے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں قیامت کے دن ان سب کا گواہ ہوں گا۔ پھر آپ ﷺ نے سب کو ان کے کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم دے دیا، ان کی نماز نہیں پڑھی نہ ان کو غسل دیا گیا۔ رواہ البخاری والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان۔

حضرت انسؓ کی بھی روایت ہے کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے دو دو، تین تین آدمیوں کو ایک ہی کپڑے کا کفن دلوایا اور ان کو دفن کر دیا اور ان کی نماز نہیں پڑھی رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والحاکم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے مگر بخاریؒ نے اس کو معلل قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اسامہ بن زید کی روایت عن زہری عن انسؓ غلط ہے۔ بخاریؒ نے مذکورہ بالا حضرت جابرؓ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز اس لئے نہ پڑھی ہو کہ آپ خود زخمی ہو گئے تھے اور دندان مبارک بھی شہید ہو گیا تھا بہت ممکن ہے دوسروں نے پڑھی ہو اس احتمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے مراسیل میں اور حاکم اور طحاوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت امیر حمزہؓ کی طرف سے گزرے آپ ان کی میت کو مثلہ کر دیا گیا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت حمزہؓ کے علاوہ (احد کے دن) اور کسی شہید کی نماز نہیں پڑھی۔ طحاوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن تم سب کا گواہ ہوں گا۔

ایک شبہ:۔ یہ حدیث دار قطنی نے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سوائے عثمانؓ بن عمرو کے اور کسی راوی نے یہ آخری جملہ (کہ حمزہؓ کے علاوہ اور کسی شہید کی نماز نہیں پڑھی) نہیں بیان کیا بس یہ زیادتی (حدیث میں) محفوظ نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ عثمان سے تخریج حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں کی گئی ہے۔ (معلوم ہوا کہ عثمان ثقہ ہے) اور ثقہ کر حدیث میں کچھ زیادہ بیان کرے تو قابل قبول ہے۔ طحاویؒ نے لکھا ہے کہ اگر شہید کی نماز نہ پڑھنا سنت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہؓ کی نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آپ کے شرف و فضل سے حضور ﷺ نے آپ کی میت کی نماز پڑھی البتہ دوسروں کی نہیں پڑھی کیونکہ حضور ﷺ کو خود (زخموں کا) دکھ تھا پھر نماز پڑھنے کی احادیث کے خلاف مختلف صحابہؓ سے متعدد احادیث آئی ہیں۔ مثلاً حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ لڑائی سے (واپس) آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حمزہؓ پر چادر ڈال دی پھر میت کو لایا گیا اور آپ نے اس کی نماز پڑھی پھر دوسرے شہدائے کو لا کر حمزہؓ کے برابر رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے ان کی نماز پڑھی پھر دوسرے شہداء کو اٹھا لیا جانے لگا لیکن حمزہؓ کو (وہیں) چھوڑ دیا گیا آخر تمام شہداء کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی اور فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک حمزہؓ سید الشہداء ہوں گے۔

اس حدیث کو حاکم نے نقل کر کے صحیح الاسناد کہا ہے مگر اس کی سند میں ایک شخص مفضل بن صدقہ ابو حماد حنفی ہے جس کو بعض لوگوں نے متروک کہا ہے اور نسائی و یحییٰ نے بھی اسکو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اہوازی کا بیان ہے کہ عطاء بن مسلم اس کو ثقہ جانتے تھے اور احمد بن محمد بن شعیب اس کی پوری پوری تعریف کرتے تھے اور ابن عدی نے کہا کہ مجھے اس میں کوئی

جرح بھی نظر نہیں آئی بہر حال یہ حدیث حسن کے درجے سے گری ہوئی نہیں ہے۔

ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حضرت حمزہؓ کی میت کو چادر سے ڈھانک دیا گیا اور آپ نے ان کی نماز سات تکبیروں کے ساتھ پڑھی پھر دوسرے شہداء کو لا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے برابر رکھا جاتے رہے اور حضور ﷺ شہداء کی اور ان کے ساتھ حضرت حمزہؓ کی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ حمزہؓ کی نماز بہتر مرتبہ پڑھی۔ یہ حدیث ابن اسحاق نے نقل کی ہے اور صراحت کی ہے کہ مجھ سے یہ حدیث ایک ایسے شخص نے بیان کی جس کو میں (کذب سے) متہم نہیں کرتا اور اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مقسم نے بیان کی ہے مقسم سے حضرت ابن عباسؓ نے اس کو بیان کیا۔

مقدمہ مسلم میں عن شعبۃ عن الحسن بن عمارۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز پڑھی۔ لیکن میں نے حکم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضورؐ نے شہداء احد کی نماز نہیں پڑھی۔ سہیلی نے کہا کہ حسن بن عمارہ ضعیف ہے۔ حافظ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حاکم اور ابن ماجہ اور طبرانی اور بیہقی سب نے یزید بن زیاد کی وساطت سے بروایت مقسم عن ابن عباسؓ بیان کی ہے۔ حافظ نے کہا کہ یزید میں کسی قدر ضعف ہے ابن جوزی نے کہا اس کو پھینک دو۔ بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حمزہ کی ستر نمازیں پڑھیں۔ رواہ احمد۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے مگر ابن ہمام نے کہا ہے کہ حسن کے درجے سے گری ہوئی نہیں ہے۔ ایک حدیث ابو مالک غفاری (تابعی) کی روایت کردہ ہے جس کی تخریج ابوداؤد نے مراسیل میں کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی دس دس کی نماز (یکجائی) پڑھی اور ہر دس میں حمزہؓ (کا جنازہ) شامل تھا یہاں تک کہ حمزہ کی ستر نمازیں پڑھیں۔ حافظؒ نے کہا اس حدیث کے راوی ثقات ہیں اور ابن مالک تابعی تھے جن کا نام غزوان تھا۔

امام شافعیؒ نے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ اس کے مضمون میں خود باہم ٹکراؤ ہے کیونکہ شہداء ستر تھے جب دس دس کی ٹولی کی نماز پڑھی تو کل سات نماز ہوئیں (ستر کیسے ہوئیں) شافعی کے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ حدیث کا مطلب (یہ نہیں ہے کہ دس دس کی ٹولی کی ستر نمازیں پڑھیں بلکہ) یہ ہے کہ ستر آدمیوں کی نمازیں پڑھیں اور ہر ایک کی نماز میں حمزہؓ کی میت کی نماز شامل تھی۔ ان احادیث کے اجتماع سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی نماز پڑھی گئی۔

مذکورہ بالا احادیث مختلفہ میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ جس حدیث میں شہداء احد کی نماز پڑھنا مذکور ہے اس میں نماز پڑھنے کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف مجازی ہے یعنی آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا (خود نہیں پڑھی) اور جس حدیث میں یہ ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز نہیں پڑھی تو یہ کلام حقیقی ہے یعنی خود نہیں پڑھی اور جس روایت میں تفصیل آئی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز حضورؐ نے پڑھی دوسروں کی نہیں تو یہ واقعہ کا صحیح بیان ہے۔

اس موضوع کی ایک حدیث وہ ہے جو نسائی اور طحاویؒ نے شداد بن ہاد کی روایت سے مرسلاً بیان کی ہے کہ ایک اعرابی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور ایمان لا کر حضور ﷺ کا پیرو بن گیا اور عرض کیا میں حضور ﷺ کے ہمرکاب ہجرت کروں گا رسول اللہ ﷺ نے اس کی نگہداشت ایک صحابیؓ کے سپرد کر دی اس کے بعد کوئی جہاد ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ کو کچھ چیزیں مال غنیمت کی ملیں آپ ﷺ نے وہ مال تقسیم کیا تو اس اعرابی کا بھی حصہ دیا۔

اس حدیث میں آیا ہے کہ اعرابی نے عرض کیا میں نے آپ کی پیروی اس غرض سے نہیں کی بلکہ اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (کہا) اس لئے کی ہے کہ اس جگہ میرے تیر لگے اور میں مر جاؤں اور جنت میں چلا جاؤں۔ اس حدیث (کے آخر) میں ہے کہ اس شخص کو (شہید ہونے کے بعد) اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور جس جگہ اس نے اشارہ کیا وہیں اس کے تیر لگا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا وہی ہے صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے اس کو آگے رکھا اور اس

کی نماز پڑھی اور نماز میں جو الفاظ ظاہر طور پر فرمائے تھے وہ یہ تھے اے اللہ یہ تیرا بندہ تیری راہ میں ہجرت کر کے نکلا تھا اور شہید ہو گیا میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔ یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل حدیث بھی حجت (کسی مسئلہ کی محکم دلیل) ہے۔

فصل۔ بخاری وغیرہ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز آٹھ برس کے بعد یعنی اپنی وفات سے کچھ پہلے پڑھی۔ بیہقی نے اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ سے دعا مراد لی ہے (یعنی حضور ﷺ نے آٹھ برس کے بعد شہداء احد کے لئے دعا کی) مگر یہ تاویل لغو ہے کیونکہ آٹھ برس کے بعد دعا صرف ایک بار کی ہو یہ قطعاً لغو ہے بلکہ طحاوی وغیرہ کی بعض روایات میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث آئی کہ ایک روز رسول ﷺ نے باہر نکل کر احد والوں کی نماز ایسی پڑھی جیسی میت کی نماز ہوتی ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ احناف کے نزدیک تو تین روز کے بعد میت کی نماز جائز ہی نہیں ہے (اور مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آٹھ برس بعد کا ہے پھر حنفیہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے) تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ چونکہ تین روز کے اندر قبر میں مردہ پھٹ جاتا ہے (اور اس کا بدن اپنی ہیئت ترکیبی پر نہیں رہتا) اس لئے حنفیہ تین روز کے بعد جنازہ کی نماز کی اجازت نہیں دیتے لیکن شہید کے متعلق تو ثابت ہو چکا ہے کہ اس کو مٹی نہیں کھاتی اور وہ ہمیشہ ویسا ہی رہتا ہے جیسے دفن کے دن ہوتا ہے اس لئے اس کی نماز (خواہ کتنی ہی مدت کے بعد ہو) جائز ہے اور اس کی صحت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے (پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں) کذا فی التفسیر۔

فریابی نسائی اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس چلے گئے تو آپس میں کہنے لگے تم نے بڑی غلطی کی نہ محمد کو قتل کر سکے نہ نوجوان عورتوں کو (لوٹ کر) اپنی پشت کے پیچھے سوار کر کے لائے اب لوٹ پڑو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو مسلمانوں کو بلایا سب نے دعوت پر لبیک کہی (اور حاضر ہو گئے)۔

محمد بن عمر وکی روایت ہے کہ جب سنیچر کے دن ۱۵؍ تاریخ کو احد سے لوٹے تو دشمن کے لوٹ پڑنے کے اندیشہ سے خزرج اور اوس کے سرداروں نے حضور ﷺ کے دروازہ پر ہی رات گزاری ۱۶؍ تاریخ اتوار کے دن کی فجر نکلی تو بلالؓ نے اذان دی اور حضور ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ حضور ﷺ برآمد ہوئے تو ایک مزنی شخص نے اطلاع دی کہ مشرک جب روحاء پر پہنچے تو ابو سفیان نے کہا (مدینے کو) لوٹ چلو تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ہم ان کا جڑ سے صفایا کر دیں۔ صفوان بن امیہ نے انکار کر دیا اور کہنے لگا لوگو ایسا نہ کرو وہ لوگ شکست کھا چکے ہیں اب مجھے اندیشہ ہے کہ خزرج کے جو لوگ رہ گئے تھے وہ تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے اگر لوٹ کر جاؤ گے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تمہاری فتح شکست سے نہ بدل جائے لہٰذا (مکہ کو ہی) واپس چلو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوان سیدھے راستہ پر تو نہیں ہے مگر اس رائے میں وہ سب سے زیادہ صائب تھا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان لوگوں پر پڑنے کے لئے تو (بھی) پتھر نامزد کر دیئے گئے تھے اگر وہ لوٹ پڑتے تو گزرے ہوئے دن کی طرح گئے گزرے ہو جاتے (ان کا نشان بھی باقی نہ رہتا) پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور اس خبر کا تذکرہ ان سے کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ دشمن کا تعاقب کیجئے کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر نہ آپڑیں اس مشورہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ منادی کر دو کہ رسول اللہ ﷺ دشمن کا تعاقب کرنے کا تم کو حکم دیتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ نکلیں جو کل لڑائی میں حاضر تھے۔

اسید بن حضیر جن کے نو زخم لگے تھے اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے اس ندا کو سن کر بولے بسر و چشم ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر حاضر ہیں۔ حضرت اسید زخموں کے علاج کی طرف مائل نہ ہوئے (اور حاضر ہو گئے) خاندان بنی سلمہؓ کے چالیس زخمی نکل کھڑے ہوئے۔ طفیل بن نعمان کے ۱۳ زخم لگے تھے خراشؓ بن صمہ کو دس، کعب بن مالک کو کچھ اوپر دس اور عطیہؓ بن عامر کو نو۔ غرض مسلمانوں نے اپنے زخموں کے علاج کی طرف توجہ بھی نہ کی اور دوڑ کر اسلحہ اٹھا لئے۔

بن عقبہؓ راوی ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ کے ہم رکاب چلوں فرمایا نہیں۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمرؓ راوی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کے منادی نے ندا کی ہے کہ صرف وہی لوگ ہمارے ساتھ آج نکل کر چلیں جو کل جنگ میں شریک تھے میرا قصہ یہ ہے کہ میں جنگ میں شریک ہونے کا بڑا خواہشمند تھا۔ لیکن میرے والد نے مجھے اپنی جگہ میری سات یا نو بہنوں کا نگراں مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان عورتوں کو بغیر کسی مرد کی سرپرستی کے یونہی چھوڑ جانا نہ تیرے لئے مناسب ہے نہ میرے لئے اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد پر جانے کے لئے تجھے اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا شاید اللہ مجھے شہادت نصیب فرما دے (تو میری جگہ تو ان کی نگرانی رکھے گا) اور میں شہادت کی تمنا رکھتا ہوں۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں لڑکیوں کا نگراں ہو کر شرکت جہاد سے رہ گیا اور باپ مجھے نگراں چھوڑ کر شہید ہو گئے۔ اب یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ہمرکاب جانے کی اجازت دے دیجئے۔

اس درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے جابر کو اجازت دیدی۔ حضرت جابر کا بیان ہے بہت سے ان لوگوں نے جو گذشتہ دن جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ سے اس روز نکلنے کی درخواست کی مگر حضور نے انکار کر دیا اور گذشتہ دن کے غیر حاضروں میں سے سوائے میرے کوئی نہ جا سکا۔

ابن اسحاق اور ان کے متبعین کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ دشمن کو ڈرانے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے تاکہ ان کو اطلاع پہنچ جائے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب میں نکلے ہیں اور مسلمانوں میں قوت ہے اور گذشتہ دن کی شکست دشمن کے مقابلہ سے ان کو کمزور نہیں بنا سکی چنانچہ رسول اللہ ﷺ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے ان لوگوں میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ بن یمان اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح بھی شامل تھے۔

مدینہ سے نکل کر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے یہ مقام مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر رستہ سے بائیں ہاتھ کو ذوالحلیفہ جاتے ہوئے پڑتا ہے، سعد بن عبادہؓ نے تیس اونٹ سواری کے لئے دیئے تھے اور کچھ جانور ذبح کرنے کے لئے اس جگہ پہنچ کر پیر کے دن ۱۷ تاریخ کو اور منگل کے دن ۱۸ تاریخ کو اونٹ ذبح کئے گئے (اور قیام کیا گیا) دن میں لکڑیاں جمع کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیدیا تھا شام ہوئی تو آگ جلانے کا حکم دیا۔ حسب الحکم ہر شخص نے آگ روشن کی اور کل پانچ سو جگہ آگ روشن کی گئی (تاکہ کافروں کو دور سے دیکھ کر مسلمانوں کی کثرت محسوس ہو)۔

معبد خزاعی جو اس زمانہ میں مشرک تھا۔ لیکن ابو عمر اور ابن جوزی نے اس کے مسلمان ہونے کی قطعی صراحت کی ہے، رسول اللہ ﷺ سے ملا اور بنی خزاعہ کے مسلمان اور کافر سب تہامہ میں رسول اللہ ﷺ سے میل جول رکھتے تھے، حضور ﷺ سے ان کا معاہدہ تھا وہ تہامہ کی کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے معبد خزاعی نے کہا محمد ﷺ جو مصیبت آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر پڑی اس کا ہم کو بڑا دکھ ہوا، ہماری دلی خواہش تھی کہ اللہ (اس سے) آپ کو بچائے رکھتا اس کے بعد یہاں سے نکل کر معبد ابو سفیان کے پاس روحاء میں پہنچا۔ مشرکوں نے لوٹ کر رسول اللہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے ساتھیوں اور لیڈروں کو تو ہم ختم کر چکے ہیں اب لوٹ کر باقی لوگوں پر حملہ کر کے ان کی طرف سے بالکل بے غم ہو جائیں گے۔ ابو سفیان نے جو معبد کو دیکھا تو پوچھا ادھر کی کیا خبر ہے معبد نے کہا محمد ﷺ اور ان کے ساتھی اتنی بڑی فوج لے کر تمہاری تلاش میں نکلے ہیں کہ اتنی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی وہ تم پر دانت پیس رہے ہیں جو لوگ اس روز جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ اب ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں اور اپنی گذشتہ حرکت پر پشیمان ہیں ان کے اندر تمہارے اوپر اتنا شدید غصہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا غصہ نہیں دیکھا۔ ابو سفیان نے کہا ارے تیرا برا ہو کیا کہہ رہا ہے معبد نے کہا خدا کی قسم میرے خیال میں تم کوچ کرنے بھی نہ پاؤ گے کہ گھوڑوں کی پیشانیاں تم کو نظر آ جائیں گی۔ ابو سفیان نے کہا خدا کی قسم ہم تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ لوٹ کر ان پر حملہ کر دیں تاکہ ان کے باقی لوگوں کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، معبد نے کہا میں تم کو اس حرکت سے روکتا ہوں، معبد کے اس قول نے صفوان کے مشورہ کے ساتھ مل کر ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں

کا رخ موڑ دیا اور تعاقب کے ڈر سے وہ جلد جلد لوٹ پڑے۔

اسی اثناء میں ابوسفیان کی طرف سے عبدالقیس کے کچھ سوار گزرے ابوسفیان نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے سواروں نے کہا مدینہ کو غلہ لینے جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم محمد ﷺ کو میری طرف سے ایک پیام پہنچا دو گے اگر تم اس کام کو پورا کر دو گے تو میں کل عکاظ میں تمہارے اونٹوں پر کشمش لادوں گا، سواروں نے کہا ہاں، ابوسفیان نے کہا جب تم محمد ﷺ کے پاس پہنچو تو ان کو اطلاع دیدینا کہ ہم نے قصد کر لیا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کریں گے تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کی بیخ کنی کر دیں۔ یہ پیام بھیجنے کے بعد ابوسفیان مکہ کو چلا گیا اور سوار وہاں سے جا کر مقام حمراء الاسد میں رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع دیدی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ ۷، ۸، اور ۱۹ شوال پیر منگل اور بدھ تک قیام کیا اور اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الذین مفعول ہے امدح فعل محذوف ہے یا مبتدا ہے اور آئندہ جملہ خبر ہے یا المؤمنین کی صفت ہے یعنی جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی دعوت جہاد کو قبول کیا یا ایسے مومن جنہوں نے اللہ اور رسول کی دعوت جہاد کو لبیک کہا۔

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ جنگ احد میں زخموں کی تکلیف پہنچنے کے بعد۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ان میں سے جس نے نیک اعمال کئے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ احسان اور تقویٰ کا ذکر بطور قید (یعنی بطور وصف تقییدی) نہیں ہے کیونکہ دعوت جہاد کو قبول کرنے والے سب ہی نیکوکار اور متقی تھے بلکہ ان دونوں کا ذکر بطور مدح ہے اور اجر عظیم ملنے کی علت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے[1] مجاہد اور عکرمہ نے اکثر اہل تفسیر کے خلاف صراحت کی ہے کہ اس آیت کا نزول غزوۂ بدر صغریٰ کے متعلق ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے کہا محمد ﷺ اگر تم کو منظور ہو تو آئندہ سال بدر صغریٰ پر ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ ہمارے تمہارے درمیان یہی ہوگا (یعنی آئندہ سال بدر صغریٰ پر فریقین کی جنگ ہوگی) اگلے سال ابوسفیان مکہ سے قریش کو لے کر چلا، کل تعداد دو ہزار تھی جن میں پچاس سوار تھے مکہ سے نکل کر مر الظہران کے اطراف میں بمقام مجنہ اس نے پڑاؤ کیا یہاں پہنچ کر اللہ نے اس کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور واپس ہو جانے کا خیال پیدا ہو گیا نعیم بن مسعود اشجعی عمرہ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا (مکہ میں) ابوسفیان سے اس کی ملاقات ہوئی ابوسفیان نے اس سے کہا نعیم میں نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو چیلنج دے دیا تھا کہ آئندہ ہمارا تمہارا مقابلہ بدر صغریٰ کے میلہ میں ہوگا مگر یہ خشکی کا سال ہے اور ہمارے لئے جنگ اسی سال مناسب ہے جب ہم جانوروں کو سبزہ چرا ئیں اور خود دودھ پئیں اب میری رائے یہ ہو گئی کہ بدر صغریٰ کو نہ جاؤں لیکن یہ امر بھی مناسب نہیں کہ میں وہاں نہ جاؤں اور محمد ﷺ پہنچ جائیں اس سے مسلمانوں کی جرأت بڑھ جائے گی۔ میری طرف سے چیلنج کی خلاف ورزی سے یہ بہتر ہے کہ محمد ﷺ کی طرف سے خلاف ورزی ہو لہٰذا تم مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو روک دو اور ان سے جا کر یہ کہو کہ ابوسفیان کے پاس بہت فوج ہے تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اگر تم اس خدمت کو انجام دیدو گے تو میں تم کو دس اونٹ دوں گا جو سہیل بن عمرو کے پاس بطور ضمانت جمع کر دوں گا۔ چنانچہ سہیل اونٹوں کا ضامن ہو گیا اور نعیم مدینہ پہنچ گیا۔ وہاں لوگ ابوسفیان کے چیلنج کی تیاری کر رہے تھے نعیم نے پوچھا تم لوگوں کا کہاں کا ارادہ ہے لوگوں نے جواب دیا بدر صغریٰ کے میلہ کے موقع پر ہم نے ابوسفیان سے لڑنے کا معاہدہ کیا ہے، نعیم نے کہا تمہاری رائے بری ہے۔ وہ تمہارے گھروں میں اور تمہارے مستقر پر آئے تھے تو تم میں سے سوائے بھگوڑے کے اور کوئی نہ

حاشیہ [1] شیخ عبدالقاہر جرجانی نے ذکر کیا ہے اور علامہ تفتازانی نے اس کو نقل بھی کیا ہے کہ اگر کسی کلام میں کسی صفت پر کوئی حکم مرتب کیا جائے تو وہ صفت اس حکم کی علت ہوتی ہے آیت میں اجر عظیم کا حکم صفت احسان و تقویٰ پر مرتب کیا گیا ہے اس لئے یہ دونوں وصف اجر عظیم کے استحقاق کی علت ہیں۔ مترجم

سکا اب خود نکل کر (چڑھائی کر کے) جانا چاہتے ہو وہ بھی تمہارے مقابلہ کے لئے بدر صغریٰ کے موقع پر جمع ہو گئے خدا کی قسم
(اگر تم وہاں گئے تو) تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔
بعض صحابہ کو یہ تقریر سن کر مدینہ سے نکلنا مناسب نہیں معلوم ہوا اور منافقوں اور یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی اور کہنے لگے محمد ﷺ اس گروہ سے نہیں بچ سکیں گے، یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچ گئی اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ (شاید) کوئی نہ جائے۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ بات سن چکے تھے دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بلاشبہ اللہ اپنے دین کو پھیلانے والا اور اپنے نبی ﷺ کو غالب کرنے والا ہے ہم ان لوگوں سے معاہدہ کر چکے ہیں۔ اب ان سے ہٹنا نہیں چاہتے آپ وقت مقررہ پر چلئے بخدا اسی میں بہتری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس تقریر سے خوشی ہوئی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور جاؤں گا خواہ کوئی میرے ساتھ نہ جائے گا۔
چنانچہ آپ صحابہ کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور بدر صغریٰ پر پہنچ گئے وہاں مشرکوں سے قریش کے احوال دریافت کئے مشرک مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے کہتے تھے کہ قریش نے تمہارے مقابلہ کے لئے (بہت فوجیں) جمع کی ہیں مسلمان اس کے جواب میں کہتے تھے حسبنا اللہ و نعم الوکیل - جاہلیت کے زمانہ میں بدر کے مقام پر میلہ لگتا تھا لوگ جمع ہوتے تھے یکم ذیقعدہ سے آٹھ ذیقعدہ تک رہتا تھا آٹھویں تاریخ گزرنے کے بعد میلہ اکھڑ جاتا تھا اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں ٹھہر کر ابوسفیان کا انتظار کرنے لگے ابوسفیان مجنہ سے ہی لوٹ کر مکہ کو چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ نیز صحابہؓ سے کسی مشرک کا مقابلہ نہیں ہوا مسلمان بازار میں ٹھہرے رہے ان کے پاس کچھ تجارتی مال اور سودے بھی تھے جن کو بیچ کر انہوں نے ایک کے دو کئے اور مدینہ کو صحیح سالم نفع کما کر لوٹے اس وقت آیت الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ الخ نازل ہوئی۔
صحیح اول قول ہے منقول بخاری بھی اسی کا مقتضی ہے اور ابن جریرؒ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ میں کہتا ہوں آیت کی رفتار بھی اسی کی مؤید ہے کیونکہ آیت میں مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ آیا ہے اور مسلمانوں کی تعریف اس بنا پر کی ہے کہ زخمی ہونے اور زخموں کا دکھ پانے کے ساتھ ساتھ وہ جہاد کو نکلے اور اللہ و رسول کی دعوت کو قبول کیا اور ظاہر ہے کہ ایسا (احد کے بعد ہی) حمراء الاسد کے غزوہ میں ہوا۔ بدر صغریٰ کا غزوہ تو ایک سال بعد کو ہوا تھا جبکہ لوگ تندرست اور صحیح سالم ہو چکے تھے اگر یہ کہا جائے کہ غزوۂ بدر صغریٰ بھی احد کے بعد ہوا تھا خواہ ایک سال بعد کو ہوا مگر ہوا بعد ہی کو اس لئے آیت کا مطلب صحیح ہے، یعنی متصل بعدیت کی ضرورت نہیں۔ تو میں کہتا ہوں پھر بدر صغریٰ کا غزوہ مراد لینے ہی کی کیا وجہ ہے اور غزوۂ خندق اور بعد کو آنے والے تمام غزوات پر آیت کو محمول۔ کیوں کیا جائے یہ بھی تو احد کے بعد ہی ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اگر اس آیت اور پہلی آیت کا نزول ساتھ ساتھ مانا جائے تو یہ الذین گذشتہ الذین استجابوا سے بدل ہوگا اور اگر دونوں کا نزول یکے بعد دیگرے اور جدا جدا مانا جائے تو یہ الذین یا امدح فعل محذوف کا مفعول ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی هو الذین یا مبتداء ہے اور فاخشوهم خبر ہے۔
اکثر اہل تفسیر کے نزدیک الناس سے مراد عبدالقیس کے وہ شتر سوار ہیں جو ابوسفیان کی طرف سے اس وقت خدمت گرامی میں پہنچے تھے جب آپ حمراء الاسد میں تھے۔ مجاہدؒ اور عکرمہ کے نزدیک الناس سے مراد نعیم بن مسعود اشجعی ہے جو ابو سفیان اور اس کے مشرک ساتھیوں کی خبر لے کر مدینہ میں اس وقت پہنچا تھا جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر صغریٰ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اور الناس میں الف لام جنسی ہے۔ نعیم بن مسعود بھی انسانوں کی جنس سے تھا اس لئے الناس کہا گیا۔ جیسے زید یرکب الخیل زید گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے کہا جاتا ہے حالانکہ زید کے پاس ایک ہی گھوڑا ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ نعیم کے ساتھ کچھ مدینہ کے آدمی بھی مل گئے اور انہوں نے اس کے کلام کو پھیلایا تھا یہ سب لوگ مراد ہیں۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کا نزول بدر صغریٰ کے غزوہ کے متعلق ہو اور الناس سے مراد نعیم بن مسعود ہے اور پہلی آیت غزوۂ حمراء

الاسد کے متعلق نازل ہوئی تھی اور ان دونوں کے درمیان ایک سال کا فصل تھا۔ فرد وں آیت بدر صغریٰ کے متعلق ہوا اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ آیت ان الناس قد جمعوا لکم دلالت کر رہی ہے کہ مشرکوں کے جتھے کی یہ بھرتی پہلے نہیں تھی اب ہوئی ہے اور اس حدیث جمعیت کا تصور صرف بدر صغریٰ کے لئے کیا جا سکتا ہے جہاں جمع ہو کر لڑنے کے لئے آنے کا وعدہ کیا گیا تھا، رہا احد کے بعد مدینہ کی طرف رخ کرنے کا ارادہ تو اس کے لئے کسی جدید اجتماع کی ضرورت نہیں تھی سب مشرک تو پہلے ہی سے جمع تھے پھر جمعوا لکم کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام رازی کے قول سے بھی ہماری اس تشریح کی تائید ہوتی ہے کیونکہ امام نے لکھا ہے کہ اللہ نے مومنوں کی تعریف دو غزووں میں شریک ہونے کی بناء پر کی، ایک غزوۂ حمراء الاسد جس کا ذکر پہلی آیت میں کیا گیا ہے اور دوسرا غزوہ بدر صغریٰ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ کہ لوگوں نے یعنی ابوسفیان اور دوسرے مشرکوں نے تمہارے مقابلہ کے لئے آدمی اور ہتھیار جمع کئے ہیں۔

فَاخْشَوْهُمْ پس تم لوگ ان سے ڈرتے رہو (یعنی بدر صغریٰ کو جانے کا ارادہ ہی مت کرو مقابلہ سے بچتے رہو۔

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا پس اللہ نے یا نعیم کے اس قول نے مسلمانوں کے اندر اور ایمان بڑھا دیا مطلب یہ کہ اس قول کی طرف انہوں نے توجہ ہی نہیں کی نہ ہمت ہارے بلکہ حمایت اسلام کا مظاہرہ کیا اور اس عمل کی وجہ سے اللہ سے قربت بڑھ گئی۔ مرتب بزرگی میں اضافہ ہو گیا اور مرتبہ بلندی کے تنافذ سے ایمان میں بھی ترقی ہو گئی اور جو لوگ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں ان کی نظر صرف ایمان مجازی پر ہے (یعنی اشاعرہ اور تمام اہل سنت جو ایمان کو کیفیت بسیطہ کہتے ہیں جس کے اندر ایمان کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی بلکہ وہ حد فاصل جس سے گزرنے کے بعد آدمی حد شرک میں داخل ہو جاتا ہے یعنی ایمان بے ناقابل تقسیم۔ یہ قول ایمان مجازی کے متعلق ہے ایمان حقیقی بہر حال ترقی کرتا رہتا ہے جتنا مرتبہ قرب بڑھتا ہے اتنا ہی ایمان بڑھتا ہے۔

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لئے کافی ہے، حَسْبٌ مصدر ہے جس کا معنی اسم فاعل کا ہے یعنی مُحْسِبًا۔ لفظ مُحْسِبٌ أَحْسَبَ سے مشتق ہے۔ أَحْسَبَهٗ وہ اس کے لئے کافی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل مضاف ہونے کے بعد بھی نکرہ ہی رہتا ہے (کیونکہ اضافت لفظی مفید تعریف نہیں ہوتی) اسی طرح حسب بھی اضافت کے بعد نکرہ ہی رہتا ہے، کہا جاتا ہے ھذا رجل حسبک (رجل موصوف حسبک صفت) یہ ایسا آدمی ہے جو تیرے لئے کافی ہے۔

وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۝ وکیل وہ شخص جس کے سپرد کوئی کام کر دیا جائے یعنی وہ بہت اچھا وکیل ہے (مخلوق کے تمام امور کا وہی ذمہ دار ہے) نعم الوکیل جملہ انشائیہ ہے (کیونکہ افعال مدح وذم انشاء کی قسمیں ہیں) اس کا عطف حسبنا اللہ پر ہے اور حسبنا اللہ جملہ خبریہ ہے پھر یہ عطف کس طرح صحیح ہوا یہ مسئلہ ائمہ نحو کا اختلافی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ واؤ عاطفہ جو دونوں جملوں کے درمیان ہے وہ مومنین کے کلام کا جز نہیں ہے بلکہ مومنین کے دونوں جملوں کو نقل کرنے والے نے درمیان میں عطف کے لئے بڑھا دیا ہے یعنی مومنین نے حسبنا اللہ کہا اور نعم الوکیل بھی کہا لیکن ظاہر یہ ہے کہ واؤ عاطفہ مومنین کے کلام کا جز ہے (یعنی مومنوں نے دونوں جملے ملا کر واؤ عاطفہ کے ساتھ کہے) کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اس (ایک) جملہ کو حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت کہا تھا جب آپ کو آگ میں ڈال گیا اور محمد ﷺ نے (اور آپ کے صحابہؓ نے) بھی یہ (جملہ) کہا جبکہ قَالُوْا اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (یعنی صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ جملہ کہا اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ) انہوں نے کہا لوگوں نے تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے بہت آدمی اور ہتھیار جمع کئے ہیں لہٰذا تم ان سے ڈرو (اور بدر صغریٰ کو نہ جاؤ) لیکن اس قول نے ان کا ایمان اور بڑھا دیا اور

انہوں نے کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے کلام میں حسبنا اللہ و نعم الوکیل کی طرف مفرد کی ضمیر راجع کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے بحیثیت مجموعی حضرت ابراہیم نے کہے تھے اور حرف عاطف دونوں کے درمیان ذکر کیا تھا اگر حرف عطف کا اضافہ نقل کرنے والے کی طرف سے ہوتا تو حضرت ابن عباس کا کلام اس طرح ہوتا کہ یہ دونوں (جملے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہے تھے یعنی تثنیہ کی ضمیر ہوتی۔ (اس صورت میں انشاء کا خبر پر عطف ہوگا) پس بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اول جملہ (خبریہ) کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ پر اعتماد کیا اور دوسرے (انشائی) جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے امور اللہ کے سپرد کر دیئے۔

(یعنی یہ انشائی حمد خبری حمد کے معنی میں ہے) میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جملوں کا باہم کوئی اعرابی محل نہیں خواہ ایک خبری اور دوسرا انشائی ہو۔ بہر حال ایک کا دوسرے پر عطف جائز ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا۔ (یہ جملہ خبریہ ہے) اور وہ بڑا بچہ ہے (یہ جملہ انشائیہ ہے) نیز ایک آیت میں آیا ہے وَلَنِعْمَ جَزَاءُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا (یہ کلام خبری ہے) وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (یہ کلام انشائی ہے)۔

فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت کے ساتھ یعنی ایمان، عافیت، مال اور عزت سب کے ساتھ جس کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے تھے۔

وَفَضْلٍ اور لوٹ آئے زیادتی کے ساتھ یعنی ثواب کی زیادتی سے ایمان میں ترقی ہوئی اور تجارتی نفع سے مال میں زیادتی ہوئی اور دشمن کی بزدلی سے عزت میں اضافہ ہوا۔ مال کی زیادتی کا تصور اسی وقت ہو سکتا ہے جب غزوۂ بدر صغریٰ مراد لیا جائے کیونکہ وہیں پر مسلمانوں نے بازار لگایا اور تجارت کی اور نفع کمایا تھا غزوۂ حمراء الاسد میں کوئی تجارت نہیں ہوئی۔

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ کسی دکھ نے ان کو چھوا بھی نہیں۔ یعنی کسی حالت میں کوئی دکھ ان کو نہیں پہنچا نہ زخمی ہونے کا نہ قتل ہونے کا نہ لوٹے جانے کا۔

وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ اور وہ اللہ کی خوشنودی (کے راستہ) پر چلے جس پر دونوں جہان کی بھلائی موقوف ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے کہا تھا کیا یہ جہاد ہوگا۔ آپ پر اللہ نے ان کو جہاد کا ثواب عطا فرمایا اور ان سے راضی ہو۔

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ اور اللہ بڑے فضل والا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے پیام حسرت ہے جو جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور ان کی غلطی رائے کا اظہار ہے۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ بے شک وہ یعنی نعیم یا ابوسفیان

الشَّيْطَانُ شیطان ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ ذلکم کا اشارہ قول مذکور کی طرف بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں الشیطان سے پہلے مضاف محذوف ہوگا یعنی قول مذکور شیطان کا فعل ہے شیطان نے ان کی زبانوں سے یہ بات کہلوائی ہے تاکہ وہ تم کو خوفزدہ بنا دیں اور تم پست ہمت ہو جاؤ۔

يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کو نہیں نکلے تھے یا اولیاء سے پہلے حرف جر محذوف ہے یعنی اپنے دوستوں (ابوسفیان کے ساتھیوں) سے تم کو ڈراتا ہے۔ سدی نے یہ مطلب بیان کیا کہ تمہارے دلوں میں اپنے دوستوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم ان سے ڈر جاؤ۔

فَلَا تَخَافُوهُمْ پس تم ان سے نہ ڈرو کیونکہ اللہ کے بغیر کسی میں طاقت نہیں ہو سکتی۔

وَخَافُونِ اور مجھ سے ڈرو کہ کہیں میں ان کو تم پر غالب نہ کر دوں جیسے احد کے دن کر دیا تھا، غلبہ میری طرف سے

عطا ہوتا ہے لہٰذا میرے احکام کے خلاف نہ کرو اور میرے رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان دار ہو کیونکہ ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ سے ڈرا جائے اور اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور جان رکھو کہ اگر سب لوگ مل کر نفع پہنچانا چاہیں گے تو بس اتنا ہی پہنچا سکیں گے۔ جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر تم کو کچھ ضرر پہنچانا چاہیں گے تو بس اتنا ہی پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے قلم اٹھا لئے گئے اور کاغذ خشک ہو گئے۔ رواہ احمد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

وَلَا يَحْزُنْكَ اور تم کو رنجیدہ نہ کریں۔ جمہور کی قرأت یہی ہے۔ نافع کے نزدیک سارے قرآن میں سوائے سورۂ انبیاء کے یہ لفظ باب افعال سے آیا ہے صرف سورۂ انبیاء میں باب نصر سے ہے۔ ابو جعفر کی قرات میں صرف سورۂ انبیاء میں باب افعال سے ہے باقی مقامات پر مجرد سے۔

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ وہ لوگ جو تیزی سے کفر میں گھس رہے ہیں۔ ضحاک کے نزدیک کفار قریش مراد ہیں اور دوسرے مفسرین کے نزدیک منافق مراد ہیں جو کافروں کی مدد کرنے کی وجہ سے کفر میں تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ یعنی ان منافقوں کے کفر میں تیزی سے گھسنے سے تم کو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کوئی اندیشہ نہ ہو اور تم ان سے رنجیدہ نہ ہو، کیونکہ

اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وہ اللہ کو یعنی اللہ کے دوستوں کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور نہ کافروں پر جذبہ رحم رکھنے کی وجہ سے تم کو منافقوں کی اس حرکت سے کوئی رنج ہو، کیونکہ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ اللہ ان کے لئے آخرت کے ثواب میں کوئی حصہ مقرر کرنا نہیں چاہتا چونکہ یہ بدبخت مخلوق ہے اور ان کے تقاضائے تعین اللہ کے اسم مضل کی طرف منسوب ہیں اسی لئے اللہ نے ان کی مدد نہیں کی اور یہ کفر میں تیزی کے ساتھ بڑھ گئے۔ (بقول اہل تصوف انسان صفات الٰہی کا مظہر ہے اور اللہ کی صفات متضاد ہیں، جس صفت کا جس پر تو پڑا اسی وصف کا نقش تعین اس شخص میں پیدا ہو گیا اور وہ اسی خصوصی وصف میں ممتاز ہو گیا پس اللہ کا ایک وصفی نام مضل بھی ہے اس کا بھی بعض لوگوں پر خصوصی پر تو پڑا ہے اور وصف اضلال ان کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ پس منافق جو دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ کی صفت اضلال کا ظہور ہوتا ہے لہٰذا تم کو اپنے جذبہ رحمت کے زیر اثر اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے)۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور انہی کے لئے عذاب عظیم ہے۔ یعنی ثواب سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے عذاب عظیم بھی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر لے لیا۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے (غائبانہ) آپ کی بعثت کا یقین رکھتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہو گئے اور کھلی ہوئی نشانیاں صداقت کی پیش کیں تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور دنیوی حرص میں آکر محض عناد کی وجہ سے ایمان کو چھوڑ دیا۔

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وہ اللہ کو ہرگز کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور انہی کے لئے دکھ کا عذاب ہوگا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ الذین کفروا فاعل ہے اور اسکے بعد والا جملہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یعنی کافر یہ خیال نہ کریں کہ ہم ان کو جو مہلت دے رہے ہیں لمبی عمریں دے رہے ہیں اور ترک کر کے ان کو ان کی حالت پر آزاد چھوڑ رہے ہیں یہ ان کے لئے بہتر ہے انما میں ما مصدری ہے اس لئے رسم الخط میں اس کو ان سے جدا لکھنا چاہئے لیکن مصحف امام (حضرت عثمانؓ کے قرآن) میں اس کو متصل لکھا گیا ہے اس کے اتباع میں ملا کر لکھا جاتا ہے۔

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ یہ گزشتہ حکم کی علت کا اظہار ہے۔

لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ہم ان کو ڈھیل صرف اس وجہ سے دیتے ہیں کہ ان کے گناہ بڑھ جائیں۔ لیزدادوا میں لام ارادہ کا ہے یعنی ہم ان کے گناہ زیادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس آیت میں ہمارے مسلک کا ثبوت ہے کہ گناہ بھی اللہ کے ارادہ سے ہوتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ بندہ کے لئے دنیا و آخرت میں جو چیز بہتر ہو اللہ وہی کرے۔ معتزلہ معاصی کو اللہ کے ارادہ وابستہ نہیں جانتے اور خلق اصلح کو واجب قرار دیتے ہیں پس اس آیت سے ہمارے مسلک کی تائید اور معتزلہ کے قول کی تردید نکلتی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک لیزدادوا کا لام، لام عاقبت ہے یعنی ہمارے ڈھیل دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ گناہ گار ہو جاتے ہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ اور انہی کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اس آیت کا نزول مقاتل کے نزدیک مکہ کے مشرکوں کے حق میں اور عطاء کے نزدیک قریظہ اور نضیر کے حق میں ہوا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے فرمایا جس کی عمر دراز ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا سب سے برا کون ہے فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل برے ہوں۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک منادی پکارے گا ساٹھ برس کی عمر والے کہاں ہیں اور یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر۔ رواہ البیہقی فی الشعب۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لیذر میں لام تاکید نفی کیلئے ہے یعنی اللہ ہرگز مومنوں کو نہیں چھوڑیگا۔

عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ اس حالت پر جس پر تم اس وقت ہو کہ مخلصوں کے ساتھ منافق مخلوط ہیں مخلص اور منافق کا کوئی امتیاز نہیں۔ انتم کا خطاب تمام مدعیان اسلام کو ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مخلص مومن بھی داخل ہیں اور منافق بھی۔

حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط بغیر ناپاک کو پاک سے جدا کئے یعنی بغیر اس کے کہ چھانٹ کر کافر کو مومن سے جدا کر دے۔ خواہ وحی کے ذریعہ سے اطلاع دیدے جیسے کہ اللہ نے فرمایا ہے یحذر المنافقون ان تنزل علیہم سورۃ تنبئہم بما فی قلوبہم قل استہزءوا ان اللہ مخرج ما تحذرون یا واقعات کے ذریعہ سے (جانچ کر کے) جیسے احد کا واقعہ ہوا کہ منافق مومنوں کو چھوڑ کر بچھڑ گئے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ اور اللہ تم کو غیب سے آگاہ کرنے والا بھی نہیں کہ تم منافقوں اور مومنوں کی الگ الگ تمیز کر لو جب تک اللہ ان دونوں گروہوں کو چھانٹ کر علیحدہ علیحدہ کر دے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ بلکہ اللہ پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے اور بعض غیبی علوم پر بھی مطلع کر دیتا ہے جیسا کہ اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو منافقوں کے احوال پر بطور فراست مطلع فرما دیا۔ اسی کی مثل ہے سورت جن کی یہ آیت عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ علم غیب کی تشریح ہم نے سورۂ جن کی اسی آیت کے ذیل میں کی ہے۔

بغوی نے بروایت سدی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے میری امت اپنی شکلوں میں مٹی (خمیر کی) حالت میں لائی گئی جیسے آدم کے سامنے (ان کی تمام نسل) لائی گئی تھی اور جو لوگ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور جو مجھ پر ایمان نہیں لانے والے ہیں سب مجھے بتا دیئے گئے اس فرمان کی اطلاع منافقوں کو پہنچی تو وہ مذاق کرتے ہوئے بولے محمد کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ان میں کون مومن ہوگا اور کون غیر مومن۔ محمد ان سب سے واقف ہیں اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اس کے باوجود وہ ہم کو نہیں پہچانتے۔

منافقوں کے اس قول کی خبر حضور ﷺ کو بھی پہنچ گئی تو آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگ کس وجہ سے میرے علم پر طنز کرتے ہیں تم اپنے زمانہ سے قیامت تک کی جو چیز مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا (پوچھو دیکھو) اس پر عبد اللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر پوچھا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون تھا فرمایا حذافہ۔ اس کے بعد فوراً عمر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین (برحق) ہونے پر قرآن کے امام (یعنی واجب التسلیم واجب العمل کتاب) ہونے پر اور آپ کے نبی ﷺ پر رضا مند ہیں (یعنی دل سے مانتے ہیں) آپ ہم کو معاف فرما دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم باز آگئے کیا تم باز آگئے پھر ممبر سے اتر آئے اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت کی مجھے اطلاع نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بر تقدیر صحت روایت آیت سے اس حدیث کی مناسبت اس طرح ہو گی کہ آیت میں رسول ﷺ کے مجتبیٰ اور غیب پر مطلع ہونے کی صراحت ہے اور حدیث میں ان (منکرین) کے قول کو رد کیا گیا ہے کیونکہ رسول ﷺ کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ بغیر اللہ کی اجازت کے دوسروں کو بھی علم میں شریک بنا لے پس پیغمبر کافروں کے کفر سے واقف ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ان کا یہ علم خصوصی ہے (دوسروں کو بغیر اذن خداوندی مطلع کرنے کا حق نہیں ہے)۔

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ پس اخلاص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو تاکہ رسوا نہ ہو۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اور اگر تم سچے دل سے ایمان لاؤ گے اور نفاق و معاصی سے پرہیز رکھو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہوگا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ جو لوگ خدا داد مال میں بخل کرتے ہیں یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے وہ بخل کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔

الذین یبخلون کا فاعل ہے اور مفعول اول محذوف ہے اور مفعول دوم خیراً ہے اور ھو ضمیر فصل ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ھو کو مفعول اول کے قائم مقام قرار دیا جائے۔ بہر صورت مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے مال دیا ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتے وہ اللہ کی اس عطا کو یا خداداد مال کو یا بخل کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔ ما اتاھم اللہ سے خداداد مال مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ آگے آیا ہے کہ جس چیز میں انہوں نے بخل کیا تھا اس کا ان کی گردنوں میں طوق ڈالا جائے گا (لہٰذا مناسب یہ ہے کہ وہی چیز مراد لی جائے جو اللہ نے عطا فرمائی اور بخیلوں نے اس کی زکوٰۃ نہ دی)۔

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ بلکہ وہ بخل یا عطاء خداوندی یا مال جو خدا نے دیا ہے ان کے لئے برا ہے۔

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ جس چیز کی انہوں نے زکوٰۃ نہیں دی قیامت کے دن اس کا طوق ان کو پہنایا جائے گا۔

اس آیت کا نزول زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں ہوا۔ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو وائل، شعبیؒ اور سدیؒ کا یہی قول ہے حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایسے سانپ کی شکل پر کر دیا جائے گا جو گنجا ہو گا اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ دھبے ہوں گے۔ قیامت کے دن وہ سانپ زکوٰۃ نہ دینے والے کی گردن کا طوق ہو جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا ہی (کوئی) خزانہ ہوں اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ولایحسبن الذین یبخلون الخ۔ رواہ بخاری۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی بھی ایسا ہو کہ اس کے پاس اونٹ یا گائے بھینس یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا فرض (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن یہ جانور بہت ہی جسامت اور فربہی کے ساتھ سامنے آئیں گے اونٹ اپنے سموں سے اس کو روندیں گے اور گائیں بکریاں اس کو سینگوں سے ماریں گی جب پچھلی قطار (

رونے دالی اور مدنی) اس پر پہنچے گی تو (گھوم کر) اول قطار آ پہنچے گی۔ یہ روندنے اور مارنے کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

عطیہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ اس آیت کا نزول یہودی علماء کے حق میں ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے خصوصی احوال اور نبوت (جن کا اظہار توریت میں کیا گیا تھا) کو چھپاتے تھے۔ بخل سے مراد ہے علم کو پوشیدہ رکھنا اور سیطوقون ما بخلوا بہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے گناہوں اور جرائم کا بار اٹھائیں گے۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آسمان و زمین کی وراثت اللہ ہی کو حاصل ہے یعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ باقی رہنے والا ہے، سب مر جائیں گے مال چھوڑ جائیں گے اللہ جس کو چاہے گا ان کا مال دے گا خواہ وارث ہوں یا غیر اور مرنے والوں کی گردن پر اس کا عذاب رہے گا اور (مرتے وقت) مال چھوڑ جانے کی حسرت ہو گی پھر کیا وجہ کہ وہ بخل کرتے ہیں اور راہ خدا میں مال خرچ نہیں کرتے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۟ اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے کئے کا بدلہ ضرور دے گا۔ ع ۱۸

محمد بن اسحاق ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک تحریر دے کر بنی قینقاع کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور تحریر میں ان کو اسلام لانے، نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ کے لئے قرض حسنہ دینے کی دعوت دی حسب حکم ایک روز حضرت ابو بکر یہودیوں کے مدرسہ میں گئے وہاں آپ نے دیکھا کہ بہت سے یہودی ایک شخص کے پاس جمع ہیں یہ شخص فنحاص بن عازوراء تھا جو یہودیوں کے علماء میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک اور عالم بھی تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے فرمایا اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ آئے ہیں ان کا ذکر تمہارے پاس توریت میں لکھا ہوا موجود ہے لہٰذا ان پر ایمان لے آؤ ان کی تصدیق کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو، اللہ تم کو جنت میں داخل کرے گا اور دوہرا ثواب دے گا۔ فنحاص نے کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ تم کہتے ہو کہ ہمارا رب ہم سے ہمارا مال قرض مانگتا ہے قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے پس اگر تمہاری بات صحیح ہے تو اللہ فقیر ہوا اور ہم غنی۔ اللہ تم کو تو سود (دینے) سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو دیگا اگر وہ غنی بھی ہو تب بھی ہم کو سود نہیں دیگا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر آپ نے زور سے ضرب رسید کی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارا تم سے معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کے دشمن میں تیری گردن مار دیتا۔ فنحاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا اے محمد ﷺ تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیسی حرکت کی۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے ایسی حرکت کس وجہ سے کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس دشمن خدا نے بہت بڑی بات کہی تھی اس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں مجھے یہ سن کر غصہ آیا اور میں نے اس کے منہ پر مارا۔ فنحاص نے حضرت ابو بکر کے اس قول کا انکار کر دیا (اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا) اس پر اللہ نے فنحاص کے قول کی تردید اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ کذا قال عکرمۃ والسدی و مقاتل۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ بیشک اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ فقیر ہے ہم سے قرض مانگتا ہے۔ یہ بات یہودیوں نے اس وقت کہی تھی جب آیت من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا نازل ہو چکی تھی اس پر آیت لقد سمع اللہ نازل ہوئی۔ حسن نے فرمایا کہ اس کلام کا قائل حیی بن اخطب تھا۔ منزل

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ہم لکھتے ہیں ان کے قول کو یعنی اعمال نامے لکھنے والے فرشتے ہمارے حکم سے لکھ لیتے ہیں

اسی کی مثل ہے آیت وانا لہ کاتبون ہم یعنی ہمارے فرشتے اس کو بلاشبہ لکھ لینے والے ہیں۔

وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور ان کے قتل کر دینے کو انبیاء کو ناحق یعنی ان کے اسلاف نے جو انبیاء کو ناحق قتل کیا تھا اور انہوں نے اپنے اسلاف کے اس فعل کو پسند کیا ان کی اس پسندیدگی اور خوشنودی کو ہم لکھتے ہیں۔ قتل انبیاء کو قول مذکور کے ساتھ ملا کر بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ بیہودہ قول ان کا پہلا ہی جرم نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی قتل انبیاء جیسے سخت جرم کر چکے ہیں)۔

وَنَقُولُ اور قیامت کے دن ان کے قول و فعل کی پاداش میں ہم ملائکہ کی زبانی کہیں گے کہ

ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ آتش سوزاں کے عذاب کو چکھو۔ حریق بمعنی محرق ہے یعنی جلانے والی آگ۔ جیسے عَذَابٌ أَلِيمٌ میں الیم بمعنی مولم (دکھ رساں) ہے یا عذاب الحریق میں اضافت بیانیہ ہے (موصوف کی صفت کی جانب اضافت ہے) یعنی جلانے والا عذاب۔ یہ قول ان سے اس وقت کہا جائے گا جب ان کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ ذوق کا معنی ہے کسی مزہ کا احساس مجازاً تمام محسوسات کے حساس کو ذوق کہہ لیا جاتا ہے چونکہ یہودی اپنے زیر دستوں سے رشوت کھاتے تھے اس مناسبت کی وجہ سے ان کی پاداش میں لفظ ذوق ذکر کیا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ یہ عذاب ان اعمال کی سزا ہے جو تم نے پہلے کئے تھے یعنی قتل انبیاء اور دوسرے گناہ۔ ایدی (ید کی جمع ہاتھ) بول کر شخص اور نفوس مراد لئے کیونکہ اکثر حسی افعال ہاتھوں سے ہی ہوتے ہیں اور دل کے کاموں کا اظہار ہاتھوں اور پاؤں کی حرکات سے ہی ہوتا ہے۔

وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ اور یہ عذاب تم پر اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ ظالم نہیں اور نفی ظلم کے لئے عدل لازم ہے اور عدل کا تقاضا ہے کہ نیک کو ثواب اور بد کو عذاب دیا جائے پس اللہ کے ظالم نہ ہونے کا تقاضا ہے کہ کافروں کو عذاب دیا جائے۔

...... ایک شبہ بر مسلکِ اشاعرہ ......

ظلم کی نفی اللہ کی ذات سے لازم ہے کیونکہ ظلم قبیح لذاتہ ہے اور تمام بری باتوں سے اللہ کا پاک ہونا ضروری ہے اور نفی ظلم عدل کو مستلزم ہے اور عدل کے لئے لازم ہے کہ نیک کو ثواب اور گناہ گار کو عذاب دیا جائے۔ پس فرمانبردار کو ثواب اور نافرمان کو عذاب دینا اللہ پر لازم قرار پایا اور یہ اشاعرہ کے مسلک کے خلاف ہے جو اللہ پر کسی چیز کو لازم قرار نہیں دیتے (بلکہ اللہ کو مختار کل جانتے ہیں) بلکہ یہ بعینہ معتزلہ کا مسلک ہے۔

...... جواب ......

لغت میں ظلم کا معانی ہے کسی چیز کو اس کی مخصوص جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا خواہ کمی بیشی کے ساتھ یا زمان و مکان کے تبدل و تغیر کے سبب اور چونکہ بارگاہ الوہیت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ورنہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی ملک میں تصرف لازم آئے گا یا حکم کے خلاف خود کرنا لازم آئے گا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر بغیر کسی جرم کے اللہ سارے جہان کو عذاب دے تب بھی یہ ظلم نہ ہو گا کیونکہ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے لہٰذا اس کے لئے اس کے کسی فعل کو ظلم کہا ہی نہیں جا سکتا اور جب اس کی شان میں ظلم کا تصور ہی ممکن نہیں، تو ناممکن چیز کی نفی کا کوئی معنی نہیں کیونکہ قضیہ موجبہ کے لئے تو وجود موضوع کی یا ثبوت موضوع کی یا تقرر موضوع کی ضرورت ہے اور سالبہ اگرچہ ثبوت موضوع کا محتاج نہیں مگر بوقت حکم تصور موضوع بہر حال لازم ہے ورنہ نفی کس چیز کی ہو گی) پس اس جگہ لفظ ظلم کا استعمال حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ نفی ظلم سے مراد یہ ہے کہ جو فعل بندوں کے باہمی معاملات میں ظلم کہلاتا ہے اگرچہ اللہ سے اس کا

صدور ظلم نہیں مگر اللہ اس سے بھی پاک ہے اور نفی ظلم بایں معنی اللہ کے لئے لازم نہیں (یعنی جو عمل بندوں کے باہمی معاملات میں ظلم کہلاتا ہے اس کی نفی بھی خدا کے لئے لازم ہو یہ ضروری نہیں کیونکہ حقیقت میں اس کا اللہ سے صدور ظلم ہی نہیں ہے پس اس کی نفی کیسے واجب ہو جائے گی) بلکہ اس ظلم کا بھی خدا سے صادر نہ ہونا محض اس کی مہربانی پر مبنی ہے۔

یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ انبیاء پر ظلم کرنے والوں اور تکذیب کرنے والوں اور انبیاء کو قتل کرنے والوں سے انتقام لینا اگرچہ خدا پر واجب نہیں مگر انتقام نہ لینا صورۃً ظلم معلوم ہوتا ہے کیونکہ انبیاء پر اللہ کا جو فضل و کرم ہے اس کا تقاضا ہے کہ انبیاء کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے اور ان کو سزا دی جائے پس انتقام نہ لینا صورۃً ظلم ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا (لہٰذا ضرور انتقام وہ ضرور لے گا اور ان کے قاتلوں کو عذاب دیگا) اس صورت میں عبید سے مراد ہوں گے انبیاء اور اس لفظ سے انبیاء کی مدح مستفاد ہوگی کہ وہ عبدیت اور فرماں پذیری میں باختیار خود اور بارادہ اتنے کامل ہیں جیسے دوسری بے عقل چیزیں بلا ارادہ صرف طبعاً فرمان پذیری پر مجبور ہیں۔

اس آیت میں ایک نازک توجیہ اور بھی ہے آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافر عذاب کے اتنے مستحق ہیں کہ اگر اللہ ان کو عذاب نہ دے تو ان پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہوگی پس گویا اس طرز کلام سے کافروں پر عذاب ہونے کو مؤکد طور پر ظاہر کر دیا۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا۔ کلبی نے بیان کیا ہے کہ کعب بن اشرف اور مالک بن صیف اور وہب بن یہودا اور زید بن تابوت اور فنحاص بن عازورا اور حیی بن اخطب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا محمد ﷺ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ نے تم کو پیغمبر بنا کر ہمارے پاس بھیجا ہے اور تم پر کتاب اتاری ہے حالانکہ اللہ نے ہم کو توراۃ میں حکم دیدیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو تم اس پر ایمان نہ لانا تاوقتیکہ وہ ایسی قربانی تمہارے سامنے نہ لے آئے جس کو آگ (خود بخود آسمان سے اتر کر) کھا لے پس اگر تم ایسی قربانی پیش کر دو گے تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور ایمان لے آئیں گے اس پر اللہ نے آیت اَلَّذِيْنَ قَالُوْا الخ نازل فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ کہ اللہ نے توراۃ میں ہم کو حکم دیدیا ہے اور ہدایت کر دی ہے۔

اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ کہ جو شخص بھی اللہ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے ہم اس کی تصدیق نہ کریں۔

حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ تاوقتیکہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے جس کو (آسمانی) آگ کھا جائے۔ قربان بروزن فعلان قربت سے مشتق ہے اصل لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کو پیش کر کے بندہ اللہ کے قرب کا جویاں ہوتا ہے خواہ کوئی ذبیحہ ہو یا صدقہ یا نیک عمل۔ پھر استعمال میں صرف اس ذبیحہ پر اطلاق ہونے لگا جس کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے لوگ پیش کرتے قربانیاں اور مال غنیمت بنی اسرائیل کیلئے خود کام میں لانا درست نہیں تھا اس لئے جب کوئی قربانی کرتے یا مال غنیمت اللہ کیلئے وصول کرتے تھے اور قبول یا عدم قبول کی شکل یہ ہوتی کہ آسمان سے ایک آگ سفید بے دھواں آتی تھی جس کے آنے سے ایک گونج اور گڑگڑاہٹ کی آواز ہوتی تھی اور آکر اس قربانی کو کھا جاتی تھی یہ قبول ہونے کی علامت تھی اور اگر آگ نہ آتی اور وہ قربانی اصلی حالت پر رہ جاتی تو نامقبول سمجھی جاتی۔

سدی کا بیان ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو تم اس کی تصدیق نہ کرنا تاوقتیکہ وہ ایسی قربانی نہ پیش کرے جس کو آگ کھا جائے ہاں مسیح اور محمد اگر آئیں تو تم ان پر ایمان ضرور لانا وہ قربانی پیش نہیں کریں گے (اسی بنا پر) اللہ نے بنی اسرائیل کے قول کے خلاف دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اے گروہ یہود مجھ سے پہلے بہت پیغمبر کھلے کھلے معجزات تمہارے پاس لے کر آئے اور جس قربانی کو تم کہہ رہے ہو وہ بھی انہوں نے پیش کی یعنی زکریا اور یحییٰ وغیرہ دوسرے انبیاء آئے (معجزات لے کر آئے اور اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے

نسوں نے قربانیاں بھی دیں)۔

فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر ڈالا یعنی تمہارے اسلاف نے ان کو کیوں قتل کیا اور ان کے اخلاف نے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے کیوں ان کی اس حرکت کو پسند کیا چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے یہودی اپنے اسلاف کی اس حرکت کو درست سمجھتے اور پسند کرتے تھے پس گویا یہ بھی اپنے باپ دادا کے فعل کے مرتکب ہوئے اسی لئے استفہام انکاری کا رخ حاضرین کی طرف کیا گیا۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔ اس شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ تمہارا یہاں نہ لانا اللہ کے سابق حکم کی وجہ سے ہے تو بتاؤ تم زکریا اور یحییٰ وغیرہ پر کیوں ایمان نہیں لائے (انہوں نے تو قربانیاں بھی پیش کی تھیں) پس جب تم ان پر ایمان نہیں لائے تو ظاہر ہو گیا کہ تمہارا ایمان نہ لانا محض عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے حکم خدا کی وجہ سے نہیں ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ پس اگر ان یہودیوں نے تم کو جھوٹا قرار دیا تو تم رنجیدہ نہ ہو۔

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی تھی۔ اس مطلب پر اِنْ كَذَّبُوْكَ شرط ہے اور جزاء محذوف ہے اور فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ اس کے قائم مقام ہے (دوسرے پیغمبروں کی تکذیب کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو اپنی تکذیب پر صبر کرنا اور رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ پہلے سے کافروں کا دستور یہی چلا آیا ہے۔ صرف موجودہ الوقت کافروں ہی کی یہ حرکت نہیں ہے) پس سبب کو ذکر کر کے اصل جزاء کو حذف کر دیا۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو تنہا آپ کی تکذیب نہیں ہے بلکہ آپ سے پہلے پیغمبروں کی بھی تکذیب ہے کیونکہ انہوں نے آپ کی بعثت کی خبر پہلے دیدی تھی (اور یہ آپ پر ایمان نہیں لائے پس حقیقت میں انہوں نے گذشتہ پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کو نہیں مانا)۔

جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ جو کھلے ہوئے معجزات لائے تھے۔

وَالزُّبُرِ اور صحیفے بھی لائے تھے جیسے حضرت ابراہیم کے صحیفے۔

وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ اور روشن کتاب بھی لائے تھے جیسے توریت و انجیل۔ اول الذکر تفسیر پر فَقَدْ كُذِّبَ سے المنیر تک رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسلی ہوگا کہ جیسے گذشتہ پیغمبروں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اور موخر الذکر توجیہ پر یہ یہودیوں کی غلطی پر تنبیہ ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا قرار دینا حقیقت میں ان پیغمبروں کو جھوٹا قرار دینا ہے جنہوں نے قربانیاں بھی پیش کی تھیں۔ الزُّبُرِ زبور کی جمع ہے۔ زبور وہ کتاب ہے جس میں صرف احکام ہوں یہ لفظ زَبَرْتُ الشَّيْءَ سے ماخوذ ہے زَبَرْتُ کا معنی ہے اَحْكَمْتُ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر شخص مومن ہو یا کافر موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو زمین نے اللہ سے شکوہ کیا کہ میرا ایک جز لیا گیا اور اس سے آدم کو بنایا گیا اللہ نے زمین سے وعدہ کر لیا کہ جو کچھ تجھ سے لیا گیا ہے وہ تجھے واپس کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جو شخص بھی جس مٹی سے بنا ہے وہ اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیوی زندگی اور اس کی آسائشیں اطاعت (اور اللہ کی فرماں برداری) کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اچھے عمل ہوں گے اچھا بدلہ ہوگا، برے عمل ہوں گے برا بدلہ ہوگا۔ پس تم کو صبر و طاعت کی جزا ملے گی اور کافروں کو تکذیب حق کی سزا لفظ تُوَفَّوْنَ بتا رہا ہے کہ اعمال کا کچھ بدلہ قیامت سے پہلے دنیا میں بھی ملتا ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ہم نے ابراہیم کو دنیا میں ان کا اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ صالحین (کے گروہ) میں ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر جنت کے چمنوں میں سے ایک چمن ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے (رواہ الترمذی)۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پس جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب اور بامراد ہو۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں مگر صرف دھوکہ کا سودا ہے۔ متاع وہ سامان جس سے فائدہ اور تمتع حاصل کیا جائے غر اور غرور مصدر ہے۔ باب نصر۔ غرہ اس کو دھوکہ دیا۔ فلاں نے دنیا غرور جمع ہے غار اس کا مفرد ہے۔ دنیا کو اس سودے سے تشبیہ دی جس کو بائع مشتری کو فریب دینے کے لئے پیش کرتا ہے تاکہ دھوکہ میں آکر خریدار اس کو خرید لے۔ ظاہر میں تو وہ کام کی چیز نظر آتی ہے اور حقیقت میں کچھ نہیں ہوتی۔ دنیا بھی ایسی ہی پر فریب ہے واقع میں مکروہات اور دکھوں سے بھری ہوئی ہے اور خوب کی طرح ناپائیدار بھی ہے مگر بظاہر راحت کدہ اور مجموعہ آسائش نظر آتی ہے)۔

قتادہؒ نے کہا غرور کا معنی ہے باطل۔ دنیا ایک ایسا سامان ہے جو دوسروں کا چھوڑا ہوا ہے اور چھوٹ جانے والا ہے، عنقریب دنیا اور دنیادار سب مٹ جائیں گے لہٰذا اس سامان میں سے تم اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ حسب توفیق لے لو۔ حسن بصریؒ نے فرمایا دنیا گھاس کی سبزی اور لڑکیوں کی گڑیوں کی طرح ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار رکھ چھوڑی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا (حضور ﷺ نے فرمایا) اگر تم (اس کا ثبوت) چاہتے ہو تو پڑھو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور جنت کے اندر ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس تک سوار چلتا ہے پھر بھی طے نہ کر پائے۔ اگر تم (اس کا ثبوت) چاہو تو پڑھو وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ اور جنت کی کوڑا برابر جگہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اگر تم چاہو تو پڑھو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔ رواہ البغوی بسندہ۔ صحیحین میں حدیث کا پہلا ٹکڑا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ تک موجود ہے لیکن دوسرے اور تیسرے ٹکڑوں میں اقرؤا ان شئتم ظل ممدود اور اقرؤا ان شئتم فمن زحزح نہیں ہے (صرف درخت کے سایہ کا اور جنت کے اندر کوڑا برابر جگہ کا ذکر ہے)۔

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ تمہاری ضرور آزمائش کی جائے گی مالوں اور جانوں (کے سلسلہ) میں یعنی اوامر تکلیفیہ دے کر جیسے زکوٰۃ، صدقات، روزہ، نماز، حج اور جہاد یا تکالیف میں مبتلا کر کے جیسے (طرح طرح کی) مصیبتیں مالی تباہیاں، آفات، تجارتی گھاٹا، بیماریاں اور دوستوں عزیزوں کی موت۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ

اور تم ضرور سنو گے ان لوگوں سے جن کو کتاب تم سے پہلے دی گئی اور مشرکوں سے دکھ کی باتیں بہت یعنی رسول اللہ ﷺ کی ہجو، دین پر طعنے مسلمانوں کے خلاف کافروں کو ترغیب۔ اللہ نے اس بات کی اطلاع پہلے سے اس لئے دیدی کہ آئندہ ہونے والے واقعات سے وہ تنگدل نہ ہوں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں۔

ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی سند میں بسند حسن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس واقعہ کے متعلق ہوا جو حضرت ابو بکرؓ اور فنحاص یہودی کے درمیان ہوا تھا جس میں فنحاص نے کہا تھا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء۔

عکرمہ مقاتل کلبی اور ابن جریج کا بیان بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ ان حضرات کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بنی قینقاع کے سردار فنحاص بن عازوراء کے پاس کچھ (دین) امداد طلب کرنے کے لئے بھیجا اور ایک تحریر بھی اس کے نام لکھ دی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بغیر تیزی میں کچھ حرکت نہ کر بیٹھنا

(بلکہ) واپس آجانا حضرت ابو بکرؓ گردن میں تلوار لٹکائے فنحاص کے پاس پہنچے اور اس کو نامہ مبارک دیدیا، فنحاص نے خط پڑھ کر کہا اب تمہارا رب ہماری مدد کا محتاج ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے (یہ بے ادبی کے الفاظ سن کر) تلوار کی ضرب رسید کرنی چاہی مگر حضور ﷺ کا فرمان یاد آگیا کہ واپس آجانا تیزی میں کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا یہ سوچ کر رک گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔
عبدالرزاق نے بروایت زہری عبداللہ بن کعب بن مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول کعب بن اشرف کے حق میں ہوا یہ شخص اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا تھا مسلمانوں کو گالیاں دیتا تھا اور مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔

میں کہتا ہوں یہ قصہ واقعہ بدر کے بعد کا ہے کعب نے جب اسلامی حکومت دیکھی سرداران قریش بھی اس کی نظر کے سامنے مارے گئے تو مکہ کو خود گیا کہ مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے جمع کرے اور جب قریش نے اس سے پوچھا کہ ہمارا مذہب زیادہ ہدایت کا ہے یا محمد ﷺ کا دین تو کعب بن اشرف نے کہا تمہارا دین، رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی ہجو کی تھی۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف نے اپنے اشعار میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دکھ پہنچایا ہے اور ہمارے خلاف مشرکوں کو طاقت بہم پہنچائی ہے، میرے لئے کون اس کا کام تمام کر سکتا ہے محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ کی یہ خدمت کروں گا وہ میرا ماموں ہے میں اس کو قتل کر دوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کر دو محمد بن مسلمہ (گھر) لوٹ کر آئے لیکن تین روز تک سوائے اتنی غذا کے کہ سانس باقی رہے نہ کچھ کھایا نہ پیا، اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ سے دریافت کیا تم نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا ابن مسلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ایک بات کہہ تو گزرا لیکن معلوم نہیں کہ پورا بھی کر سکوں گا یا نہیں حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے ذمے کوشش کرنا ہے سعد بن معاذ سے مشورہ کرو۔ محمد بن مسلمہؓ نے سعدؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا تم اس کے پاس جاؤ اپنی ضرورت کا اس سے شکوہ کرو اور کچھ غلہ قرض دینے کی اس سے درخواست کرو۔

غرض اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ اور عباد بن بشر اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے اور حارثؓ بن عبس اور حارثؓ بن اوس بن معاذ جو حضرت سعدؓ بن معاذ کے بھتیجے تھے اور بچانے ان کو بھیجا تھا اور ابو عبس بن جبر ایک جگہ جمع ہوئے اور خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کو قتل تو کر دیں گے مگر آپ ہم کو اجازت دیجئے کہ آپ کے متعلق اگر کچھ (نازیبا) باتیں ہم آپس میں کہیں (تو قابل مواخذہ نہ قرار دیے جائیں) فرمایا جیسا سمجھو ویسا کہو تم کو آزادی ہے اس کے بعد سب نے ابو نائلہ کو آگے بھیجا، ابو نائلہ کعب کے پاس گئے اس سے کچھ باتیں کیں اور آپس میں شعر سنانے لگے کیونکہ ابو نائلہ بھی شعر کہا کرتے تھے (اور کعب بن اشرف بھی شاعر تھا) پھر ابو نائلہ بولے ابن اشرف میں ایک کام سے تیرے پاس آیا تھا میں اس کا ذکر تو تجھ سے کرتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ ظاہر نہ کرنا ابن اشرف نے کہا بیان کرو، ابو نائلہ نے کہا ہمارے ملک میں اس شخص کا آنا ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے تمام عرب ہمارا دشمن ہو گیا اور ہمارے مقابلہ میں ایک کمان بن گیا ہمارے (سفر کے) راستے مارے کٹ گئے یہاں تک کہ بال بچے بھوکے مرنے لگے اور ہم سخت دشواریوں میں پڑ گئے۔ کعب نے کہا میں نے تو تم کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ آخر یہی ہوگا۔ ابو نائلہ نے کہا میرے ساتھ میرے کچھ ساتھی ہیں ہم سب چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہاتھ کچھ غلہ فروخت کر دو (اور قیمت کے عوض اس وقت) ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارا اعتماد کر لیں گے تم ہم سے اچھا سلوک کرو۔ کعب نے کہا اپنے بچے میرے پاس رہن رکھ دو۔ ابو نائلہ نے کہا ہم کو شرم آتی ہے کہ اپنی اولاد کو گروی ہونے کی عار میں مبتلا کریں کہ آئندہ لوگ کہیں یہ ایک وسق کے عوض گروی تھا اور یہ دو وسق کے عوض۔ کعب نے کہا تو اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ ابو نائلہؓ نے کہا عورتوں کو کیسے رہن رکھ دیں تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہاری طرف سے بے خطر نہیں ہیں تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر کون عورت تم سے بچ سکتی ہے البتہ ہم بچے

اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں اور تم واقف ہی ہو کہ ہم کو اسلحہ کی کتنی ضرورت ہے۔
کعب نے کہا چہ بیشک اسلحہ پر (ادائے قیمت کا) پورا اعتماد ہے۔ ابونائلہؓ نے چاہا کہ کعب ہتھیاروں کو دیکھ کر کہیں انکار نہ کردے اس لئے اس سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو آکر اطلاع دی سب نے باتفاق رائے طے کرلیا کہ شام کو مقررہ وعدہ کے مطابق کعب کے پاس جائیں گے پھر رات کو آکر رسول اللہ ﷺ کو اس تدبیر اور گفتگو کی اطلاع دے دی۔

محمد بن اسحاق اور امام احمد نے سند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو رخصت کرنے بقیع غرقد تک ان کے ساتھ گئے پھر ان کو بھیج کر فرمایا جاؤ اللہ کے نام پر۔ اے اللہ ان کی مدد فرما۔ اس کے بعد آپ چاندنی رات میں جو دن کی طرح تھی اپنے گھر لوٹ آئے یہ چاندنی ماہ ربیع الاول کی چودھویں رات کی تھی۔ ادھر وہ لوگ چلے گئے اور رات کو ابن اشرف کی گڑھی پر پہنچے، ساتھیوں سے ابونائلہ نے کہا میں کعب کے سر کے بل ہاتھ سے بنوں گا اور جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر کے بل مضبوطی سے قابو میں کرلئے تو اپنا کام کرنا اور تلواروں سے اس پر حملہ کرنا۔ گڑھی کے پاس پہنچ کر ابونائلہؓ نے آواز دی۔ ابن اشرف کی شادی نئی نئی ہوئی تھی آواز سن کر وہ چادر لپیٹے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بیوی نے چادر کا کونہ پکڑ لیا اور کہنے لگی آپ جنگی آدمی ہیں اور جنگی آدمی ایسے وقت نہیں اترا کرتے (اس وقت باہر نکلنے میں آپ جیسے لوگوں کے لئے خطرہ ہے) میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے آپ گڑھی کے اوپر سے ہی ان سے گفتگو کریں۔ کعب نے کہا میں نے وعدہ کیا ہے اور یہ تو میرا بھانجہ محمد بن مسلمہ اور رضاعی بھائی ابونائلہ ہے اگر یہ لوگ مجھے سوتا پائیں گے تو بیدار کریں گے اور شریف آدمی کو اگر رات میں نیزوں کی طرف بھی بلایا جائے تو وہ قبول کرتا ہے، غرض کعب چادر گلے میں ڈالے نیچے اتر آیا، چادر سے خوشبو مہک رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک ان لوگوں سے باتیں کرتا رہا کچھ دیر ہو گئی تو ان لوگوں نے کہا ابن اشرف چلو شعب عجوز تک ٹہلتے ہوئے چلیں وہاں پہنچ کر باقی رات باتیں کریں گے۔ کعب نے کہا اگر چاہتے ہو تو چلو سب پیدل ٹہلتے ہوئے چل دیئے کچھ دیر ہی چلے تھے کہ ابونائلہؓ نے کہا مجھے تمہاری طرف سے خوشبو کی مہک آرہی ہے۔ کعب نے جواب دیا فلاں عورت جو عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ معطر رہنے والی ہے میری بیوی ہے۔ ابونائلہؓ نے کہا کیا مجھے سونگھنے کی اجازت ہے۔ کعب نے کہا ہاں ابونائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر کے بالوں میں ڈالا پھر اپنے ہاتھ کو سونگھا اور کہا آج کی رات کی طرح میں نے کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

کعب حسین اور گھونگریالے بالوں والا شخص تھا، مشک کو پانی میں گھس کر اور عنبر ملا کر دونوں کنپٹیوں پر گوند کی طرح جمالیا کرتا تھا ابونائلہ کچھ دیر اور چلتے رہے پھر لوٹ کر وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا یہاں تک کہ کعب کو پورا اطمینان کردیا اور ابونائلہ کا ہاتھ کعب کے بالوں میں پھرنے لگا آخر کار لوٹ کر اس کے سر کی لٹیں پکڑیں اور خوب قابو میں لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا دشمن خدا کو مارو۔ اور تلواریں چلیں مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا محمد بن مسلمہ کا بیان ہے کہ مجھے ایک خنجر یاد آیا جو تلوار (کی نیام) میں میں نے رکھا تھا فوراً میں نے وہ خنجر ہاتھ میں لے لیا دشمن خدا نے ایک زور کی چیخ ماری۔ چیخ کے ساتھ ہی ہمارے گردا گرد جتنی گڑھیاں تھیں سب پر آگ روشن کردی گئیں میں نے خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور خنجر پر دباؤ ڈال کر پیڑو کی ہڈی تک پہنچادیا اور اللہ کا دشمن گر پڑا۔

ابن سعد کی روایت میں آیا ہے کہ ابو عبسؓ نے کعب کے پہلو میں برچھا مارا پھر ان لوگوں نے اس کا سر کاٹ لیا۔ حارثؓ بن اوس بن معاذ کے سر پر ہماری ہی کسی تلوار سے چوٹ آگئی تھی ہم سب وہ یہودیوں کے ڈر سے وہاں سے نکل کر تیزی سے بھاگے مگر ہمارے ساتھی حارثؓ بن اوس سر کی چوٹ اور خون نکل جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور اس نے ساتھیوں کو پکار کر کہا رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام کہہ دینا۔ آواز سن کر لوگ اس کی طرف مڑے اور اٹھالائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چل دیئے آخر رات میں بقیع غرقد پر پہنچ کر سب نے تکبیر کہی رسول اللہ ﷺ اس وقت کھڑے نماز پڑھ

رہے تھے صبح میں تکبیر کی آواز سن کر رسول اللہ ﷺ کو مسجد کے دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا چہرے بامراد ہوں آنے والوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ بھی بامراد ہو۔ آنے والوں نے حضور ﷺ کے سامنے کعب کا سر ڈال دیا آپ نے اس کے قتل پر اللہ کا شکر کیا۔ لوگوں نے اپنے ساتھی حارثؓ کو پیش کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے زخم پر تھتکار، جس کی وجہ سے پھر زخم نے تکلیف نہیں دی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہودی مرد تمہارے ہاتھ لگے اس کو قتل کر دو۔ شنینہ ایک یہودی تاجر تھا جس کا مسلمانوں سے خلط ملط تھا اور مسلمانوں سے خرید و فروخت کرتا تھا محیصہ بن مسعودؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ محیصہ کا ایک بڑا بھائی حویصہ تھا اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا حویصہ نے محیصہؓ کو مارا اور کہا اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر دیا۔ حالانکہ خدا کی قسم تیرے پیٹ کے اندر جتنی چربی ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کے مال سے پیدا ہوا ہے۔ محیصہؓ نے کہا خدا کی قسم جس نے مجھے اس کے قتل کا حکم دیا تھا اگر وہ مجھے تیرے قتل کرنے کا حکم دیتا تو میں تیری بھی گردن مار دیتا۔ حویصہ نے کہا کہ اگر محمد ﷺ تجھے میرے قتل کا حکم دیدیں تو مجھے بھی تو قتل کر دے گا۔ محیصہؓ نے کہا ہاں۔ حویصہ نے کہا جس دین نے تجھے اس حد تک پہنچا دیا۔ خدا کی قسم وہ تو عجیب دین ہے اس کے بعد حویصہ بھی مسلمان ہو گیا۔ کعب کے قتل کے بعد یہودی ڈر گئے پھر ان کے بڑے لوگوں میں سے کسی نے گردن نہیں اٹھائی اور کچھ نہ بولے ان کو اندیشہ ہو گیا کہ ابن اشرف کی طرح کہیں ان کو بھی رات کو قتل نہ کر دیا جائے۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ یہودی خوف زدہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا ہمارے سردار کو نامعلوم طور پر قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کعب کی حرکتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ) کہ وہ کس کس طرح سے بھڑکاتا اور رسول اللہ سے لڑنے کی ترغیب دیتا اور حضور ﷺ کو دکھ پہنچاتا تھا اس کے بعد ان کو دعوت دی کہ رسول اللہ کے اور ان کے درمیان ایک صلح نامہ لکھ دیا جائے چنانچہ صلح نامہ لکھا گیا اور وہ تحریر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس رہی۔

مسئلہ :- اس قصہ سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی کافر رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی توہین کرے یا آپ کو دکھ پہنچائے تو اس کو قتل کر دینا جائز ہے، خواہ وہ معاہد ہو یا غیر معاہد۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر معاہد رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو اس کو قتل کرنا ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا کفر ہے اور کفر سے معاہدہ کی شکست نہیں ہوتی (معاہد تو پہلے سے ہی کافر ہوتا ہے) رہا ابن اشرف کا قتل تو اس کی وجہ جواز یہ تھی کہ اس نے خود عہد شکنی کی تھی مکہ کو جا کر مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ سے لڑنے پر ابھارا تھا حالانکہ اس سے معاہدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا مگر اس نے اس کے خلاف کیا۔

مسئلہ :- اس قتل کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو نائلہ کی غداری کہنا جائز نہیں ایک شخص نے حضرت علیؓ کی مجلس میں ایسا کہا تھا تو آپ نے اس کی گردن مار دی تھی۔ غداری تو امان دینے کے بعد ہو سکتی ہے مگر حضرت محمد بن مسلمہؓ اور آپ کے ساتھیوں نے تو کعب کو امان نہیں دی تھی صرف بیع اور رہن کی گفتگو کی تھی یہاں تک کہ اس پر قابو پالیا۔

فائدہ :- صحیح روایت میں آیا ہے کہ کعب سے گفتگو کرنے والے حضرت محمد بن مسلمہؓ تھے لیکن اکثر اہل مغازی نے لکھا ہے کہ گفتگو کرنے والے حضرت ابو نائلہؓ تھے دونوں روایتوں میں تطبیق کیلئے کہا جا سکتا ہے کہ دونوں حضرات نے گفتگو کی۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم آزمائشوں پر صبر رکھو گے۔

وَتَتَّقُوْا اور اللہ کے حکم کی مخالفت سے بچتے رہو گے۔

فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ تو یہ صبر و تقویٰ تاکیدی احکام میں سے ہے۔ عَزْم مصدر بمعنی اسم مفعول ہے یعنی ان امور میں سے ہے جن پر عزم واجب ہے یا ان امور میں سے ہے جن کا اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے۔ عزم کا

اصل معنی ہے کسی چیز پر دائے کا جم جانا۔ عطاء نے صبروا کا ترجمہ کیا ہے حقیقت ایمان میں کتابوں کے صبر سے مراد ہے آزمائشوں کے وقت بے قرار نہ ہو جانا اور فرمانبردار رہنا اور (مصائب نازلہ پر) اعتراض نہ کرنا لیکن اگر کفار مسلمانوں کو ایذا دیں تو انتقام پیامبر کے منافی نہیں ہے جیسے ابن اشرف کے قصہ سے واضح ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا تو یعنی توریت کے اندر علماء اہل کتاب سے وعدہ لیا تھا۔

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ کہ لوگوں کے سامنے اس کتاب (کے احکام) کو کھول کر بیان کرنا۔

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ اور اس (کے احکام اور بیانات) کو پوشیدہ نہ رکھنا۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ پھر انہوں نے کتاب کو پس پشت پھینک دیا یعنی اس پر عمل چھوڑ دیا اور توریت کے اندر جو اوصاف محمدی کا بیان تھا اس کو پوشیدہ رکھا۔

وَاشْتَرَوْا بِهٖ اور اس کے (اخفاء کے) عوض انہوں نے لیا۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا حقیر معاوضہ یعنی کچھ کھانے کی چیزیں اور رشوتیں۔

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ پس بری ہے وہ چیز جو وہ (حق کو چھپانے کے) معاوضہ میں لے رہے ہیں یعنی جو چیز وہ اپنے لئے پسند کر رہے ہیں وہ بری ہے۔ قتادہ نے کہا اللہ نے یہ عہد علماء سے لیا تھا کہ جو شخص کچھ جانتا ہو وہ دوسروں کو بتائے، چھپا کر نہ رکھے۔ اخفاء علم موجب ہلاکت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ میں جو کچھ تم سے بیان کروں اس کو نہ چھپانا، پھر آپ نے آیت واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب۔ تلاوت کی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص سے کوئی ایسی علم کی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ چھپائے رکھے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی، رواہ احمد باسناد صحیح۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انس کی روایت سے نقل کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بن عمارہؒ نے بیان کیا کہ میں زہری کے پاس اس زمانہ میں گیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا تھا میں نے ان کو دروازہ پر پایا اور کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کوئی حدیث بیان کریں بولے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے حدیث بیان کرنی چھوڑ دی ہے میں نے کہا یا تو آپ بیان کریں یا پھر میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں، بولے تم بیان کرو میں نے کہا مجھ سے حکم بن عیینہ نے یحییٰ جزار کے حوالے سے بیان کیا، جزار نے کہا کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ نے جاہلوں سے علم سیکھنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے علم سکھانے کا وعدہ نہ لے لیا، پھر زہری نے مجھ سے چالیس حدیثیں بیان کیں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ حدیث حارث کی سند سے بواسطہ کی روایت سے لکھی ہے اور مسند الفردوس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوعاً منقول ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

جو لوگ اپنے (بد) کردار پر خوش ہوتے ہیں اور جو (اچھے) کام نہیں کئے، چاہتے ہیں کہ ان پر ان کی تعریف کی جائے سو تم ہرگز مت خیال کرنا کہ ایسے لوگ خصوصی عذاب سے بچے رہیں گے، (وہ نہیں بچیں گے) اور ان کو دکھ کا عذاب ہوگا۔ ما اتوا سے مراد ہے لوگوں کو گمراہ کرنا، فریب کاری کرنا، حق کو چھپانا، یا عام گناہ مراد ہیں۔ مالم یفعلوا سے مراد ہے کہ عہد کو پورا کرنا، حق کو ظاہر کرنا، سچی خبر دینا اور دوسری نیکیاں، بدکرداری پر خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بدکرداری تکذیب نبوت کی مددگار تھی۔

ممکن ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ سے مراد وہ منافق ہوں جنہوں نے واقع میں دل سے تو اطاعت نہیں کی مگر دکھاوٹ کے لئے طاعت کا اظہار کرتے تھے اور باوجودیکہ زہد اور تقویٰ کے فرمانبردار نہ تھے مگر اس بات سے خوش ہوتے اور خواہش کرتے کہ ان کے زہد و اطاعت کی تعریف کی جائے اول لَاتَحْسَبَنَّ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اس کا پہلا مفعول اَلَّذِیْنَ اور دوسرا مفعول بمفازۃ ہے اور دوسرا لَاتَحْسَبَنَّھُمْ پہلے لَاتَحْسَبَنَّ کی تاکید ہے اور جو فاعل اور اول مفعول پہلے لاتحسبن کا ہے وہی اس کا ہے۔ بمفازۃ سے مراد ہے دنیا میں رسوائی، مذمت اور عدم قبول اور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔

شیخین وغیرہ نے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے طریق سے اور بغوی نے بخاری کے طریق سے بروایت علقمہؓ بن وقاص بیان کیا کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا جا کر ابن عباسؓ سے دریافت کرو کہ جب ہم میں سے ہر شخص اپنے کئے پر خوش اور ناکردہ نیکی پر تعریف کئے جانے کو پسند کرتا ہے اور ایسے شخص کو عذاب دیا جانا یقینی ہے تو کیا پھر ہم سب کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق، اس کا واقعہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو طلب فرمایا اور کوئی بات پوچھی یہودیوں نے اصل بات چھپالی اور کوئی دوسری بات بتائی اور رسول اللہ ﷺ پر ظاہر یہ کیا کہ آپ نے جو کچھ دریافت کیا تھا ہم نے وہی بتایا اور اس فعل پر انہوں نے مستحق تعریف بننا چاہا، لیکن اپنی جگہ پر وہ اس امر سے خوش تھے کہ ہم نے وہ بات چھپالی جو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کی تھی اس بیان کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ ... سے یَفْعَلُوْا تک تلاوت کی۔

شیخین نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی جہاد پر جاتے تھے تو وہ رہ جاتے تھے جہاد پر نہیں جاتے تھے اور اپنے پیچھے رہنے سے خوش ہوتے تھے لیکن جب حضور ﷺ واپس آتے تھے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر معذرت پیش کرتے تھے اور ناکردہ نیکی پر تعریف کے خواستگار ہوتے تھے اس پر آیت لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا الخ نازل ہوئی۔

عبد نے اپنی تفسیر میں زید بن اسلمؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت رافعؓ بن خدیج اور حضرت زیدؓ بن ثابت مروان کے پاس موجود تھے۔ مروانؓ نے حضرت رافعؓ سے پوچھا کہ آیت لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا الخ کس بابت نازل ہوئی تھی حضرت رافعؓ نے فرمایا کچھ منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی جہاد پر جاتے تو وہ عذر معذرت کر کے ساتھ نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے ہم تو دل سے چاہتے تھے کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ ہوتے مگر خاص مجبوری کی وجہ سے رکنا پڑ گیا، انہی منافقوں کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا، حضرت رافع کا یہ کلام سن کر معلوم ہوتا تھا مروان کو اطمینان نہیں ہوا حضرت رافع نے گفتگو کا رخ بدل کر حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کیا آپ کو اس کا علم ہے حضرت زید نے فرمایا ہاں (ایسا ہی ہے) حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ آیت کا نزول دونوں گروہوں (یہود اور منافقین) کے حق میں ہوا یعنی دونوں واقعات ایک ہی زمانہ میں ہوئے اور آیت کا نزول دونوں کے متعلق ہوا۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ یہودی کہتے تھے ہماری کتاب پہلے ہے، ہم اہل الصلوٰۃ اور اہل طاعت ہیں لیکن اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے تھے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے مختلف طریقوں سے تابعین کی ایک جماعت کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن جریر نے اسی کو ترجیح بھی دی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق بھی یہ آیت نازل ہوئی ہو کوئی وجہ مانع نہیں، بغوی نے عکرمہؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت کا نزول فنحاص اور اشیع اور دوسرے علماء یہود کے متعلق ہوا جو لوگوں کو گمراہ کرتے اور علماء کہلانے سے خوش ہوتے تھے باوجودیکہ علماء نہیں تھے۔ مجاہدؒ نے کہا یہودی خوش ہوتے تھے کہ اللہ نے آل ابراہیم کو مرتبہ عطا فرمایا حالانکہ وہ خود اس سے بے بہرہ تھے (حضرت ابراہیم کے پیرو نہ تھے)۔

قتادہؒ اور مقاتلؒ نے کہا کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر کہا ہم آپ کو پہچانتے ہیں اور تصدیق

کرتے ہیں (کہ آپ نبی موعود ہیں) اور ہم تمہارے (یعنی مسلمانوں کے) خیال سے متفق ہیں اور تمہارے مددگار ہیں مگر یہ باتیں (وہ صرف زبان سے کہتے تھے) ان کے دلوں میں نہیں تھیں جب حضور ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا تم نے خوب کیا ایسا ہی کرنا، غرض مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کیلئے دعا کی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اور اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی، یعنی بارش، رزق اور زمین کی روئیدگی کے خزانے اللہ ہی کے اختیار میں ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے پس ان کو سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے، اس آیت میں یہودیوں کے قول ان اللہ فقیر کی تردید ہے۔ ع ۱۹

طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا موسیٰ کیا معجزات لے کر آئے تھے، یہودیوں نے جواب دیا، عصا اور ید بیضاء، پھر عیسائیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا عیسیٰ کی کیا کیفیت تھی عیسائیوں نے کہا وہ مادر زاد اندھوں اور برص کی بیماری والوں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ کوہ صفا کو ہمارے لئے سونے کا بنا دے، حضور ﷺ نے دعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ بیشک آسمانوں کی اور زمین کی اور ان کے درمیانی کائنات کی تخلیق میں جو عجائب قدرت ہیں اور باوجودیکہ ذات ممکن مقتضی وجود نہیں (کیونکہ ذات امکان کی جہت وجود وعدم دونوں سے برابر ہوتی ہے) پھر بھی اللہ نے ماہیات ممکنات پر فیضان وجود کیا (اور نیست سے ہست کیا)۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۔ اور رات دن کے تعاقب اور ترتیب کے ساتھ پر حکمت آمد ورفت میں۔

لَاٰيٰتٍ ۔ خالق کی ہستی کمال علمی، ہمہ گیری، قدرت اور اراده وحکمت کے ثبوت کی کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں۔

لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۔ ان لوگوں کے (جاننے اور ماننے کے) لئے جن کی دانش وفہم توہمات کی آمیزش سے پاک اور شیطانی وسوسوں سے منزہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے اس پر جو یہ (آیت) پڑھتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا، اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ (ایک رات) میں رسول اللہ ﷺ کے گھر سو گیا میں نے دیکھا کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے بیدار ہو کر مسواک کی، وضو کیا اور آیت ان فی خلق السموت والارض آخر سورت تک پڑھی، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجود طویل کیا پھر واپس آکر سو گئے کہ سانس کی آواز آنے لگی پھر اسی طرح حضور ﷺ نے تین بار کیا، اس طرح چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر مرتبہ مسواک بھی کی اور وضو بھی کیا اور ان آیات کی بھی تلاوت کی پھر تین وتر پڑھے، رواہ مسلم۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ۔ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ یہ اولی الالباب کی صفت ہے کیونکہ ذکر، فکر، تسبیح، استغفار، دعا، تضرع اور ایمان عقل کا تقاضا ہے جو ان صفات سے متصف نہیں وہ جانور ہے بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ کیونکہ چوپائے بھی کسی نہ کسی طرح تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، نخعی اور قتادہ کے نزدیک اس آیت میں آیت سے مراد نماز ہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھے، کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ نہ سکے تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھے، اسی آیت کی ہم معنی سورہ نساء

کی یہ آیت ہے، فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ ؎

حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا مجھے بواسیر تھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے مریض کی نماز کے متعلق پوچھا، حضور ﷺ نے فرمایا کھڑا ہو کر نماز پڑھو، کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر (پڑھو) اور بیٹھ بھی نہ سکتا ہو تو پہلو پر لیٹ کر (پڑھو) خرجہ بخاری و اصحاب السنن الاربعہ۔ نسائی نے حدیث کے آخر میں اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر (کروٹ سے لیٹ کر) نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر (پڑھو) اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر (کھڑا) نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے پس اگر سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا کرے اگر (بیٹھنے کی بھی) استطاعت نہ ہو تو دائیں کروٹ سے لیٹ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھے اگر دائیں پہلو پر لیٹ نہ سکے تو چت لیٹ کر پاؤں کو قبلہ کی جانب کر کے پڑھے، رواہ الدار قطنی لیکن اس حدیث کے راویوں میں ایک شخص حسین بن زید ہے جس کو ابن المدینی نے ضعیف کہا ہے ایک اور راوی حسن بن حسن مغربی بھی ہے جو متروک ہے اسی بنیاد پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مریض اگر کھڑا ہونے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھنے سے بھی عاجز ہو تو دائیں کروٹ سے لیٹ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، اگر کروٹ سے بیٹھنے سے بھی عاجز ہو تو چت لیٹ کر پاؤں کا رخ کعبہ کی طرف کر کے پڑھے تاکہ اس کے رکوع اور سجود کا اشارہ قبلہ کی طرف ہو سکے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے مگر ان دونوں بزرگوں کا امام شافعیؒ سے اتنا اختلاف ہے کہ (امام شافعیؒ کے نزدیک چت لیٹنے کی اجازت اس وقت ہے جب، کہ کروٹ سے نہ لیٹ سکتا ہو لیکن) ان دونوں کے نزدیک اگر کروٹ سے لیٹ بھی سکتا ہو تب بھی چت لیٹ کر نماز پڑھنا درست ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو چت لیٹ کر کعبہ کی طرف پاؤں کر کے پڑھے اور چت نہ لیٹ سکتا ہو تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھے، امام ابو حنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آیت اور سورۂ نساء والی آیت کوئی بھی صلوٰۃ مریض کے متعلق نہیں ہے بلکہ عام اہل تفسیر کے نزدیک آیت کی مراد یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کی یاد کی جائے کیونکہ عموماً انسان کی یہی تین حالتیں ہوتی ہیں یا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے یا لیٹتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جنت کے باغوں کی سیر پسند کرتا ہو اس کو اللہ کا ذکر بہت کرنا چاہئے، رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی من حدیث معاذؓ۔

اور اگر ہم مان بھی لیں کہ آیت کا نزول صلوٰۃ مریض کے متعلق ہے تب بھی چت لیٹ کر نماز پڑھنے کی نفی اس سے نہیں نکلتی اور شافعیؒ نے جو ترتیب بیان کی ہے آیت اس پر دلالت نہیں کرتی رہی حضرت عمرانؓ بن حصین والی حدیث تو ابن ہمام (صاحب فتح القدیر) نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمرانؓ کو بواسیر تھی آپ چت لیٹ ہی نہ سکتے تھے اسی لئے حدیث میں چت لیٹنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں نسائی نے حدیث کے آخر میں جو زیادتی نقل کی ہے اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو شافعی کیلئے دلیل ہو سکتی ہے۔ باقی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث تو وہ (روایۃً) ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابو حنیفہؒ نے جو چت لیٹنے کو کروٹ سے لیٹنے سے ترتیب میں پہلے ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ (امام صاحبؒ کے نزدیک) نماز میں رکوع سجود کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے امام صاحب نے فرمایا کہ جو شخص رکوع سجود نہ کر سکتا ہو مگر کھڑا ہو سکتا ہو اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ بیٹھ کر اشارہ کرنا سجدہ سے قریب پہنچا دیتا ہے (اور کھڑے رہ کر اشارہ کرنے سے سجدہ سے دوری رہتی ہے) لیکن جمہور کا قول اس کے خلاف ہے (اگر قیام کی قدرت ہے تو جمہور کے نزدیک بیٹھ کر نماز صحیح نہ ہو گی سجدہ سے قرب و بعد کی اتنی اہمیت نہیں کہ قیام کا حکم ساقط ہو جائے) اور چت لیٹ کر اشارہ کرنے سے جبکہ

؎ سورۂ نساء کی یہ آیت مذکورہ آیت کے ہم معنی اگر قرار دی جائے تو اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے اللہ کی یاد کرو یعنی نماز پڑھو لیکن آیت کا مشہور مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر ہر طرح کرو، کھڑے بیٹھے لیٹے کوئی وقت یاد خدا سے خالی نہ رہنا چاہئے واللہ اعلم۔

پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اشارہ کعبہ کی طرف ہوگا لیکن کروٹ سے لیٹ کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اشارہ کرنے سے اشارہ کعبہ کی طرف منہ ہو گا قدموں کی طرف ہو گا۔ لہٰذا کروٹ سے لیٹنے سے چت لیٹ کر پڑھنا بہتر ہے۔

امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع سجود کی اہمیت قیام سے زیادہ نہیں (ارکان صلوٰۃ ہونے میں سب برابر ہیں) اس لئے جو کھڑا ہو سکتا ہو اس کی نماز بیٹھ کر صحیح نہیں خواہ رکوع سجود نہ کر سکتا ہو بلکہ کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا لازم ہے، رہا چت لیٹنا تو یہ خیال غلط ہے کہ اس کا منہ کعبہ کی طرف ہوگا عام طور پر اس کا منہ آسمان کی طرف ہوتا ہے ہاں کروٹ سے لیٹ کر عموماً اس کا رخ قدموں کی طرف نہیں ہوتا کعبہ کی طرف ہوتا ہے اور آیت فول وجہک شطر المسجد الحرام میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اور آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش پر نیز ان عجائب اور ندرتوں پر جو ان کے اندر اور درمیانی کائنات میں ہیں غور کرتے ہیں، تاکہ ان سے خالق، قادر، علیم، حکیم وحدہٗ لا شریک کی ہستی پر استدلال کر سکیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (آیات قدرت پر) غور کرنے کے برابر کوئی عبادت نہیں، اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان وابن حبان فی الضعفاء، بیہقی اور ابن حبان دونوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنے بستر پر چت لیٹا ہوا تھا اوپر کو منہ تھا، اچانک اس کی نظر آسمان اور ستاروں پر پڑی تو اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرا ایک مالک اور خالق ہے اے اللہ مجھے بخش دے اللہ نے اس کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور بخش دیا۔ رواہ ابو الشیخ ابن حبان والثعلبی۔

(اہل منطق کے نزدیک) فکر کا معنی ہے نامعلوم چیز کو جاننے کے لئے معلوم چیزوں کو (دماغ کے اندر مناسب) ترتیب دینا قاموس میں ہے کہ کسی چیز (کو جاننے) کے لئے غور سے کام لینا فکر ہے۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے، فکرۃ وہ قوت جو معلوم تک پہنچنے کے لئے علم کا راستہ بتاتی ہے اور تفکر کا معنی ہے قوت فکر کی حرکت جو عقلی نظر کے موافق ہو اور یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے دوسرے حیوان تفکر سے محروم ہیں (کیونکہ کسی حیوان کو قوت عقلیہ نہیں ملی حیوان کے پاس صرف حس ہے) تفکر کا تعلق صرف انہی چیزوں سے ہوتا ہے جن کی صورت دماغ میں آنا ممکن ہو اسی لئے روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر غور کرو، اللہ کی ذات میں غور نہ کرو، کیونکہ اللہ کی ذات ہر صورت سے پاک ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ فکر، لفظ فرک کا مقلوب ہے (فرک کا معنی ہے تراشنا، چھیلنا اور رگڑنا) مگر فکر کا استعمال معانی میں ہوتا ہے یعنی معانی کو چھیلنا، کھودنا، رگڑنا، تاکہ ان کی حقیقت تک رسائی ہو جائے (تفکر ہے) انتہی کلام الجوہری، میں کہتا ہوں حدیث میں آیا ہے کہ ہر شئے میں غور و خوض کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور ہیں اور اللہ اس سے بھی بالا ہے، رواہ ابو الشیخ فی العظمۃ عن ابن عباسؓ۔

حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں خلق میں غور کرو خالق (کی ذات) میں غور نہ کرو کیونکہ تم اس کا اندازہ کر نہیں سکتے، حضرت ابوذرؓ کی روایت یہیں الفاظ ہے کہ اللہ کی خلق میں غور کرو، اللہ (کی ذات) میں غور نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ (کی ذات) میں غور نہ کرو، طبرانی نے الاوسط میں اور ابو الشیخ نے اور ابن عدیؒ نے اور بیہقی نے ضعیف سند سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں میں غور کرو، اللہ میں غور نہ کرو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات میں غور کرنا منع ہے، صرف افعال خدا، صفات خدا اور اسماء خدا پر غور کیا جا سکتا ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ اسماء اور صفات کی آمیزش کے بغیر (اور تمام صفات سے قطع نظر کر کے) تنہا خالص ذات کا علم حصولی (یعنی علم تصوری) ناممکن ہے بلکہ حضرت مجدد قدس سرہ نے تو فرمایا ہے کہ مرتبہ ذات سے تو علم

حضوری کا تعلق بھی محال ہے کیونکہ علم حضوری کی حرکت تو عالم کی جانب سے ہوتی ہے یعنی مرتبہ اتحاد و عینیت کی طرف ہوتی ہے۔ (مراد یہ ہے کہ علم حضوری بواسطہ صورت نہیں ہوتا مبدءِ انکشاف نفس ذات معلوم ہوتی ہے اس لئے علم حضوری کی حقیقت عالم کی ذات کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتی) پس اس سے کفر حقیقت لازم آتا ہے اللہ ہمارے نفس سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے (شدت قرب نے ہی اس کو ہمارے لئے نامعلوم بنا دیا ہے) پس وہ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے مگر اس کا وراء الوراء (پردہ در پردہ) ہونا بعد کی جانب نہیں (ایسا نہیں کہ انتہائی دوری کی وجہ سے وہ مستور ہو) بلکہ قرب کی جانب ہے (یعنی انتہائی قرب کی وجہ سے وہ مجہول غیر مرئی غیر معقول اور مخفی ہے) لہٰذا مرتبہ ذات میں اس کی ذات کا علم حضوری بھی ناممکن ہے۔ بعض صوفیہ کو جو علم لدنی بسیط (بے کیف بے مقدار بے صورت اور بے حضور) ہر وقت حاصل رہتا ہے اور اس کے علم کا تعلق ذات خاص سے ہوتا ہے وہ علم نہ حصولی ہوتا ہے نہ حضوری، معلوم نہیں اس کی کیا حقیقت اور کیا کیفیت ہوتی ہے اس پر تفکر کا حقیقی اطلاق درست نہیں ہاں مجازاً اس کو تفکر کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیہ کے کلام میں آیا ہے، شریعت میں اس کی تعبیر لفظ ذکر سے کی گئی ہے، حدیث میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، اس سے مراد وہی مرتبہ علمی ہے جو نہ حصولی ہے نہ حضوری ہو ذکر لسانی مراد نہیں ہے کیونکہ ہر وقت ہمیشہ زبانی ذکر نا ممکن ہے۔

چونکہ دوامِ ذکر ہی اصل مقصد ہے اور اس کا مرتبہ بہت اونچا ہے اور تفکر ہی ایک ایسا طریقہ ہے جو ذکر تک پہنچاتا ہے اس لئے اللہ نے سب سے پہلے اولی الالباب کی صفت دوام ذکر کو قرار دیا اور اس کے بعد تفکر کا ذکر کیا جو علم (ذکر) تک پہنچاتا ہے اور ذکر کے لئے ایسا ہے جیسے کسی چیز کا سایہ۔ حق کھڑے بیٹھے اور کروٹ کے بل ذکر کرنے سے مراد ہے ہر حال میں ہر وقت ذکر کرنا اس کے بعد فرمایا وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کے علاوہ فکر سے پہلے ذکر کو بیان کرنے سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوتی ہے کہ عقل تنہا کوئی صحیح علم اور فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک نور ذکر اور ہدایت الٰہی سے ضیاء فکن نہ ہو (یعنی تفکر سے پہلے نور ذکر کی ضرورت ہے تنہا تفکر کرنے والے تو بہت ہیں مگر ذکر کی روشنی سے چونکہ وہ دور ہیں نہیں اس لئے علم ذات سے محروم ہیں)۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے اس کو بیکار بے حقیقت محض کھیل کے لئے نہیں بنایا، یعنی وہ یہ بات کہتے ہوئے غور کرتے ہیں، باطل حق کی ضد ہوتا ہے (قاموس) حق کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے: ۱۔ وہ موجود جس کا وجود اصلی ہو خود بخود ہو وہ اپنے وجود اور تحقق بلکہ کسی چیز میں دوسرے کا محتاج نہ ہو، بایں معنی حق صرف اللہ ہے، ۲۔ وہ موجود جس کا وجود محض وہمی تراشیدہ اور خیالی نہ ہو بلکہ ذہن سے باہر واقع میں بھی ہو خواہ وہ اپنے تحقق میں موجود حق بمعنی اول سے خوشہ چیں ہو (جیسے آسمان زمین ہوا پانی انسان حیوان نباتات وغیرہ)، ۳۔ وہ موجود جس کا وجود پر حکمت، پر مصلحت اور مفید ہو بے کار، بے فائدہ، بے حکمت اور بیہودہ نہ ہو۔

حق کے یہ تین معانی ہیں اور ہر معنی کے مقابل لفظ باطل آتا ہے اول معنی کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے اچھا قول لبید (بن ربیعہ) کا یہ قول ہے اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے (یعنی اپنے وجود و لوازم وجود اور ہر وصف میں محتاج ہے کسی چیز کا وجود اصلی اور خود بخود نہیں ہے) باطل کا دوسرا معنی بھی شعر میں مراد ہو سکتا ہے یعنی اللہ کے سوا ہر معبود کی معبودیت وہمی تراشیدہ اور خیالی تراشیدہ ہے، واقعی نہیں۔ تیسرے معنی کے لحاظ سے باطل کا اطلاق شیطان پر ہوتا ہے اللہ نے فرمایا لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ اس کے آگے پیچھے (کسی طرف) سے شیطان نہیں آسکتا۔

آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا میں بَاطِلًا بمعنی دوئم اور بمعنی سوئم مراد ہو سکتا ہے اگر باطل بمعنی دوئم مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ آسمان و زمین بے حقیقت نہیں ان کا وجود واقعی خارجی ہے محض خیال و وہم نہیں۔ اہل حق (اشاعرہ) نے صانع کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے اسی مسئلہ کو اساس قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ حقائق اشیاء (یعنی کائنات ارضی و

سماوی کی حقیقتیں) ثابت ہیں (صرف وہم کی آفریدہ اور خیال کی تراشیدہ نہیں ہے) اور ان کا علم واقعی ہے (محض فرضی اور اختراعی نہیں ہے) ہاں سوفسطائیہ کا قول اس کے خلاف ہے (ان کے نزدیک سارا عالم ایک فریب اور وہم ہے کسی چیز کی کوئی واقعی حقیقت اور خارجی وجود نہیں) اس آیت میں اہل حق کے قول کی صراحت ہے۔ اور اگر آیت میں باطل بمعنی سوم مراد ہو تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اے رب تو نے اس کو بیکار اور محض کھیل نہیں بنایا بلکہ اس کی تخلیق میں تیری حکمت عظیمہ کار فرما ہے اس کا وجود تیری معرفت کی دلیل اور تیری شکر و طاعت کا موجب ہے۔

ما خلقت ھذا میں اشارہ آسمان اور زمین کی طرف ہے اسم اشارہ مذکر اس لئے لایا گیا کہ آسمان و زمین کے مجموعہ سے مراد ہے ان کا وجود جس پر اولی الالباب غور کرتے ہیں یا اس لئے کہ ان کا مجموعہ مخلوق ہے یا اشارہ خلق کی طرف ہے اور خلق بمعنی مخلوق ہے یا خلق بمعنی تخلیق ہے (پیدا کرنا) یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان و زمین کے ہر جز کی پیدائش کی طرف اشارہ ہو۔

سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے یعنی تو عبث (مذاق کرنے اور محض کھیل) سے پاک ہے کیونکہ ہزل ایک قبیح فعل ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے لیکن اگر باطل بمعنی اول لیا جائے تو جملہ معترضہ ہو گا۔

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پس ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے یعنی اگر ہمارے تفکر اور غور میں کوئی خرابی ہو جائے اور ہم غور و فکر کا تقاضا پورا نہ کر سکیں (اور عذاب کے مستحق قرار پائیں) تو ہم کو عذاب سے محفوظ رکھ فقنا کی فا (جو تفریع کے لئے ہے بتا رہی ہے کہ کائنات کی پیدائش (جو وجود صانع پر استدلال کرنے اور شکر و طاعت بجالانے کے لئے ہے) کا تقاضا ہے کہ فرماں بردار کو ثواب اور نافرمان) کو عذاب ہو اور تخلیق ارض و سماء کے باطل اور بیکار نہ ہونے کا علم چاہتا ہے کہ ثواب کی امید اور عذاب کا خوف ہو لہٰذا ضروری ہے کہ عذاب سے بچنے کی درخواست اور ثواب کی طلب کی جائے اور چونکہ دفع مضرت کی اہمیت حصول منفعت سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے عذاب سے بچاؤ کا ذکر حصول ثواب سے پہلے کیا جائے اور ربنا و اٰتنا ما وعدتنا علٰی رسلک کا ذکر عذاب النار کے بعد کیا جائے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ فقنا میں فا جزائیہ ہے اصل کلام اس طرح تھا جب ہم تیری پاکی کے معترف ہیں تو تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کیا تو بس اس کو رسوا کر دیا۔ بار بار ربنا کا ذکر (چند وجوہ سے کیا گیا ہے) تضرع اور زاری میں زور پیدا کرنے کے لئے۔ ہر مقصد کو مستقل حیثیت میں ظاہر کرنے کے لئے ہر مطلب کی بلندی شان ظاہر کرنے کے لئے وصف ربوبیت پر پورا پورا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے لئے۔ خزاہ اس پر غالب آیا اس کو اس کی خواہش سے روک دیا یا خزی (سمع) مصیبت میں پڑ گیا اخزاہ اللہ (افعال) اللہ نے اس کو رسوا کر دیا (قاموس)۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ اور ظالموں کا کوئی ساتھی نہیں۔ بجائے ضمیر کے لفظ ظلمین کہنے سے یہ جتانا مقصود ہے کہ ظلم کی وجہ سے ہی وہ دوزخ میں جائیں گے۔ نصرت کا معنی ہے قوت سے دفع کرنا، قہار کے مقابلہ میں طاقت سے دفع کرنے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ورنہ قہار کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور عاجز ہونا صفت ربوبیت کے منافی ہے لیکن اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ شفاعت سے دفع مصیبت قوت کے ساتھ نہیں ہوتا)

ایک شبہ — اللہ نے فرمایا ہے يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا۔ لیکن بعض مؤمن دوزخ میں جائیں گے اور اس آیت میں صراحت ہے کہ جو دوزخ میں جائے گا اللہ اس کو رسوا کر دے گا (نتیجہ یہ نکلا کہ بعض مؤمن رسوا ہوں گے) دونوں آیتوں کے تضاد کو دور کرنے کی کیا صورت ہو گی۔

ازالہ — ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں جائے گا جب تک وہ دوزخ میں رہے گا اس کی رسوائی ہو گی۔ یا جن مؤمنوں کو رسوا نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ان سے کامل مؤمن مراد ہیں (معہ کا لفظ اس کا قرینہ ہے۔ مترجم) حضرت انسؓ اور قتادہؓ نے مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ کا ترجمہ کیا ہے جس کو تو دوزخ میں ہمیشہ رکھے سعید بن منصور نے کہا

اس آیت (میں رسوا نہ کرنے) کا حکم ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا مؤمن کو رسوا کرنے سے مراد ہے ادب آموزی اور رسوائی کا درجہ اس سے اونچا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا اے ہمارے رب ہم نے ایک ندا دینے والے سے سنا۔ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ اور اکثر علماء کے نزدیک منادی سے مراد ہیں رسول اللہ ﷺ قرطبیؒ نے کہا قرآن مراد ہے کیونکہ ہر شخص کی ملاقات تو رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہو سکتی۔ میں کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ کا متواتر فرمان سننا ہی ایسا ہے جیسے کسی نے خود حضور ﷺ سے سنا (یعنی روبرو ہو کر سننا جس طرح مفید یقین ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی فرمان تواتر کے ساتھ کسی کے پاس پہنچے تو وہ بھی خود زبان مبارک سے سننے کی طرح مفید یقین ہے) پکارنے والے کو سنا فرمایا، پکارنے والے کے قول کو سنا نہیں فرمایا کیوں؟ سننے کی قوت، بتانے کے لئے، پسے مُنَادِيًا کو نکرہ ذکر کیا منادی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے پھر اس کی ندا کو ایمان کے ساتھ مقید کیا منادی اور ندا کی مزید عظمت بیان کرنے کے لئے کیونکہ ایمان کے لئے پکارنے والے سے زیادہ باعظمت منادی اور ندائے ایمانی سے بڑھ کر کوئی ندا ممکن نہیں۔

يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ جو پکار رہا تھا ایمان لانے کیلئے، مادہ نداء کے بعد الیٰ بھی آتا ہے کیونکہ ندا کے مفہوم میں پہنچے کا مفہوم شامل ہے اور لفظ نداء کے بعد لام بھی آتا ہے کیونکہ لام خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے اور مقصود ندا ئے مخصوص ہوتا ہے۔

اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اَنْ مفسرہ ہے نداء کے اندر قول کا معنی ہوتا ہے (یعنی وہ ایمان کے لئے پکار کر کہہ رہا تھا کہ) یا اَنْ مصدری ہے اور باء مقدر ہے اصل میں تھا بِاَنْ اٰمِنُوْا۔

فَاٰمَنَّا سو ہم اس پر ایمان لائے۔ فقط دعوت ایمان پر ایمان لانا بتارہا ہے کہ ایمان کی بناء (عقلی دلیلوں پر نہیں ہے بلکہ) صرف شارع کی طرف سے دیئے ہوئے حکم پر ہے اس آیت سے شیخ ابو منصور ماتریدی نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے (یعنی یہ کہنا غلط ہے کہ میں انشاء اللہ مؤمن ہوں) بلکہ اس طرح کہنا واجب ہے کہ میں یقیناً مؤمن ہوں۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب پھر معاف کردے ہمارے کبیرہ گناہ۔ فَاغْفِرْ میں فاء سببیت کی ہے (یعنی فاء سے پہلا کلام بعد والے کلام کا سبب ہے) کیونکہ ایمان سبب مغفرت ہے مغفرت بغیر ایمان کے نہیں ہو سکتی۔

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور ہماری بدکاریاں (یعنی صغیرہ گناہ) ہم سے دور کردے کَفِّرْ باب تفعیل سے امر ہے اور باب تفعیل فعل کی کثرت کو ظاہر کرتا ہے صغیرہ گناہ بکثرت ہوتے ہیں اس لئے درخواست بھی بار بار معاف کرنے کی کی۔ یعنی بار بار ہماری برائیوں پر پردہ ڈال۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ اور نیکوں (کے گروہ) میں شامل کر کے ہمیں موت دے۔ ابرار جمع ہے بَرٌّ یا بَارٌّ کی مراد ہیں، سچے اور بکثرت نیکی کرنے والے اور بہت بھلائی والے لوگ۔ اپنے آپ کو نیکوں میں شامل کرنے کی دعا کی اور خود نیک ہونے کا اظہار نہیں کیا محض عاجزی اور خضوع اور انکسار نفس کی وجہ سے کیونکہ خضوع ہی اللہ کو محبوب ہے۔ نیکوں کے ساتھ موت دینے کا معنی یہ نہیں ہے کہ نیکوں کی موت کے وقت ہماری موت ہو ایسی دعاء علاوہ غیر مفید ہونے کے عادۃً نا ممکن بھی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم کو ان کے زمرہ میں داخل کر کے اور نیک بنا کے موت دے۔

ایک شبہ :- یہ تو موت کی دعا اور تمنا ہے اور موت کی دعا سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا جیسے سورۂ بقرہ کی آیت فتمنوا الموت ان کنتم صدقین کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

ازالہ :- مسئلہ کی تحقیق ہم کرچکے ہیں کہ موت کی تمنا اور دعا کسی مالی نقصان یا جسمانی دکھ سے تنگ آکر نا جائز ہے مطلقاً نا جائز نہیں ہے اس کے علاوہ اس آیت سے مراد موت کی دعا نہیں ہے بلکہ مرتے دم تک نیکی اور صلاح عمل پر قائم رکھنے کی دعا مقصود ہے کہ موت آئے تو صلاح و نیکی کی حالت میں آئے، فوری موت کی طلب کا اظہار مقصود ہی نہیں ہے جیسے آیت ولا تموتن الا و انتم مسلمون میں غیر اسلامی حالت پر مرنے کی ممانعت کرنا نہیں ہے موت (کسی حالت میں ہو) انسان

کے معنی میں نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری زندگی کی ہر حالت اسلامی ہو اور ہر وقت تم مسلمان رہو تاکہ جب بھی موت آئے تو اسلام پر آئے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا اے ہمارے پروردگار اور ہم کو عطا کر جو تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے یعنی ثواب جنت پائیدار اور مرتبہ قرب آخرت میں اور دشمنوں پر فتح دنیا میں۔

عَلٰی رُسُلِكَ اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے کے بدلے میں، یا اپنے پیغمبروں کی زبانی کئے ہوئے وعدے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر جو وعدہ تو نے نازل کیا تھا وہ عطا فرما۔ یا یہ مطلب کہ اپنے پیغمبروں کے ساتھ ہم کو بھی دے اور ہم کو بھی اپنی داد و دہش میں ان کا شریک بنا دے۔ اس صورت میں علی کا معنی مع ہوگا۔ اس درخواست معیت کے اظہار سے مقصود ہے حق رسالت کو ادا کرنا اور پیغمبروں کی شرکت کی برکت سے اپنے فضل کو بڑھانا۔

اٰتِنَا اور وَعَدْتَّنَا میں جمع متکلم کی ضمیر سے مراد ہے مسلمانوں کا گروہ یعنی تمام صالحین سے جو تو نے وعدہ کیا وہ عطا فرما۔

ایک شبہ۔ کیا اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے وعدہ خلافی کا اندیشہ تھا کہ دعا میں ایفاء وعدہ کی درخواست کی۔

ازالہ۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ یہ دعا اس اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ کہیں مستقبل کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جائے جن کو برے انجام کی وعید سنائی گئی ہے یا اس غرض سے یہ دعا کر رہا ہے کہ اس کو اپنے ایمان و طاعت میں کچھ قصور نظر آ رہا ہے یا یوں کہو کہ یہ دعا محض تعبدی اور اظہار عجز کے لئے ہے ورنہ ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الفاظ دعا کے ہیں مگر معنی خبر کے مراد ہیں یعنی اے رب بلاشبہ جو تو نے پیغمبروں کی معرفت ہم سے فضل و رحمت کا وعدہ کیا وہ ہم کو ضرور دے گا۔ بعض علماء نے کہا دعا سے مراد ہے ایفاء وعدہ کی تعجیل یعنی یہ تو ہم جانتے ہیں کہ جس فتح کا تو نے وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا اس کے خلاف نہیں کرے گا لیکن ہم کو تیرے حلم کی برداشت نہیں اب جلدی کافروں کو رسوا اور ہم کو ان پر فتحیاب فرما دے۔

وَلَا تُخْزِنَا اور ہم کو رسوا نہ کر یعنی ہم کو دوزخ میں داخل نہ کر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ[١] قیامت کے دن یعنی اس دن جب یکدم سب لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ رسوا کرنے سے مراد یہ ہے کہ برے اعمال کے ارتکاب سے بچا جن کے نتیجہ میں قیامت کے دن ہم کو رسوائی ہو اور ہم کو بخش دے اور ہمارے قصوروں پر پردہ ڈال دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندہ کو اپنے قریب بلا کر اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا اور مخلوق سے چھپا کر اس کے سامنے اس کا اعمالنامہ رکھ کر فرمائے گا اپنا اعمالنامہ پڑھ۔ حسب الحکم بندہ پڑھے گا اور نیکی کو لکھا دیکھ کر اس کا چہرہ چمک جائے گا اور دل خوش ہوگا اللہ فرمائے گا میرے بندے کیا تو اس کو پہچانتا ہے بندہ عرض کرے گا ہاں پروردگار پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں نے تیری یہ نیکی قبول کی۔ بندہ فوراً سجدہ میں گر پڑے گا اللہ فرمائے گا اپنا سر اٹھا اور اپنے اعمال نامہ کو (اور آگے) پڑھ۔ حسب الحکم بندہ پڑھے گا اور بدی لکھی دیکھ کر اس کا چہرہ سیاہ اور دل خوف زدہ ہو جائے گا۔ اللہ فرمائے گا میرے بندے کیا تو اس کو پہچانتا ہے بندہ عرض کرے گا ہاں میرے رب پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں تجھ سے زیادہ اس کو جانتا ہوں مگر میں نے تجھے یہ گناہ معاف کیا۔ اسی طرح بندہ پڑھتا جائے گا نیکی کو پڑھے گا اور اللہ کی طرف سے قبول ہونے کا فرمان سن کر سجدہ کرے گا اور بدی کو پڑھے گا اور معافی کا حکم سن کر سجدہ کرے گا مگر مخلوق کو (کچھ معلوم نہ ہوگا کہ واقعہ کیا گزر رہا ہے فقط) اس کا سجدہ کرنا دکھائی دے گا اس لئے بعض لوگ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے بشارت ہو اس بندہ کو جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی کسی کو

[١] القیامۃ کی تفسیر یکدم اٹھ کھڑے ہونے سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ القیامۃ میں تاء وحدت کی ہے یعنی ایک قیام کا دن اور وہ دن مقرر ہے یوں تو ہر شخص کا مرنا بھی اس کے لئے قیامت ہے اور اسی قیامت کی تعداد اموات کے مطابق ہے مگر یہاں ایک مخصوص دن مراد ہے جو سب لوگوں کے لئے ایک ہی ہوگا یعنی قبروں سے نکلنے سے حساب کتاب اور فیصلہ کے بعد جنت اور دوزخ میں داخلہ تک کا وقت۔ ١٢

معلوم ہوتا ہوگا کہ سند کا اور اس کا کیا معاملہ گزرا۔ رواہ عبداللہ بن احمد فی الزوائد واخرج الترمذی عن ابی موسیٰ نحوہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیحین میں بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ اس میں شبہ نہیں کہ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا یعنی مومن کو ثواب دے گا اور دعا کرنے والے کی دعا قبول فرمائے گا۔ گذشتہ دعا میں اٰتنا ما وعدتنا سے چونکہ وہم ہو سکتا ہے کہ شاید دعا کرنے والے کے نزدیک اللہ کی وعدہ خلافی کا احتمال ہے اس لئے انک لا تخلف المیعاد کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ استجب اور اجاب بعض علماء کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ شیخ بیضاوی نے لکھا ہے استجب، اجاب سے خاص ہے استجب کا معنی ہے دعا کو قبول کیا۔ یہ بغیر حرف جار کے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور لام کے ذریعہ سے بھی (پس استجبہم اور استجابہم دونوں طرح کہنا درست ہے)۔

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بایں طور یا یہ کہتے ہوئے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے[1] کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل اکارت نہیں کروں گا، کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ حضرت ام سلمہؓ میں سن رہی ہوں کہ ہجرت میں اللہ مردوں کا ذکر فرماتا ہے عورتوں کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اخرجہ الحاکم وصححہ والترمذی وابن ابی حاتم وعبدالرزاق وسعید بن منصور۔

بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ تمہارے بعض بعض سے ہیں۔ کلبی نے کہا یعنی دین میں، باہم مدد کرنے میں اور آپس کی دوستی میں۔ بعض نے کہا نسب اور انسانیت میں ایک کا دوسرے سے ہونا مراد ہے کیونکہ سب آدم و حوا کی اولاد ہیں ہر مرد بھی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے (بااستثناء آدم و حوا) اور ہر عورت بھی مرد کی پشت سے پیدا ہوتی ہے۔ پس عورتوں کو بھی اعمال کا ثواب اسی طرح ملے گا جس طرح مردوں کو۔ عام عمل کرنے والوں سے جو وعدہ کیا ہے اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت ظاہر کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ بیان کیا۔ اس سے آگے بعض عمل کرنے والوں کے بعض اعمال کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے مستقل طور پر فرمایا۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي پھر جن لوگوں نے وطن چھوڑے اور اپنی بستیوں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو دکھ دیئے گئے۔ میری راہ سے مراد ہے میری طاعت اور میرے دین کی راہ میں یا مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور میرے سبب سے۔

وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا اور لڑے اور مارے گئے۔

لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ میں ضرور ضرور دور کر دوں گا ان سے ان کے گناہ یعنی ان کے گناہ مٹا دوں گا اور مغفرت کر دوں گا۔

وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور ان کو ضرور ضرور ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ اللہ کی طرف سے ثواب کے طور پر۔ مبرد نے کہا ثوابا مفعول مطلق تاکیدی ہے فعل محذوف ہے یعنی لاثیبنہم ثوابا میں ان کو ضرور بالضرور یقیناً ثواب عطا کروں گا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ثوابا جنت سے حال قرار دیا جائے یعنی جنات بطور ثواب دی جائیں گی۔ شاید من عند اللہ ثواب کہنے سے یہ مراد ہو کہ جنات سے بڑھ کر کوئی اور ثواب مخصوص خداداد ان کو ملے گا (اس وقت ثوابا حال نہ ہوگا بلکہ فعل محذوف کا مفعول ہوگا کیونکہ یہ ثواب جنات سے غیر ہوگا یہ ثواب

[1] تم میں سے یعنی اے اہل ایمان تمہارا کوئی عمل صالح ضائع نہیں کروں گا۔ یہ قید اس لئے لگائی کہ کافروں کا کوئی عمل قبول نہیں تمام نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں بغیر ایمان کے [illegible] ۱۲

جنات کے علاوہ اللہ کی طرف سے محض عطا ہو گی اور یہ ثواب ان کے اعمال کی جزا ہو گا مگر ہو گا اللہ کی مہربانی سے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ اور اللہ کی قدرت میں ہے اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

حُسْنُ الثَّوَابِ اچھا ثواب۔ حُسْن سے مراد حَسَن ہے (اور صفت کی اضافت موصوف کی جانب ہے) یا سب سے اچھا ثواب مراد ہے جس پر کوئی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے قرب کے بکثرت درجات ہیں اور اس کا قرب تمام جنات اور جنات کی نعمتوں سے بہتر ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مشرک بڑی راحت و آسائش میں تھے تجارت کرتے اور آرام سے رہتے تھے بعض مسلمانوں نے کہا اللہ کے دشمن کیسے اچھے حال میں ہیں اور ادھر ہم ہیں کہ (باوجود مؤمن ہونے کے) دکھ اور تنگ حالی میں مبتلا ہیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تم کو دھوکے میں نہ ڈالے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مراد امت ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو تو کافروں کا عیش فریب دے ہی نہ سکتا تھا) یا مخاطب عام ہے کوئی ہو۔

تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ان کافروں کا ملک میں گھومنا، پھرنا شہروں شہروں میں گھومنا یعنی تجارت اور کمائی کے لئے ملک میں چلنا پھرنا (اور کمائی کر کے مزے اڑانا) کافروں کا گھومنا پھرنا مسلمانوں کی فریب خوردگی کا سبب تھا اس فریب خوردگی کی ممانعت فرمائی مراد یہ ہے کہ کافروں کی فراخ حالی پر نظر نہ کرو اور ان کی ظاہری وسعت معاش سے فریب خوردہ نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی فاجر (کی راحت اور اچھی حالت دیکھ کر اس) پر رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کے سامنے کیا آئے گا اللہ کے نزدیک اس کے لئے ایک ایسا مار ڈالنے والا متعین ہے جو (خود) کبھی نہیں مرے گا یعنی دوزخ۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ یہ تھوڑا اور حقیر سامان ہے یا اس کے لئے تھوڑا اور بے مقدار سامان ہے کیونکہ اس عیش کی مدت کم ہے پھر اس کی مقدار تھوڑی بھی ہے اور حقیر بھی۔ حضرت مستورد بن شداد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے پھر اپنی انگلی کو دیکھے کہ اس پر کتنی (تری لگ کر) لوٹی ہے۔ رواہ مسلم۔

ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ پھر آخر میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بری آرام گاہ ہے یعنی جو چیز انہوں نے اپنے لئے تیار کی ہے وہ جہنم ہے اور جہنم بری چیز ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں انہی کے لئے ہوں گی جنتیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اہل نحو کے نزدیک لکن کا استعمال استدراک کے لئے ہوتا ہے یعنی گذشتہ کلام سے جو مقصود کے خلاف وہم پیدا ہو سکتا ہے اس کو دفع کرنے کے لئے لکن سے دوسرا کلام شروع کیا جاتا ہے یہاں بھی یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ جب دنیا میں آسائش کے ساتھ رہنے والوں کی متاع قلیل ہے تو اہل تقویٰ کی متاع اس سے بھی قلیل ہو گی کیونکہ وہ تو ویسے ہی لذتوں سے دست کش ہو چکے ہیں اس وہم کو دور کرنے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جن متقیوں نے دنیا میں ایسی کمائی کر لی جو آخرت کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تو حقیقت میں انہوں نے ہی دنیا سے ایسا بیش بہا فائدہ اٹھایا کہ اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء معانی کے نزدیک لکن کا استعمال مخاطب کے خیال کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اس صورت میں کافروں کے اس خیال کا رد ہو جائے گا کہ ہم تو دنیا کی لذت اندوز اور بہرہ یاب ہیں اور مسلمان سراسر گھاٹے میں ہیں۔

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ اللہ کی طرف سے (خصوصی) مہمانی ہو گی۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، نُزُلًا کی صفت ہے۔

نزل مہمانی کا وہ سامان جو کسی آنے والے مہمان کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ نزلاً کا لفظ اہل تقویٰ کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور کریم میزبان اپنی استعداد و قدرت کے مطابق بہترین ضیافتی سامان مہمان کے لئے مہیا کرتا ہے۔ (پس اللہ اپنے مہمانوں کے لئے اپنی لامحدود قدرت اور مجد کامل کرم کے موافق سامان ضیافت پیش فرمائے گا) نزلاً جنات سے حال ہے یا مفعول مطلق تاکیدی اور فعل محذوف ہے یا مفعول بہ دوم اور فعل مع مفعول اول کے محذوف ہے یعنی جعل ذلک نزلاً یا تمیز ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ اور جو چیز اللہ کے پاس ہے یعنی ثواب اور قرب کے درجات اور رضا اور رحمت۔

خَيْرٌ وہ دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے یا ہر چیز سے بہتر ہے۔

لِّلْاَبْرَارِ﴿۱۹۸﴾ نیکوں کے لئے ہے۔ لھم نہیں فرمایا بلکہ لفظ ابرار کی صراحت کی۔ ان لوگوں کی تعریف اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے (کہ وہ نیک ہیں)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بالاخانہ پر خدمت گرامی میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کی چٹائی پر استراحت فرما ہیں۔ سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں پوست کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے قدموں کے پاس کچھ پتے جمع کیا ہوا رکھا تھا سرہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو مبارک پر پڑ گئے تھے میں یہ دیکھ کر رونے لگا فرمایا کس وجہ سے روتے ہو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کسریٰ اور قیصر اس (عیش کی) حالت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (اور اس تنگ حالی میں ہیں) فرمایا کیا تم اس پر رضامند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ اللہ آپ کی امت کو کشائش فرما دے کیونکہ اللہ نے فارس و روم والوں کو کشائش عطا فرما دی ہے حالانکہ وہ (خالص) اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے فرمایا اے ابن خطابؓ کیا تم اس خیال میں ہو یہ تو وہ قوم ہے جس کو اللہ نے دنیوی زندگی میں ہی ان کی پسند کی چیزیں فوری طور پر دے دی ہیں۔ صحیحین۔ حضرت عبداللہ بن عمرو (بن عاص) راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کال (کا زمانہ) ہے جب وہ دنیا کو چھوڑتا ہے تو قید خانہ اور کال (کے زمانہ) سے چھوٹتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو بچاتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو۔ احمد و ترمذی۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ نسائی نے حضرت انسؓ اور ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب نجاشی کی وفات کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی نماز پڑھو کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک حبشی غلام کی نماز پڑھیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا یہ آیت نجاشی کے متعلق نازل ہوئی۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جس روز نجاشی کی وفات ہوئی اسی روز حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کو وفات کی اطلاع دے دی آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا (شہر سے) باہر نکل کر اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو اس کا انتقال دوسرے ملک میں ہو گیا ہے چنانچہ بقیع کو تشریف لے گئے آپ کے سامنے سے سرزمین حبش تک پردہ ہٹا دیا گیا اور نجاشی کا جنازہ آپ نے خود (آنکھوں سے) دیکھ کر نماز جنازہ پڑھی (جس میں) چار تکبیریں کہیں اور دعا مغفرت کی۔ منافق کہنے لگے ان کو تو دیکھو ایک حبشی عیسائی کافر کی نماز پڑھ رہے ہیں جو ان کے دین پر نہیں تھا نہ اس کو کبھی انہوں نے دیکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء نے کہا یہ آیت چالیس نجرانیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں ۳۲ حبش کے رہنے والے تھے اور آٹھ رومی تھے یہ سب پہلے حضرت عیسیٰ کے مذہب پر تھے پھر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ ابن جریرؒ نے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا مجاہدؒ نے کہا ان تمام اہل کتاب کے متعلق اس آیت کا نزول

ہو، جو ایمان لے آئے تھے۔

لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یقیناً اللہ پر یعنی اللہ کی ذات، صفات اور اسماء پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتارا گیا۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف بھیجا گیا یعنی توریت انجیل اور زبور۔

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ اللہ کے سامنے عاجزی اور خضوع کرتے ہوئے۔ خٰشعین مَن سے حال ہے چونکہ مَن معنی کے لحاظ سے جمع ہے اس لئے خٰشعین بصیغہ جمع لایا گیا۔

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اللہ کی آیات (یعنی توریت کی وہ آیات جن کے اندر رسول اللہ کے اوصاف کا بیان ہے ان کو چھپا کر اس) کے عوض حقیر معاوضہ نہیں لیتے (یعنی رشوتیں لے کر ان کو نہیں چھپاتے) جیسے اللہ کے کلام کو بگاڑنے والے علماء کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہی لوگ ہیں جن کا خصوصی اجر ان کے رب کے پاس ہے یعنی ان کے لئے مخصوص اجر ہے جو دوسروں سے زائد ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اولٰئک یؤتون اجرھم مرتین۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین (شخص) ہیں جن کا اجر دوہرا ہے (تینوں میں سے) ایک وہ کتابی شخص ہے جو (پہلے) اپنے پیغمبر پر ایمان لایا (پھر) محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ الحدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بے حقیقت ہے کہ اللہ جلد حساب کر لینے والا ہے کیونکہ وہ اقوال اور اعمال کے رتی رتی جزا و سزا سے واقف ہے اور سوچنے کی اس کو ضرورت نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ اللہ تمام مخلوق کا حساب آدھے دن کی بقدر مدت میں طے کر دے گا اور آدھا دن یعنی دنیا کے ایک دن کے آدھے کے برابر۔ آیت کا مقصود یہ ہے کہ جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بہت جلد ملنے والا ہے۔ سرعت حساب سے مجازاً مراد ہے جلد بدلہ دینا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے ایمان والو جمے رہو یعنی اپنے دین پر اوامر و نواہی کی تکلیفوں پر خواہشات نفس کی مخالفت پر اپنے رب کی محبت و طاعت پر کسی وقت نہ چھوڑو نہ دکھ میں نہ سکھ میں نہ تنگی میں نہ نرمی میں۔ اور جمے رہو دشمنوں سے جہاد کرنے پر شدائد و مصائب برداشت کرنے پر۔ جنیدؒ نے فرمایا صبر کا معنی ہے مصائب پر بغیر بے تابی کے نفس کو جمائے رکھنا۔

وَصَابِرُوْا اور شدائد جنگ پر دشمنوں سے زیادہ جمے رہو کیونکہ تمہاری طرح (زخموں کا اور بھوک پیاس تھکان وغیرہ کا) ان کو بھی دکھ ہوتا ہے مگر (نتیجہ میں) ان کو (جزاء آخرت اور جنت کی) کوئی امید نہیں ہوتی اور تم اللہ سے امید رکھتے ہو۔ اصبروا میں عام صبر کا حکم دیا گیا ہے اور صابروا میں خاص قسم کے صبر کا۔

جس طرح کفار کے مقابلہ میں جہاد اصغر کرنے پر صبر ہوتا ہے اسی طرح نفس کے مقابلہ میں جہاد اکبر کرنے کا حکم ہے نفس ہوا و دنیا کی خواہشات کی طلب میں بڑی بڑی تکلیفیں اور دکھ برداشت کرتا ہے اور کبھی ابدی نعمات جنت کو حاصل کرنے کے لئے بھی دکھ اٹھاتا ہے پس صوفی پر لازم ہے کہ ان سب سے زیادہ مولیٰ کی طلب کے لئے شدائد برداشت کرے۔

وَرَابِطُوْا اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔

یعنی سرحدوں پر دشمنوں سے لڑنے کے لئے خود بھی تیار رکھو۔ یا یہ مراد ہے کہ اپنی جانوں کو اپنے دلوں کو اور اپنے بدنوں کو اللہ کے ذکر و طاعت اور مسجدوں کے اندر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار اور ذکر کے حلقوں کے لئے تیار رکھو۔

ربط کا لغوی معنی ہے باندھنا۔ مراد ہے سرحدوں پر گھوڑے باندھے رکھنا اس کے بعد ربط کے مفہوم میں مزید توسیع کی گئی اور معنی ہو گیا سرحد پر ہر مقیم کا دشمن کو دفع کرنے کیلئے مستعد رہنا خواہ اس کے پاس گھوڑا ہو یا نہ ہو۔ پھر مفہوم میں اس سے بھی زیادہ توسیع کی گئی اور معنی ہو گئے۔ ہر نگرانی پر لگے ہوئے آدمی کا رکاوٹوں کو دفع کرنا۔ مرابطہ (باب مفاعلہ) مستعدی اور

چوکسائی میں دشمن سے بڑھ جاؤ۔ یعنی تم سے لڑنے کے لئے مستعد تو دشمن بھی ہوتے ہیں۔ مگر تم کو ان سے زیادہ مستعد رہنا چاہئے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں سرحد پر ایک دن کی چوکسائی، دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جنت کے اندر ایک کوڑے کی برابر تم میں سے کسی کی جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جو بندہ ایک شام یا ایک صبح کو راہ خدا میں نکلتا ہے وہ اس کیلئے دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ رواہ البغوی من طریق بخاری۔ اس حدیث کا پہلا حصہ صحیحین میں حضرت سہل کی روایت سے اور تیسرا ٹکڑا حضرت انسؓ کی روایت سے بھی آیا ہے۔

حضرت سلمان خیریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات کی چوکسائی سرحد پر کی اس کو حالت اقامت میں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جو سرحد پر چوکسائی کرنے کی حالت میں مر گیا اس کے لئے (قیامت تک یہ عمل اور) اس کا بیسہ اجر جاری رکھا جائے گا اور (شہیدوں کی طرح) اس کو رزق ملتا رہے گا اور وہ (قبر کے) فتنہ سے مامون رہے گا۔ رواہ البغوی۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں ایک دن رات کی سرحد پر چوکسائی مہینہ بھر کے روزوں سے اور مہینہ بھر راتوں کو نماز پڑھنے سے بہتر ہے اگر اسی حالت میں مر جائے گا تو جو عمل وہ کر رہا تھا وہ (قیامت تک) جاری رہے گا اور اس کا رزق جاری رکھا جائے گا اور وہ فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ احمد اور ابن ابی شیبہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں جس نے ایک دن یا ایک رات اللہ کی راہ میں سرحد پر چوکسائی کی اس کے لئے یہ عمل ایسا ہوگا جیسے رمضان بھر کے روزے اور رات بھر کی نمازیں کہ کوئی روزہ ناغہ نہ ہو اور قضاء حاجت کے علاوہ (کسی اور کام کے لئے) نماز کو ترک نہ کرے۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر ختم ہو جاتی ہے۔ (یعنی ہر شخص کا عمل مرنے سے ختم ہو جاتا ہے) سوائے اس کے جو راہ خدا میں سرحد پر چوکسائی کرتا ہوا مرتا ہے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔ دارمی نے یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔

حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راہ خدا میں سرحد پر ایک دن کی چوکسائی دوسرے مقامات پر ہزار دنوں (کی چوکیداری) سے بہتر ہے۔ رواہ الترمذی والنسائی

بغوی نے ابو سلمہ عبدالرحمن کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کبھی کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا کہ اس میں سرحد پر چوکسائی کی گئی ہو بلکہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار ہی چوکسائی تھا اور یہی آیت میں مراد ہے) اس تفسیر کا ثبوت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل بتاؤں جس سے اللہ تو گناہوں کو مٹاتا اور درجات اونچے کرتا ہے وہ ہے پورا پورا وضو کرنا باوجود مکروہات کے (یعنی سخت سردی، بیماری وغیرہ کے وقت پورا پورا وضو کرنا) اور مسجدوں تک جانے کے لئے قدموں سے زیادہ مسافت طے کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہنا یہی تمہارا رباط ہے یہی تمہارا رباط ہے یہی تمہارا رباط ہے۔ رواہ البغوی و مسلم والترمذی نحوہ عن ابی ہریرہؓ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ کامیاب ہونے کی امید رکھتے ہوئے۔ فلاح کا معنی ہے ہر مرغوب چیز سے خلاص ہونے کے بعد محبوب چیز کو پا لینا۔ لعل (شاید امید رکھو) کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ انجام تو پوشیدہ ہے۔ نیک لوگ بغیر اعمال کے امیدوں کے سہارے پڑے نہیں رہتے رہیں گے۔

سورۂ آل عمران کی تلاوت کے فضائل

حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا جو شخص آل عمران کا آخری حصہ کسی رات کو تلاوت کرے گا اس کے لئے تمام شب کا

ثواب لکھا جائے گا۔ (رواہ الدارمی) حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ زہراوین یعنی بقرہ اور آل عمران کو پڑھو قیامت کے دن یہ دونوں (پڑھنے والے کے سر پر) ایسی ہوں گی جیسے دو بدلیاں یا دو سائبان یا چھائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ۔ اپنے پڑھنے والوں کی یہ دونوں سورتیں حمایت کریں گی۔ رواہ مسلم۔ حضرت نواسؓ بن سمعان کی روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن قرآن اور ان قرآن والوں کو پیش کیا جائے گا جو قرآن پر عمل کرتے تھے سب سے آگے سورۂ بقرہ اور آل عمران ہوں گی یہ دونوں ایسی ہوں گی جیسے دو بدلیاں یا دو سیاہ سائبان جن کے اندر روشنی کی چمک ہو یا جیسے چھائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کی حمایت کریں گی۔ (رواہ مسلم) مکحول کا قول ہے جمعہ کے دن جو شخص سورت آل عمران پڑھتا ہے رات تک اس کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ رواہ الدارمی۔ ۱؎

الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

سورۂ آل عمران کی تفسیر ۹ ذیقعد بروز دوشنبہ ۱۱۹۷ھ کو ختم ہوئی اس سے آگے سورۂ نساء کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔

الحمدللہ والمنۃ لہ کہ سورۂ آل عمران کی تفسیر مظہری کا ترجمہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو صبح تین بجے ختم ہوا والحمد قبلہ والحمد بعدہ۔

۱؎ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن وہ سورت تلاوت کرے گا جس میں آل عمران کا ذکر ہے غروب آفتاب تک اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے گا اور فرشتے اس کے لئے دعاء رحمت کریں گے۔ منہ۔ (حاشیہ از مولف قدس سرہ)

اے اللہ! اے مالک ملک ہم تیری ثنا کرتے ہیں تو جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک نکال لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے۔ در حقیقت تو ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔ اے ہمارے رب پھر ہمارے کبیرہ گناہ معاف کر دے اور ہماری خطاؤں کو دور کر دے اور نیکیوں کے گروہ میں شامل کر کے ہم کو موت دے اور اپنی رحمت سلامتی اور برکت نازل فرما اپنے حبیب، پیغمبر اور ہمارے آقا اور شفیع اور سردار پر جن کا نام محمد ﷺ تھا اور وہ امی تھے لیکن تمام لوگوں کے لئے رحمت و ہدایت بنا کر ان کو بھیجا گیا تھا۔ اللہ کی رحمت و سلامتی ہو ان پر اور ان کی اولاد پر اور ان کے ساتھیوں پر سب پر۔۔

سورۃ النساء

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ایک سو چھہتر آیت ہیں۔ بیہقی نے دلائل میں مختلف طریقوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سورۃ نساء مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن منذرؒ نے قتادہؒ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور بخاری نے قتادہؒ کی روایت سے یہی مقولہ بیان کیا ہے۔

ربا یُسّرِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	وتمّم بالخیر

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! جو لوگ نزول آیت کے وقت موجود تھے ان کو براہ راست خطاب ہے اور آئندہ تمام آنے والے ان کے ذیل میں مخاطب ہیں۔

اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اپنے رب سے ڈرو یعنی اسکے عذاب سے ڈرو جس کی (ظاہر) صورت یہ ہے کہ اس کے احکام پر چلو۔

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ جس نے تم کو پیدا کیا یعنی آغاز تخلیق کے وقت میں

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک شخص سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے

وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو یعنی حضرت حوا کو بائیں پسلی سے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتیں آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ الحدیث متفق علیہ۔

ابو الشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حوا کو آدم کی سب سے چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ آدم جب سو رہے تھے تو حوا کو ان سے پیدا کیا گیا پھر وہ بیدار ہوئے۔ دوسرا جملہ خلق منہا پہلے جملہ خلقکم من نفس واحدۃ کے مضمون کو پختہ کرنے کیلئے ذکر فرمایا۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً اور آدم و حوا سے پھیلایا بہت مردوں اور بہت عورتوں کو یعنی جن کو خطاب کیا ہے ان کے علاوہ بھی بہت مرد اور عورتیں حضرت آدم و حوا کی نسل سے اللہ نے پھیلا دیں۔[1] کثیراً رجالاً کی صفت ہے اور چونکہ رجالاً سے مجموعہ مراد ہے اس لئے کثیراً بصیغہ مذکر ذکر کیا۔ مردوں کی کثرت کا ذکر کر کے عورتوں کی

1 (حاشیہ از مولف قدس سرہٗ) ابن اسحاق اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ آدمؑ کے چالیس بچے ہوئے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں ۱۲۔

کثرت کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی مگر مرد و عورتوں کی کثرت بھی ہے کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو اسی حکمت کا تقاضا ہے کہ ایک مرد کے لئے چار عورتیں حلال کر دیں۔

تمام لوگوں کو ایک شخص کی نسل سے پیدا کرنا بلکہ اس کی بیوی کو بھی اسی سے تخلیق فرمانا اللہ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے اور یہ اس کی عظیم الشان نعمت بھی ہے قدرت و احسان کا تقاضا ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اس لئے تاکید و حکم تقویٰ کو اس آیت پر مبنی کیا اور فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو (یعنی اس سے ڈرو اس لئے کہ وہ رب ہے اور اس لئے کہ اس نے تم کو عجیب طریقہ سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ اس کی تمام صفات کامل ہیں اور اس لئے کہ اس کی ذات واجب الخشیہ اور مستحق اطاعت ہے۔

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ یہ تمہید ہے تاکید و دونوں خصوصاً ایک رشتہ داریوں کو جوڑے رکھنے کے حکم کی اور دوسرے حقوق اعداء کو ادا کرنے کے حکم کی۔

وَالْاَرْحَامَ اور رشتہ داریاں قطع کرنے سے ڈرو، الارحام کا عطف اللہ پر ہے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رحم عرش سے لٹکتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ جو مجھے جوڑ رکھے اللہ اس کو (اپنے سے) جوڑ رکھے اور جو مجھے کاٹ دے اللہ اس کو (اپنے سے) کاٹ دے (یا کلام خبری ہے اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہوگا کہ جو مجھے جوڑے رکھے گا اللہ اس کو جوڑے رکھے گا اور جو مجھے کاٹے گا اللہ اس کو کاٹ دے گا، متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم نے کھڑے ہو کر اللہ کا دامن پکڑ لیا اللہ نے فرمایا، بس، رحم نے عرض کیا یہ مقام اس کا ہے جو کاٹے جانے سے تیری پناہ لے رہا ہے اللہ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے رکھے میں اس (سے تعلق) کو جوڑے رکھوں اور جو تجھے کاٹ دے میں اس (سے تعلق) کو کاٹ دوں رحم نے کہا بیشک میرے رب (میں اس پر راضی ہوں) اللہ نے فرمایا تو یونہی ہوگا، صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (رحم کو) جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر بدلہ کرنے والا ہو جبکہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس سے رشتہ منقطع کیا جائے تب بھی وہ جوڑے رکھے، رواہ البخاری، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پسند کرتا ہو کہ اس کے رزق میں کشائش کی جائے اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو صلہ رحمی کرنی چاہئے۔ متفق علیہ، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے میل کرتا ہوں وہ مجھ سے کاٹ کرتے ہیں میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان کی برداشت کرتا ہوں اور وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں فرمایا اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا تو گویا تو ان پر خاک ڈال رہا ہے اور جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا اللہ کی طرف سے ایک (غیبی) مددگار تیرے ساتھ ان کے مقابلہ میں رہے گا، رواہ مسلم۔ [2]

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ بیشک اللہ تمہارے احوال سے پورا پورا باخبر اور نگراں ہے لہٰذا تم اس کی طرف سے غافل نہ ہو مقاتل اور کلبی نے بیان کیا کہ ایک غطفانی آدمی کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت مال تھا جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے چچا سے اپنا مال طلب کیا چچا نے دینے سے انکار کر دیا دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

---

[1] اس حدیث میں اللہ تعالیٰ سے حسن کا حقو سے کمر اور ہم نے کمر پکڑنے کا ... اور محاورتی ترجمہ یہ ہے دامن پکڑ لیا، حضرت مفسر نے لفظ حقو کی مفصل تشریح کی ہے، حقو تہبند باندھنے کی جگہ مجازاً تہبند کو بھی کہہ لیتے ہیں، رحم نے جب رحمن سے اپنا شکوہ کیا تو بطور استعارہ اس کو تہبند پکڑنے سے تعبیر کیا جیسے ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کو اور ایک عزیز دوسرے عزیز کو پکڑ لیتا ہے، حقو کا استعمال اس جگہ بطور تشبیہ کے طور پر ہے وکذلک الصیحہ (حاشیہ از مفسر قدس سرہ)

[2] ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تشریح میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ باہم کہتے ہیں میں تجھ سے اللہ اور رحم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں ابن ... اور حسن کا قول بھی اسی طرح منقول ہے۔ (از مفسر قدس سرہ)

ہوئے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَآتُوا الْيَتٰمٰى أَمْوَالَهُمْ اور یتیموں کو ان کا مال دے دو چچا نے جب یہ حکم سنا تو کہا ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار ہیں ہم گناہ کبیرہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں پھر اس نے یتیم کا مال دے دیا، حضور ﷺ نے فرمایا جو نفسانی حرص سے محفوظ رہا اور اس طرح اپنے رب کا حکم مانا وہ اللہ کے گھر میں یعنی اللہ کی جنت میں ضرور فروکش ہوگا۔ اس لڑکے نے مال وصول کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اجر پکا ہو گیا اور بار رہ گیا یعنی اس لڑکے کا ثواب پکا ہو گیا اور اس کے باپ پر اس مال کو کمانے کا بار رہ گیا، رواہ الثعلبی والواحدی وذکرہ البغوی۔ آیت میں ادائے مال کا حکم سرپرستوں کو اور ان لوگوں کو ہے جن کو میت نے وصیت کی ہو۔

یتامی یتیم کی جمع ہے یتیم وہ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ نہ ہو لفظ یتیم یتم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اکیلا ہونا اسی سے درہ یتیمۃ بنا ہے سیپ میں اکیلا موتی۔ لفظ یتامی کی تحقیق کے سلسلہ میں بیضاوی نے لکھا ہے کہ یتیم (اگرچہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے لیکن) اسموں کی طرح مستعمل ہے (گویا یہ موصوف کا محتاج نہیں رہا) جیسے صاحب اور فارس (باوجود اسم فاعل ہونے کے) اسموں کی طرح مستعمل ہیں اس لئے یتیم کی جمع یتائم ہے پھر یتائم کے ہمزہ اور میم کا قلب مکانی کرنے کے بعد یتامی ہو گیا یا یوں کہا جائے کہ یتیم کی جمع یتمی ہے جیسے اسیر کی جمع اسری کیونکہ دونوں کے معنی کے اندر کسی نہ کسی دکھ کا مفہوم موجود ہے پھر یتمی کی جمع یتامی ہو گئی جیسے اسریٰ کی جمع اساریٰ۔

چونکہ یتم کا معنی ہے تنہا ہونا اور باپ کے مرنے کے بعد اولاد تنہا رہ جاتی ہے اس لئے از روئے لغت تو یتیم سب کو کہہ سکتے ہیں خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ لیکن عرف نے اس لفظ کی تخصیص نابالغ کے ساتھ کر دی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلوغ کے بعد یتیمی نہیں ہوتی اور بلوغت تک خاموش رہنا روزہ نہیں (رواہ ابوداؤد باسناد حسن عن علیؓ) لیکن یہ حدیث یا تو عرفی معنی پر مبنی ہے یا شریعت کا ایک ضابطہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی کا حکم نہیں رہتا۔ آیت کا مطلب باجماع علماء یہ ہے کہ یتیموں کو ان کا مال بالغ ہونے کے بعد دے دو۔ آیت ولا تؤتوا السفہاء اموالکم بھی اسی مطلب پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ سفیہ (بے عقل) باوجود یہ کہ صاحب عقل اور بالغ ہوتا ہے لیکن اس آیت میں اس کے قبضہ میں مال دینے کی ممانعت کر دی لہٰذا یتیم جو نابالغ ہو اس کو مال نہ دینے کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہو چکی ہے۔

ایک شبہ — بالغ ہونے کے بعد تو یتیم نہیں رہتا اور یتیم کو مال دینے کا حکم ہے پس بالغ ہونے کی قید کہاں سے آگئی۔

ازالہ — اصل لغت کے اعتبار سے تو یتیم کا اطلاق بالغ پر بھی ہو سکتا ہے پس اس جگہ بالغ پر اس لفظ کا اطلاق مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہے یا اطلاق مجازی ہے چونکہ بالغ ہونے کے بعد ان کی یتیمی کا دور قریب ہی گزرا ہے تا قریبی کہ قابل اعتبار قلیل مدت بھی نہیں گزری اس لئے لفظ یتامی کا اطلاق ان پر کر دیا اس صورت میں آیت میں اس امر کی ترغیب ہوگی کہ بالغ ہونے کے بعد جہاں تک ممکن ہو جلد سے جلد یتیموں کا مال دے دو۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ اور ناپاک کو پاک کے عوض نہ لو یعنی یتیم کے مال کو جو تمہارے لئے ناپاک اور حرام ہے اپنے مال کے عوض جو تمہارے لئے پاک اور حلال ہے نہ لو۔ تبدل باب تفعل سے ہے مگر استبدال یعنی باب استفعال کے معنی میں ہے اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ سعید بن جبیر، زہری اور سدی کا بیان ہے کہ یتیموں کے سرپرست کا عمدہ مال خود لے لیتے اور اس کی جگہ بیکار ردی مال رکھ دیتے تھے موٹی بکری لے لی اور دبلی بدلے میں دے دی۔ کھرا درہم نکال لیا اور کھوٹا درہم ان کے مال میں رکھ دیا اور کہتے تھے کہ درہم کے عوض درہم ہو گیا اس آیت میں ایسا کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ مجاہد نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ فوری حرام رزق کو نہ لو اور جس حلال رزق کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے اس کے ملنے سے پہلے حرام روزی حاصل کرنے میں عجلت نہ کرو۔ بعض علماء نے کہا کہ خبیث سے مراد ہے خبیث امر یعنی یتیموں کے مال کو یونہی بغیر نگہداشت کے چھوڑ دینا اور طیب سے مراد ہے امر طیب یعنی یتیموں کے مال کی نگرانی رکھنا اور اصل مالک کو دینا۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اور یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ بعض علماء نے کہا کہ الی اموالکم میں الی کا معنی ہے مع ابن المنذر نے قتادہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۝ یتیموں کا مال کھانا بلاشبہ بڑا گناہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی مطلب بیان فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات تباہ کن چیزوں سے پرہیز رکھو۔ حضور ﷺ نے یتیم کا مال کھانے کو بھی ان سات چیزوں میں ذکر فرمایا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى خطاب سرپرستوں کو ہے اقساط (باب افعال) عدل کرنا ظلم نہ کرنا، کیونکہ قسط (ثلاثی مجرد) کا معنی ہے ظلم کرنا اور باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ (مادہ) کے لئے ہے اس لئے اقساط کا معنی ہو گیا ظلم نہ کرنا یعنی اے یتیموں کے سرپرستو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ جو یتیم لڑکیاں تمہاری زیر سرپرستی ہیں ان سے نکاح کرنے میں تم عدل نہ کر سکو گے اور حق تلفی کرو گے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ تو پھر یتیم لڑکیوں کے علاوہ دوسری عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔ ما کا اطلاق مرد، عورت دونوں پر آتا ہے۔ بخاری نے صحیح میں زہری کی روایت سے لکھا ہے کہ عروہ بن زبیرؓ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا فرمایا اس سے مراد وہ یتیمہ ہے جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہو اور ولی کی مال میں شرکت ہوتا تھا (اور ولی اس کا محرم نہ ہوتا تھا جیسے چچا کا بیٹا)۔ ولی یتیمہ کے حسن و مال کو دیکھ کر رجھ جاتا تھا اور اس سے نکاح کر لینا چاہتا تھا مگر مہر مثل سے کم دینے کا ارادہ کرتا تھا آیت میں ایسے سرپرستوں کو زیر پرورش یتیم لڑکیوں سے بغیر تکمیل مہر کے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی گئی، باقی دوسری عورتوں سے (ہر طور سے) نکاح کی اجازت دے دی گئی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا پھر لوگوں نے یتامیٰ سے نکاح کا مسئلہ پوچھا تو آیت یستفتونک فی النساء سے ان تنکحوھن تک نازل ہوئی اس میں اللہ نے کھول کر بیان کر دیا کہ یتیمہ حسین اور مالدار ہوتی ہو تو لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر اس کے درجہ کے موافق اس کو مہر نہیں دینا چاہتے اور جب مال و جمال کے لحاظ سے وہ مرغوب نہیں ہوتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کے طلب گار ہوتے ہیں، پس جس طرح مال و حسن کی کمی کے وقت لوگ یتیمہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند نہیں ہوتے اسی طرح مال و جمال کی زیادتی کے وقت بھی ان کو نکاح کا طلب گار نہ ہونا چاہئے ہاں اگر یتیمہ کا پورا پورا حق اور کامل ترین مہر (مثل) ادا کر دیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حسن (بصری) نے فرمایا، مدینہ میں کچھ لوگوں کے پاس یتیم لڑکیاں رہتی تھیں جن میں بعض ایسی بھی ہوتی تھیں جن سے اس سرپرست کا نکاح ہو سکتا تھا (اور وہ مالدار بھی ہوتی تھیں) یہ شخص مال کے لالچ میں اس یتیمہ سے نکاح کر لیتا تھا اور یہ امر اس کو گوارا نہ تھا کہ کوئی دوسرا اجنبی آ جائے (اور مال میں شریک ہو جائے)۔

اس آیت کی تفسیر میں عکرمہ نے کہا اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی عطاء کی روایت میں یہ قول آیا ہے کہ بعض قریشی دس دس بلکہ دس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے اور جب بیویوں کے مصارف کی وجہ سے نادار ہو جاتے تو زیر پرورش یتیم کے مال کی طرف جھکتے اور اس کو خرچ کرتے اسی بناء پر ان کو حکم دے دیا گیا کہ چار سے زائد سے نکاح نہ کرو کہ یتیموں کا مال لینے کی ضرورت پڑے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یتیموں کا مال کھانے کے سلسلہ میں وعید نازل ہوئی تو اموال یتامیٰ کو صرف کرنے میں بڑی دشواری محسوس ہونے لگی تو (اس کا حل لوگوں نے یہ نکالا کہ) یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے اور جس سے چاہتے نکاح کر لیتے مگر اکثر عورتوں میں برابر کا سلوک نہ کرتے اس پر حکم نازل ہوا کہ حقوق یتامیٰ میں عدل نہ کرنے کا جب تم کو خوف ہے تو عورتوں میں برابر کا سلوک نہ کرنے سے بھی ڈرو اس لئے اتنی ہی عورتوں سے نکاح کرو جن کے حقوق تم ادا کر سکتے ہو۔ اخرجہ ابن جریرؒ۔ سعید بن جبیرؓ، ضحاکؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول منقول ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ لوگ یتیموں کی سرپرستی میں تو دقت

محسوس کرتے تھے مگر زنا میں ان کے لئے کچھ دشواری نہ تھی اس پر حکم دیا گیا کہ جب یتیموں کے معاملہ میں عدل نہ کرنے سے تم ڈرتے ہو تو زنا سے بھی ڈرو اور حسب پسند نکاح کرو۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ما طاب لکم میں بجائے من کے ما ذکر کیا گیا کیونکہ ما کا استعمال ذی عقل کے اوصاف کے لئے ہوتا ہے (اور من کا استعمال ذی عقل کی ذات کے لئے) اور یہاں صفت ہی کا بیان مقصود ہے گویا یوں کہا گیا کہ جن پسندیدہ اوصاف کی عورتوں سے چاہو نکاح کرو۔ یا یوں کہا جائے کہ عورتیں چونکہ کم عقل ہوتی ہیں اس لئے ان کو بے عقل قرار دیتے ہوئے ایسا لفظ استعمال کیا جو بے عقل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے ما ملکت ایمانکم میں۔ بعض علماء نے ما طاب لکم من النساء کا مطلب بیان کیا ہے کہ جو یتیم عورتیں بلوغ کو پہنچ جائیں ان سے نکاح کر سکتے ہو محاورہ میں طابت الثمرۃ کا معنی ہوتا ہے ثمرہ توڑنے کے قابل ہو گیا۔

یہ مطلب اس تفسیر کے مناسب ہے جو بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو اور بالغ عورتوں سے نکاح کرو مگر اس تفسیر پر لکم کا لفظ نامناسب ہو گا۔ فانکحوا ما طاب من النساء، کہنا ہی مناسب ہے (یعنی جو عورتیں بالغ ہو جائیں ان سے نکاح کر سکتے ہو، جب یہ مطلب ہے تو پھر لکم کا اضافہ کیوں کیا گیا ورنہ یوں مطلب ہو جائے گا کہ جو عورتیں تمہارے لئے بالغ ہو جائیں ان سے نکاح کرو، اور یہ مطلب بظاہر غلط ہے)۔

بعض علماء نے طاب کا ترجمہ حلّ کیا ہے یعنی جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کرو کیونکہ بعض عورتوں سے نکاح حرام بھی ہے جن کی تفصیل آیت تحریم میں آگئی ہے ان سے نکاح کی اجازت نہیں۔ یہ مطلب مجاہد کی تفسیر کے مناسب ہے کہ زنا سے ڈرو اور جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ان سے نکاح کر لو، لیکن اس تفسیر پر آیت کا مجمل ہونا لازم آئے گا اور اجمال حکم خلاف اصل ہے، لہٰذا سب سے بہتر یہ ہے کہ وہی ترجمہ کیا جائے جو ہم نے لکھ دیا ہے کہ جو عورتیں دل کو پسند ہوں اور تمہاری طبیعت جن کی طرف مائل ہو ان سے نکاح کر لو یہ مطلب تمام تفسیری اقوال کے مناسب ہے، حضرت عائشہؓ کے قول کے موافق اس آیت کی تشریح یہ ہو گی کہ چونکہ یتیم لڑکیاں بے بس ہوتی ہیں ان کا کوئی حمایتی نہیں ہوتا پس اگر تم کو ان کی حق تلفی کا اندیشہ ہو اور عدل نہ کر سکنے کا خوف ہو تو جو پسند خاطر ہو اس سے نکاح کر لو خواہ وہ یتیم نابالغہ ہو یا بالغہ کیونکہ تمہارا طبعی میلان ان کے حقوق کا محافظ ہو جائے گا اور منکوحہ کی طرف میلان ارتکاب زنا سے بھی روک دے گا، چونکہ مرغوبات کا وجود زیادہ نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا بھی مناسب ہے کہ چار سے زیادہ کے ساتھ نکاح نہ کرو (ورنہ محبوبات بھی مرغوبات نہیں رہیں گے اور رغبت طبیعت بھی اعراض سے بدل جائے گی) واللہ اعلم۔

مسئلہ

ایسے پیام نکاح بھیجنے والے کے لئے نکاح سے پہلے مخطوبہ کے چہرے اور دونوں کف کو دیکھ لینا بالاجماع مسنون ہے، داؤد ظاہری نے تو مخطوبہ کے تمام بدن کو سوائے عورت غلیظہ کے نکاح سے پہلے دیکھنے کو جائز کہا ہے، حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام بھجوائے تو اگر ایسی چیزوں کو دیکھ لینا ممکن ہو جو نکاح کی رغبت دلا رہی ہوں تو ایسا کرے (یعنی دیکھ لے) رواہ ابوداؤد، حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا اس کو دیکھ لے یہ دیکھ لینا تم دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کے لئے بہت مناسب ہے، رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ دو دو اور تین تین اور چار چار یہ تینوں الفاظ اعداد مکررہ سے بنائے گئے، مثنی ثنتین ثنتین (دو دو) اور ثلث ثلاث ثلاث (تین تین) اور رباع اربع اربع (چار چار) سے معدول ہے۔ یہ تینوں لفظ نحوی اعتبار سے غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ معدول بھی ہیں اور ان کے مفہوم میں معنیٰ وصفی بھی ہے۔ ان الفاظ کی بناء ہی وصفی معنی پر ہے ہاں ان کے اصول یعنی ثنتین اور ثلاث اور اربع کی بناء وصفیت پر نہیں ہے (بلکہ ان کی وصفیت عارضی ہے) بعض لوگوں نے ان الفاظ کے غیر منصرف ہونے کی علت تکرر و عدل کو قرار دیا ہے کیونکہ یہ الفاظ باعتبار لفظ بھی معدول ہیں اور باعتبار معنی بھی

لفظ مثنیٰ معدول ہے اثنین سے معدول ہے اور مثنیٰ کا معنی اثنین کے معنی ہے۔

ان الفاظ کا نصب حال ہونے کی بناء پر ہے اور اہل بصرہ کے نزدیک تینوں نکرہ ہیں لیکن علماء کوفہ ان کو معرفہ قرار دیتے ہیں کیونکہ حرف تعریف ان پر داخل نہیں ہوتا اس صورت میں ان کا نصب بدل ہونے کی بناء پر ہوگا

﴿مسئلہ﴾

روافض نے نو عورتوں سے (ایک وقت میں) نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور استدلال اسی آیت سے کیا ہے، نخعی اور ابن ابی لیلیٰ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ واؤ مطلق جمعیت کے معنی کو چاہتی ہے پس آیت کا معنی یہ ہوا کہ نکاح کرو دو عورتوں سے اور تین سے اور چار سے اس کا مجموعہ نو ہو گیا، خارجی اٹھارہ عورتوں سے (ایک وقت) نکاح کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ لفظ اگرچہ مفرد ہے لیکن معنی میں تکرار ہے اس لئے نو کا دوگنا اٹھارہ ہو گیا، یہ دونوں قول غلط ہیں۔

خوارج کا قول اس لئے غلط ہے کہ یہ الفاظ واحد اور مکرر سے معدول ہیں مگر تکرار عدد کی کوئی خاص حد نہیں، تکرار کا معنی صرف دو بار یا دو عدد ہی نہیں بلکہ دو، دو، دو، دو وغیرہ فرض احد دو کو لفظ تکرار شامل ہے، پس جو شخص کسی جماعت سے کہے ان درہم میں سے دو دو لے لو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص دو دو درہم لے لے، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ تم سب چار درہم لے لو۔ آیت میں اگر یہی مراد ہوگا تو آیت کا مطلب ہی درست نہ ہوگا کیونکہ سب لوگوں کا دو یا تین یا چار یا تمہارہ عورتوں سے نکاح ممکن ہی نہیں، اسی لئے صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ اگر ان الفاظ کو مفرد ذکر کیا جائے (یعنی معدول نہ کیا جائے اور معنوی تکرار کا مفہوم پیدا نہ ہو) تو کوئی معنی ہی نہ ہوگا یعنی اگر فانکحوا اثنین و ثلاثا و اربعا کہا جائے تو معنی صحیح نہ ہوگا۔

روافض کا قول اس لئے غلط ہے کہ اہل بلاغت نو عدد کو بیان کرنے کے لئے دو اور تین اور چار نہیں بولتے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے دو سے بھی نکاح جائز ہے اور ہر ایک کے لئے تین سے بھی نکاح جائز ہے اور ہر ایک کے لئے چار سے بھی نکاح جائز ہے۔

بیضاوی نے بجائے او کے واؤ ذکر کرنے کا یہ فائدہ بتایا ہے کہ اگر او لایا جاتا تو جواز اختلاف عدد ختم ہو جاتا لیکن اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ واؤ کی وجہ سے جواز اتفاق عدد جاتا رہا، حق بات یہ ہے کہ او ذکر ہوتا تو اس جگہ تم مقصود دونوں سے برابر ہو رہا ہے، یہاں نہ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ تمام امت کا ان تینوں اقسام میں سے کسی ایک قسم پر اجتماع ضروری ہے نہ اس طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ مختلف اقسام پر ہونا لازم ہے، واؤ لانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب مجموعہ کا مجموعہ سے تقابل ہوتا ہے تو واؤ کی وجہ سے افراد کی تقسیم افراد پر زیادہ قابل فہم ہو جاتی ہے (پس جب مجموعہ امت کو اس مجموعہ کا حکم دیا گیا تو آسانی سے معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص دو نکاح کرے کوئی تین کوئی چار)۔

مسئلہ - ائمہ اربعہ اور جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حلت نکاح کی کوئی تعداد مقرر نہیں، جتنی عورتوں کو چاہے نکاح میں رکھ سکتا ہے کیونکہ آیت فانکحوا ما طاب لکم مفید عموم ہے مثنیٰ و ثلث و ربٰع قید نہیں بلکہ عرفی تعداد کا اظہار ہے جیسے کہتے ہیں اس دریا میں سے جتنا پانی چاہو لے لو ایک مشک اور دو مشک اور تین مشک اگر اس تعداد کو قید مان بھی لیا جائے تب بھی چار کا جواز ثابت ہوتا ہے اور چار سے زیادہ کے عدم جواز پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا ہاں ذکر عدد سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس عدد سے زائد جائز نہیں مگر مفہوم کا اعتبار نہیں دیکھو آیت جاعل الملائکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنی و ثلث و ربٰع میں اربعہ تک تعداد کو ذکر کرنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ چار سے زائد پر رسل ملائکہ کے بازو نہیں پیدا کئے گئے بلکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل کے چھ سو بازو دیکھے۔ پھر نکاح میں اصل عمومی حلت ہے (یعنی اگر خصوصی ممانعت نہ ہو تو اصل یہ ہے کہ نکاح میں کسی محدود تعداد کی قید نہ لگائی جائے)، دیکھو اللہ نے فرمایا ہے احل لکم ما وراء ذلکم دوسری آیت ہے

والمحصنات من المؤمنات، والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے نکاح میں نو عورتیں تھیں اس میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کی کوئی دلیل ہونی چاہئے ورنہ عدم خصوصیت اصل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت کا نزول قیس بن حارث کے متعلق ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قیس بن حارث کی آٹھ بیویاں تھیں اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چار کو طلاق دے دو اور چار کو رکھ لو۔ قیسؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان بیویوں سے جن کے اولاد نہیں ہوئی تھی کہہ دیا تم جاؤ اور جن بیویوں کے اولاد ہوئی تھی ان سے کہہ دیا تم آؤ۔ جب رسول اللہ ﷺ کا حال آیت کا بیان ہو گیا، آپ ہی اللہ کی مراد کو خوب سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں اصل حلت نہیں بلکہ حرمت اور حکم تنگی اصل ہے جیسے سورۂ بقرہ کی آیت ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ نکاح میں اصل حلت کو قرار دینا قابل تسلیم ہے اور آیت واحل لکم ما وراء ذلکم تو اس سے مراد یہ ہے کہ محرمات مذکورہ کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں ان کی کوئی خاص تعداد ہے یا ہر عورت حلال ہے اس پر کوئی دلالت نہیں (اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرمات کے علاوہ لاتعداد عورتوں سے نکاح حلال ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار سے حلال ہے) رہی دوسری آیت والمحصنات من المؤمنات الخ میں جمع کا مقابلہ جمع سے ہے جس کا تقاضا ہے کہ آحاد پر آحاد کی تقسیم ہو۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ آیت زیر بحث نفس حلت نکاح کے لئے نہیں اتاری گئی بلکہ حلال تعداد کی تعیین کے لئے اتاری گئی، نفس نکاح کی حلت تو اس سے پہلے دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہو گئی تھی۔ اس آیت میں حلت کو تعداد کے ساتھ مقید کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ صرف حد تعداد کا بیان مقصود ہے یوں نہ کہو کہ آیت میں حلت نکاح کا بیان ہی مقصود ہے مگر مطلق حلت کا نہیں بلکہ حلت مقید بالعدد کا۔

چار سے زیادہ عورتوں سے (ایک زمانہ میں) نکاح جائز نہ ہونا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں جو زمانہ جاہلیت میں ان کے نکاح میں تھیں حضور ﷺ نے فرمایا چار کو رکھ لو باقی کو چھوڑ دو۔ رواہ الشافعی و احمد والترمذی و ابن ماجہ۔

حضرت نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو اس وقت میرے پاس پانچ بیویاں تھیں میں نے حضور ﷺ سے حکم دریافت کیا فرمایا ایک کو چھوڑ دو، چار کو روک لو میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا جو سب سے پرانی ساٹھ برس سے میری رفیق تھی مگر بانجھ تھی۔ رواہ الشافعی و البغوی فی شرح السنۃ۔ صرف چار عورتوں کو نکاح میں رکھنے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اجماع کے مقابلہ میں بعض لوگوں کا قول باطل ہے غیر محدود تعداد سے نکاح کے جواز کا تو کوئی مدعی بھی قائل نہیں، خارجیوں اور رافضیوں کے نزدیک بھی تعداد معین ہے ۱۸ اور ۹۔

مسئلہ:- اگر کوئی شخص اسلام لایا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں یا دو بہنیں تھیں یا ماں اور اس کی بیٹی دونوں نکاح میں تھیں اور یہ عورتیں بھی مسلمان ہو گئیں یا کتابی تھیں تو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام محمدؒ کا فیصلہ ہے کہ وہ جو کسی چار چاہے رکھ لے زیادہ کو چھوڑ دے اور دو بہنوں میں سے جس ایک کو چاہے رکھ لے اور ماں بیٹی میں سے جس کو چاہے رکھ لے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر ایک ہی عقد میں سب سے نکاح کیا ہے تو (چونکہ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے اس لئے) سب کو چھوڑ دینا پڑے گا اور اگر ایک کے بعد دوسری سے نکاح کیا ہے تو جس عورت کی نکاح میں تقدیم ہو اس کا نکاح قائم رہے گا اور جس کی وجہ سے چار کی تعداد سے بیشی ہو (دوسری بہن کے ساتھ نکاح میں) پہلی بہن کا اجتماع ہو رہا ہے اس کا نکاح ختم ہو جائے گا۔ ہاں ماں اور بیٹی اگر کسی کے نکاح میں جمع ہوں تو اسلام کے بعد دونوں کا نکاح جاتا رہے گا بشرطیکہ دونوں سے قربت مستی کر لی ہو کیونکہ اس وقت دونوں میں سے کسی ایک سے بھی نکاح درست نہیں۔

احادیث مذکورہ (جن میں رسول اللہ ﷺ نے زیادہ بیویاں رکھنے والے یا دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع رکھنے

دونوں شوہروں کو انتخاب کا اختیار دیا تھا) اور مندرجہ ذیل حدیث امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف ثبوت بہم پہنچا رہی ہیں، ضحاک بن فیروز دیلمی کی روایت اپنے باپ کے حوالہ سے ہے ضحاکؒ کے والد نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں، فرمایا دونوں میں سے جونسی کو چاہے اختیار کر لے۔

مسئلہ — تین اماموں کے نزدیک غلام کو صرف دو عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک غلام کیلئے چار کو نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ آیت مذکورہ عام ہے آزاد اور غلام سب اس کے حکم میں داخل ہیں داؤد ظاہری اور ربیعہ کا بھی یہی قول ہے۔

ہم کہتے ہیں آیت مذکورہ میں روئے خطاب صرف احرار کی طرف ہے غلام مخاطب ہی نہیں ہیں کیونکہ آیت کے آخر میں ہے فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم اگر تم کو عدل نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو (اللہ نے تمہارے لئے صرف ایک حلال کی ہے یا) ایک سے نکاح کرو یا ان باندیوں کو اپنے پاس رکھو جن کے تم مالک ہو، باندیوں کی ملکیت غلاموں کو تو حاصل ہو نہیں سکتی، معلوم ہوا کہ آیت میں غلام مخاطب نہیں ہیں۔ ابن جوزیؒ نے التحقیق میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا غلام دو عورتوں کو نکاح میں رکھ سکتا ہے اور (صرف) دو طلاقیں دے سکتا ہے اور باندی کی عدت دو حیض ہیں، بغوی نے معالم میں بھی یہ روایت لکھی ہے بلکہ روایت کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ یا ڈیڑھ ماہ عدت گزارے، ابن جوزی نے حکم کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا اجماع ہے کہ غلام دو عورتوں سے زائد نکاح میں نہ رکھے رواہ ابن ابی شیبۃ والبیہقی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا — پس اے نکاح کا ارادہ کرنے والو اگر تم کو عورتوں کے درمیان عدل نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو۔

فَوَاحِدَةً — بس ایک نکاح کرو (یا نکاح میں رکھو) اور (دو یا دو سے زائد کو نکاح میں) جمع کرنا چھوڑ دو۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ — یا باندیاں ہوں، مساوات حقوق جو منکوحہ (آزاد) عورتوں کے لئے لازم ہے وہ باندیوں کے لئے لازم نہیں نہ ان کی تعداد کی کوئی خاص حد مقرر ہے۔

مسئلہ — حق تلفی کے ڈر سے صرف ایک بیوی یا باندیوں پر اکتفا کرنے کی ہدایت بتا رہی ہے کہ اگر بیویوں کے حقوق ادا کرنے کی طاقت ہو اور ان میں عدل کر سکتا ہو تو تعدد نکاح افضل ہے، اور مغلوب الشہوت پر تو بالاجماع نکاح فرض ہے بشرطیکہ بیوی کا خرچ ادا کرنے کی طاقت ہو اور مغلوب الشہوت نہ ہونے کی صورت میں نکاح مسنون ہے بشرطیکہ ادائے حقوق میں کوتاہی کا اندیشہ نہ ہو، حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے گروہ جوانان تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے اور استطاعت نہ ہو تو روزہ کا التزام کرے روزہ اس کے لئے خصی ہونا ہے (یعنی مغلوب الشہوت غیر مستطیع کے لئے خصی ہونا تو جائز ہی نہیں ہے اگر شہوت کا زور توڑنا اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہنا مقصود ہو تو روزے رکھنا چاہئے، روزہ شہوت کے زور کو توڑ دے گا) متفق علیہ۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مگر میں روزہ رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے متعلق نہیں۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور ترک نکاح کی سخت ممانعت کرتے تھے اور فرماتے تھے شوہر سے زیادہ محبت کرنے والی زیادہ بچے پیدا کرنے والی سے نکاح کرو، میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کا (دوسرے) انبیاء (کی امتوں) سے مقابلہ کروں گا، (رواہ احمد) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عکاف بن خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تمہاری بی بی ہے عکاف نے عرض کیا نہیں فرمایا اور نہ باندی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا

اور تم خیر سے مالدار بھی ہو عکاف نے کہا میں مالدار بھی ہوں فرمایا تو تم برادران شیاطین میں سے ہو ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں رنڈوے رہنے والے بہت برے ہیں اور کمینے ہیں تم میں رنڈوے رہنے والے مردے ہیں شیطانوں کے بھائی۔

داؤد ظاہری اسی آیت فانکحوا ما طاب لکم سے استدلال کرتے ہوئے نکاح کو فرض عین کہتے ہیں بشرطیکہ جماع اور بیوی کے مصارف کی طاقت ہو واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ یہ عمل یعنی صرف ایک عورت سے نکاح اور باندیوں پر قناعت ایک طرف مڑ جانے کے قریب تر ہے۔ ابن ابی حاتم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ (اَلَّا تَعُوْلُوْا کی تشریح میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یعنی حق تلفی نہ کرنے کے قریب تر ہے۔ اَلَّا تَعُوْلُوْا سے مراد ہے ایک کی طرف بہہ نہ جاؤ مڑ نہ جاؤ۔ عال المیزان ترازو جھک گیا مڑ گیا عال الحاکم۔ حاکم عدل سے پھر گیا۔ عول الفریضہ، مقررہ میراثی سہام کی حد سے بڑھ جانا مجاہد نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ فراء نے کہا اللہ کے فرض کی حد سے تجاوز نہ کر جاؤ۔ عول کا لغوی ترجمہ ہے تجاوز کرنا۔ عول الفرائض (علم الفرائض میں تخرج تقسیم کو وسیع کرنا) اسی سے بنا ہے۔

امام شافعیؒ نے ترجمہ کیا کہ تمہارے بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔ بغوی نے کہا لا تعولوا کا یہ معنی کسی نے نہیں کہا۔ عیال کی کثرت ہو تو (باب افعال سے) اعال (ماضی) یعیل (مضارع) اعالۃ (مصدر) آتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا شافعیؒ ہم سے زیادہ عربی زبان سے واقف تھے ممکن ہے یہ بھی لغت ہو۔ بعض علماء نے کہا یہ قبیلہ حمیر (یعنی اہل یمن) کی لغت ہے۔ بیضاوی نے کہا عال الرجل عیالہ اس شخص نے بیوی بچوں کا بار اٹھایا (یعنی اس کے بیوی بچے بہت ہیں) کثرت عیال کی در پردہ تعبیر کثرت مصارف سے کی (گویا بطور کنایہ کثرت عیال مراد ہے پس شافعیؒ کا ترجمہ صحیح ہو گیا) عیال سے مراد ہیں بیویاں اور اگر بچے مراد ہوں تب بھی درست ہے کیونکہ منکوحہ عورتوں کے مقابلہ میں باندیوں سے بچے ہونے کا احتمال کم ہے باندی سے عزل بھی جائز ہے جیسے ایک بیوی سے چار بیویوں کے مقابلہ میں کثرت اولاد کا احتمال کم ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ اور عورتوں کو ان کے مہر دو۔ صداق اور صدقہ مہر کو کہتے ہیں۔ کلبی اور علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس آیت میں خطاب عورت کے سرپرستوں کو ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اپنی لڑکی کا نکاح کرانے کے بعد مہر خود لے لیتے تھے لڑکی کو نہیں دیتے تھے اللہ نے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرما دی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عورت کا ولی جب اس کا نکاح کر دیتا اور نکاح کے بعد عورت خاندان میں ہی ہوتی تو ولی مہر خود لے لیتا تھا اس کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا اور اگر کوئی اجنبی آدمی عورت سے نکاح کر کے خاندان سے باہر لے جاتا تو ولی مہر پر خود قبضہ کرنے کے بعد عورت کو ایک اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دیتا بس یہ اونٹ اس کو مہر میں ملتا اور کچھ نہ ملتا۔

حضرمی نے بیان کیا کہ لوگ نکاح شغار (تبادلہ کا نکاح) کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کسی عورت کا ولی اس عورت کا نکاح کسی شخص سے کر دیتا اور وہ شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح تبادلہ میں اول شخص سے کر دیتا اور اس طرح عورتوں کا تبادلہ ہو جاتا مہر کسی کا کچھ نہ ہوتا اس کی ممانعت کر دی گئی اور مہر مقرر کرنے کا حکم دیدیا گیا۔

مسئلہ — امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نکاح شغار باطل ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اگر نفس عقد میں یہ الفاظ کہے کہ ہر ایک کا بضع (گوشت کا ٹکڑا مراد ہو فرج) دوسری کا مہر ہے تو ہر ایک کا نکاح باطل ہے اور اگر یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اس طرح کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ تو اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے بغیر مہر کے کر دے اور دوسرے شخص نے جواب میں کہا میں نے (اپنی لڑکی کا نکاح) تجھ سے کر دیا تو دونوں نکاح صحیح ہو گئے اور دونوں میں مہر مثل لازم ہو گا۔ امام مالکؒ و امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی نکاح باطل ہو گا۔ حقیقت میں یہ اختلاف شغار کی تعریف میں ہے۔ امام مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک موخر الذکر صورت بھی شغار کی ہے اور امام شافعیؒ اس کو شغار نہیں کہتے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں نکاح صحیح ہو گا اور مہر مثل

لازم ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کہا میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردے۔ اور مہر کا ذکر نہیں کیا نہ بغیر مہر کا لفظ کہا تو بعض روایت میں آیا ہے کہ باتفاق ائمہ اربعہ نکاح صحیح ہوگا یہ شغار نہیں ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میری بیٹی کا بضع تیری بیٹی کا مہر ہوگا اور دوسرے نے (زبان سے) قبول نہیں کیا بلکہ اپنی لڑکی کا نکاح کرادیا اور اس کا مہر کچھ مقرر نہیں کیا تو دوسرا نکاح باتفاق ائمہ صحیح ہوگا (اور مہر مثل لازم ہوگا) لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلا نکاح بھی صحیح ہوگا (اور اس میں بھی مہر مثل لازم ہوگا) نکاح شغار کے باطل ہونے پر حضرت ابن عمرؓ کی حدیث دلالت کررہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار کی ممانعت فرمائی ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح کسی شخص سے کردے کہ وہ شخص اپنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح اس سے کردے اور کسی کا مہر نہ ہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے اور اصحاب سنن نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے اسلام میں شغار (تو کا نکاح) نہیں۔ یہ حدیث شغار کے شرعی وجود کی نفی کررہی ہے اور اول الذکر حدیث میں شغار کی ممانعت مذکور ہے اور ممانعت کا تقاضا ہے کہ شیٔ ممنوع (کا ارتکاب کیا جائے تو) صحیح نہ ہو اور غیر صحیح نکاح مفید ملک بالاتفاق نہیں ہوتا (لہٰذا مہر مثل ادا کرنے کے بعد شغار صحیح نہ ہوگا) شغار کے باطل ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار میں ہر بضع بجائے خود منکوح بھی ہوتا ہے اور دوسرے بضع کا مہر بھی پس منکوح ہونے کے اعتبار سے مستحق مہر ہوگا اور مہر ہونے کے اعتبار سے دوسرے کے نکاح کا بدل گویا اس کی حیثیت مشترک ہوگی اور یہ باطل ہے۔

احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ احادیث مذکورہ میں نہی یا نفی کا تعلق شغار کے مفہوم سے ہے یعنی جس کو شغار کہا جاتا ہے وہ ممنوع اور منفی ہے شغار کے مفہوم کے دو جز ہیں (۱) مہر سے خالی ہونا۔ (۲) بضع کو مہر قرار دینا اگر اس مفہوم کا شغار ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ بضع کو مہر قرار دینا باطل ہے۔ حقیقت شغار شرعاً منفی اور ممنوع ہے لیکن ماہیت شغار کی نفی سے نکاح کا نہ ہونا لازم نہیں بلکہ نکاح ہوجائے گا اور (بطور شغار جس چیز کو مہر قرار دیا ہے وہ مہر نہ ہوگا بلکہ) مہر مثل لازم ہوگا۔ جیسے وہ نکاح جس میں شراب یا خنزیر کو مہر قرار دیا گیا ہو باطل نہیں ہے بلکہ مہر مثل کا موجب ہے اور جس (مہر شغاری یعنی بضع) سے شرعی نہی کا تعلق ہے اس کو ہم ثابت نہیں کرتے اور جس (مہر مثل) کو ہم ثابت کرتے ہیں اس سے نہی غیر متعلق ہے بلکہ شرعی کی عمومی عبارتیں تو اس کے صحیح ہونے کی مقتضی ہیں لہٰذا بضع کو مہر قرار دینا باطل ہے اور نکاح ہر طرح درست ہے بعض علماء کے نزدیک (اولیاء زوجہ کو خطاب نہیں ہے بلکہ) نکاح کرنے والے مردوں کو خطاب ہے کہ اپنی بیویوں کا مہر ادا کرو۔

نِحْلَةً بطیب خاطر (ابوعبیدہ)۔ یہ اٰتُوا کا مفعول مطلق ہے یا اٰتُوا کی فاعلی ضمیر سے حال ہے یعنی طیب خاطر رکھتے ہوئے دو یا صَدُقٰتِ سے حال ہے یعنی عورتوں کے مہر اس مال میں سے دو جو اللہ نے اپنی عنایت سے تم کو دیئے ہیں مراد یہ ہے کہ کسی غیر کے مال میں سے نہ دو نہ مشتبہ مال میں سے۔ ابوعبیدہؒ نے کہا نحلہ محض متعین ہی ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے نحلہ کا ترجمہ عطیہ اور بخشش کیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے عورتوں کے لئے مہر (ضروری قرار دینا) ایک مہربانی اور عطیہ ہے اور چونکہ حق مہر عورتوں کو اللہ کی طرف سے عنایت کیا ہوا ہے اس لئے مردوں کے ذمے وہ فرض اور لازم ہوگیا اسی کا لحاظ کرکے قتادہ نے نحلہ کا ترجمہ فریضہ کیا ہے اور ابن جریج نے مقررہ فریضہ لیکن زجاج نے نحلہ کا ترجمہ تدیناً کیا ہے یعنی مہر کا قانون اللہ کی طرف سے جاری کیا ہوا ہے پس دینی ضابطہ ہونے کی وجہ سے تم ان کا مہر ادا کرو۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا پس اگر وہ بیویاں خوش دلی کے ساتھ تم کو مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دیں۔ منہ میں واحد مذکر کی ضمیر صدقات کی طرف راجع ہے کیونکہ کلام سابق سے یہ سمجھا جارہا ہے کہ ہر ایک کو اس کا مہر دیدو (جب تمام عورتوں کو ان کے مہر دینے کا حکم دیا تو ہر ایک کو اس کا مہر دینے کا حکم سمجھ میں آ ہی گیا) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صدقات کے اندر جو صداق مستانذ کور ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہو۔ بعض کے نزدیک ایتاء (دینا) کی طرف ضمیر راجع ہے (جس پر

انوا دلالت کر رہا ہے) حسنا تمیز ہے جس معنی و تجاوز کو متضمن ہے یعنی اگر عورتیں خوش دلی کے ساتھ کچھ مہر چھوڑ دیں کچھ مہر سے درگزر کریں۔ منہ میں من تبعیضیہ ہے اس سے مردوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ مہر کا جو کچھ حصہ عورتیں تم کو معاف کر دیں تم اسی پر بس کرو کل یا زیادہ مہر کی معافی کی طمع نہ کرو۔

فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ۝ تو اس کو کھاؤ خوشی سے اور رچتے پچتے۔ مزے اور خوشگواری کے ساتھ۔ یعنی بطور حلال بلا اعتراض۔ ھنیئا پاکیزہ خوشگوار جس میں کوئی تکدر نہ ہو۔ بعض نے کہا مزہ دار مریئا کا معنی ہے خوش انجام کامل الہضم غیر مضر هنی یهنی (ضرب یضرب) اور مری یمری (سمع یسمع) سے ھنیئا اور مریئا صفت مشبہ کے صیغے ہیں اور بجائے مصدر کے مستعمل ہیں یا محذوف مصدر کی صفت ہیں۔ ابو جعفر نے دونوں لفظ بغیر ہمزہ کے یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھے ہیں۔ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو جعفر اور دوسرے قاریوں کا یہی اختلاف بریٔ بریئون بریئا اور کھیئۃ میں ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ اور نہ دو اپنے مال بیوقوفوں کو یعنی اپنی عورتوں اور بچوں کو۔ عورتوں اور بچوں کو سفیہ اس لئے فرمایا کہ (شریعت کے نزدیک) یہ سبک عقل ہوتے ہیں ضحاک مجاہد زہری اور کلبی وغیرہ نے یہی بیان کیا اور آئندہ آیت کے بھی یہی مناسب ہے۔

الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا جن کو اللہ نے تمہارے لئے مایہ زندگانی بنایا ہے یعنی مال سے تمہاری زندگی کا بقاء اور گزران ہوتا ہے ضحاک نے کہا (مال کے مایہ زندگانی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ) مال ہی سے حج، جہاد اور نیکی کے کام ہوتے اور اسی کے ذریعہ سے دوزخ سے نجات ملتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (آیت کے مطلب کی توضیح میں) فرمایا جو مال اللہ نے تم کو عنایت فرمایا ہے اور ذریعہ معاش بنایا ہے اس پر اپنی عورتوں اور بچوں کو تسلط نہ دو ورنہ وہ تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور تم ان کے ہاتھوں کو تکتے رہو گے بلکہ اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کو ترقی دو اور خود اہل و عیال کی پرورش اور تربیت میں صرف کرو جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا اور اس میں سے اہل و عیال کو کھانے کو

وَاكْسُوْهُمْ اور پہننے کو دیتے رہو۔

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ اور ان سے نرم گفتگو کرتے رہو کہ ان کے دل خوش رہیں۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے فرمایا اس آیت میں وہ یتیم مراد ہیں جو تمہارے زیر پرورش ہوں کہ ان کے قبضہ میں ان کا مال نہ دو۔ بلکہ خود ان کے صرف میں لاؤ۔ اموالکم میں خطاب اولیاء کو ہے یتیموں کے مال کو سرپرستوں کا مال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ سرپرست ہی اس مال کے منتظم اور کرتا دھرتا ہوتے ہیں۔ یہ تفسیر آیت کے سیاق اور اول و آخر حصوں کے مناسب ہے کیونکہ گذشتہ اور پیوستہ آیات میں روئے خطاب سرپرستوں ہی کی طرف ہے۔ وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا فرمانے سے یہ مقصود ہے کہ اصل مال میں سے ان کے مصارف نہ کرو، ورنہ سارا مال خرچ ہو جائے گا بلکہ اس مال کو تجارت میں لگا کر اس کے نفع سے یتیموں کے مصارف کرو۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى اور یتیموں کی جانچ کرو۔ یعنی بالغ ہونے سے پہلے یتیموں کی عقل کی جانچ کر لو تھوڑا سا مال ان کے قبضہ میں دے کر دیکھو کہ وہ کس طرح اس میں تصرف کرتے ہیں اگر وہ ہوشیار ہوں گے تو شروع میں ہی ان کی ہوشیاری ظاہر ہو جائے گی۔ ہوشیار بچہ کو تجارتی لین دین کی اجازت اس آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بچہ کو تجارت کی اجازت نہیں اور آیت میں جانچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے نکاح کے مبادی ان کے سپرد

له بیہقی نے شعب میں اور حاکم نے صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں جو اللہ سے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی (ایک) وہ شخص جس کی بیوی بد خلق ہو اور اس نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور (دوسرا) وہ شخص جس کا کسی پر کچھ مال ہو (یعنی مال کا دعویٰ کرے) اور شہادت پیش نہ کرے اور (تیسرا) وہ شخص جو سفیہ کو اس کا مال دے دے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے ولا تؤتوا السفھاء اموالکم۔ از مظہر رحمۃ اللہ۔

کر دیئے جائیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول زیادہ ظاہر ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں یعنی اس عمر کو پہنچ جائیں کہ نکاح اور نسل آفرینی کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے، لڑکے میں اس کی علامت احتلام، جماع کے وقت انزال اور صلاحیت تولید ہے اور لڑکی میں حیض، احتلام اور حاملہ ہونے کی صلاحیت ہے اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پیدا ہو تو امام مالک، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کے بلوغ کی عمر پورے پندرہ سال ہیں۔ ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول بھی یہی آیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ مگر امام صاحب کا مشہور قول یہ ہے کہ لڑکی کے لئے پورے سترہ اور لڑکے کے لئے پورے اٹھارہ سال اور ایک روایت کے بموجب پورے انیس سال ہونا چاہئے۔

جمہور نے اپنے مسلک کی دلیل میں حضرت انسؓ کی روایت کو پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مولود (بچہ اور بچی) کی عمر پورے پندرہ سال کی ہو جاتی ہے تو اس کے مفید مضر اعمال لکھے جاتے ہیں اور اس پر حدود قائم کی جاتی ہیں۔ رواہ البیہقی فی الخلافیات، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کا قول آیا ہے کہ احد کے دن جب کہ میری عمر چودہ سال تھی (شرکت جنگ کی اجازت لینے) مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے شرکت کی اجازت نہیں دی۔ پھر خندق کے دن جب کہ میری عمر ۱۵ سال تھی مجھے حضور ﷺ کے معاینہ میں پیش کیا گیا، اس وقت آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔

امام احمدؒ کے نزدیک بلوغ کی ایک علامت پوشیدہ بالوں کی روئیدگی بھی ہے (مشرکین کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی) امام شافعیؒ کے نزدیک مشرکین کے لئے بلوغ کی علامت روئیدگی ہے۔ مسلمانوں کے لئے نہیں ہے یہ دونوں روایتیں امام شافعیؒ سے منقول ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ پوشیدہ بالوں کی روئیدگی یا عدم روئیدگی کو ہیچ قرار دیتے ہیں ناقابل اعتبار۔ امام احمد و امام شافعیؒ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابن حبان اور حاکم اور اصحاب سنن نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ عطیہ قرظی نے فرمایا بنی قریظہ (کی گرفتاری و قتل) کے دن مجھے رسول اللہ ﷺ کے معاینہ میں پیش کیا گیا کیونکہ لوگوں کو میرے بالغ اور نابالغ ہونے میں شک تھا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ پوشیدہ بالوں کو دیکھو پیدا ہو گئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی مگر بال نہ پائے اس لئے مجھے (قتل سے) چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا گیا۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا پس اگر بلوغ کے بعد تم ان سے ہوشیاری دیکھو (محسوس کرو) یعنی لین دین میں خرابی محسوس نہ ہو اور معاملات میں درستی نظر آئے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے رشدا کا مطلب یہی بیان کیا ہے امام شافعیؒ نے فرمایا۔ صلاح دین، حفاظت مال اور مال کو ترقی دینے کی تدبیروں کا علم رشد سے مراد ہے۔

بیہقی نے علی بن طلحہ کی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم کو ان کے اندر دینی صلاح اور حفاظت مال بلوغ کے بعد نظر آئے۔ ثوری نے جامع میں منصور کی روایت سے مجاہد کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور بیہقی نے یزید بن ہارون از ہشام بن حسان کی روایت سے حسن بصری کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ نتیجہ اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق صاحب رشد نہیں ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک فاسق رشید ہے۔

فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ تو ان کا مال فوراً بالغ ہوتے ہی بلا تاخیر ان کو دیدو۔

ترکیب عبارت ۔ اذا معوا ظرف ہے لیکن اس میں شرط کا معنی ہے اور ظرف کا تعلق ادفعوا سے ہے حتیٰ ابتدائیہ ہے ما قبل مذا مابعد کا سبب ہے یہ حتیٰ جارہ نہیں ہے کیونکہ اذا کے اندر ہی (ظرفیت کا) معنی ہے اس لئے حتیٰ جارہ اس پر داخل نہیں ہو سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ یتیموں کی جانچ کرلو تاکہ نکاح کی عمر کو پہنچنے پر جب تم کو ان کی ہوشیاری نظر آ جائے تو ان کا مال ان کو دیدو۔ گویا جانچ کرتے رہنا، دینے کا سبب ہے لیکن دینا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے بلوغ اور احساس رشد اسی لئے امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جب تک رشد دیکھ نہ لیا جائے ان کا مال ان کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے مگر امام ابو حنیفہؒ کے

نزدیک احساسِ رشد لازم نہیں۔ مال دینے کے لئے پچیس سال کی عمر پوری ہو جانا کافی ہے کیونکہ مال دینے کی ممانعت بچپن کے آثار کی وجہ سے کی گئی ہے اور ابتدائی بلوغ میں بچپن کے آثار باقی رہتے ہیں اور زیادہ وقت گزرنے پر نشانِ طفولیت ختم ہو جاتا ہے لہٰذا ممانعت کا حکم بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے امام صاحب کا قول ہے کہ بلوغ کے وقت اگر کوئی بچہ صاحبِ رشد تھا پھر (کسی بیماری کی وجہ سے) سفیہ ہو گیا تو مال دینے سے اس کو نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس کی یہ حماقت بچپن کے اثر کی وجہ سے نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ (رشداً کی تنوین تقلیل کے لئے ہے یعنی اگر تم کو ان کے اندر کسی قسم کا تھوڑا سا رشد بھی نظر آئے تو ان کا مال دیدو۔ تکمیل رشد کا انتظار نہ کرو اور چونکہ پچیس سال کی عمر میں کسی نہ کسی قسم کا رشد کسی درجہ میں حاصل ہو ہی جاتا ہے لہٰذا اس کا مال دیدو۔ مال کی روک کا حکم تو ادب آموزی کے لئے تھا اس عمر کے بعد ادب سیکھنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں یوں کہو کہ غالباً امکان ادب آموزی ختم ہو جاتا ہے ایسی حالت میں مال روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا دیدینا لازم ہے۔

مسئلہ: جس سفیہ کو مال دینے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا کوئی مالی معاملہ نافذ نہیں ہو سکتا نہ بیع کر سکتا ہے نہ غلام کو آزاد کر سکتا ہے، یہ مسلک امام شافعی کا ہے۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک سفیہ کا وہ تصرف تو جاری ہو جائے گا جو فسخ ہو جانے کے قابل ہی نہیں ہے اور وہ تصرف نافذ نہ ہوگا جس کو ولی کی اجازت سے فسخ کیا جا سکتا ہے جیسے خرید و فروخت لیکن امام ابو یوسفؒ اور اکثر علماء کے نزدیک جب تک قاضی نے روک نہ کر دی ہو سفیہ کے تمام تصرفات نافذ ہوں گے اور قاضی ہر تصرف سے روک سکتا ہے۔

اگر قاضی روک دے تو سفیہ کی نہ بیع نافذ ہوگی نہ کوئی ایسا تصرف نافذ ہوگا جس میں مذاق کے طور پر زبان سے کہہ دینا بھی سنجیدگی کا حکم رکھتا ہے لیکن غلام کی آزادی کا حکم نافذ ہو جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غلام پر لازم ہوگا کہ محنت مزدوری یا اور کوئی کام کر کے اپنی قیمت (سفیہ کے ولی کو) ادا کرے۔ امام محمدؒ کے متعلق دو قول آئے ہیں اول قول امام ابو یوسفؒ کے قول کے موافق ہے اور دوسرے قول میں غلام کو اپنی قیمت کا ذمہ دار نہیں قرار دیا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا قاضی کے لئے جائز نہیں کہ کسی عاقل بالغ کو بے عقلی یا دین یا فسق کی وجہ سے تصرفات سے روک دے۔ اس فعل کا معنی یہ ہوگا کہ آدمیت کے حقوق سلب کر کے چوپایوں میں اس کو پہنچا دے اور حقوق انسانیت کا سلب بربادی مال سے زیادہ سخت ہے ادنیٰ ضرر کو دفع کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہیں اختیار کیا جا سکتا۔

شافعی اور احمدؒ وغیرہ سفیہ کو تصرفات سے روک دینے کے جواز کے قائل ہیں ان کے اس مسلک کی دلیل یہی آیت ہے۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ سفیہ سے مال کو روک دیا جائے لیکن اگر اس کے ہاتھ کو تصرف سے روک بھی دیا جائے تب بھی کوئی نتیجہ نہ ہوگا کیونکہ وہ زبان سے (خرید و فروخت وغیرہ) تصرفات کر سکے گا اس لئے اس کو ہر طرح کی بازداشت قاضی کی طرف سے ہونی چاہئے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا مالی تصرف سے صرف ہاتھ کو روکنا بھی مفید ہو سکتا ہے کیونکہ سفیہ کی عقل کا قصور اکثر ہبہ اور صدقہ وخیرات کی صورت میں ہوتا ہے اور ایسا تصرف ہاتھ کا محتاج ہوتا ہے (ہبہ اور صدقہ) بغیر قبضہ کے نافذ نہیں۔ امام اعظم کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی بیع و شراء کے معاملہ میں کمزور تھا مگر خرید و فروخت کرتا ضرور تھا اس کے گھر والوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کو خرید و فروخت سے روک دیا جائے حضور ﷺ نے اس کو بلا کر بیع کرنے کی ممانعت فرما دی۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے تو بغیر بیع کے صبر نہیں ہوتا فرمایا تو جب بیع کیا کرو تو یہ کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے (مجھے کا اختیار ہے) رواہ الترمذی واحمد۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے دیکھو رسول اللہ ﷺ نے اس کو بیع سے بالکل بازداشت نہیں کی اور تحریری ممانعت نہیں فرمائی۔

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ وہ شخص خود قصداً اپنا مال برباد نہیں کرتا تھا بلکہ ضعیف عقلی کی وجہ سے خرید و فروخت میں اس کو نقصان ہو جاتا تھا اس کا تدارک حضور ﷺ کے اس قول سے ہو سکتا تھا کہ کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے۔ (چنانچہ آپ نے یہی فرمایا) اور ہماری گفتگو اس سفیہ کے متعلق ہے جو دانستہ خود اپنا مال برباد کرتا ہو۔ بغوی

نے تھا کہ سفیہ کو تمام مالی تصرفات سے روک دینے کے جواز کی دلیل صحابہؓ کا اتفاق آرہا ہے۔

عروہؒ نے ہشام سے ہشام نے قاضی ابو یوسفؒ سے امام ابو یوسفؒ نے امام محمدؒ سے امام محمدؒ نے امام شافعیؒ سے بیان کیا کہ عبد اللہؓ بن جعفرؓ نے کچھ بھوز، مین ساٹھ ہزار درہم کو خریدی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں عثمانؓ کے پاس جا کر تیری خرید کا فیصلہ بند کرا دوں گا۔ عبد اللہؓ نے جا کر حضرت زبیرؓ سے یہ بات کہہ دی حضرت زبیرؓ نے کہا میں اس بیع میں تمہارا شریک (مشورہ) ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا اپنے بھتیجے کو تصرفات سے روک دیجئے (وہ سفیہ ہے) حضرت زبیرؓ نے کہا میں (مشورہ میں) ان کا شریک ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا ہے میں کسی کو کیسے اس تصرف سے روک دوں جس (کے مشورہ) میں زبیرؓ شریک ہیں۔ ابو عبیدؒ نے کتاب الاموال میں اپنی سند سے ابن سیرین کی روایت سے نقل ہے کہ عثمانؓ نے علیؓ سے کہا۔ [1]

آپ اپنے بھتیجے کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتے اور اس کی خرید، فروخت کی بندش کیوں نہیں کر دیتے اس نے ساٹھ ہزار درہم کے ایسی شورناک زمین خریدی ہے کہ مجھے وہ اپنی جوتی کے بدلہ میں بھی نہیں بھاتی۔ بغویؒ نے کہا اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ کی بندش مختار صحابہ متفق تھے اسی وجہ سے تو حضرت زبیرؓ نے بندش اختیار کو دور کرنے کا حیلہ کیا۔

مسئلہ :۔ اگر نابالغ بالغ ہونے کے وقت تو صاحب رشد ہو پھر سبک سر بدو کن ہو جائے تو اس کو ممنوع التصرف قرار دینا ان علماء کے نزدیک جائز ہے جو بلوغ کے وقت سفیہ کو ممنوع التصرف قرار دینے کے قائل ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن زبیرؓ کے قصہ سے واضح ہو رہا ہے۔ رہا قرض دار تو اس کو بھی ممنوع التصرف قرار دیا جا سکتا ہے جیسا کہ کعب بن مالکؓ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو مال میں تصرف (خرید و فروخت) کرنے سے قرض دار ہونے کی وجہ سے روک دیا تھا اور آپ کا مال بکوا دیا تھا۔ رواہ الدار قطنی والحاکم والبیہقی۔

ابو داؤدؒ نے مراسیل میں اور سعیدؒ نے سنن میں مرسلاً عبد الرزاق کی روایت سے اور ابن جوزی نے ابن مبارک از معمر کی روایت سے مرسلاً بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ سخی جوان تھے کچھ روک کر نہیں رکھتے تھے اور برابر قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کا کل مال قرض میں ڈوب گیا مجبوراً آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضور ﷺ قرض خواہوں سے آپ ان کے متعلق کچھ گفتگو کریں اگر قرض خواہ کسی کو چھوڑ دیتے تو رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے حضرت معاذؓ کو چھوڑ دیتے (لیکن انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا) رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کا مال فروخت کر دیا اور حضرت معاذؓ ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ عبد الحق نے کہا کہ یہ حدیث بصورت ارسال متصل سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن صلاح نے احکام میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔ حضور ﷺ نے قرض خواہوں کے مطالبہ کا ۷/۵ حصہ دیا۔ قرض خواہوں نے کہا ۲/۷ بھی فروخت کر کے ہم کو دیدیجئے فرمایا اب تمہارے لئے (باقی مال پر قبضہ کرنے کا) کوئی راستہ نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ قاضی قرض دار کو نہ ممنوع التصرف کر سکتا ہے نہ اس کا مال فروخت کر سکتا ہے کیونکہ اس کے مال کی خود بخود حکم سے فروختگی بھی ایک قسم کی بندش تصرف ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بغیر رضا مندی کی بیع ہے جو ناجائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم قاضی یہ کر سکتا ہے کہ قرض دار کو قید کر دے یہاں تک کہ وہ تنگ ہو کر اپنا مال فروخت کر دے اور قرض خواہوں کا قرضہ چکا دے اور اس پر بھی (قاضی کی طرف سے) ظلم نہ ہوگا۔ رہا حضرت معاذؓ کا قصہ تو ہم کو یہ تسلیم نہیں ہے کہ حضرت معاذؓ کی مرضی کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے ان کا مال فروخت کر دیا تھا یہ ناممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے معاذؓ ناراض ہوتے بلکہ حضور ﷺ نے ان کی مرضی سے ان کا مال فروخت کیا تھا جیسے کسی کی طرف سے وکیل فروخت کرتا ہے یا فضولی کوئی کسی کا مال بیچ ڈالتا ہے اور بعد کو اصل مالک رضا مندی دیدیتا ہے۔

---

[1] غالباً کتابت کی غلطی ہے حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے یہ بات نہیں کہی بلکہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہی تھی جیسا کہ شافعیؒ کی مذکورہ بالا روایت میں صراحت ہے۔ ۱۲ م

روایت میں جو آیا ہے کہ حضور ﷺ نے معاذ کا مال فروخت کیا۔ یہ صرف راوی کا خیال ہے کہ حضرت معاذ کے مال کی فروخت کو انھوں نے حجر علی معاذ قرار دے دیا کیونکہ واقدی کے سلسلہ سے بیہقی نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس حدیث کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد حضرت معاذ کی شکستہ دلی دور کرنے کے لئے یمن کا عامل بنا کر بھیج دیا۔ طبرانی نے کبیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حج کیا تو معاذ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا آپ ہی سب سے پہلے اللہ کے مال (وصول کرنے) کے لئے تاجر بنے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو ممنوع التصرف نہیں کیا تھا۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی دیوالیہ ہو جائے اور حاکم اس کا مال قرض خواہوں کو تقسیم کر دے اور پھر بھی قرض باقی رہ جائے مگر اس کو پیشہ ایسا آتا ہو جس کی اجرت اس کے ضروری مصارف سے زائد ہو تو امام احمدؒ نے (ایک روایت کے اعتبار سے) کہا ہے کہ حاکم ادائے قرض کے لئے اس کو مزدوری کرنے کی اجازت دے سکتا ہے دوسری روایت میں امام احمدؒ کا قول اس کے خلاف ہے باقی ائمہ نفی اجازت کے قائل ہیں۔

اول قول کے ثبوت میں امام احمدؒ نے اس حدیث کو پیش کیا ہے جو دار قطنی نے زید بن اسلم کی روایت سے لکھی ہے زید بن اسلم نے کہا میں نے سکندریہ میں ایک بوڑھا شخص دیکھا جس کو سرق کہا جاتا تھا میں نے کہا یہ کیسا نام ہے بوڑھے نے کہا میرا یہ نام رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا اور میں اس کو ہرگز ترک نہیں کروں گا۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تمہارا یہ نام کیوں رکھا تھا، بوڑھے نے کہا میں (ایک بار) مدینہ کو گیا اور لوگوں سے کہا میرا مال آنے والا ہے۔ لوگوں نے میرے ساتھ آنے والے مال کا سودا کر لیا مال برباد ہو گیا (اور میرا مال نہیں آیا) لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے حضور ﷺ نے فرمایا تو چور ہے اور حضور ﷺ نے مجھے چار اونٹوں کی قیمت میں بیچ ڈالا جس شخص نے مجھے خریدا تھا قرض خواہوں نے اس سے پوچھا تم اس کو کیا کرو گے اس نے کہا میں اسے آزاد کر دوں گا قرض خواہوں نے کہا تو ثواب کی طلب میں ہم تم سے کم نہیں ہیں چنانچہ قرض خواہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور میرا نام باقی رہ گیا۔

ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ذات کو تو فروخت کیا نہ تھا کیونکہ آزاد تھا (اور آزاد مملوک نہیں ہو سکتا) بلکہ اس کے منافع (یعنی مزدوری کی آمدنی) کو فروخت کیا تھا پس آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے خدمت لینے سے مجھے آزاد کر دیا۔

میں کہتا ہوں کوئی وجہ نہیں کہ اس حدیث میں لفظ بیع سے بیع منافع مراد لی جائے کیونکہ یہ تو محل مجہول کا ٹھیکہ ہو جائے گا البتہ یہ حدیث بجائے خود متروک ہے) کیونکہ آزاد کی بیع بالاجماع ناجائز ہے۔ رہا رسول اللہ ﷺ کا عمل تو حضور ﷺ کو لوگوں کی جانوں میں تصرف کرنے کا حق تھا، دوسروں کو وہ حق حاصل نہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے پھل خریدے اور اس کے پھل مارے گئے اور اس پر قرض بہت ہو گیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کو خیرات دو حکم کی تعمیل کی گئی مگر چندہ اتنا نہیں ہوا کہ اس کا قرض پورا ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا جتنا تم کو مل گیا لے لو بس اس سے زیادہ تم کو نہیں ملے گا۔ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ وصول قرض کیلئے قرضدار کا فقط مال لیا جا سکتا ہے مدیون پر (قرض خواہوں کا) اور کوئی حق نہیں (یعنی قرضدار کو نہ ممنوع التصرف کیا جا سکتا ہے نہ مزدوری یا نوکری وغیرہ سے روکا جا سکتا ہے) واللہ اعلم۔

وَلَا تَأْكُلُوهَآ (یعنی اے یتیموں کے سرپرستو) یتیم کا مال نہ کھاؤ۔

إِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ (حد اعتدال اور ضرورت سے زیادہ اور جلدی جلدی۔

قاموس میں ہے سَرَفٌ توسط کی ضد۔ صحاح میں ہے سرف کا معنی ہے ہر فعل میں حد سے تجاوز کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے فلا یسرف فی القتل قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے دوسری آیت ہے یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم اے میرے

بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ لیکن مال کے صرف میں حد سے تجاوز کرنے پر سرف کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے۔ حد سے تجاوز کبھی تو مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی کثرت ہو جاتی ہے اللہ نے فرمایا ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا کھاؤ اور پیو اور حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو۔ اور کبھی کیفیت کے لحاظ سے حد سے تجاوز ہوتا ہے اسی لئے سفیان ثوری نے فرمایا کہ اللہ کی طاعت سے ہٹ کر جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے خواہ اس کی مقدار قلیل ہی ہو۔ اللہ نے فرمایا ہے ان المسرفین ھم اصحاب النار (اللہ کی طاعت سے ہٹ کر صرف کرنے والے ہی دوزخی ہیں۔ آیت کا یہ ترجمہ حضرت مؤلف کے مقصد کی تائید کر رہا ہے کیونکہ مؤلف قدس سرہ نے اسراف حسب حقیقت کی تشکیل میں یہ آیت ذکر کی ہے لیکن ممکن ہے کہ المسرفین سے مراد وہ لوگ ہوں جو نافرمان گناہگار اور حد اطاعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اس صورت میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اللہ کی طاعت سے ہٹنے والے خواہ تجاوز عملی ہو یا نظری یا مالی دوزخی ہیں)۔

میں کہتا ہوں اس صورت میں مالدار سرپرست کے لئے یتیم کا مال کھانا خواہ قلیل مقدار میں ہی ہو اسراف ہے اور نادار کے لئے یتیم کا مال اتنا کھالینا جو دستور کے خلاف ہو (یعنی اجرت تربیت سے زائد ہو) اسراف اور افراط کہلائے گا۔

اَنْ يَّكْبَرُوْا اس اندیشہ سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور اپنا مال تم سے لے لیں گے۔ اسرافا اور بدارا دونوں مصدر بمعنی اسم فاعل ہیں اور مقام حال میں ہیں یعنی اسراف اور جلدی کرتے ہوئے دونوں مفعول لہ بھی ہو سکتے ہیں یعنی اسراف اور جلدی کرنے کی وجہ سے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ اور جو مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے بچتا رہے۔ یتیم کا مال بالکل نہ لے تھوڑا نہ بہت۔ استعفاف کے معنی میں عفت سے زیادہ زور ہے عفاف بچنا استعفاف بچتے رہنا۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن شعیبؒ کے دادا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میں محتاج ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے زیر پرورش ایک یتیم ہے (جس کا مال موجود ہے) حضور ﷺ نے فرمایا اپنے یتیم کے مال میں سے کچھ کھالو مگر (حد اعتدال سے) زیادتی نہ کرنا نہ جلدی جلدی ہڑپ کرنا نہ (اپنی مزدوری کے) مال کو بچا کر اس کے مال کو کھانا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میری گود میں ایک یتیم ہے کیا میں اس کے مال میں سے کھا سکتا ہوں فرمایا (کھا سکتے ہو) بغیر اس کے کہ اپنے مال کو بچا کر اس کے مال کو کھاؤ اور اپنا مال جمع رکھو۔ رواہ الثعلبی۔ مراد یہ ہے کہ یتیم کی تربیت کے معاوضہ کے بقدر کھا سکتے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مسلک ہے اور ہم بھی یہی مطلب کو لیتے ہیں۔ عطاء اور عکرمہ نے یاکل بالمعروف کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انگلیوں کے پوروں سے کھائے زیادتی نہ کرے اور (یتیم کے مال میں سے) کپڑے نہ پہنے۔ شعبی نے کہا یتیم کے مال سے کتان اور صوف خرید کر نہ پہنے صرف بھوک دور کرنے کی بقدر کھائے۔ اور ستر پوشی کے بقدر پہن لے اور ان مصارف میں جتنی رقم آئی ہو اس کی واپسی لازم نہیں۔ حسن بصری اور ایک جماعت علماء نے کہا یتیم کے درختوں کے پھل کھا سکتا ہے اس کے جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے مگر دستور کے موافق۔ اور اس کا معاوضہ لازم نہیں۔ البتہ چاندی سونا لے اڑے گا تو اس کا معاوضہ ادا کرنا لازم ہے۔ کلبی نے کہا معروف سے مراد ہے یتیم کی سواری پر سوار ہونا اس کے غلام سے خدمت لینا یتیم کے مال میں سے کچھ کھانا جائز نہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے قاسم بن محمد کی روایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا میرے زیر تربیت ایک یتیم ہے اور اس کے اونٹ ہیں کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں، فرمایا اگر تم اس کے گمشدہ اونٹ کو تلاش کرو۔ خارشی اونٹوں کی مالش کرو۔ ان کے حوض کو درست کرو اور پانی پلانے کے دن ان کو پانی پلاؤ تو ان کا دودھ بھی پی سکتے ہو لیکن اس طرح کہ اونٹوں کے بچوں کو (بھوک کا) ضرر نہ پہنچے اور نہ بالکل تھنوں سے دودھ نچوڑ لیا جائے۔ شعبی نے کہا کہ

مجبوری کے بغیر جس میں آدمی مردار کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے یتیم کا مال نہ کھائے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے معروف کا ترجمہ قرض کیا ہے یعنی ضرورت ہو تو یتیم کے مال میں سے قرض لے سکتا ہے جب فراخدستی ہو تو واپس کر دے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اللہ کے مال (بیت المال) کے معاملہ میں اپنی ذات کو یتیم کے سرپرست کی طرح قرار دے رکھا ہے۔ اگر غنی ہوں گا تو بچتا رہوں گا اور محتاج ہوں گا تو معروف کے ساتھ (یعنی بطور قرض) کھالوں گا اور جب فراخدست ہوں گا تو ادا کر دوں گا۔

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ (یعنی بالغ ہونے اور ہوشیار پانے کے بعد) جب ان کا مال تم ان کو دو۔

فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ تو دیتے وقت شاہد بنالو۔ یہ حکم استحبابی ہے واجب نہیں ہے۔ تہمت کو دور کرنے اور آئندہ جھگڑے کو کاٹنے کے لئے گواہ بنانا ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر سرپرست یتیم کے بالغ ہونے کے بعد مال ادا کر دینے کا دعویٰ کرے تو بغیر گواہوں کے اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا۔ امام اعظمؒ نے فرمایا اگر گواہ نہ ہوں تو اس کا قول قسم کے ساتھ قبول کر لیا جائے گا کیونکہ وہ اپنے اوپر تاوان عائد کئے جانے کا منکر ہے (اور منکر کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے) اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے آئندہ قول۔ فرمایا۔

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے یعنی حساب فہمی کرنے والا، بدلہ دینے والا اور شہادت دینے والا اللہ ہی کافی ہے۔ کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں بلکہ ولی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے حقیقت معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔ کسی کا فاصلہ ہے بہ وزن ہے۔

آئندہ آیت کی شان نزول

ابو الشیخ ابن حبان نے کتاب الفرائض میں بطریق کلبی، ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت لڑکیوں کو میراث دیتے تھے نہ بالغ ہونے سے پہلے چھوٹے لڑکوں کو۔ ایک انصاری کا جس کا نام اوس بن ثابت تھا انتقال ہو گیا اور انہوں نے دو لڑکیاں اور ایک چھوٹا لڑکا چھوڑا۔ اس کے دو چچازاد بھائی خالد اور عرفجہ تھے دونوں نے آکر ساری میراث پر قبضہ کر لیا اس کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور واقعہ عرض کیا۔ ارشاد فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ کیا کہوں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

یعنی والدین اور (باہم وارث ہونے والے) نزدیک ترین رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ عورتوں کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مستقلاً ان کے لئے والدین اور اقارب کے ترکہ کا ذکر کیا۔

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ یہ فقرہ ما ترک سے بدل ہے۔ قلیل مقدار کی جو لوگ پروا نہیں کرتے تھے اس فقرہ میں ان کو تنبیہ کر دی گئی (کہ ترکہ کم ہو یا زیادہ میراث سب میں جاری ہوگی)۔

نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ حصہ قطعی۔ یہ مفعول مطلق تاکیدی ہے (فعل محذوف ہے) یا فاعل ظرف (للرجال) سے حال ہے۔ حال در حقیقت مفروضاً ہے نصیباً اس کی تمہید یا فعل اخص محذوف ہے اور نصیباً کا نصب اختصاص کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے وارثوں کے حصے قطعی اور وجب کر دیئے ہیں کسی کے لئے ان کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ لفظ مفروضاً بتا رہا ہے کہ وارث اگر اپنے حصہ سے اعراض بھی کرے یا اظہار بیزاری کر دے تب بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا یہ آیت دو لحاظ سے مجمل ہے۔

(۱) اس میں حصوں کی تعیین نہیں (۲) اقرب سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت نہیں ان دونوں باتوں کا بیان شریعت (یعنی حدیث) میں آیا ہے۔

والدین بھی اگرچہ اقربین میں داخل تھے مگر مستقلاً والدین کے ذکر کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو والدین کی اہمیت دکھانی مقصود ہے دوسری یہ کہ والد کے ترکہ کی تقسیم کے متعلق (اصل میں) آیت کا نزول ہوا تھا (اقرباء کا ذکر تو ضمنی طور پر کر دیا گیا)۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت اوس بن ثابت انصاری کا انتقال ہوا اور پسماندگان میں ایک بیوی ام کجہ اور تین لڑکیاں رہیں، سوید اور عرفجہ جو میت کے چچا کے بیٹے اور وصی تھے کھڑے ہو گئے اور کل مال پر قابض ہو گئے نہ بیوی کو کچھ دیا نہ بیٹیوں کو کیونکہ جاہلیت کے زمانہ میں وہ لوگ نہ عورتوں کو میراث دیتے تھے نہ چھوٹی اولاد کو خواہ اولاد میں کوئی لڑکا ہی ہوتا صرف بالغ مردوں کو میراث کا حصہ دیتے تھے اور کہتے تھے ہم صرف اسی کو دیں گے جو دشمن سے لڑے اور مال غنیمت لوٹے۔ ام کجہ نے خدمت گرامی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اوسؓ بن ثابت کا انتقال ہو گیا اس نے تین بیٹیاں پیچھے چھوڑیں اور میں اس کی بیوی ہوں اور میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ میں لڑکیوں کو کھلا سکوں۔ لڑکیوں کے باپ نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے مگر وہ مال سوید و عرفجہ کے قبضہ میں ہے۔ انہوں نے نہ مجھے کچھ دیا نہ میری بچیوں کو، بچیاں میرے پاس ہیں نہ ان کے کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو۔ رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو طلب فرمایا وہ بولے یا رسول اللہ ﷺ اس عورت کی اولاد اس قابل نہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو سکے نہ (دیت اور تاوان وغیرہ کا) بار اٹھا سکتی ہے نہ دشمن سے لڑ سکتی ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو بلا کر فرمایا ابھی اوسؓ بن ثابت کے مال کو بالکل تقسیم نہ کرنا اللہ نے ترکہ میں اس کی لڑکیوں کو حصہ دار بنایا ہے مگر حصہ کی تعیین نہیں کی۔ میں منتظر ہوں کہ لڑکیوں کے بارے میں کیا حکم (تعیین کے ساتھ) نازل ہوتا ہے اس پر اللہ نے آیت یوصیکم اللہ الخ نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو حکم دیا کہ اس کے مال میں سے ۸/۱ ام کجہ کو اور ۳/۲ لڑکیوں کو دیدو باقی تمہارا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب آیت للرجال نصیب کے بعد ہی آیت یوصیکم اللہ نازل ہو گئی تو وقت حاجت سے بیان کی تاخیر لازم نہیں آئی۔ واللہ اعلم۔

سعدؒ نے لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں اور صحیح روایات میں آیا ہے کہ حضرت اوس بن ثابت، حضرت حسانؓ بن ثابت کے بھائی تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ مگر شیخ جلال الدینؒ سیوطی کی نظر میں یہ قول محل اعتراض ہے کیونکہ بھائی کی موجودگی میں چچا کے بیٹوں کو میراث ملنے کا کوئی قانون نہیں (اور حضرت حسانؓ موجود تھے) بغویؒ کے بیان کردہ شان نزول کو ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے اور غلط قرار دیا ہے کیونکہ حضرت حسانؓ کے کسی بھائی کا نام اوس نہیں تھا اور نہ آپ ﷺ کے چچازادوں میں کوئی فقط یا خالد تھا اس کے بعد شیخ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ متعدد صحابہؓ کا نام اوس تھا مگر سب کی ولدیت الگ الگ تھی اس لئے ممکن ہے کہ انہی میں سے کسی کی میراث کے سلسلہ میں آیت کا نزول ہوا ہو۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ اور اگر تقسیم میراث کے وقت (وہ) غیر مستحق) قرابتدار اور یتیم اور مسکین آجائیں۔ اولوا القربیٰ سے وہ قرابتدار مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حصہ مقرر نہیں۔

فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ تو ترکہ سے یا تقسیم سے ان کو بھی بطور خیرات کچھ دیدو۔

حسن نے بیان کیا کہ لوگ تابوت، برتن، پرانے کپڑے اور وہ سامان جس کو آپس میں تقسیم کرنے سے شرم آتی تھی دیدیا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا کہ آیت یوصیکم اللہ سے یہ آیت منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ شعبی، نخعی، زہری، مجاہد اور علماء کی ایک جماعت نے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے۔ قتادہ نے یحییٰ بن یعمر کا قول نقل کیا ہے کہ تین مدنی آیات جو محکم ہیں لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے ایک یہی آیت اور دوسری طلب اجازت کے متعلق آیت یایہا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم اور تیسری یایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ۔ آیت کو محکم قرار دینے کی صورت میں بعض علماء کے نزدیک فارزقوھم کا امر وجوب کے لئے ہے۔ وارث چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے مال میں یتامیٰ مساکین اور اقارب بعید کا یہی حق ہے اگر وارث بڑے ہوں تو خود دیدیں اور نابالغ ہوں تو ان کی طرف سے ان کے ولی

دیدیں۔ محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ اسی آیت کی وجہ سے عبیدہؓ سلمانی نے یتیموں کے مال میں سے بانٹ کر کچھ حصہ نکال کر ایک بکری خرید کر ذبح کرا کے کھانا پکوایا اور اس آیت میں جن کا ذکر ہے ان کو دیدیا ہے اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ میرے مال سے ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ امر استحبابی ہے (وجوبی نہیں ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر وارث بڑے ہوں تو مذکورہ بالا آیت والوں کو کچھ دیدیں اور اپنے دینے کو قلیل سمجھیں ان پر احسان نہ جتائیں اور اگر وارث چھوٹے ہوں تو ان کا ولی یا وصی مذکورہ بالا مستحقین سے عذر کرے اور کہہ دے یہ مال بچوں کا ہے میرا نہیں ہے، اگر میرا ہوتا تو میں ضرور کچھ دیتا، جب یہ بچے بڑے ہو جائیں گے تو تمہارے حقوق پہنچائیں گے۔ (اس وقت ان کو تمہارے حقوق کا علم نہیں) آیت ذیل میں قول معروف سے یہی قول مراد ہے۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ اور ان سے بھلائی کے ساتھ بات کرو۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ اور ڈریں وہ لوگ جن کو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے چھوٹے بچوں کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے بظاہر ڈرنے کا یہ حکم طاقت والے وارثوں کو ہے اور اس آیت کا ربط آیت للرجال نصیب اور اذا حضر القسمۃ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طاقتور وارث عورتوں اور کمزور وارثوں کا مقررہ میراثی حصہ دیدیں، کہیں یہ کمزور طبقہ برباد نہ ہو جائے جیسے ان کو اپنے بعد باقی رہنے والی بیوی اور کمسن بچوں کے تباہ ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اسی طرح مورث کے دور اور قریب کمزور رشتہ داروں کا بھی پاس خاطر رکھنا چاہئے۔

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ پس اللہ سے ان کو ڈرنا چاہئے (یعنی جب ان کو اپنے بیوی بچوں کے تباہ ہونے کا ڈر رہتا ہے تو مورث کی بیوی اور دوسرے کمزور وارثوں اور دور کے رشتہ داروں اور یتیموں، فقیروں کے متعلق بھی ان کو ایسا ہی سوچ رہنا چاہئے کہ کہیں یہ تباہ نہ ہو جائیں اور ان کی بربادی کی باز پرس اللہ ہم سے کرے، پس ان کو اللہ کی باز پرس سے خوف کرنا چاہئے۔) خشیت کی اصل تقویٰ ہے اس لئے دونوں کا حکم دیا اول ضعفا کی تباہی سے ڈرنے کا اور آخر میں اللہ سے ڈرنے کا۔

کلبی نے کہا حکم مذکور یتیموں کے سرپرستوں اور وصیت والوں کو دیا گیا ہے کہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور ان سے سلوک اچھا کریں جیسا اپنے ان کمزور بچوں کے ساتھ لوگوں سے سلوک کرانا پسند کرتے ہیں جو ان کے پیچھے رہ جائیں اس وقت اس آیت کا تعلق وابتلوا الیتمیٰ سے ہوگا اور للرجال نصیب سے آخر تک معترضہ کلام ہوگا اور اس کلام کو بیچ میں لانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تک جاہلیت کے دستور کو ختم نہ کر دیا جائے اور اہل جاہلیت جو کمزوروں کو میراث نہ دیتے اور صرف اہل حرب کو حصہ دینے کے قائل تھے ان کے قول کو دفع رفع نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ یتیموں کی سرپرستی کا کوئی نتیجہ ہے، نہ ان کی جانچ کا، نہ ترکہ کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وارثوں کو حکم ہو کہ کمزور غیر وارث رشتہ دار اور یتیم و فقیر اگر تقسیم کے وقت موجود ہوں تو ان سے شفقت کا سلوک کریں اور یہ خیال کریں کہ اگر یہ ہماری اولاد ہوتے اور ہمارے بعد رہ جاتے تو ہم کسی طرح ان کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے۔

بعض علماء نے کہا کہ آیت میں وہ شخص مراد ہے جو مرنے کے قریب ہو اور اس کے گرد و پیش کے آدمی اس سے کہیں کہ تیرے اولاد تیرے وارث کام نہیں آئیں گے لہٰذا فلاں غلام کو آزاد کر دے اور فلاں فلاں شخص کو اتنا اتنا دے دے، غرض کل مال اپنی زندگی میں ہی تقسیم کر دینے کا اس کو مشورہ دیں، ایسے ہی لوگوں کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈریں اور مریض کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھیں کوئی ایسا مشورہ نہ دیں کہ ان کو نقصان پہنچے اور تمام مال صرف ہو جائے یا وصیت کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ کمزور وارثوں کے تباہ ہو جانے کا خیال رکھیں، وصیت میں حد سے تجاوز نہ کریں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کریں تاکہ وارث محروم نہ رہ جائیں۔

وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ اور ان کو ٹھیک بات کہنی چاہئے، یعنی طاقت والے وارث کمزور وارثوں سے مہربانی اور تہذیب سے بات کریں، یا سرپرست یتیموں سے شفقت اور مہربانی سے بات کریں جیسے اپنے بچوں سے کرتے ہیں یا مرنے

کے وقت موجود ہونے والے لوگ مرنے والے کو مشورہ دیں کہ وہ تہائی مال سے کم خیرات کرنے اور کسی کو دینے کی وصیت کرے یا تقسیم کے وقت جو فقیر آ جائیں ان سے تقسیم کرنے والے معذرت کریں یا وصیت کرنے والے وصیت میں اچھی بات کہیں، ایک تہائی سے کم کی وصیت کریں اور وصیت میں نیت کو اللہ کے لئے خالص رکھیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا مقاتل بن حبان کا بیان ہے کہ مرثد بن زید غطفانی نے جب اپنے یتیم بھتیجا کا مال کھالیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بے جا طور پر کھاتے ہیں۔ ظلما مفعول مطلق ہے اس وقت موصوف محذوف ہوگا یعنی اکلا ظلما یا حال ہوگا اس وقت مصدر بمعنی اسم فاعل ہوگا۔

اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ بس وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے یعنی ایسی چیز پیٹ میں بھرتے ہیں جو ان کو کھینچ کر دوزخ میں لے جائے گی۔ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹ کے لبوں کی طرح تھے بالائی لب سکڑا ہوا دونوں نتھنوں پر تھا اور نیچے کا ہونٹ سینہ پر لٹکا ہوا۔ جہنم کے کارندے ان کے منہ میں دوزخ کے انگارے اور پتھر بھر رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہیں جبرئیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بے جا طور پر کھاتے تھے۔ رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم من حدیث ابی سعید الخدری ؓ۔

ابن ابی شیبہ نے مسند میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابوبرزہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ قبروں سے کچھ لوگوں کو ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے عرض کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں بس وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ سعیر بروزن فعیل اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ لفظ سعرت النار (میں نے آگ روشن کی) سے ماخوذ ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا (محلہ) بنی سلمہ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ میری عیادت کو تشریف لائے اور مجھے غشی میں پایا پانی منگوا کر وضو کیا پھر مجھ پر پانی کا چھینٹا دیا، فوراً مجھے ہوش آگیا میں نے عرض کیا حضور ﷺ کا کیا حکم ہے۔ میں اپنے مال میں کیا (وصیت) کر سکتا ہوں۔ اس پر آیت یوصیکم اللہ الخ نازل ہوئی۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سعدؓ آپ کے ہمرکاب ہو کر احد میں شہید ہو گئے اور ان کی یہ دو لڑکیاں ہیں لڑکیوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا اور ان کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اس کا فیصلہ فرمادے گا اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کے چچا کو طلب فرما کر حکم دیا کہ ۲/۳ مال لڑکیوں کو اور ۱/۸ سعد کی بیوی کو دیدو باقی تمہارا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا جو لوگ آیت کا نزول سعد کی لڑکیوں کے سلسلہ میں قرار دیتے ہیں اور جابر کے معاملہ میں نزول تسلیم نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت جابرؓ کی اولاد ہی نہ تھی۔ (اور آیت میں میراث اولاد کا بیان ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ سبب نزول دونوں واقعات ہوئے لڑکیوں کا بھی اور حضرت جابرؓ کا بھی (اور متعدد واقعات کا ایک حکم کے لئے سبب نزول ہونا ممکن نہیں) یہ بھی احتمال ہے کہ آیات کا ابتدائی حصہ حضرت سعد کی لڑکیوں کے حق میں اور آخری حصہ یعنی وان کان رجل یورث کلالۃ الخ حضرت جابرؓ کے سلسلہ میں نازل ہوا ہو اور حضرت جابرؓ نے جو فرمایا تھا کہ اللہ نے آیت یوصیکم اللہ نازل فرمائی تو اس سے مراد ہے اس آیت سے بعد آنے والی آیت (جو کلالہ کے متعلق ہے)۔

شان نزول کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے ابن جریر نے سدی کی روایت سے لکھا ہے کہ جاہلیت والے لڑکیوں کو میراث دیتے تھے نہ چھوٹے لڑکوں کو۔ اولاد میں سے میراث اسی کو ملتی تھی جو دشمن سے لڑنے کی طاقت رکھتا تھا۔

حضرت حسان شاعر کے بھائی عبدالرحمن کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک بی بی ام کجہ اور پانچ لڑکیاں چھوڑیں دوسرے وارث آکر مال پر قبضہ کرنے لگے ام کجہ نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی تو آیت فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک نازل ہوئی اور ام کجہ کے متعلق نازل ہوا اولھن الربع مما ترکتم الخ حضرت سعدؓ بن ربیع کے سلسلہ میں ان آیت کا نزول ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ قاضی اسمٰعیل نے احکام القرآن میں عبدالملک بن محمد بن حزم کے طریق سے بیان کیا ہے کہ عمرہ بنت حرام۔ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی تھیں اور عمرہ کے بطن سے سعد کی ایک لڑکی تھی۔ عمرہ اپنی لڑکی کی میراث طلب کرنے کے لئے خدمت گرامی میں حاضر ہوئیں تو ان کے حق میں ہی آیت یوصیکم اللہ الخ نازل ہوئی۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ اللہ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارہ میں۔ فی اولادکم میں فی بمعنی لام بھی ہو سکتا ہے یعنی تمہاری اولاد کے لئے اللہ تم کو حکم دیتا ہے جیسے حدیث مبارک میں آیا ہے دخلت امراۃ ۔۔ رھی ھرۃ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں گئی۔ یہاں تک مجمل حکم ہے آگے اس کی تفصیل ہے۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں قسمیں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں اور ایک لڑکا ہو یا ایک سے زیادہ لڑکے اور ایک لڑکی ہو تو ہر لڑکی سے ہر لڑکے کا حصہ دوگنا ہوگا۔ خصوصیت کے ساتھ لڑکے کے حصہ کا ذکر لڑکے کی فضیلت کو ظاہر کر رہا ہے اور اس امر پر تنبیہ کر رہا ہے کہ لڑکے کا دوگنا حصہ ہونا ہی اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے لیکن رشتہ میں چونکہ دونوں مساوی درجہ پر ہیں اس لئے محروم کوئی نہیں ہوگا یہ حکم تو اس وقت ہوگا جب دونوں صنفیں موجود ہوں لیکن اگر محض لڑکیاں ہوں تو

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ اگر اولاد مونث ہو (اور) دو سے زائد (ہو) تو ان کے لئے میت کے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے۔

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ اور اگر بچی ایک ہی ہو تو اس کے لئے (کل ترکہ کا) آدھا حصہ ہے۔ اس آیت میں دو لڑکیوں کے حصہ کو بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دو لڑکیوں کے لئے بھی وہی ہے جو ایک کے لئے ہے کیونکہ (دو تہائی اور نصف دونوں کا احتمال ہے مگر) کم سے کم لڑکی کا حصہ نصف یقینی ہے (لہٰذا یقینی کو چھوڑ کر احتمال کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا)۔

صحیح یہ ہے کہ دو ہوں یا زیادہ سب کے لئے دو تہائی مقرر ہے اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے لیکن آیت میں تو لفظ فوق موجود ہے۔ تو اس کی تاویل کے لئے بعض علماء نے کہا کہ لفظ فوق زائد ہے جیسے آیت فاضربوا فوق الاعناق میں لفظ فوق زائد ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سعدؓ بن ربیع کے ترکہ کے سلسلہ میں اوپر ذکر کی جا چکی ہے اور آیت کا نزول بھی سعد کی دو لڑکیوں کے حق میں ہی ہوا ہے۔ بعض علماء نے دو لڑکیوں کے حصہ کو دو بہنوں کے حصہ پر قیاس کیا ہے۔ اللہ نے ایک بہن کا حصہ نصف مقرر کیا ہے جیسے ایک لڑکی کا حصہ نصف مقرر کیا ہے اور بھائی بہن اگر مخلوط ہوں تو بہن کا اکہرا اور بھائی کا دوہرا حصہ قرار دیا ہے جیسے اولاد اگر کچھ مذکر اور کچھ مونث ہو تو ان کا حصہ بھی دوہرا اور اکہرا رکھا ہے اور اگر محض دو بہنیں ہوں تو ان کیلئے دو تہائی کی صراحت کی ہے پس اگر صرف دو لڑکیاں ہوں تو قیاس کا تقاضا ہے کہ دو بہنوں کی طرح ان کو بھی دو تہائی دیا جائے پس سنت اور اجماعؓ سے ثابت ہے کہ دو بہنوں سے زائد کا حصہ بھی اتنا ہی ہے جتنا دو بہنوں کا نص سے ثابت ہے اور دو لڑکیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زائد کا نص میں آیا ہے۔ دو لڑکیوں کو ایک کی طرح قرار دینے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں۔

پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہو تو لڑکی کا حصہ ایک تہائی سے کم نہیں ہو سکتا (دو تہائی لڑکے کا اور ایک تہائی لڑکی کا ہوگا) لہٰذا اگر ایک لڑکی کے ساتھ دوسری اس کی بہن ہو تب بھی اس کا حصہ ایک تہائی سے کم نہ ہونا چاہئے (پس دو لڑکیوں کا دو تہائی ہوگا) آیت میں تنہا لڑکے کا حصہ نہیں بتلایا یہ سکوت دلالت کر رہا ہے کہ اگر نرینہ اولاد تنہا ہو تو کل مال اس کا ہے محروم تو ہو نہیں سکتا کیونکہ لڑکی سے بہر حال اس کو فضیلت حاصل ہے اور جب تنہا لڑکی محروم نہیں ہوتی تو لڑکے کو محروم

نہ ہونا چاہئے لیکن اس کا حصہ کوئی مقرر نہیں کیا اگر اس کا کل مال نہ ہوتا تو کچھ حصہ مقرر کر کے بطور بتانا چاہئے تھا ضرورت کے وقت بیان سے سکوت ناجائز ہے۔ لڑکے کی موجودگی میں کوئی دوسرا عصبہ بھی وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ قریب ترین عصبہ لڑکا ہی ہے اس کا کوئی حصہ لڑکے سے بچ ہی نہیں سکتا کہ دوسرا کوئی وارث ہو۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے لڑکے کا لڑکی سے دوگنا حصہ مقرر کیا ہے اور لڑکی اگر تنہا ہو تو اس کے لئے نصف مقرر ہے لہٰذا لڑکا اگر تنہا ہو تو اس کے لئے نصف کا دوگنا یعنی کل ہونا چاہئے۔ چونکہ لڑکے کے لئے کل مال ہے اس لئے لڑکے کی موجودگی میں پوتے اور پوتیاں بالاجماع محروم ہو جائیں گے۔

مسئلہ - اجماع سلف ہے کہ اگر صلبی اولاد نہ ہو تو پوتے اور پوتیاں صلبی اولاد کی قائم مقام ہو جائیں گے اگر صرف ایک پوتا یا چند پوتے ہوں تو کل مال ان کو ملے گا اور ایک پوتی ہوتی تو آدھا مال ملے گا اور زیادہ ہوں گی تو دو تہائی اور پوتے پوتیاں مخلوط ہوں تو مذکر کا دوہرا اور مونث کا اکہرا ہوگا۔ اور اگر پوتے پوتیوں کے ساتھ ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیاں ہوں تو جو لڑکی یا لڑکیوں سے بچے گا وہ پوتے پوتیوں کو دوہرے اور اکہرے کے حساب سے ملے گا۔ طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیوں اور پوتوں کو بقیہ (ایک تہائی) میں (دوہرے اور اکہرے کے حساب سے) باہم شریک کر دیا اسی طرح حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علاتی (ایک باپ اور دو ماؤں کی اولاد) بہنوں اور بھائیوں کو باقی مال میں شریک کیا۔

اگر ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیوں کی موجودگی میں تنہا ایک پوتا یا چند پوتے ہوں گے تو لڑکیوں سے جو کچھ باقی رہے گا وہ پوتوں کو دیا جائے گا۔ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض حصے اہل فرائض کو دو اور فرائض ادا کرنے سے جتنا بچ جائے وہ قریب ترین مرد کو دیدو۔ اگر ایک صلبی بیٹی ہو اور ایک یا زیادہ پوتیاں تو بیٹی کو (نصف) دینے کے بعد پوتیوں کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو تہائی ہو جائے (بیٹیوں، پوتیوں، بہنوں کا دو تہائی سے زائد نہیں ہے اس لئے دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا)۔

بخاری نے ہذیل بن شرحبیل کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت سلمان بن ربیعہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی میت کی ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن رہ جائے تو ترکہ کی تقسیم کس طرح کی جائے۔ دونوں صحابیوںؓ نے فیصلہ کیا کہ بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا دیا جائے پوتی محروم ہوگی مگر یہ بھی فرما دیا کہ تم ابن مسعودؓ سے بھی جا کر پوچھو وہ بھی (اس فیصلہ میں) ہمارا ساتھ دیں گے وہ شخص حضرت ابن مسعود کی خدمت میں پہنچا، آپ نے فرمایا کہ ایسا فیصلہ میں کر دوں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور راست پر نہ ہوں گا، میں تو وہی فتویٰ دوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ اور باقی ایک تہائی (بطور عصبیت) بہن کو دیا جائے۔ ہم حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس لوٹ کر گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کا فتویٰ ان سے بیان کیا فرمایا جب تک یہ علامہ موجود ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو (حضرت ابن مسعودؓ کے فتویٰ کی وجہ یہ تھی کہ میت کی نسل کی موجودگی میں میت کے باپ کی نسل کا رشتہ قریب ترین نہیں ہے اس لئے بیٹی اور پوتی کی موجودگی میں بہن وارث بطور فرض نہیں ہو سکتی ہے ہاں عصبہ ہو سکتی ہے لہٰذا بیٹی اور پوتی کا حصہ دو تہائی دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بہن کو دیا جائے گا)۔

دو حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں وارث نہ ہوں گی کیونکہ بیٹیوں کو دو تہائی پورا ملے گا (اور عورتوں کا حصہ بطور فرضیت دو تہائی سے زائد نہیں) ہاں اگر پوتیوں کے ساتھ مساوی رشتہ کا کوئی پوتا ہوگا یا پوتیوں سے نچلے درجہ میں کوئی پوتا ہوگا تو وہ چونکہ عصبہ ہوگا تو وہ اپنے ساتھ مساوی درجہ رکھنے والی پوتیوں کو بھی عصبہ بنا دے گا بلکہ اوپر درجہ والی پوتیاں بھی اس کی وجہ سے عصبہ ہو جائیں گی۔

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ — اور میت کے ماں

باپ کے لیے۔ یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ ترکہ کا چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو صرف لابویہ کے لفظ سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید چھٹا حصہ دونوں کو اشتراکاً ملے گا یعنی ایک ایک کو آدھا ہوا حصہ دیا جائے گا اس شبہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہو گا۔ ولد کا لفظ عام ہے بیٹا ہو یا بیٹی یا بیٹے کی اولاد، لیکن اگر مذکر اولاد نہ ہو بیٹی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بطور فرض ملے گا اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جتنا باقی رہے گا وہ بطور عصبہ ہونے کے ملے گا کیونکہ بیٹوں اور پوتوں کے بعد باپ کا رشتہ تمام عصبات سے زیادہ قریب ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ اگر میت کی کوئی صلبی اولاد یا پوتا ہو اور ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی حصہ ہے یعنی اگر ماں باپ کے علاوہ کوئی دوسرا اصحاب فرض وارث نہ ہو تو ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی حصہ ملے گا اور اگر کوئی دوسرا صاحب فرض یعنی شوہر یا بیوی بھی ہو تو شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے گا اس کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔ اگر اولاد صلبی اور پوتا نہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں تو علاوہ شوہر اور بیوی کے کوئی دوسرا صاحب فرض تو مستحق ہو سکتا ہی نہیں۔ بہن بھائی اور دادا باپ کی موجودگی میں وارث نہیں۔ اور دادی نانی ماں کی موجودگی کی وجہ سے محروم ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر صرف ماں باپ وارث ہوں تو کل ترکہ کا ایک تہائی ماں کا ہے کیونکہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ کا ایک تہائی حصہ ماں کا تو حسب گذشتہ آیت میں بیان کیا مقصد رہی یہ بات کہ اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو ماں کو کیا دیا جائے (اس کی صراحت آیت میں نہیں ہے البتہ) اس کی تعیین قیاس سے معلوم ہو جاتی ہے کہ ماں باپ کے سوا کوئی وارث نہ ہو تو باپ کے مقابلہ میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی دیا جاتا ہے اور دو تہائی باپ کا ہو جاتا ہے پس اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو اسی پر قیاس کر کے زوج یا زوجہ کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا اس کا ایک تہائی ماں کو دیا جائیگا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جس راستہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلتے تھے ہم کو وہی آسان نظر آتا تھا اور ہم بھی اسی پر چلتے تھے آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی میت کے وارث ایک بیوی اور ماں باپ ہوں تو کیا حکم ہے۔ فرمایا عورت کا چوتھائی اور باقی ماندہ میں سے ماں کا ایک تہائی اور بقیہ (دو تہائی) باپ کا ہو گا۔ یہی قول حضرت زید بن ثابتؓ کا ہے کہ شوہر اور ماں باپ یا بیوی اور ماں باپ کی صورت میں زوجین کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کے تین حصے کر کے ایک ماں کا اور دو باپ کے ہوں گے۔

اسی پر اجماع ہے اور اگر باپ نہ ہو بلکہ اس کی جگہ دادا ہو تو ماں کو کل مال کا ایک تہائی ملے گا۔ بیہقی نے عکرمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں کل ترکہ کا ایک تہائی ماں کا حصہ ہو گا۔ شریحؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن ابن سیرین کے نزدیک بیوی اور ماں باپ کے مسئلہ میں تو ماں کے لیے کل مال کا ایک تہائی ہو گا مگر شوہر اور ماں باپ کے مسئلہ میں ماں کے لیے شوہر کو دینے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی ہو گا۔ بیہقی نے نخعی کا قول بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ کا قول تمام علماء فرائض کے خلاف ہے۔ آیت وورثہ ابواہ میں باپ کا کوئی حصہ نہیں بیان کیا۔ یہ سکوت بتا رہا ہے کہ باقی دو تہائی باپ کا ہے کیونکہ ماں سے زیادہ باپ مستحق ہے اس کو محروم رکھنا صحیح نہیں اور باپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا عصبہ وارث بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں باپ ہی قریب ترین عصبہ ہے کسی دوسرے کے لیے کچھ باقی ہی نہیں رہے گا۔ آیت وورثہ ابواہ سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ اگر باپ نہ ہو اور ماں تنہا وارث ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کو ایک تہائی ملے گا۔ زیادہ ملنے کی (آیت میں) کوئی دلیل نہیں ہے۔

فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ پس اگر میت کے بھائی (بہن) ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی (باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے) مرد ہوں یا عورت یا مخلوط۔ اخوۃ سے مراد یہاں جماعت دو اور دو سے زائد ہیں۔ باب فرائض و وصیت میں ہر جگہ جمع کے صیغہ سے مراد ایک سے زائد ہوتا ہے یہ فیصلہ باتفاق علماء ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (اخوۃ سے مراد کم سے کم تین ہیں) تین سے کم بھائی بہن میت کی ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے گھٹا کر چھٹا حصہ نہیں بنا سکتے۔ حاکم نے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا دو بھائیوں کی وجہ سے آپ

ماں کے حصہ کو ایک تہائی سے چھٹا کر ۶/۱ کیسے کرتے ہیں حالانکہ دو بھائی اخوۃ نہیں ہوتے (اخوۃ جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے)۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا جو مسئلہ مجھ سے پہلے ہو چکا ہے اور ملک میں جاری ہو چکا ہے اور لوگ برابر اس پر عمل کرتے رہے ہیں، میں اس کو پلٹ نہیں سکتا۔ گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں اجماع امت سے استدلال کیا لیکن جب حضرت زید بن ثابتؓ سے لوگوں نے یہی مسئلہ دریافت کیا اور یہی اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا عرب دو بھائیوں کو بھی اخوۃ کہتے ہیں (گویا حضرت زید بن ثابت نے لغت سے استشہاد کیا اور اشارہ کیا کہ ہمارا مسلک خلاف لغت نہیں ہے)۔

فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ تو میت کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ آیت مفہوم مخالف کے طور پر اور سابق آیت مفہوم موافق کے ساتھ دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ اگر ماں اور ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ماں کو بدرجہ اولیٰ تہائی حصہ ملے گا کیونکہ جب ماں کو باپ کی موجودگی میں ایک تہائی ملتا ہے تو بھائی یا بہن کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ تہائی ملنا چاہئے۔

مسئلہ :- اگر ماں باپ اور چند بہن بھائی ہوں تو بھائی بہن اگرچہ باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے مگر ماں کا حصہ گھٹ کر تہائی سے چھٹا کر دیں گے۔ یہ فتویٰ جمہور کا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (باپ کو دو تہائی اور) ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تو ۶/۱ جو باقی رہے گا وہ بہن بھائی کو دیا جائے گا۔ بھائی بہن محروم نہیں ہوں گے۔

مسئلہ :- دادا اور دادا سے اوپر جد اول جہاں تک ہو سب کا حکم باپ کے نہ ہونے کی صورت میں باپ کا ہے نانا کا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ نانا نہ تو باپ کی جگہ لے سکتا ہے اس لئے کہ نانا کا میت سے رشتہ باپ کی طرف سے نہیں ہے۔ نہ ماں کی جگہ لے سکتا ہے کیونکہ دونوں جنسیں الگ الگ ہیں (ایک عورت دوسرا مرد) اسی لئے اس کو جد فاسد کہتے ہیں۔ پس دادا محض عصبہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو (یعنی اصحاب فرائض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ سب دادا لے لے گا) اور اگر نرینہ اولاد ہو تو دادا کو ۶/۱ کل ترکہ کا ملے گا اور اگر میت کی اولاد مؤنث ہو تو دادا کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور جو کچھ بچ رہے گا وہ بھی آخر میں لے گا یعنی عصبہ بھی ہو گا۔

باپ سے دادا کے حکم کا اختلاف

دادا کی وجہ سے ماں کا ایک تہائی حصہ گھٹ کر ۶/۱ نہیں ہوتا جب کہ ورثہ دادا ماں اور شوہر ہوں اور اگر دادا کی جگہ باپ ہو تو ماں کا حصہ ۶/۱ ہو جاتا ہے۔ تصحیح مسئلہ چھ سے ہوگی ۳ شوہر کے بہر حال ہوں گے ایک دادا کا اور ۲ ماں کے۔ اور اگر باپ ہو گا تو شوہر کے ۳ اور ۲ باپ کے اور ایک ماں کا ہو گا۔ لیکن اگر دادا یا باپ کے ساتھ میت کی ماں اور بی بی ہو تو دادا ماں کا حصہ ۳/۱ نہیں کر دے گا مگر باپ کر دے گا۔ اگر باپ ہو گا تو تصحیح مسئلہ ۴ سے ہوگی ایک بی بی کا ایک ماں کا اور ۲ باپ کے ہوں گے لیکن باپ کی جگہ اگر دادا ہو گا تو مسئلہ ۱۲ سے ہو گا ۳ بی بی کے ۴ ماں کے اور ۵ دادا کے ہوں گے۔ باپ کی طرح دادا بھی تمام عینی اور علاتی اور اخیافی بھائیوں اور بہنوں کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محروم کر دیتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور صحابہ کی کثیر تعداد سے بھی یہی قول منقول ہے باقی تینوں ائمہ اور صاحبینؒ قائل ہیں کہ دادا اخیافی بھائی بہن کو محروم کر دیتا ہے۔ علاتی اور عینی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

ابن جوزی نے محروم نہ ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ اخوت کی وجہ سے وراثت (یعنی بھائی بہن کا وارث ہونا) تو قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود ہے لہٰذا ان کو محروم الارث قرار دینے کے لئے بھی کوئی قرآنی نص ہی ہونا چاہئے (اور ایسی کوئی نص دادا کے سلسلہ میں موجود نہیں ہے)۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہی بات ہے تو دادا کی وجہ سے اخیافی بھائی بہنوں کے محروم ہونے کے آپ کیوں قائل ہیں۔ اخیافی

کے وارث ہونے کی تو قرآن میں نص موجود ہے پھر جب تم پوتے کو ہر قسم کے بھائیوں کے لئے حاجب (محروم کن) مانتے ہو اور کہتے ہو کہ پوتا بیٹے کا قائم مقام ہے تو دادا کو ہر قسم کے بھائی بہنوں کے لئے حاجب (محروم کن) کیوں نہیں مانتے، دادا بھی تو باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ امام صاحب کے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرائض (مقررہ) اہل حصص کو پہنچا دو۔ پھر جو کچھ رہ جائے وہ میت سے قریب ترین تعلق رکھنے والے مرد کو دیدو اور یہ امر یقینی ہے کہ دادا کا تعلق پوتے سے قریب ترین ہے کیونکہ وہ پوتے کی جڑ ہے۔ بھائی کو یہ قرب (نسبی) حاصل نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دادا اور بھائی بہنوں کی جہت قرابت جدا جدا ہیں۔ بھائیوں کی وجہ سے دادا کے محروم ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں اور مقاسمہ کی کوئی وجہ نہیں لہذا دادا کی وجہ سے بھائی بہنوں کو ہی محروم کیا جائے گا شیخ ابن حجر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن حزم نے کچھ لوگوں کے اقوال ایسے بھی نقل کئے ہیں جو بھائی بہنوں کو دادا سے مقدم قرار دیتے ہیں (یعنی دادا کو محروم کہتے ہیں) پھر دادا کے محروم نہ ہونے پر اجماع کہاں ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ دادا کو محروم کر دینے والے تو دنیا سے چلے گئے اور ان کے مسلک کا کوئی قائل بھی نہیں رہا، انقطاع مسلک کے بعد امت کا اجماع اس بات پر ہو گیا کہ یا بھائی بہن محروم ہوں گے یا مقاسمہ ہو گا لہذا اجماع ثابت ہو گیا۔

مقاسمہ کا قول حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کے نزدیک اگر حقیقی یا علاتی بھائی بہن دو کے ساتھ ہوں گے تو دادا کے لئے جمیع مال کا تہائی حصہ یا مقاسمہ کیا جائے گا جو دادا کے لئے بہتر ہو گا وہی اس کو دیا جائے گا بشرطیکہ کوئی دوسرا صاحب فرض موجود نہ ہو مقاسمہ کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ تقسیم کے وقت دادا کو بجائے ایک بھائی کے مان لیا جائے اور جتنا ایک بھائی کا حصہ ہو اتنا دادا کو دے دیا جائے۔ اس وقت دادا کا حصہ کم کرنے کے لئے علاتی بھائی بہن حقیقی بھائی بہن کے ساتھ شریک ہو کر ان کی تعداد بڑھا دیں گے تاکہ دادا کا حصہ بحیثیت ایک بھائی ہونے کے کم ہو جائے اور دادا جب اپنا حصہ لے لے گا تو علاتی تقسیم سے باہر نکل جائیں گے صرف حقیقی بھائی بہن وارث ہوں گے علاتی محروم رہیں گے۔ لیکن اگر ایک بہن کے سوا کوئی اور حقیقی بھائی بہن نہ ہو اور دادا کے ساتھ علاتی بھائی بہن موجود ہوں تو دادا کا حصہ اور حقیقی بہن کا حصہ یعنی کل مال کا نصف دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ علاتیوں کا دوہرے اور اکہرے کے حساب سے دے دیا جائے گا اور کچھ باقی نہیں رہے گا تو کچھ نہیں دیا جائے گا مثلاً دادا ایک حقیقی بہن اور دو علاتی بہنیں (اس صورت میں اگر مقاسمہ ہو گا تو دادا کو بجائے ایک بھائی کے مانا جائے گا اور ایک بھائی دو بہنوں کے برابر ہوتا ہے تو گویا کل پانچ بہنیں ہو گئیں، اصل مسئلہ دس سے ہو گا دادا چونکہ دو بہنوں کی جگہ ہے اس لئے اس کو چار اور حقیقی بہن کو کل ترکہ کا نصف یعنی پانچ دینے کے بعد ایک باقی رہے گا جو دونوں علاتی بہنوں کا ہو گا اور ایک کی دو پر تقسیم صحیح نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ کی تصحیح ۲۰ سے کی جائے گی آٹھ دادا کو دس حقیقی بہن کو اور دو علاتی بہنوں کو ملیں گے) لیکن اگر اسی مسئلہ میں دو علاتی نہ ہوں صرف ایک علاتی بہن ہو تو گویا وارث چار بہنیں ہوں گی دادا بجائے دو بہنوں کے ہے اس لئے دس سہام میں سے چار اس کے ہوں گے اور حقیقی بہن کل مال کا نصف یعنی دس سہام لے لے گی علاتی بہن کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

اگر دادا اور بھائی بہنوں کے ساتھ کوئی دوسرا فرضی تعلق وارث بھی موجود ہو تو دادا کو کل مال کا ۱/۶ یا ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی مال کا ۱/۳ یا حسب مقاسمہ تینوں میں سے جو بھی بہتر ہو گا وہ اس کو دیا جائے گا جیسے اگر دادا، دادی، بیٹی اور دو بھائی موجود ہوں (تو اصل مسئلہ کی تصحیح چھ سے ہو گی ۳ بیٹی کو ایک دادی ایک دادا کو اور ایک دونوں بھائیوں کو دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں دادا کو کل مال کا چھٹا حصہ یعنی ایک دینا زیادہ مفید ہے کیونکہ بصورت مقاسمہ تین بھائی ہو جائیں گے اور دو سہم کو تین بھائیوں پر تقسیم کرنے سے ایک ایک کے حصہ میں ایک سہم کا ۱/۳، ۲/۳ آئے گا پورا سہم نہیں آئے گا اور بقیہ مال کا سدس یعنی چھٹا حصہ تو اس سے بھی کم ہو گا)۔

صورت مذکورہ میں کوئی مثال ایسی بھی ہوتی ہے کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا، لا محالہ مسئلہ میں

عول کیا جاتا ہے یعنی مخرج میں توسیع کی جاتی ہے اور دادا کو چھٹا حصہ دیا جاتا ہے جیسے اگر دو بیٹیاں، ماں، شوہر اور دادا موجود ہوں (تو بیٹیوں کا دو تہائی شوہر کا چہارم اور ماں کا چھٹا حصہ ہونا چاہئے مگر اصلی مخرج اس کی اجازت نہیں دیتی مجبوراً ۱۲ کو ۱۵ کی طرف عول کیا جائے گا) اور ۱۵ کی تقسیم اس طرح کی جائے گی بیٹیاں ۸، شوہر ۳، ماں ۲، دادا ۲۔

کبھی ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ باقی تو رہتا ہے مگر ۱/۶ سے کم جیسے اگر دو بیٹیاں اور شوہر موجود ہوں (اس صورت میں اصل تصحیح ۱۲ سے ہوگی بیٹیوں کے آٹھ اور شوہر کے تین دینے کے بعد ایک باقی رہے گا جو ۱۲ کا ۱/۶ نہیں ہے (لہٰذا عول کر کے ۱۳ سے تقسیم کی جائے گی اور دادا کو ۲ سہام دیئے جائیں گے) کبھی پورا چھٹا حصہ باقی رہتا ہے جیسے اگر دو بیٹیاں اور ماں اور دادا موجود ہوں تو تقسیم ۶ سے کر کے بیٹیوں کو ۴ ماں کو اور دادا کو ایک دے دیا جائے گا) بہر حال ان تینوں صورتوں میں اگر بھائی بھی موجود ہوں گے تو محروم رہیں گے۔

دوسری صورت کی مثال (یعنی دادا کے لئے کل مال کا چھٹا حصہ دینے یا مقاسمہ کر کے حصہ دینے سے باقی مال کا تہائی حصہ زیادہ مفید ہوتا ہے) جیسے اگر دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن موجود ہوں (تو اصل تصحیح ۶ سے ہوگی چھٹا حصہ دادی کو دینے کے بعد پانچ رہیں گے اور پانچ کا تہائی بغیر کسر کے نکل نہیں سکتا لہٰذا تہائی کے مخرج یعنی تین کو اصل تصحیح یعنی ۶ میں ضرب دی جائے گی تو ۱۸ ہو جائیں گے ۱۸ میں سے ۳ دادی کو دیئے جائیں گے اور باقی پندرہ کا ایک تہائی یعنی ۵ دادا کو اور ہر بھائی کو ۴ اور بہن کو ۲ دیئے جائیں گے، اگر دادا کو کل مال کا چھٹا دیا جائے تو اصل مسئلہ ۶ سے ہوگا ایک دادا کے حصہ میں آئے گا اور اس ایک سے پندرہ کا تہائی یعنی ۵ بہر حال زائد ہے۔ اور مقاسمہ سے بھی دادا کے لیے پانچ زائد ہیں کیونکہ اگر دادا کو ایک بھائی کی جگہ مان لیا جائے تو تین بھائی اور ایک بہن اور ایک دادی وارث ہوں گے اور دادا کا حصہ ایک بھائی کے برابر ہوگا یعنی $1\frac{1}{9}$۔ اور اگر دادی کا حصہ ادا کرنے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی دادا کو دیا جائے تو $1\frac{2}{3}$ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ $1\frac{2}{3}$ زائد ہے $1\frac{1}{9}$ سے۔

مسئلہ اکدریہ

حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں حقیقی یا علاتی بہن صاحب فرض نہیں ہوتی صرف مندرجہ ذیل صورت اس سے مستثنیٰ ہے اس میں بہن صاحب فرض ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر، ماں، دادا، بہن (اصل مسئلہ ۶ سے ہوگا) شوہر کو نصف، ماں کو ایک تہائی، دادا کو چھٹا حصہ (چھ پورے ہوگئے، بہن کے لئے کچھ نہیں بچا لیکن حضرت زیدؓ اس صورت میں بہن کو وارث قرار دینا ضروری سمجھتے ہیں اور ایک بہن کے لئے نصف ترکہ ہونا چاہئے لہٰذا) عول کر کے چھ کو نو قرار دیا جائے گا اور تین سہام بہن کے ہو جائیں گے اس صورت میں دادا کے لئے ایک اور بہن کے لئے ۳ ہوں گے پس دادا کا حصہ بہن سے کم ہو جائے گا اس لئے دادا کا حصہ بہن کے حصہ سے ملا دیا جائے گا (اور مجموعہ چار ہو جائے گا اور چونکہ دادا بھی بھائی کے ہے اور بھائی کا حصہ دو بہنوں کے برابر ہوتا ہے اس لئے دادا بجائے دو بہنوں کے ہوگیا اور مسئلہ میں تین بہنیں ہو گئیں جن کو چار سہام دیئے جائیں گے اور چونکہ عدد رؤس یعنی ۳ اور سہام یعنی ۴ میں تباین ہے اس لئے ۳ کو عدد عول یعنی ۹ میں ضرب دیا جائے گا اور حاصل ضرب ۲۷ ہوگا) اور ۲۷ سے تصحیح مسئلہ کی جائے گی، شوہر کو ۹ ماں کو ۶ دادا کو ۸ اور بہن کو ۴ دیئے جائیں گے لیکن اگر بجائے ایک بہن کے ایک بھائی یا دو بہنیں ہوں تو نہ عول ہوگا نہ مسئلہ اکدریہ رہے گا (اصل تصحیح ۶ سے ہوگی شوہر کے ۳ ماں کے ۲ اور دادا کا ایک۔ بھائی عصبہ ہے مگر اس جگہ کچھ باقی نہ رہنے کی وجہ سے محروم ہے اور اگر بھائی کی جگہ دو بہنیں ہوں تو ماں کا حصہ ایک تہائی نہ ہوگا بلکہ چھٹا ہوگا۔ شوہر کو ۳ ماں کو ایک دادا کو ایک، دو بہنوں کو ایک اور چونکہ ایک کی تقسیم دو پر بغیر کسر کے نہیں ہوتی اس لئے ۲ کو اصل عدد تصحیح یعنی ۶ میں ضرب دیں گے اور حاصل ۱۲ ہوگا اب تقسیم اس طرح ہوگی شوہر ۶ ماں ۲ دادا ۲ ایک بہن ۱ دوسری بہن ۱)۔

چونکہ مسئلہ اکدریہ بنی اکدر کی ایک عورت کا واقعہ ہے اس لئے اس مسئلہ کو اکدریہ کہا جانے لگا۔

فائدہ۔ اگر دادا کے ساتھ بہن یا بھائی ہوں تو صحابہؓ کے درمیان تقسیم حصص میں اختلاف ہے۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ حجاج نے شعبی سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کل ورثہ ماں، ایک بہن اور دادا ہو تو تقسیم فرائض کس طرح ہوگی، شعبی نے کہا اس کے متعلق پانچ صحابہ کرامؓ کے پانچ مختلف اقوال ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کل مال کے تین حصے کروں گا ہر ایک کا ایک حصہ ہوگا، حضرت علیؓ نے فرمایا میں ترکہ کو چھ سہام پر تقسیم کروں گا تین بہن کے دو ماں کے ایک دادا کا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں بھی ترکہ کے چھ سہام کروں گا مگر ۳ بہن کے دو دادا کے اور ایک ماں کا ہوگا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے فرمایا میں ترکہ کے نو سہام بناؤں گا بہن کو تین دوں گا، اور دادا کو چار اور ماں کو دو (حضرت ابن عباسؓ کا قول حجاج اور شعبی نے کسی مصلحت سے نہیں پوچھا اس لئے شعبی مفسر نے نہیں بیان کیا) بیہقی نے ابراہیم نخعی کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھائی کو دادا پر ترجیح نہیں دیتے تھے لیکن ابن حزم نے اپنے طریق روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بہن کو نصف مال کو ۱/۲ اور دادا کو بقیہ (ایک تہائی) دیتے تھے (گویا بھائی کو اگرچہ فضیلت نہیں دیتے تھے مگر بہن کو دادا پر ترجیح دیتے تھے)۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک نص اور قیاس دونوں سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

مسئلہ - امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جدۂ صحیحہ وہ ہے کہ میت سے اس کا رشتہ کسی جدِ فاسد کے ذریعہ سے نہ ہوتا ہو، امام صاحب کے نزدیک صحیح جدات (دادیاں) کتنی ہی ہوں سب وارث ہوں گی بشرطیکہ فاسدات نہ ہوں اور ہم درجہ ہوں۔ امام مالکؒ اور داؤد ظاہریؒ کا قول ہے کہ صرف دو جدات وارث ہوں گی باپ کی ماں یعنی دادی اور دادی کی ماں اور اس کی ماں غرض دادی سے اوپر کی تمام نانیاں اور ماں کی ماں اور نانی کی ماں اور پرنانی کی ماں اور سکڑنانی کی ماں، غرض ماں کی تمام نانیاں، قریب والی جس طرف کی ہو دور والی کو محروم کر دے گی۔

ایک قول شافعیؒ کا بھی یہی ہے لیکن امام شافعیؒ کا دوسرا قوی قول اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ماں باپ کے اوپر والی صرف تین عورتیں وارث ہوتی ہیں نانی، دادی اور دادا کی ماں۔

اجماعی قول ہے کہ ہم درجہ اور جدات صحیحہ چند ہوں یا صرف ایک ہو بہر حال ایک سدس یعنی ۱/۶ دیا جائے گا اگر ایک جدہ کا میت سے ایک رشتہ ہو مثلاً دادی کی ماں ہو اور دوسری کے دو رشتے ہوں جیسے ماں کی نانی ہو اور وہی دادا کی ماں بھی ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک (دوسری اور اکہری رشتہ داری کا کوئی فرق نہیں بلکہ) دونوں کو چھٹا حصہ برابر برابر بانٹ دیا جائے گا، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک رشتہ داریوں کا تعدد اور وحدت قابل لحاظ رہے گا جس کا دوہرا رشتہ ہوگا اس کو دوہرا حصہ اور جس کا اکہرا رشتہ ہوگا اس کو اکہرا حصہ دیا جائے گا۔

تقسیم جدات کے سلسلہ میں قبیصہ بن ذویبؓ کی روایت ذکر کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں ایک جدہ اپنی میراث مانگنے حاضر ہوئی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی کتاب میں تیرا کوئی حصہ نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تیرا کوئی حصہ ہے اب تو واپس چلی جا، میں لوگوں سے تیرا مسئلہ دریافت کروں گا۔ حسب وعدہ آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ ایک جدہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور آپ نے اس کو ترکہ کا ۱/۶ دیا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا اس وقت تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا حضرت مغیرہؓ نے کہا محمد بن مسلمہؓ بھی تھے چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نے بھی وہی کہا جو مغیرہؓ نے کہا تھا حضرت ابو بکرؓ نے اس عورت کے لئے بھی یہی حکم جاری کر دیا۔

پھر ایک اور جدہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر اپنی میراث کی طالب ہوئی حضرت عمرؓ نے فرمایا وہی چھٹا حصہ تیرا بھی ہے تم دونوں اگر موجود ہو تو ترکہ کا ۱/۶ تم دونوں کو (برابر برابر) تقسیم کیا جائے گا اور اگر (تم دو نہ ہو بلکہ) صرف ایک ہو تو (پورا) چھٹا حصہ اس ایک ہی کا ہوگا۔ رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابو داؤد والدارمی و ابن ماجہ۔ ابن وہب کا بیان ہے کہ جس جدہ کو رسول اللہ ﷺ نے حصہ دیا تھا وہ میت کی ماں کی ماں (نانی) تھی اور نانی ہی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئی تھی اور جو عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تھی وہ باپ کی ماں (دادی) تھی حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کا مسئلہ پوچھا مگر کسی نے کچھ نہیں بتلایا تو

حارثہ کے ایک لڑکے نے کہا امیر المومنین آپ اس عورت کو ایسی میت کی میراث کیوں نہیں دیتے کہ اگر یہ عورت مر جاتی اور دنیا بھر کو چھوڑ جاتی تب بھی یہ مردہ اس کا وارث ہوتا (کیونکہ پوتا تھا بیٹا نہ ہوتا تو پوتا ضرور وارث ہوتا) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو وارث قرار دے دیا۔

موطا اور سنن بیہقی میں ہے کہ دو جدات (نانی اور دادی) حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں آپ نے نانی کو ترکہ کا چھٹا حصہ دینا چاہا تو ایک انصاری نے کہا آپ ایسی عورت کو کیوں وارث نہیں قرار دیتے کہ اگر وہ مر جاتی اور یہ مردہ زندہ ہوتا تو یہ ضرور اس کا وارث ہوتا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے ترکہ کا ۱/۶ دونوں کو (یعنی نانی اور دادی کو برابر) بانٹ دیا۔ یہ اثر دار قطنی نے ابن عیینہ کے طریق سے بیان کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ انصاری عبدالرحمن بن سہل بن حارثہ تھے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ نانی ماں کے قائم مقام تھی اس لئے اس کو ماں کا کم سے کم حصہ (یعنی ۱/۶) دے دیا اور دادی کو نانی پر قیاس کر کے حصہ دار بنا دیا کیونکہ بہر حال وہ بھی میت (کی اصل یعنی) باپ کی ماں تھی (ورنہ دادی حقیقت میں نہ ماں کی قائم مقام ہو سکتی ہے کیونکہ ماں کے ذریعہ سے اس کا میت سے رشتہ نہیں ہوتا، نہ باپ کے قائم مقام ہو سکتی ہے کیونکہ باپ کی جنس جد ہے وہ مرد ہے یہ عورت) حضرت ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین جدات کو ترکہ کا چھٹا حصہ دیا تھا دو ماں کی طرف سے تھیں اور ایک باپ کی طرف سے۔ دار قطنی نے اس روایت کو مرسل سند سے بیان کیا ہے، ابو داؤد نے مراسیل میں دوسری سند سے براہیم نخعی کی وساطت سے نقل کیا ہے، دار قطنی اور بیہقی نے اس کو مرسل حسنؒ (بصری) قرار دیا ہے۔ بیہقی کا بیان ہے کہ محمد بن نصر نے اس پر تمام صحابہ اور تابعین کا متفق ہونا بیان کیا تھا بجز سعد بن ابی وقاص اس کے منکر تھے مگر سعد کا یہ انکار صحیح اسناد سے مروی نہیں۔

مسئلہ۔ ماں تمام جدات کو (باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے) محروم کر دیتی ہے کیونکہ حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جدہ کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے اگر اس کو روکنے والی ماں نہ ہو۔ رواہ ابو داؤد و النسائی۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبید اللہ عتکی ہے جس کے متعلق علماء نقد کا اختلاف ہے ابن سکن نے اس کو صحیح کہا ہے۔

باپ اپنی وساطت کی تمام جدات کا حاجب ہوتا ہے اس میں امام احمدؒ کے دو قول ہیں، انکاری اور تائیدی۔ انکاری قول کی تائید میں امام احمدؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کے باپ کے زندہ ہوتے ہوئے دادی کے لئے سدس (ترکہ کا چھٹا حصہ) عطا فرمایا تھا، رواہ الترمذی و الدارمی، ہم کہتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، جمہور کے قول کا ثبوت اس ضابطہ سے ہوتا ہے کہ قریب ترین رشتہ دار دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ بعد اس وصیت کے جو مرنے والا کرے، اس فقرہ کا تعلق لِاُمِّهِ السُّدُسُ سے ہے، یعنی ماں کا چھٹا حصہ وصیت پوری کرنے کے بعد (باقی ترکہ میں سے) ہے۔ یہ تو لفظی تعلق ہے لیکن معنوی تعلق تمام گذشتہ جملوں سے ہے یعنی مرد کا دو برابر اور عورت کا اکہرا حصہ ہونا، اور دو بیٹیوں کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہونا اور ایک بیٹی ہو تو اس کے لئے نصف ہونا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہونا اور ماں کا ایک تہائی حصہ ہونا یہ تمام احکام اجراء وصیت کے بعد جاری ہوں گے بشرطیکہ کوئی وصیت ہو۔

اَوْ دَيْنٍ اور ادائے قرض کے بعد اگر میت پر کچھ قرض ہو۔ واو کی جگہ او کا استعمال بتا رہا ہے کہ وصیت ہو یا قرض یا دونوں بہر حال تقسیم ترکہ اجراء وصیت اور ادائے دین کے بعد ہوگی وصیت کی ہو گئی چونکہ سب کو دی گئی ہے اس لئے باوجود یہ کہ دین ادا کرنے کا حکم اجراء وصیت سے پہلے ہے ذکر میں وصیت کو مقدم کر دیا گیا اور دین چونکہ حنت اسلامیہ کے نزدیک مغفرت سے بھی مانع ہے اس لئے تقاضائے سنت ہے کہ اتفاقاً ہی کسی میت پر ہو اس لئے دین کو وصیت سے پیچھے ذکر کیا۔

حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ثواب کی امید میں صبر کے ساتھ کافروں کے مقابل راہ خدا میں مارا جاؤں اور مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ دوں تو کیا اللہ میرے گناہ ول

کا اتار کر دے گا فرمایا ہاں (ایسا ہو جائے گا) سوائے قرض کے، جبرئیل نے ایسا ہی کہا ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت عبداللہ بن عمرو راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے قرض کے شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ رواہ مسلم۔

مسئلہ - علماء کا اجماع ہے کہ میت کی تجہیز کا تعلق اس کے ترکہ سے مقدم ترین ہے پھر ادائے قرض لازم ہے خواہ پورے ترکہ سے ہو اس کے بعد ایک تہائی ترکہ سے میت کی وصیت پوری کی جائے آخر میں جو کچھ بچے وہ وارثوں کو تقسیم کر دیا جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا تم یہ آیت من بعد وصیۃ یوصون بہا او دین پڑھتے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے تکمیل وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔ (یعنی آیت میں عطف ترتیبی نہیں ہے ورنہ قرض کا مرتبہ اجراء وصیت سے مقدم ہے)۔

مسئلہ - وصیت پوری کرنے کے لئے (صرف) ایک تہائی ترکہ لیا جا سکتا ہے (علماء کا اس پر اتفاق ہے) کیونکہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ موت کے کنارے سے جا لگا، رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت مال ہے اور سوائے ایک لڑکی کے اور کوئی (ذوی الفروض میں سے) وارث نہیں کیا میں اپنے کل مال کے متعلق وصیت کر سکتا ہوں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو دو تہائی مال کی، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو آدھے مال کی فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو ایک تہائی مال کی فرمایا تہائی (کی وصیت کر سکتے ہو) اور تہائی بھی بہت ہے اگر تم اولاد کو مالدار چھوڑ جاؤ تو اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے ہاتھ تکتے پھریں تم جو خرچ بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو گے تو اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (اس کا ثواب بھی ملے گا) بخاری و مسلم۔

ترمذی کی روایت کے الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں اس روایت میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) دسویں حصہ کی وصیت کر سکتے ہو، میں حضورؐ سے برابر کم ترکہ چھوڑنے کی درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا ترکہ کے تیسرے حصہ کے متعلق وصیت کر سکتے ہو اور تہائی بھی بہت ہے۔

حضرت معاذؓ کی مرفوع روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ مرنے کے وقت تہائی مال (کی وصیت کرنے) کی اللہ نے اپنی مہربانی سے تمہاری نیکیاں بڑھانے کے لئے تم کو اجازت دے دی ہے تاکہ وہ تمہارے مالوں کو پاک کر دے، رواہ الطبرانی بسند حسن، یہ حدیث طبرانی اور امام احمد نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے، ابن ماجہ، بزار اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور عقیلی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم پورے طور پر نہیں جانتے کہ ان میں کون شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے یعنی تم کو نہیں معلوم کہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے تمہارے اصول زیادہ مفید ہوں گے یا فروع۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا تو اپنے ماں، باپ، بیوی اور اولاد کے متعلق دریافت کرے گا جواب ملے گا کہ تیرے مرتبہ اور تیرے عمل تک ان کی رسائی نہیں تھی (اس لئے وہ یہاں نہیں ہیں) وہ شخص عرض کرے گا میرے مالک میں نے تو اپنے اور ان کیلئے عمل کئے تھے فوراً حکم ہو گا کہ مذکورہ متعلقین کو اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے یہ روایت طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔

ا حضرت مفسر قدس سرہ نے تجہیز میت کو ادائے قرض سے مقدم قرار دیا ہے لیکن اس کلام میں کچھ ابہام ہے شاید مفسر کی مراد یہ ہے کہ جو قرض متعلق بعین نہ ہو اس پر تجہیز مقدم ہے کیونکہ علماء احناف کا فیصلہ ہے کہ جو دین متعلق بعین ہو اس کی ادائیگی تجہیز پر بھی مقدم ہے جیسے زید نے کر دو سو روپیہ کو گھوڑا خریدا اگر قیمت ادا نہ کر سکا اور نہ قبضہ ہوا تھا پھر ادائیگی سے پہلے مر گیا اور گھوڑا موجود ہے تو گھوڑے کا بائع تجہیز و تکفین سے پہلے اپنا گھوڑا واپس لے جائے گا، دوسرے قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کی تجہیز و تکفین کے بعد کی جائے گی۔ واللہ اعلم

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم میں جو سب سے زیادہ اللہ کا فرمانبردار ہو گا قیامت کے دن وہی سب سے اونچے مرتبہ والا ہو گا، اور اللہ مؤمنوں کی ایک دوسرے کے لئے سفارش قبول فرمائے گا اگر جنت میں باپ عالی مرتبہ ہو گا تو بیٹے کو اٹھا کر اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا اور بیٹے کا درجہ اونچا ہو گا تو باپ کو اٹھا کر اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا ایسا صرف اس لئے کیا جائے گا کہ باپ اور بیٹوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو اور چونکہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ وارثوں میں سے کون ہمارے لئے زیادہ فائدہ رساں ہو گا اس لئے ترکہ کی تقسیم ان کی مرضی پر موقوف نہیں رکھی گئی یعنی اگر معلوم ہو جاتا کہ کون ہمارے لئے زیادہ مفید ہو گا تو زیادہ مفید آدمی ہی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا اور جب زیادہ مفید شخص کا علم ہی نہیں ہے تو (سب وارث برابر ہیں) کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی ناجائز ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وارثوں کی مرضی کے بغیر کسی وارث کے لئے وصیت کرنی درست نہیں، رواہ الدار قطنی من حدیث ابن عباس ورواہ ابوداؤد مرسلاً عن عطاء الخراسانی ورواہ یونس موصولاً عن عطاء عن عکرمۃ عن ابن عباس اور رواہ الدار قطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔

ابوداؤد نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت نقل کی ہے حضرت ابو امامہؓ نے فرمایا میں نے خود سنا کہ حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا وارث کے حق میں وصیت (درست) نہیں، یہ مطلب ہے کہ تم کو نہیں معلوم کہ کون سا مورث تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے کیا وہ مورث زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت کرتا ہے اور تم کو موقع دیتا ہے کہ اس کی وصیت پوری کر کے تم ثواب حاصل کرو یا وہ مورث زیادہ نفع رساں ہے جو وصیت نہیں کرتا اور کل مال تمہارے لئے چھوڑ جاتا ہے۔

فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ حکم من جانب اللہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ فریضۃ فعل محذوف کا مفعول مطلق تاکیدی ہے آیت یوصیکم اللہ بھی فرضیت پر دلالت کر رہی ہے اور وصیت کرنے کا مفہوم بھی فرض کرنے کے علاوہ کچھ نہیں فریضۃ سے اسی کے مفہوم کی تاکید کر دی گئی۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ یہ حقیقت ہے کہ اللہ بڑے علم و حکمت والا ہے، یعنی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور میراث وغیرہ کے احکام جو فرض کئے ہیں وہ پر حکمت ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ ازواج سے مراد ہیں بیویاں۔

إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ تمہارا میراثی حصہ اپنی بیویوں کے ترکہ میں سے (کل ترکہ کا) نصف ہے بشرطیکہ ان کی (بطنی) اولاد (صاحب فرض اور عصبہ موجود) نہ ہو (یعنی اولاد یا اولاد کی اولاد غرض نسل میں سے کوئی موجود نہ ہو)۔

فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ اور اگر ان کی (نسل ذوی الفرض یا عصبہ) اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی ہے۔

مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ان کی وصیت (تہائی مال سے) پوری کرنے اور (کل مال سے) قرض ادا کرنے کے بعد۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ اور (بیویاں چند ہوں یا ایک ان سب کے لئے) تمہارے ترکہ کا چہارم ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو یعنی صلبی اولاد اور بیٹے کی اولاد نہ ہو۔

فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم اور اگر تمہاری اولاد موجود ہو تو تمہاری بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے۔

مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ تمہاری وصیت (تہائی مال سے) پوری کرنے اور (کل مال سے) قرض ادا کرنے کے بعد۔

جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو اور شوہر نے صحیح طلاق دی ہو تو وہ وارث ہوتی ہے اگر طلاق بائن کی عدت میں ہو

تو وارث نہیں ہوتی۔ شوہر نے اگر مرض موت میں طلاق رجعی دی تو بیوی مطلقہ بالاجماع وارث ہوتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ایسی عورت اس وقت وارث ہوگی جب شوہر کے مرنے کے وقت عدت میں ہو۔ امام احمدؒ نے فرمایا عدت گزر جانے کے بعد بھی وارث ہوگی، بشرطیکہ شوہر کی موت سے پہلے اس نے نکاح جدید نہ کر لیا ہو۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ شوہر کے مرنے سے پہلے نیز عدت کے بعد اس نے کسی سے نکاح بھی کر لیا ہو تب بھی وارث ہوگی۔ امام شافعیؒ کے تین مختلف قول منقول ہیں ہر قول ایک امام کے موافق ہے، اگر مرض موت میں شوہر نے طلاق بائن دی ہو تب بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد کا یہی قول ہے مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں وارث ہونے کی یہ شرط ہے کہ عورت نے خود طلاق کی درخواست نہ کی ہو ورنہ سمجھا جائے گا کہ وہ خود اپنے حق کے ساقط ہونے پر راضی ہے (اس لئے اس کو میراث نہیں دی جائے گی) امام شافعی کے دو قول آئے ہیں قوی قول یہ ہے کہ طلاق بائن والی عورت وارث نہ ہوگی۔

امام احمد نے معمر کی روایت سے لکھا ہے کہ غیلان بن سلمہ کی مسلمان ہونے کے وقت دس بیویاں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کا انتخاب کر لو (باقی کو چھوڑ دو) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو غیلان نے بیویوں کو (رجعی) طلاق دے دی اور اپنا مال اپنے لڑکوں کو تقسیم کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو فرمایا میرا خیال ہے کہ جو شیطان (فرشتوں کی گفتگو) چوری سے سن لیتا ہے اسی نے تیری موت کی خبر سن کر تیرے دل میں ڈال دی ہے اور تجھے بتا دیا ہے کہ تو زیادہ مدت زندہ نہیں رہے گا خدا کی قسم یا تو تو اپنی عورتوں سے مراجعت کر لے اور (لڑکوں سے) مال واپس لے لے ورنہ میں ان عورتوں کو تیرا وارث بنا دوں گا اور حکم دے دوں گا کہ جس طرح ابو رغال (دور جاہلیت میں ایک قوی غدار تھا) کی قبر پر سنگ باری کی جاتی ہے اسی طرح تیری قبر کو سنگسار کیا جائے۔

یہ حدیث جمہور سلف کے اس مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ طلاق رجعی کے بعد (عدت کے اندر) عورت اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے، رہا طلاق بائن کے بعد عورت کا وارث ہونا تو جمہور کے اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنی بیوی کو (جس کا نام تماضر بنت اصبغ بن زید تھا اور یہ خاندان کلب میں سے تھی یا بنت عمرو بن الشرید کو جو قبیلہ سلیم کی تھی) جب قطعی طلاق دے دی اور عدت پوری ہونے نہ پائی تھی کہ آپ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے مطلقہ بیوی کو حضرت عبدالرحمن کا وارث قرار دیا یہ فیصلہ تمام صحابہؓ کی موجودگی میں صادر کیا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تو گویا اجماع ہو گیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں عبدالرحمنؓ پر بدگمانی نہیں کرتا میرا مقصد صرف سنت پر عمل کرنا ہے۔

ہمارے مسلک کی تائید حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت مغیرہؓ کے اقوال سے ہوتی ہے، ابو بکرؒ رازی نے حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اسی کی موافقت میں نقل کئے ہیں بلکہ کسی صحابیؓ کا قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ نخعی، شعبی، سعید بن مسیب، ابن سیرین، عروہ، شریح، ربیعہ بن عبدالرحمن، طاؤس بن شبرمہ، ثوری، حارث اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی یہی مسلک ہے۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ اور اگر کوئی آدمی یعنی میت یا وارث۔

يُورَثُ جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو یا جس کو وارث بنایا جا رہا ہو۔ اگر رجل سے مراد میت ہو تو اول ترجمہ ہوگا اور اگر وارث مراد ہو تو دوسرا ترجمہ کیا جائے گا۔

كَلٰلَةً نا طاقت ور ہو۔ کلالہ اصل لغت میں کلال کی طرح مصدر ہے اور کلال کا معنی ہے تھکنا، عاجز ہو جانا کل الرجل فی مشیہ کلالا فلاں شخص اپنی رفتار میں سست ہو گیا، تھک گیا وکل السیف عن ضریبتہ کلولا وکلالۃ اور تلوار مارنے سے کند ہو گئی، کل اللسان عن الکلام زبان بات سے عاجز ہو گئی، تیز نہ رہی، مجازاً کلالہ سے مراد وہ قرابتدار ہوتے ہیں جن کا آپس میں رشتہ توالد نہ ہو یعنی باپ دادا اور بیٹے پوتے کا ان کے آپس میں رشتہ نہ ہو یہ بھی ایک قسم کی عاجزی اور

درماندگی ہوتی ہے پھر کلالہ کو ذی کلالہ کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کی نہ اصل ہو نہ نسل کہ اس کی وارث ہو یا اس کا وارث ہو کذا قال البیضاوی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی نہ اولاد ہو نہ والد، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے یہی فرمایا گویا دونوں طرف اس کے نسبی ستون کمزور ہیں سعید بن جبیرؒ نے کہا کلالہ وہ وارث ہے جو میت کا نہ والد (باپ دادا پردادا وغیرہ) ہو نہ اولاد ایسے وارث میت کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں لیکن بیچ میں کوئی نسبی ستون ہوتا ہے جیسے سر پر تنی پر بندھی ہوئی شاخ پٹی کو سر کو چاروں طرف سے محیط ہوتی ہے مگر سر کا درمیانی حصہ خالی ہوتا ہے، حضرت جابرؓ والی حدیث میں کلالہ کا یہی مطلب ہے آپ ﷺ نے کہا تھا کہ میرے وارث کلالہ ہیں، یعنی نہ میری اولاد ہے نہ والد۔

حضرت ابو بکرؓ سے کلالہ کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہو گا تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہو گا تو میری طرف سے ہو گا اور شیطان کی طرف سے، میرے خیال میں کلالہ وہ ہے جو نہ (کسی کا) والد ہو اور نہ ولد اور جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا مجھے ان کی تردید کرنے سے جھجک آتی ہے (یعنی ٹھیک ہے) رواہ البیہقی من الشعبی، ابن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو نقل کیا ہے اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ کلالہ کی تشریح میں آپ نے فرمایا وہ ایسا شخص ہے جو نہ (میت کا) والد ہو نہ مولود رواہ ابو الشیخ۔

ابو الشیخ نے حضرت براءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے متعلق دریافت کیا فرمایا (میت کے) والد اور اولاد کے سوا (جو وارث ہو وہ) کلالہ ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کے روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو والد کو چھوڑے نہ اولاد کو اس کے وارث کلالہ ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کلالہ کی تشریح میں والد اور ولد سے مراد ہیں مذکر اصول و فروع پس اگر میت کی ماں یا بیٹی موجود ہو اور باپ اور بیٹا نہ ہو تو وہ کلالہ ہے اس قول کا ثبوت حضرت جابرؓ کی حدیث سے ملتا ہے کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت جابرؓ کی ایک لڑکی موجود تھی اور والد نہ تھے آپ کے والد عبد اللہؓ بن حرام کا انتقال احد کے دن ہو چکا تھا اور بہن بھائی ماں اور بیٹی کی موجودگی میں بالاتفاق وارث ہوتے ہیں ولد کا لفظ بھی عام ہے پوتا بھی اس میں داخل ہے، یہاں تک کہ پوتے کے ساتھ بھائی بھی بالاجماع وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح والد سے مراد بھی عام ہے، حقیقی والد ہو یا دادا کیونکہ کلالہ کی تشریح میں جو ولد کا مفہوم ہے وہی والد کا دونوں میں فرق نہیں (یعنی جس طرح لفظ ولد پوتے کو شامل ہے اسی طرح دادا بھی لفظ والد کے تحت داخل ہے)۔

أَوِ امْرَأَةٌ یا عورت ہو اس کا عطف رجل پر ہے۔ یعنی یا کلالہ عورت ہو۔

وَلَهُ ضمیر مذکر رجل کی طرف راجع ہے، جس سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے یا احدہما کی طرف راجع ہے مرد یا عورت۔

أَخٌ أَوْ أُخْتٌ اور اس میت کا کوئی بھائی یا بہن ہو۔ باجماع اہل تفسیر اس جگہ بھائی بہن سے مراد ہیں اخیافی بھائی بہن، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قرأت میں تو یہ صراحۃً آیا ہے۔ بیہقی کا بیان ہے کہ سعد (راوی کے گمان کے مطابق سعد سے مراد ہیں سعد بن ابی وقاص) پڑھتے تھے ولہ اخ او اخت من ام ابو بکر بن منذر نے بھی حضرت سعد کی طرف اس قرأت کی نسبت کی ہے۔ زمخشری نے حضرت سعد اور حضرت ابی بن کعب دونوں کی یہی قرأت بیان کی ہے بعض علماء نے حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت بھی اسی طرح نقل کی ہے لیکن ابن حجرؒ نے لکھا ہے میں نے ابن مسعود سے کوئی روایت ایسی نہیں دیکھی، یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ غیر متواتر قرأت پر بھی عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے شافعیؒ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا

سنو اللہ تعالیٰ نے جو آیت سورۃ النساء کے شروع میں بیان میراث کے سلسلہ میں نازل فرمائی وہ والد اور ولد کے متعلق ہے اور دوسری آیت شوہر بیوی اور اخیافی بھائی اور بہن کے متعلق ہے اور جس آیت پر سورت کو ختم کیا وہ حقیقی بھائیوں اور بہنوں کے متعلق ہے اور جس پر سورۂ انفال کو ختم کیا وہ ان رشتہ داروں کے متعلق ہے جو اصحاب فرائض نہیں ہیں اللہ کی کتاب میں جن کا تعلق بعض کے ساتھ بعض کا زیادہ ہے۔

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو دونوں میں سے کوئی ایک ہو ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے۔

فَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں (برابر کے) شریک ہوں گے یعنی اخیافی بھائی بہن اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کا کل حصہ ترکہ کا ایک تہائی ہے اس کی تہائی میں مرد عورت سب برابر کے شریک ہوں گے استحقاق اور حصہ میں سب مساوی ہیں۔

..... مسئلہ حماریہ .....

شوہر، ماں، دو اخیافی بھائی، ایک حقیقی بھائی، تصحیح مسئلہ ۶ سے ہو گی نصف یعنی ۳ شوہر کے چھٹا حصہ یعنی ۱/۶ ماں کا ایک تہائی یعنی ۲ اخیافی بھائیوں کے ہوں گے۔ حقیقی بھائی چونکہ عصبہ ہے اور صاحب فرائض سے کچھ نہیں بچا اس لئے حقیقی بھائی کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کچھ نہیں ملے گا خواہ حقیقی بھائی ایک ہو یا متعدد۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ حقیقی بھائی کو اخیافی بھائیوں کے ساتھ تہائی میں شریک کر دیتے ہیں۔

طحاوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حقیقی بھائی کو اخیافی بھائیوں کے ساتھ میراث میں شریک نہیں کرتے تھے مگر ایک سوال سے لاجواب ہو گئے ایک حقیقی بھائی نے کہا امیر المومنین فرض کر لیجئے کہ ہمارا باپ گدھا تھا تو کیا ہم سب ایک ماں کی اولاد نہیں ہیں اس سوال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حقیقی بھائیوں کو بھی اخیافیوں کے ساتھ شریک کر دیا اسی وجہ سے اس مسئلہ کو حماریہ کہتے ہیں، اس مسئلہ کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سنن میں حضرت زید بن ثابت کی طرف بھی نسبت کر کے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح بھی کہا ہے مگر اس کی اسناد میں ایک شخص ابو امیہ بن یعلی ثقفی ہے جو ضعیف ہے، حاکم نے بطریق شعبی حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ باپ نے حقیقی بھائیوں کے قرب کو میت سے اور بڑھا دیا (یعنی اخیافی بھائیوں کو میت سے صرف قرب بطنی حاصل ہوتا ہے اور حقیقی بھائیوں کو قرب بطنی بھی اور شرکت صلبی بھی)۔

دار قطنی نے بطریق وہب بن منبہ مسعود بن حکم ثقفی کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی عورت مر جائے اور شوہر ماں چند اخیافی بھائی اور چند حقیقی بھائی چھوڑ جائے تو کیا حضرت عمرؓ نے حقیقی بھائیوں کو اخیافی بھائیوں کے ساتھ (تہائی میں) شریک کر دیا ایک شخص نے عرض کیا آپ نے فلاں سال تو حقیقی بھائیوں کو اخیافیوں کی میراث میں شریک نہیں کیا تھا فرمایا وہ ویسا ہی ہے گا جو ہم نے کر دیا تھا اور یہ ایسا ہی ہو گا جیسا ہم نے فیصلہ کر دیا۔

عبد الرزاق نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے بطریق ابن مبارک، معمر کی روایت سے بھی لکھا ہے لیکن اس روایت میں مسعود بن حکم کا نام نہیں ہے بلکہ حکم از ابن مسعودؓ کی روایت ہے نسائی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب (اخیافی اور حقیقی) بھائیوں کو شریک کیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (حقیقی بھائیوں کو اخیافیوں کے حصہ میں) شریک نہیں کیا۔

مسئلہ۔ اگر میت کا بیٹا یا پوتا یا باپ یا دادا موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن بالاتفاق محروم ساقط ہو جاتے ہیں۔ اختلاف اس مسئلہ

میں ہے کہ اگر والد موجود ہو تو علاتی یا حقیقی بھائی بہن ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں، قیاس کا تقاضا ہے کہ ماں موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن ساقط ہو جائیں کیونکہ جس شخص کا رشتہ میت سے کسی ذریعہ سے ہو جب وہ ذریعہ خود موجود ہو تو وہ شخص ساقط ہی ہو جاتا ہے لیکن (اجماع سلف اس کے خلاف ہے، اجماع کے خلاف ہم نے قیاس کو ترک کر دیا۔ ترک کی ایک قیاسی وجہ یہ بھی ہے کہ ماں پورے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی (لہٰذا اخیافی بھائی بہن کے محروم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے)۔

مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ جو وصیت کی جائے اس کو پوری کرنے کے بعد۔

اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ اور ادائے قرض کے بغیر اس کے کہ ضرر پہنچائے یعنی تہائی سے زیادہ کی وصیت کر کے یا کسی کے قرض کا جھوٹا اقرار کر کے وارثوں کو ضرر نہ پہنچائے، وارثوں کو نقصان پہنچانا مقصود ہو کہ اللہ کا قرب حاصل کرنا تو مقصود نہ ہو صرف وارثوں کو دکھ پہنچانے کی غرض ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض مرد اور عورتیں ساٹھ برس اللہ کی طاعت کے کام کرتے ہیں پھر موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (وارثوں کو) ضرر پہنچاتے ہیں اسی وجہ سے دوزخ ان کے لئے واجب ہو جاتی ہے، یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے آیت من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین غیر مضار ذلک الفوز العظیم تک تلاوت کی، رواہ احمد و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو وارثوں کی میراث کھائے گا اللہ قیامت کے دن اس کا جنت کا حصہ کاٹ دے گا۔ رواہ ابن ماجہ۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر میں پانچویں حصہ کی وصیت کروں تو چوتھائی مال کی وصیت کرنے سے میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے اور تہائی مال کی وصیت کروں تو چوتھائی مال کی وصیت کرنے سے میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے، رواہ البیہقی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ۱/۵ مال کی وصیت کرنے والا چہارم مال کی وصیت کرنے والے سے افضل ہے، الحدیث، رواہ البیہقی۔

نکتہ :- اس آیت میں اللہ نے وصیت اور قرض کو عدم ضرر کے ساتھ مشروط کیا اور پہلی آیت میں یہ قید نہیں لگائی حالانکہ وہاں بھی یہ قید ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرابت والدیا علاقۂ زوجیت کا خود تقاضا ہے کہ وصیت یا اقرار دین سے اس کو ضرر نہ پہنچایا جائے ہاں اخیافی رشتہ دار چونکہ قریبی قرابت نہیں رکھتے اس لئے ان کے معاملہ میں احتمال ہو سکتا تھا کہ کہیں وصیت کرنے اور اقرار قرض کرنے میں ان کو ضرر پہنچانے کا جذبہ کار فرما ہو اس لئے اس جگہ قید لگا دی۔

فصل - وصیت کی مختلف قسمیں ہیں، واجب، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ۔ اگر میت قرض دار ہو یا اس پر زکوٰۃ یا منت یا حج فرض یا فوت شدہ نماز یا روزہ واجب الاداء ہو تو اس وقت قرض اور زکوٰۃ وغیرہ کو ادا کرنے اور نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب ہے پس اس کے کل ترکہ سے قرض ادا کیا جائے اور قرض میں بھی اس قرض کی ادائیگی مقدم ہے جس کا سبب متعین معلوم ہو یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر قسم کا قرض برابر ہے معلوم السبب ہو یا مجہول السبب، قرض کے علاوہ ہر قسم کی وصیت تہائی ترکہ سے پوری کی جائے گی (زیادہ کی وصیت ناقابل تعمیل ہے) اس قسم کی (واجب) وصیت کی طرف سے غفلت کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان آدمی پر کوئی حق ہو جس کی اس کو وصیت کرنا ہے اس کے لئے درست نہیں کہ دو راتیں بھی بغیر تحریر وصیت کے گزارے، صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ مسلم کی روایت میں دو راتوں کی جگہ تین رات کا لفظ بھی آیا ہے۔

جس پر کوئی حق واجب نہ ہو اس کے لئے ۱/۱۰ سے ۱/۳ ترکہ تک خیرات کرنے کی وصیت کرنا مستحب ہے بشرطیکہ اس کے وارث غنی ہوں اس کا ثبوت گذشتہ احادیث سے ملتا ہے اور اگر وارث نادار ہوں تو ایسی حالت میں وصیت اور خیرات کرنا مکروہ تنزیہی ہے ترک وصیت اولیٰ ہے ترک وصیت میں اقارب کے لئے اس کا مال میراث ہو گا اور خیرات بھی، رسول اللہ ﷺ

سے فرمایا کسی (غیر) مسکین کو خیرات دینا خیرات ہے اور کسی قرابت دار کو خیرات دینا خیرات بھی ہے اور صلہ رحم بھی، رواہ احمد و ترمذی وابن ماجہ والدارمی۔ جس وصیت سے وارثوں کو ضرر پہنچانا مقصود ہو یا ضرر پہنچ رہا ہو ایسی وصیت حرام ہے۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ یہ یوصیکم کا مفعول مطلق تاکیدی ہے یا مضمار کا مفعول بہ ہے یعنی اللہ نے جو حکم دیا ہے کہ تہائی ترکہ سے زائد وصیت نہ ہو یا اولاد اور زوجین و اقارب (قریب) کیلئے وصیت نہ ہو اس حکم کو ضرور پہنچایا جائے نہ وصیت کی شرعی حدود سے تجاوز کرے نہ جھوٹے قرض کا اقرار کرے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ ضرر پہنچانے والے کو خوب جانتا ہے۔

حَلِيْمٌ ۝ (مگر وہ) حلیم بھی ہے اس لئے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔

تِلْكَ یہ یتیموں اور وصیتوں اور میراثوں کے تمام احکام۔

حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ اللہ کے قائم کئے ہوئے ضوابط ہیں ان کی حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝
ع ۱۲ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی پوری طاعت کرے گا اللہ اس کو ایسی جنتوں میں لے جائے گا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں اس کی ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا (یعنی حکم کا انکار کرے گا) اور اس کے ضابطوں سے ہٹ جائے گا وہ اس کو آگ میں لے جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت آفریں عذاب ہوگا۔

چونکہ لفظ مَنْ مفرد ہے اس لئے ضمیر مفرد مذکر اور خَالِدًا حال بصیغہ مفرد مذکر ذکر کیا لیکن معنی کے لحاظ سے مَنْ جمع ہے اس لئے خَالِدِیْنَ حال بصیغہ جمع مذکر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

حقیقی اور علاتی بہن بھائی کا ذکر اس سورت کے آخر میں آئے گا ہم چاہتے ہیں کہ فرائض کے مسائل اس جگہ پر سیر حاصل طور پر بیان کریں۔

"مسئلہ عول"

اگر اہل فرائض کے حصے ترکہ کے سہام سے زائد ہوں تو لامحالہ ہر حصے والے کے حصہ میں اس کے حصہ کے تناسب سے کچھ کمی کی جائے گی اور اس طرح تمام اہل فرائض کو ان کا حصہ (کچھ کمی کے ساتھ) دیدیا جائے گا ایسے مسئلہ کو عائلہ (اور ایسے عمل کرنے کو عول) کہتے ہیں۔ عول کا معنی ہے موڑنا جھکانا چونکہ اہل فرائض میں باہم تعارض ہوتا ہے اور کسی ایک کے مقررہ حصہ کو دوسرے کو مقررہ حصہ پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اس لئے ترکہ کے اندر مقرر کئے ہوئے سہام کو (اصل تعداد سے) موڑ کر کچھ بڑھا دیا جاتا ہے۔ عول کی وجہ تسمیہ یہی ہے اس کے علاوہ میراث کو قرض پر بھی قیاس کیا جاتا ہے (اگر قرض خواہ متعدد ہوں جن کے لئے ترکہ کافی نہ ہو تو قرض کے تناسب سے ہر قرض خواہ کے حق میں کچھ کمی کر کے دیا جاتا ہے اور قرض کے مناسب ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عول پر اجماع منعقد ہوا تھا آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش ہوا کہ ایک عورت شوہر اور دو بہنوں کو چھوڑ کر مری تو تقسیم کس طرح ہوگی (شوہر کو نصف ترکہ کا اور دو بہنوں کو دو تہائی ترکہ کا حق ہے نصف اور دو تہائی مل کر کل ترکہ سے ۱/۶ زائد ہو جاتا ہے پھر تقسیم کیسے ہو، مثلاً مسئلہ کی تصحیح ۶ سے کی گئی تو ۳ شوہر کے اور ۴ بہنوں کے ہونا چاہئے اور ان دونوں کا مجموعہ ۷ ہوتا ہے گویا ۶ سے ایک زائد ہو گیا پھر چھ کو دونوں فریق پر کس طرح بانٹا جائے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا اور فرمایا دیکھو اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کا

ترکہ صرف چھ روپیہ ہو لیکن دو حق ہوں ایک تین روپیہ کا طلب گار ہو اور دوسرا چار روپیہ کا تو کیا کل مال کے سات حصے کر کے تقسیم نہیں کی جائے گی، صحابہؓ نے اس کی تائید کی اور آپ کے قول کے موافق عمل کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس کی مخالفت کی کسی نے پوچھا آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا فرمایا ان کی ہیبت کی وجہ سے وہ بڑے ہیبت شخص تھے۔ لوگوں نے کہا جو رائے آپ کی جماعت کے ساتھ تھی ہم کو آپ کی اس انفرادی سے وہی زیادہ پسند ہے۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص (صحرا کے) ذروں کو گن سکتا ہے وہ مال کو آدھا آدھا کرنے کے بعد پھر اسی میں سے ایک تہائی بھی نکالتا ہے (یہ کیسا حساب ہے) نصف اور نصف کرنے سے پورا مال ختم ہو جاتا ہے پھر تہائی مزید نکالنے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے۔ دریافت کیا گیا سب سے پہلے میراث کے مقررہ حصوں میں عول کس نے کیا تھا فرمایا حضرت عمرؓ نے اس کے بعد پورا قصہ نقل کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر اس کو حصہ میراث میں مقدم رکھا جائے جس کو اللہ نے مقدم رکھا ہے اور اس کو پیچھے رکھا جائے جس کو اللہ نے پیچھے رکھا ہے تو فرائض میں عول کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ حاکم نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہی مقولہ نقل کیا ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا فرائض میں مقدم کون ہے اور مؤخر کون ہے۔ فرمایا اللہ نے مقدم اس کو رکھا ہے کہ جب اس کا مقرر کردہ حصہ کچھ کر دیا گیا تو بدلے ہوئے حصہ کی بھی مقدار مقرر کر دی اور پیچھے اس کو رکھا ہے کہ جب اس کے مقررہ حصہ کو بدلا تو پھر اس کے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں کیا بلکہ اگر کچھ بچ رہے تو اس کو دیا جائے گا ورنہ کچھ نہیں۔ مقدم فریضہ والے تو شوہر بیوی اور ماں ہے (کہ شوہر کا اصل حصہ نصف اور بیوی کا چہارم اور ماں کا تہائی ہے لیکن اگر میت کی اولاد ہو تو نصف بدل کر چہارم اور چہارم بدل کر آٹھواں اور تہائی بدل کر چھٹا ہو جاتا ہے) اور مؤخر فریضہ والی بیٹیاں اور بہنیں ہیں (کہ ان کا اصل حصہ تو ایک بیٹی کے لئے یا ایک بہن کے لئے نصف ہے اور دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں تو دو تہائی ہے اور ایک بیٹی ایک بہن کے ساتھ ہو تو بیٹی کا نصف اور بہن کا چھٹا حصہ ہے لیکن جب بیٹیاں یا بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ ہوں تو ان کا حصہ مقرر نہیں رہتا بلکہ یہ عصبہ ہو جاتی ہیں) اب اگر دو وارث بھی ہوں جن کو اللہ نے مقدم رکھا اور وہ وارث بھی جن کو اللہ نے پیچھے رکھا ہے تو مقدم وارثوں کا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر کچھ باقی رہے گا تو بیٹیوں اور بہنوں کو دیا جائے گا ورنہ کچھ نہیں۔ محمد بن حنفیہ کا قول بھی اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موافق ہے۔

مسئلہ:۔ اجماع صحابہؓ ہے کہ اہل فرائض کے مقررہ حصے دینے کے بعد جتنا مال باقی رہے گا وہ اس مرد کو دیا جائے گا جس کی قرابت میت سے سب سے زیادہ ہو گی جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں آچکا ہے ایسے شخص کو عصبہ کہتے ہیں اگر اہل فرض نہ ہو تو عصبہ کل مال کا وارث ہوتا ہے۔ میت کا قریب ترین قرابت دار اس کا بیٹا ہوتا ہے بیٹے کے بعد پوتا، اسی طرح نیچے تک تمام نرینہ نسل کا درجہ ہے۔ نرینہ نسل کے بعد قریب ترین شخص باپ ہے، پھر دادا، پھر پردادا۔ اسی طرح نرینہ سلسلہ کی اصل کا حسب ترتیب مرتبہ ہے۔ پھر حقیقی بھائی کا پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کے بیٹے کا، پھر علاتی بھائی کے بیٹے کا، اسی طرح باپ کی نرینہ نسل کی ترتیب نیچے تک دی جائے گی۔ پھر دادا کے حقیقی بھائی کا پھر اس کے علاتی بھائی کا پھر دادا کے حقیقی بھائی کے بیٹے کا پھر دادا کے علاتی بھائی کے بیٹے کا اسی طرح پردادا کی نسل نیچے تک جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حقیقی بھائی باہم وارث ہوتے ہیں (یعنی عصبہ ہوتے ہیں) ان کی موجودگی میں علاتی بھائی وارث نہیں ہوتے۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں صرف مقاسمت الجد کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔

مسئلہ:۔ علماء کا اجماعی قول ہے کہ جن عورتوں کے لئے ایک ہونے کی حالت میں نصف اور دو ہونے کی حالت میں دو تہائی مقرر ہے وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہیں اہل فرض نہیں رہتیں۔ کیونکہ اولاد (خواہ مونث اور مذکر مخلوط ہوں) اور بھائیوں بہنوں کے لئے اللہ نے فرمایا ہے للذکر مثل حظ الانثیین اور جو لوگ اہل فرض نہیں ہیں اور ان کا

بھائی عصبہ ہے تو ایسی عورتیں بھائی کے ساتھ مل کر بھی عصبہ نہیں ہوتیں جیسے پھوپھی اور بھتیجی

مسئلہ:۔ باجماع اہل فرائض آخری عصبہ مولیٰ عتاقہ ہے (اگر کسی آقا نے غلام کو آزاد کر دیا تو اس آقا کو مولیٰ عتاقہ کہا جاتا ہے۔ آزاد شدہ غلام اگر مر جائے تو سب سے پہلے اس کے وارث اس کے اہل فرائض ہوں گے پھر وہ رشتہ دار وارث ہوں گے جو رشتہ میں عصبہ ہیں پھر نسبی عصبہ نہ ہوں گے تو عصبہ سببی یعنی مولیٰ عتاقہ وارث ہوگا)۔

بیہقی اور عبدالرزاق نے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے اس کو خرید کر آزاد کر دیا اس کی میراث کا کیا حکم ہے فرمایا اگر یہ (نسبی) عصبہ چھوڑے گا تو (اہل فریضہ کے بعد) عصبہ سب سے زیادہ مستحق ہوگا ورنہ حق آقائی (یعنی آزاد شدہ غلام کی میراث) تجھے ملے گا۔ صحیحین میں ہے کہ حق آقائی اس کا ہے جس نے آزاد کیا ہو پھر مولیٰ عتاقہ کے عصبات کو حق آقائی حاصل ہے اور عورتوں کے لئے صرف انہی غلاموں کا حق آقائی ہے جن کو انہوں نے آزاد کیا ہو یا ان کے آزاد کردہ غلاموں نے آزاد کیا ہو۔

نسائی اور ابن ماجہ نے بنت حمزہؓ کی حدیث کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ بنت حمزہؓ نے کسی غلام کو آزاد کیا۔ آزادی کے بعد وہ غلام مر گیا، اور اس کی ایک بیٹی اور آزاد کرنے والی بی بی رہ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا آدھا مال اس کی بیٹی کو اور آدھا بنت حمزہؓ کو دلوا دیا۔ دار قطنی اور طحاوی نے اس حدیث کو مرسلاً بیان کیا ہے۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ تمام راویوں کا متفقہ قول ہے کہ آزاد کرنے والی بنت حمزہؓ تھی بنت حمزہؓ کا باپ نہ تھا اس بحث کی ایک روایت حضرت ابن عباسؓ کی بھی آئی ہے جس کو دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ:۔ اہل فرائض کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ مال بچ رہے اور عصبات نہ ہوں تو لوٹا کر پھر اہل فرائض کو ان کے حصوں کے تناسب سے بانٹ دیا جائے گا مگر شوہر اور بیوی کو لوٹا کر دوبارہ کچھ نہیں دیا جائے گا یہ قول امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک بقیہ مال اہل فرائض کو دوبارہ نہیں دیا جائے گا بلکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ متاخرین شافعیہ نے امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ بیت المال کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بقول قاضی عبدالوہاب مالکی، ابوالحسن نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بقیہ مال کا وارث ذوی الارحام (وہ رشتہ دار جو نہ اہل فرائض ہیں نہ عصبہ) کو قرار دیتے تھے نہ اہل فرائض کو دوبارہ تقسیم کراتے تھے۔ ابوالحسن نے کہا یہ روایت صحیح ہے طحاوی نے اپنی سند سے ابراہیم (نخعی) کا مقولہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے میں نے کہا کہ کیا حضرت علی بھی ایسا کرتے تھے ابراہیم نے کہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو اس امر میں بہت سخت تھے۔

طحاوی نے دو طریقوں سے سوید بن غفلہ کا بیان نقل کیا ہے، سوید نے کہا ایک شخص مر گیا اس کی ایک لڑکی ایک بیوی اور اس کو آزاد کرنے والا ایک مرد پسماندگان کی فہرست میں رہے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہ مسئلہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے لڑکی کو نصف ترکہ اور بیوی کو ۱/۸ دیا اور جو باقی رہا وہ بھی لڑکی کو دوبارہ دے دیا مولیٰ (آزاد کرنے والے آقا) کو کچھ نہیں دیا۔ ابو جعفر کا مقولہ دو سلسلوں سے منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، (علاوہ فرائض کے بعد) باقی مال بھی ان قرابتداروں کو دلواتے تھے جو اہل فریضہ ہوتے تھے۔

طحاوی نے اپنی سند سے مسروق کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر چند اخیافی بھائی ہوں اور ماں ہو تو تقسیم میراث کس طرح کی جائے آپ نے بھائیوں کو ایک تہائی اور ماں کو باقی کل مال دلوا دیا اور فرمایا جس کا کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں اس کی عصبہ ہے۔ آپ ماں کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کو لوٹا کر باقی مال میں سے کچھ نہیں دیتے تھے نہ حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو دوبارہ کچھ دیتے تھے نہ حقیقی بہن کے ساتھ علاتی بہنوں پر مال کو رد کرتے تھے اور نہ بیوی اور شوہر اور دادی کو فریضہ مقررہ سے زائد (بطور رد) کچھ دیتے تھے۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ ہماری نظر میں حضرت علیؓ کا مسلک صحیح ہے حضرت ابن

مسعودؓ کا قول ہمارے ہمارے لئے حجت نہیں۔ یعنی ذوی الفروض کو بقیہ میراث ان کے حصوں کے مطابق لوٹا کر دی جائے اور دور کے رشتہ والے پر قریب کے رشتہ دار کو ترجیح نہ دی جائے بلکہ سب کو ان کے حصوں کے موافق دیا جائے کیونکہ قرابت داروں کے جو حصے مقرر کئے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ سب اپنی مختلف قرابتوں کے لحاظ سے وارث ہیں اور کوئی بھی اپنے قریب قرابت کی وجہ سے دور کی قرابت والے سے استحقاق میراث میں اولیت کا حامل نہیں ہے یہی مسلک امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا ہے۔

مسئلہ :- جمہور علماء ہے کہ جب کسی شخص میں دو جہتیں جمع ہو جائیں، اہل فرض بھی ہو اور عصبہ بھی تو دونوں کا لحاظ کیا جائے گا۔ مثلاً ایک عورت مر گئی اس کے تین چچا کے بیٹے رہے (تینوں کا شمار عصبات میں ہے) لیکن اس کا اخیافی بھائی بھی ہے اور دوسرا اس کا شوہر ہے، تو اخیافی بھائی کو اس کا فریضہ یعنی ۱/۶ دیا جائے گا شوہر کو نصف ملے گا اور باقی مال تینوں کو عصبہ ہونے کی وجہ سے برابر برابر دیدیا جائے گا۔ مسئلہ کے ابتدائی سہام ۶ ہوں گے اور تصحیح ۱۸ سے کی جائے گی جن میں ۵ اخیافی کے ۱۱ شوہر کے اور ۲ صرف عصبہ کے ہوں گے (کیونکہ شوہر کا فریضہ ۱۸ میں سے نو ہے اور ۲ عصبہ ہونے کی جہت سے مل کر کل ۱۱ ہو گئے اور اخیافی کے فریضہ کے ۳ ہیں اور دو عصبہ ہونے کی جہت سے مل کر ۵ ہو گئے اور تیسرے کی جہت صرف عصبہ ہونے کی ہے اس لئے اس کو صرف ۲ ملیں گے)۔

اگر کسی شخص کو دو طرف سے فریضہ کا استحقاق ہو تو یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تو قوی ترین قرابت کا لحاظ کیا جائے گا اور ضعیف قرابت قابل ترک ہو گی۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں استحقاق معتبر رہیں گے اور دونوں قرابتوں کا حصہ اس کو دیا جائے گا۔ اس قسم کی صورت صرف دو مسئلوں میں پیش آسکتی ہے، ایک تو صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی محرم عورت سے وطی شبہ میں کرلے اور پھر مر جائے (تو اس عورت کا دوہرا استحقاق ہو جاتا ہے) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مجوسی کسی محرم عورت سے نکاح کرے پھر مسلمان ہو جائے اور مر جائے مثلاً کسی مجوسی نے اپنی بیٹی (پروین) سے نکاح کیا اور لڑکی (زرینہ) پیدا ہوئی پھر اس نواسی (زرینہ) سے بھی نکاح کر لیا اور اس سے لڑکا پیدا ہوا (سہراب) پس زرینہ سہراب کی ماں بھی ہے اور باپ کی لڑکی یعنی علاتی بہن بھی، اور پروین، سہراب کی نانی ہے اور علاتی بہن بھی۔

مسئلہ :- اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ شوہر اور بیوی کو چھوڑ کر باقی اہل فرائض میں سے کوئی ایک بھی موجود ہو گا یا عصبات میں سے اگر ایک شخص بھی ہو گا تو ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن (باستثناء زوجین) اگر کوئی اہل فرض بھی نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو تو ذوی الارحام کی میراث میں اختلاف رائے ہے۔ ہاں صرف سعید بن مسیب قائل ہیں کہ (باوجودیکہ ماموں ذوی الارحام میں سے ہے اور بیٹی اہل فرض ہے مگر) بیٹی کی موجودگی میں ماموں کو بھی میراث ملے گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ذوی الارحام کو وارث نہیں مانتے اور (عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بقیہ) کل مال بیت المال میں داخل کراتے ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ یہی مسلک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، زہریؒ اور اوزاعیؒ کا بھی منقول ہے، متاخرین شافعیہ کا فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ذوی الارحام کو وارث بنانے کے مسئلہ میں اللہ نے فرمایا ہے واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ میں فرمایا یہ آیت ذوی الارحام کے متعلق نازل ہوئی کہ ذوی الارحام میں بعض بعض سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ مخالفین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ تمہارے قول کی کوئی دلیل نہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ اہل جاہلیت منہ بولے بیٹے کو بھی میراث دیتے تھے جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو بیٹا بنالیا تھا اسی طرح کچھ لوگ آپس میں معاہدہ کر لیتے تھے کہ ایک دوسرے کا وارث ہو گا اس کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ میراث ذوی الارحام (قریبی رشتہ داروں) ہی کی طرف لوٹ جائے اور (بنائے ہوئے بیٹوں کے متعلق) فرمایا ادعوھم لاٰبآئھم ھو اقسط عند اللہ۔ آیت میں اولوا الارحام سے مراد ہیں ذوی الفروض اور عصبات۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت کا نزول اگر اسی سلسلہ میں مان لیا جائے جو آپ نے بیان کیا تب بھی اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں ہوتا اور اولوا الارحام کا لفظ عام ہے ذوی الفروض کو بھی شامل ہے اور عصبات کو بھی اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی۔

بعض حدیث سے بھی ہمارے قول کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت امامہ بن سہل کی روایت ہے کہ ایک شخص کے تیر لگا وہ مر گیا اور ماموں کے سوا اس کا کوئی وارث نہ تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جس کا کوئی وارث (زندہ) نہ ہو اس کا ماموں وارث ہے۔ رواہ احمد والبزار۔ طحاوی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو (اور ماموں موجود ہو) تو ماموں اس کا وارث ہے۔

حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہے وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت دے گا۔ رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی، ابن ماجہ و صححہ ابن حبان، حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ابن ابی حاتم نے ابوزرعہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن بیہقی نے اس کو مضطرب قرار دیا ہے۔

طحاوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے اور میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا اور اس کا وارث ہوں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ اس کے مال کا وارث ہوگا اور اس کی دیت بھی دے گا۔ دوسری روایت میں ہے میں اس کا وارث ہوں گا اور اس کی جان چھڑاؤں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہوگا اس کا مال بھی اس کی جان بھی چھڑائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا کہ میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کا ہے اور رسول اللہ ﷺ بیت المال کے متولی تھے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ رواہ الترمذی، النسائی، الطحاوی۔ نسائی نے اس حدیث کو مضطرب اور دارقطنی نے راجح اور بیہقی نے موقوف کہا ہے۔ حضرت وسیع بن حبان کا بیان ہے کہ ثابت بن دحداح کا انتقال ہو گیا، ثابت باہر سے آیا ہوا تھا اس کے اصل (خاندان) کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن عدی سے فرمایا کیا تم کو پتہ (کروہ کے) اندر اس کا نسب معلوم ہے، عاصم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ (مجھے نہیں معلوم) حضور ﷺ نے ثابت کے بھانجے ابولبابہؓ بن منذر کو بلو کر ثابت کی میراث اس کو دیدی رواہ الطحاوی۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے چند آثار طحاوی نے نقل کئے ہیں کہ پھوپھی اور خالہ کو آپ ﷺ نے وارث قرار دے کر پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی دیا۔ پھوپھی کی قرابت باپ سے ہوتی ہے اس لئے اس کو دوہرا اور خالہ کی قرابت ماں سے ہوتی ہے اس لئے اس کو اکہرا حصہ دیا جو لوگ ذوی الارحام کو وارث نہیں کہتے وہ اپنی دلیل میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا جب تک جبرئیل نہ آئیں مجھے نہیں معلوم، کچھ دیر کے بعد فرمایا پھوپھی اور خالہ کی میراث کا مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے وہ شخص حاضر ہو گیا۔ فرمایا جبرئیلؑ نے مجھے خاموشی سے بتا دیا ہے کہ ان دونوں کے لئے کچھ نہیں ہے رواہ الدارقطنی۔ یہ حدیث ضعیف ہے اسناد میں مسعدہ بن محمد بن عمرو ہے جو ضعیف ہے بلکہ جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہم نے اس کی حدیث کو آگ لگا دی۔ حاکم نے یہ حدیث عبداللہ بن دینار عن ابن عمر بیان کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے مگر اس کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدنی ہے جو ضعیف ہے۔ حاکم نے ایک اور حدیث اس کی شاہد بھی بیان کی ہے۔ شریک بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حارث بن ابی عبیدؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے متعلق دریافت کیا گیا الخ۔ اس سند میں سلیمان بن داؤد راوی ہے جو متروک ہے۔ دارقطنی نے شریک کی وساطت کے بغیر دوسرے طریقہ سے اس حدیث کو مرسلاً بیان کیا ہے۔

زید بن اسلم نے عطاء بن یسار کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص مر گیا اور ایک پھوپھی اور خالہ چھوڑ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت اپنے گدھے پر چڑھ رہے تھے یہ بات سن کر رک گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ ایک آدمی مر گیا اور اپنی پھوپھی اور خالہ کو چھوڑ گیا۔ اس شخص نے دوبارہ سوال کیا آپ ﷺ نے دوبارہ ایسا ہی کیا۔ اس نے تیسری بار پوچھا آپ نے تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا ان دونوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اس حدیث کو طحاوی نے چند طریقوں سے بیان کیا ہے اور نسائی و دار قطنی نے بھی نقل کیا ہے حدیث مرسل ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں اس کو لکھا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں موصولاً بروایت ابو سعید بیان کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں ضعف ہے طبرانی نے صغیر میں محمد بن حارث مخزومی کی سوانح کے ذیل میں اس حدیث کو موصولاً ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اس سلسلہ میں بھی کوئی دوسرا شخص سوائے ابو سعیدؓ کے قابل نظر نہیں۔

احادیث مختلفہ کو باہم مطابق اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ آیت واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ کے نزول سے پہلے جب حضور ﷺ سے پھوپی اور خالہ کی میراث کا مسئلہ پوچھا گیا تو چونکہ اس وقت تک ذوی الارحام کے متعلق کچھ نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ ان کے لئے کچھ نہیں ہے پھر جب ذوی الارحام کی میراث کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے فرمایا ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ - ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں (۱) میت کی نسل (۲) میت کی اصل (۳) میت کی اصل قریب کی نسل (۴) میت کی اصل بعید کی نسل۔ نمبر اول نمبر دوم کو وارث ہونے سے روک دیتا ہے اور نمبر دوم نمبر سوم کو اور نمبر سوم نمبر چہارم کو (یعنی نمبر چہارم کو اس وقت میراث ملے گی جب نمبر سوم بھی نہ ہو اور نمبر سوم اس وقت وارث ہو گا جب نمبر دوم بھی نہ ہو اور نمبر دوم کا استحقاق اس وقت ہو گا جب نمبر اول نہ ہو) ہر صنف میں جو میت سے زیادہ قریب ہو گا وہ دور والے کو میراث پانے سے روک دے گا اگر قرب میں سب برابر ہوں تو میت سے جس کا رشتہ کسی وارث کے ذریعہ سے ہو گا وہ اس شخص کو روک دے گا جس کا میت سے رشتہ کسی ذی رحم کے ذریعہ سے ہو گا بھائی بہن چچا پھپھی ماموں اور خالہ کی نسل میں قوت قرابت کا لحاظ ہوتا ہے بشرطیکہ دائرہ قرابت سب کا ایک ہو مثلاً حقیقی چچا کی لڑکی باپ کے علاتی بھائی کی لڑکی سے اولی ہوتی ہے اگر دائرہ قرابت مختلف ہو تو قوت قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا جیسے باپ کی علاتی بہن اور ماں کی حقیقی بہن کوئی بھی دوسری کے لئے حاجب نہیں ہے۔ ترکہ کے تین حصے کر کے دو تہائی باپ کی قرابت والی کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت والی کو دیا جاتا ہے۔ طحاوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر اسی طرح نقل کیا ہے۔

جس کی قرابت دو جہت سے ہو اس کا حصہ ایک جہت کی قرابت والے سے دگنا ہو گا۔

ذوی الارحام میں امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور حسنؒ بن زیاد کے نزدیک (تعدد جہات کا اعتبار نہیں بلکہ) اشخاص کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اشخاص کے ساتھ ساتھ کیفیت رشتہ بھی قابل لحاظ ہے (مثلاً اگر ایک دو رشتہ والی ہو اور ایک کا میت سے رشتہ اکہرا ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک ترکہ آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک کل ترکہ کے تین حصے کر کے دو حصے دو قرابت والی کو اور ایک حصہ ایک قرابت والی کو دیا جائے گا) اس جگہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

مسئلہ - اجماعی فیصلہ ہے کہ قتل عمد قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیتا ہے اسی طرح قتل خطاء بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مانع میراث ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک قتل خطاء کا مرتکب مقتول کے مال کا وارث ہو گا لیکن جو دیت خود ادا کرے گا اس میں بطور ارث قاتل کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام فرمان ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن عبداللہ بھی ہے جو متروک الحدیث ہے۔ نسائی اور دار قطنی نے یہی حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے بیان کی ہے اور بیہقی و دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔

امام مالکؒ نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا دو (مختلف) مذہبوں والے باہم وارث نہیں ہوتے بیوی اپنے شوہر کی دیت کی بھی وارث ہوگی اور اس کے مال کی بھی اور شوہر اپنی بیوی کی دیت کا بھی وارث ہوگا اور اسکے مال کا بھی، بشرطیکہ ایک نے دوسرے کو قتل نہ کیا ہو، اگر ایک نے دوسرے کو عمداً قتل کیا ہو تو قاتل مقتول کی دیت کا وارث نہ ہوگا، رواہ الدار قطنی، اس سند میں حسن بن صالح راوی مجروح ہے۔

دوسری حدیث امام مالکؒ نے یہ بیان کی کہ ہشام بن عروہ نے بروایت عروہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اپنے وارث (قرابت دار مورث) کو خطاءً قتل کردے وہ اس کے مال کا وارث ہوگا اور (اپنی دی ہوئی) دیت کا وارث نہ ہوگا۔ اس سند میں ایک راوی مسلم بن علی ہے جس کے متعلق یحییٰ نے کہا کہ وہ کچھ نہیں ہے اور دار قطنی نے کہا وہ متروک الحدیث ہے۔ دار قطنی نے مرسلاً سعید بن مسیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) قاتل عمداً ہو یا خطاءً دیت کا وارث نہ ہوگا۔ رواہ ابو داؤد۔

ہم کہتے ہیں ان احادیث کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ قتل خطاء کا مرتکب مقتول کے ترکہ کا وارث ہوگا اور مفہوم ہمارے نزدیک قابل حجت نہیں۔ پھر یہ بات اصول کے بھی خلاف ہے کیونکہ قاتل جب مقتول کے ترکہ کا وارث ہوگا تو دیت کا کس طرح وارث نہ ہوگا۔ (دیت بھی ترکہ کا ایک حصہ ہے)۔

مسئلہ - اجماعی فیصلہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مسلمان کافر کا وارث نہیں اور نہ کافر مسلمان کا۔ اس حدیث کے راوی حضرت اسامہ بن زید ہیں۔ رواہ الشیخان واصحاب السنن الا ربعۃ حضرت معاذؓ اور ابن مسیبؒ اور نخعیؒ کا قول اس طرح روایت میں آیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا جیسے اگر کوئی مسلمان کتابی عورت سے نکاح کرے تو اس کا وارث ہوگا لیکن وہ اس کی وارث نہ ہوگی۔

امام احمدؒ نے عدم توارث کے قانون سے دو صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ایک یہ کہ اگر آزاد شدہ غلام کافر ہو اور مرجائے تو اس کا حق ولاء مسلمان آقا کو مل جائے گا۔ حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہوتا ہاں اگر وہ نصرانی اس کا غلام یا باندی ہو (تو وارث ہو جائے گا) رواہ الدار قطنی۔ دار قطنی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ باندی غلام سے وہ باندی غلام مراد ہیں جن کو تجارت کرنے کی آقا کی طرف سے اجازت ہو ایسے باندی غلام کا مال آقا کا ہوتا ہے اسی مال کو مجازاً میراث کہا ہے کیونکہ آزاد کردہ غلام تو غلام ہی نہیں ہوتا (اور حدیث میں لفظ عبد آیا ہے) دوسری استثنائی صورت یہ ہے کہ میت مسلمان ہو اور اس کے قرابتدار کافر ہوں لیکن تقسیم ترکہ سے پہلے مسلمان ہو جائیں اس وقت میراث کے مستحق ہو جائیں گے۔ دوسری روایت میں امام احمدؒ کے نزدیک بھی میراث کے مستحق نہیں ہوں گے گویا اس صورت میں امام احمدؒ کا قول بھی جمہور کے موافق ہے۔ اول قول کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حصہ جاہلیت کے زمانہ میں بانٹ دیا گیا وہ سابقہ تقسیم کے موافق رہے گا اور جو حصہ اسلام کے دور میں تقسیم ہو وہ اسلامی تقسیم کے موافق ہوگا۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ جو میراث جاہلیت کے زمانہ میں بانٹ دی گئی وہ جاہلیت کی تقسیم پر رہے گی اور جو میراث دور اسلامی میں تقسیم ہوئی وہ اسلامی تقسیم پر ہوگی رواہ ابن ماجہ۔ لیکن دونوں حدیثوں میں امام احمدؒ کے قول کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں اللہ کے قائم کردہ حصص کے مطابق تقسیم کی جائے گی۔ جاہلیت کے نظام کے مطابق تقسیم نہیں ہوگی۔ عروہ بن زبیرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان ہونے کے وقت جو چیز جس کی تھی وہ اسی کی ہے۔ علماء نے اس سے بھی امام احمدؒ کے قول پر استدلال کیا ہے مگر اس سے بھی کسی دلیل کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ رواہ ابن الجوزی۔

مسئلہ - یہودی نصرانی کا وارث ہوگا اور نصرانی یہودی کا اسی طرح الگ الگ ملت والے باہم وارث ہوں گے کیونکہ کفر

ایک ہی ملت ہے (خواہ کوئی فرقہ ہو) اور اصل میراث ہے۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام احمد اور امام مالکؒ کے نزدیک ایک فرقہ کا کافر دوسرے فرقہ کے کافر کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دو مختلف ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ رواہ احمد والنسائی وابو داؤد وابن ماجہ والدار قطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اس سند میں ایک راوی یعقوب بن عطاء ہے جو ضعیف ہے ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے اور ترمذی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اس کو لکھا ہے اور روایت کو غریب کہا ہے اس سند میں ایک ضعیف راوی ابن ابی لیلیٰ ہے۔ بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کوئی ملت دوسری ملت کی وارث نہیں ہوگی اس کی سند میں عمرو بن راشد ہے جو لیثیؒ الحدیث ہے۔

نسائی حاکم اور دار قطنی نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت سے انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو لکھا ہے لیکن دار قطنی نے کہا ہے کہ حضرت اسامہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ محفوظ نہیں ہیں عبد الحق کو وہم ہو گیا انہوں نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، بیہقی نے حضرت اسامہؓ کی روایت کردہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا اور نہ دو ملتوں والے باہم وارث ہوں گے اس سند میں خلیل بن مرہ ضعیف راوی ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ دو ملتوں سے مراد اسلام اور کفر ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ - اجماعی فیصلہ ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ انبیاء کا ترکہ خیرات کا مال ہے جو مسلمانوں کے کاموں میں صرف کیا جانا چاہئے۔ اس فیصلہ کے مخالف صرف شیعہ ہیں جو حضرت ابو بکرؓ صدیق پر طعن کرتے ہیں کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ترکہ حضرت سیدہ فاطمہؓ کو نہیں دیا۔ شیعہ نے اعتراض کیا ہے کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ہم انبیاء کا گروہ ہے ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں کرتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ (عمومی) خیرات ہوتی ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے اور آیت یوصیکم اللہ الخ کے خلاف ہے لہٰذا آیت پر خبر واحد کی ترجیح لازم آتی ہے پھر دوسری آیات کے بھی یہ حدیث خلاف ہے۔ ایک آیت ہے وورث سلیمان داؤد الخ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ دوسری آیت میں حضرت زکریاؑ کا قول نقل کیا رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ یہ لوگ عجیب بے وقوف ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ حدیث ہمارے لئے آحاد میں سے ہے لیکن صدیق اکبرؓ نے جب اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن لی تو متواتر سے بھی بڑھ گئی محسوس کا درجہ متواتر سے بڑھ کر ہے۔ پھر یہ کہنا کہ اس حدیث کو صرف حضرت ابو بکرؓ نے روایت کیا بجائے خود غلط ہے اس کی راوی تو صحابہؓ کی ایک جماعت ہے جن میں سے حضرت حذیفہؓ بن یمان حضرت ابو درداءؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں۔

بخاری نے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے جن میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، حضرت عمرؓ نے کہا میں آپ کو اس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں قسم دیتا ہوں کیا آپ کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ خیرات ہے اس سے مراد حضور ﷺ کی اپنی ذات تھی سب صحابہؓ نے جواب دیا جی ہاں (ایسا فرمایا تھا) پھر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خصوصی) رخ موڑ کر کہا میں آپ دونوں صاحبوں کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا دونوں نے جواب دیا جی ہاں بیشک۔ الحدیث

ان تمام صحابہؓ کی روایات حدیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ پس یہ حدیث ہمارے لحاظ سے بھی درجۂ شہرت تک پہنچ چکی ہے اور امت اسلامیہ نے بھی اس کو (بالاتفاق) قبول کیا ہے اور سب کا اس کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے پھر شیعہ کی کتابوں میں بھی ایسی احادیث آئی ہیں جو اس حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ محمد بن یعقوب رازی نے بروایت ابو البختری

حضرت ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس طرح کہ انبیاء نے نہ درہم کا کسی کو وارث کیا نہ دینار کا بلکہ صرف اپنی احادیث کا وارث بنایا ہے جس کو ان احادیث کا کچھ حصہ بھی مل گیا اس کو پورا حصہ مل گیا (یعنی پوری میراث مل گئی) اس حدیث میں لفظ صرف حصر کے لئے ہے (مطلب یہ کہ انبیاء کی میراث مال نہیں ہوتا علم کے سوا ان کا کوئی ترکہ بطور میراث تقسیم نہیں کیا جا سکتا)۔

رہی آیت وورث سلیمان داؤد کا جواب۔ تو اس میں علم کی میراث مراد ہے آیت ای پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ حضرت سلیمان نے فرمایا تھا یایہا الناس علمنا منطق الطیر اس آیت میں علمنا سے اسی علمی میراث کو بیان کیا ہے۔ حضرت زکریا کی دعا میں بھی ایسے لڑکے کیلئے دعا ہے جو علمی میراث کا وارث ہو کیونکہ اس کا تو امکان ہی نہیں ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا تمام بنی اسرائیل کے مال کے وارث ہوتے ہاں علم کے وارث ہو سکتے تھے اور ہوئے تھے (اسی علمی میراث کی دعا حضرت زکریا نے کی تھی) واللہ اعلم۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں کھلی بے حیائی کریں الفاحشة سے مراد ہے زنا۔ اسی حکم میں عورت سے عورت کی زنا بھی داخل ہے کیونکہ لفظ عام ہے کسی غیر عورت سے لواطت کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے۔

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ پس (اے حکام الزام زنا لگانے والوں سے) تم اپنے لوگوں میں سے چار کو طلب کرو یعنی چار مرد جو مؤمن ہوں اور فاسق نہ ہوں عورتوں کی شہادت زنا کے مقدمہ میں بالاجماع جائز نہیں۔ مرد شہادت دیں کہ ہم نے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ اب اگر وہ (چاروں) شہادت دیدیں تو عورتوں کو گھروں کے اندر (قیدی کے طور پر) بند کر دو۔

حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ یہاں تک کہ ان کو یعنی ان کی جانوں کو موت یعنی موت کے فرشتے لے لیں۔

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۝ یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکال دے یعنی کوئی شرعی حکم جاری کر دے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ لفظ اَوْ بمعنی اِلٰی اَنْ کے ہے (یعنی اس وقت تک قید رکھو کہ اللہ ان کے لئے کوئی جدید حکم جاری کرے) مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لو مجھ سے لو مجھ سے۔ عورتوں کے لئے اللہ نے راہ نکال دی باکرہ باکرہ سے زنا کرے تو اس کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ سے کرے تو سو کوڑے اور سنگساری۔

فائدہ - گھر میں بند کرنا ایک طرح کی سزا تھی جو منسوخ ہو گئی یا حوالات تھی کہ حکم سزا ظاہر ہونے تک کے لئے تھی یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حکم سزا کے نزول تک اللہ نے بند رکھنے کا حکم دیا لیکن حکم سزا کے نزول کے بعد بھی یہ حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ باقی ہے تاکہ حوالات کے بعد (جب تحقیقات سے جرم ثابت ہو جائے تو) سزا دی جا سکے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اصل میں مذکور ہے حاکم اس کو بند کر دے تاکہ گواہوں کے عادل یا فاسق ہونے کی تحقیق کر لے۔ زنا کی سزا کے مسائل ہم انشاء اللہ سورۂ نور میں ذکر کریں گے۔

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا تم میں سے جو دونوں فاحشہ یعنی زنا یا لواطت کا ارتکاب کریں تو دونوں کو دکھ پہنچاؤ۔ اکثر علماء کے نزدیک دونوں سے مراد دونوں زنا کرنے والے مرد اور عورت ہیں۔ اور اٰذُوْهُمَا کی تشریح میں عطا اور قتادہ نے کہا ان کو زبانی دکھ پہنچاؤ سخت سست کہو کہ تجھے اللہ سے شرم نہیں آئی تو اللہ سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا زبان سے عار دلاؤ اور ہاتھ سے بھی دکھ پہنچاؤ جوتے مارو۔ اگر آیت میں زانی اور زانیہ مراد ہوں تو اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ آیت میں تو حبس کی سزا تجویز کی تھی اور اس آیت میں ایذاء کا حکم دیا (کون سا حکم قابل عمل ہے اور دونوں

میں تطبیق کی کیا شکل ہے) اس اشکال کو دور کرنے کے لئے بعض علماء نے کہا کہ پہلی آیت میں محصنہ کی سزا کا بیان ہے اور اس آیت میں نامحصنہ کی سزا کا۔ بعض نے کہا کہ مؤخر الذکر آیت نزول میں مقدم الذکر آیت سے پہلے ہے پہلے زانی کی سزا ایذا مقرر کی پھر حبس پھر تازیانہ۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اَلَّذٰنِ سے مراد (زانی اور زانیہ نہیں ہیں بلکہ) وہ دونوں مرد ہیں جو لواطت کے مجرم ہوتے ہیں یہی قول مجاہد کا ہے اس وقت اشکال دفع ہو جائے گا (کیونکہ پہلی آیت میں زانی اور زانیہ کی سزا کا ذکر ہے اور اس آیت میں اہل لواطت کی سزا کا) ایذا کی شرع میں کوئی حد مقرر نہیں ہے مقدار اور کیفیت ایذا امام (حاکم) کی تجویز پر موقوف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے امام جیسا مناسب سمجھے دونوں کو تعزیر کرے بار بار سزا دینے کے بعد بھی اگر مجرم باز نہ آئیں تو امام دونوں کو قتل کر سکتا ہے اس میں شادی شدہ اور کنوارے کی کوئی تفریق نہیں ہے سیاست کا جیسا تقاضا ہو ویسا کیا جائے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک حد مقرر نہیں بلکہ تعزیر کی جائے اور مرتے دم تک قید رکھا جا سکتا ہے اور اگر کوئی لواطت کا عادی ہو تو امام اس کو قتل کرا دے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لواطت موجب حد شرعی ہے امام احمدؒ کے قوی قول میں اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں اور امام مالکؒ کی رائے میں لواطت کی سزا سنگسار کر دینا ہے۔ شادی شدہ ہو یا کنوارا۔ شافعیؒ کے دوسرے قول میں آیا ہے کہ تلوار سے اس کو قتل کر دیا جائے۔ صاحبینؒ کا اور امام احمدؒ کا ایک قول اور شافعیؒ کا قوی ترین قول یہ ہے کہ لواطت کی سزا زنا کی طرح ہے نامحصنہ کو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے حقیقت کے اعتبار سے لواطت بھی ایک قسم کا زنا ہے یہ بھی کامل شہوت رانی ہے بلکہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ فعل زنا کی حرمت تو نکاح سے ختم ہو جاتی ہے (اور لواطت کی حرمت بھی ختم نہیں ہوتی) پس دلالت النص سے لواطت حکم زنا میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ کی مرفوع حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب مرد مرد سے اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو دونوں زانی ہوتے ہیں لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن قشیری ہے جس کو ابو حاتم نے جھوٹا کہا ہے اور ابو الفتح ازدی نے اس کا شمار ضعفاء میں کیا ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے مگر اس سلسلہ میں ایک شخص بشر بن فضل بجلی مجہول ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے اپنی مسند میں بھی نقل کی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ لغتہً لواطت زنا کا ہم معنی نہیں ہے اسی لئے صحابہؓ کا اس کے موجب میں اختلاف ہے اور زنا کی نسبت سے اس جرم کا وقوع بھی کم ہوتا ہے کیونکہ دونوں طرف سے اس فعل کے ارتکاب کا جذبہ تو کار فرما ہوتا نہیں (صرف فاعل کا تقاضا ہوتا ہے) الغرض لواطت زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ جو علماء لواطت کو موجب حد شرعی کہتے ہیں ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو تم قوم لوط کا سا عمل کرتے پاؤ تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم و البیہقی عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ۔ ترمذی نے کہا حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت عکرمہ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہے۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ بخاری نے کہا کہ عکرمہ کا شاگرد عمرو بن ابی عمرو ہے تو سچا مگر عکرمہ کی طرف نسبت کر کے اس نے بہت سی منکرات نقل کی ہیں۔ نسائی نے بھی اس کو منکر قرار دیا اور کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے مگر جو حدیث اس نے بواسطت عکرمہ از ابن عباسؓ بیان کی ہے اس کو منکر کہا ہے ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے۔ حاکم نے دوسرے طریقوں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور جرح و تعدیل کی طرف سے خاموشی اختیار کی ہے البتہ ذہبی نے گرفت کی ہے کہ عبدالرحمٰن عمری ساقط الاعتبار ہے، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس کی سند اول اسناد سے بھی زیادہ کمزور ہے حافظ نے کہا کہ ابوہریرہؓ سے یہ حدیث جو نقل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

بزاز نے عاصم بن عمر عمری کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے مگر عاصم متروک ہے، ابن ماجہ نے اپنے طریق سے ان

الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ اوپر اور نیچے والے کو سنگسار کرنے کا حکم دینے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملتا ہاں اتنا حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا فاعل اور مفعول (دونوں) کو قتل کر دو۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہمارے نزدیک صحیح خبر آحاد سے بھی کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں اور اس حدیث کی صحت تو محل تردد میں ہے اس لئے اس حدیث کی وجہ سے قتل کر دینے کا اس بنیاد پر فیصلہ کرنا کہ لواطت کی حد شرعی قتل ہے درست نہیں ہے کتاب اللہ سے صرف ایذاء ثابت ہے اور ہر تعزیر ایذاء ہے۔

ایک شبہ :- آیت مذکورہ کا لواطت کے متعلق ہونا قطعاً ثابت نہیں بلکہ اکثر اہل تفسیر نے اس آیت کو زانی اور زانیہ کے متعلق قرار دیا ہے۔

ازالہ :- آیت کا ورود اگرچہ زانی کے سلسلہ ہی میں ہوا مگر لفظ عام ہے کیونکہ فاحشہ کا لفظ جس طرح زنا کو شامل ہے اسی طرح لواطت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اللہ نے قوم لوط کے سلسلہ میں فرمایا ہے اتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بہا من احد من العالمین۔

بحث لواطت کے متعلق صحابہؓ کے مختلف اقوال روایات میں آئے ہیں، بیہقی نے شعب الایمان میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے محمد بن المنکدر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لکھا کہ اطراف عرب میں ایک مرد ہے جس سے عورت کی طرح جماع (یا نکاح) کیا جاتا ہے حضرت ابو بکرؓ نے صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ لیا تمام مشوروں میں حضرت علیؓ کا قول شدید ترین تھا آپ نے فرمایا یہ ایسا گناہ ہے کہ صرف ایک امت نے اس کا ارتکاب کیا تھا اور اللہ نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کو آگ سے جلا دیا جائے چنانچہ اسی سزا پر سب صحابہ کا اتفاق رائے ہو گیا۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایسے مجرم کو بستی کی سب سے اونچی عمارت کی چوٹی سے اٹھا کر نیچے پھینک دیا جائے اور اوپر سے سنگ باری کی جائے اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ قوم لوط کو اسی طرح ہلاک کیا گیا تھا ان کی بستیوں کو اٹھا کر الٹا کر کے گرا دیا گیا تھا اور یقیناً جب ان کو نیچے گرا لیا گیا تھا تو اوپر سے منہدم عمارتیں ان پر گری تھیں۔

حضرت ابن زبیرؓ کا قول منقول ہے کہ انتہائی بدبودار مکان میں دونوں کو بند کیا جائے یہاں تک کہ دونوں مر جائیں۔

بیہقی نے چند طریقوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک لوطی کو سنگسار کرایا تھا حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث اور ان تمام اقوال کی وجہ جامع یہ صورت ہے کہ اگر کوئی شخص اس فعل کا عادی ہو بار بار اس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو اور تعزیر سے بھی باز نہ آیا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ بار بار کرنے اور عادی ہو جانے پر حدیث کا لفظ یعمل دلالت کر رہا ہے فرمایا ہے من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط جس کو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط کا عمل کیا کرتا ہے من عمل عمل قوم لوط نہیں فرمایا۔ یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا پھر اگر وہ فاحشہ سے توبہ کر لیں اور اپنے عمل درست کر لیں یعنی توبہ کے بعد ان کے اعمال درست ہو جائیں۔

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۚ تو پھر تم بھی ان سے کوئی تعرض مت کرو ان کو ایذاء دینی چھوڑ دو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ توبہ کا لغوی معنی ہے لوٹنا بندہ کی توبہ کا معنی ہے گناہ سے لوٹنا اور اللہ کے تواب ہونے کا معنی ہے ارادۂ عذاب سے باز رہنا یا توبہ قبول کرنا یا توبہ کی توفیق عطا کرنا۔

رَّحِيْمًا ۝ مہربان ہے یعنی توبہ کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ توبہ قبول کرنا یا گناہ معاف کر کے ارادۂ عذاب سے باز رہنا۔

عَلَى اللّٰهِ اللہ کے ذمہ یعنی اس ذمہ داری کے تحت جس کا اللہ نے خود وعدہ کر لیا ہے۔

لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت کے ساتھ گناہ کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کا اتفاق رائے ہے اس امر پر کہ ہر گناہ خواہ قصداً ہو یا بلا قصد جہالت ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ کلبی نے (بجھالۃ کی تفسیر کرتے ہوئے) کہا کہ گناہ ہونے سے وہ ناواقف نہیں ہے مگر اس کے عذاب سے ناواقف ہے۔ بعض علماء نے جہالت کی تشریح میں کہا دوامی عیش کو چھوڑ کر عارضی فناپذیر لذت کو اختیار کرنا جہالت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نفس حیوانی کے جوش کے وقت اللہ کے عذاب سے غافل ہو جانا ہی جہالت ہے۔

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ پھر قریب وقت میں ہی توبہ کر لیتے ہیں مِنْ قَرِيبٍ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ قریب سے مراد یہ ہے کہ نیکیوں کو گناہ گھیر کر تباہ نہ کر چکے ہوں یا یہ مراد ہے کہ گناہ کی محبت دل کو چمٹ نہ گئی ہو اور دل پر گناہ کا ٹھپہ نہ لگ گیا ہو۔ رنگ نہ چڑھ گیا ہو۔ سدی اور کلبی نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ مرض موت میں مبتلا ہونے سے پہلے صحت کی حالت میں توبہ کی ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ قریب وقت میں توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ موت کے سامنے آنے سے پہلے زندگی میں توبہ کر لی ہو یعنی عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کی ہو۔ عکرمہ اور ضحاک نے یہی تفسیر کی ہے اسی مفہوم پر دلالت کر رہی ہے آیت اذا حضر احدھم الموت الخ (جس میں حضور موت کے وقت توبہ کو قبول کرنے کی نفی کی گئی ہے) اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ غرغرہ ہونے سے پہلے اللہ بندہ کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم والبیہقی عن ابن عمرؓ یہ حدیث صحیح ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان نے عرض کیا تیری عزت و جلال کی قسم میں آدمیوں کو برابر گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے اندر جان ہو گی اللہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں بھی ان کو ہمیشہ بخشتا رہوں گا جب بھی وہ مجھ سے معافی کے طلب گار ہوں گے۔ رواہ احمد و ابو یعلی۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرلے (اور اس کی توبہ کو اللہ اپنے ہاتھ سے لے کر قبول فرمائے) اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کرلے (اور یہ سلسلہ بند نہ ہو گا) یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے برآمد ہو جائے رواہ مسلم۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورج کے مغرب کی جانب سے برآمد ہونے سے پہلے تک جو شخص توبہ کرے گا اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ رواہ مسلم۔

اللہ نے مدت عمر کو قریب اس لئے فرمایا کہ زندگی کے بعد آنے والی مدت بہت زیادہ (اور بعید) ہے اللہ نے خود فرمایا ہے قل متاع الدنیا قلیل (یعنی آئندہ زندگی کے مقابلہ میں اس دنیا کا ساز و سامان قلیل ہے)

فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ کے وعدہ کی خلاف ورزی ناممکن ہے اور اس نے (اپنے وعدہ کے ساتھ) توبہ قبول کرنے کو اپنے لئے فرض نفسی کی طرح کر لیا ہے۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کے نتیجہ کی طرح ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ اور اللہ علیم و حکیم ہے یعنی خلوص کے ساتھ توبہ کرنے والے کو جانتا ہے توبہ کے بعد عذاب نہیں دے گا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـٰٔنَ

اور توبہ قبول ان لوگوں کی نہیں ہے جو بدیاں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب میں نے توبہ کی۔ یعنی جان کنی کی حالت ہو گئی اور عذاب کے فرشتے دکھنے لگے اور روح کی روانگی ہونے لگی تو اس وقت کافر کا ایمان اور (مومن) گنہگار کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۔ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو حالت کفر میں مر جائیں۔

یعنی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا اور نہ ان کے عذاب سے رجوع کرے گا یا یہ مطلب کہ آخرت میں جب وہ توبہ کریں گے اور کہیں گے ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون (اے ہمارے مالک ہم نے عذاب کو دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں دوبارہ لوٹا دے اگر تو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے گا تو ہم اچھے عمل کریں گے یقیناً ہم اب یقین دار ہو گئے) تو اس وقت ان کی توبہ قبول نہ ہو گی یا یہ مطلب ہے کہ اگر بعض گناہوں سے توبہ کر لی ہو مگر خاتمہ کفر پر ہوا ہو تو ان کی توبہ کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ کفر اور معاصی دونوں کا عذاب ان کو ہوگا۔

اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۝ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ اَعْتَدْنَا، عتید سے ماخوذ ہے اور عتید کا معنی ہے حاضر۔ یہ جملہ توبہ قبول نہ ہونے کی مزید تاکید کر رہا ہے۔

بخاری اور ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ (دور جاہلیت میں دستور تھا کہ) جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے قریب ترین عزیز اس کی بیوی کے زیادہ حقدار ہوتے تھے اگر چاہتے تو خود نکاح کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے سے نکاح کرا دیتے عورت کے قریب ترین عزیزوں کو بھی اس کا اختیار نہیں ہوتا تھا اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۔ اے اہل ایمان تمہارے لئے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ۔ یعنی یہ جائز نہیں کہ عورتوں کو مال میراث کی طرح اپنے قبضہ میں لے لو اور ان سے نکاح کر لو مجبور کر کے۔ یا کَرْهًا کا یہ معنی ہے کہ وہ نہ چاہتی ہوں اور تم ان سے نکاح کر لو (اول معنی پر کرھاً مصدر مجہول ہوگا اور دوسرے معنی پر مصدر بمعنی اسم فاعل) حمزہ اور کسائی نے اس جگہ اور سورۂ توبہ میں کُرْهًا بضم کاف پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے ہر جگہ بفتح کاف روایت کیا ہے۔ فراء نے کہا بضم کاف کا معنی یہ ہے کہ دوسرے کو مجبور کیا جائے اور بفتح کاف کا معنی یہ ہے کہ کوئی خود دل ناخواستہ کوئی عمل کرے۔ کسائی نے کہا دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ دور جاہلیت میں جب کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر مر جاتا تھا تو ایسی حالت میں اس شخص کا جو (بڑا) بیٹا ہوتا تھا وہ یا (اس کے نہ ہونے کی صورت میں کوئی اور) مردہ کا قریبی عزیز آکر اپنا کپڑا اس عورت پر یا اس کے خیمہ پر ڈال دیتا تھا اور اس کا حقدار بن جاتا تھا اس عورت کو اپنی ذات پر خود کوئی حق نہ رہتا تھا اب اگر چاہتا تو بغیر کسی جدید مہر کے صرف مردہ باپ کے مہر پر اس سے نکاح کر لیتا تھا (یعنی خود کچھ مہر نہ دیتا تھا بلکہ باپ نے جو مہر دیا ہوتا وہی کافی سمجھ جاتا) اور خود نکاح کرنا نہ چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتا اور مہر خود لے لیتا اور اگر چاہتا تو بالکل ہی نکاح سے روک دیتا تاکہ عورت مجبور ہو کر وہ مال واپس کر دے جو مردہ کے ترکہ سے اس کو ملا ہو اور اس طرح اپنی جان چھڑا لے۔

اس آیت میں اس فعل کی ممانعت کر دی گئی۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی بیان نقل کیا ہے۔ بغوی نے اتنا مزید بیان کیا ہے کہ اگر عورت مر جاتی تھی تو جس نے اس پر اپنا کپڑا ڈالا ہوتا تھا وہی اس کا وارث ہوتا تھا اور اگر مردہ شوہر کے کسی قریب ترین عزیز کے کپڑا ڈالنے سے پہلے وہ اپنے میکے میں چلی جاتی تھی تو پھر اس کو اپنا خود اختیار ہوتا تھا۔ یہی اہل جاہلیت کا دستور تھا اور یہی دستور رائج تھا کہ (دور اسلامی میں) ابو قیس کے بیٹے نے جس کا نام حصن بتایا گیا ہے اور مقاتل بن حیان نے قیس بن ابی قیس کہا ہے اپنا کپڑا کبیشہ پر ڈال دیا اور اس کے نکاح کا وارث ہو گیا لیکن اس کو یونہی چھوڑے رکھا نہ قربت کی نہ خرچ دیا مقصد یہ تھا کہ تنگ کر کے اس سے (وہ مال وصول کر لے جو ترکہ میں اس کو ملا ہے اور) فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ کبیشہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابو قیس مر گئے اور ان کا بیٹا میرے نکاح کا وارث ہو گیا۔ اب نہ وہ مجھے خرچ دیتا ہے نہ میرے پاس آتا ہے نہ میرا راستہ چھوڑتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو اس وقت تک اپنے گھر میں بیٹھ جا کہ اللہ کا حکم تیرے متعلق نازل ہو جائے۔ اس پر آیت لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرہاً الخ نازل ہوئی۔

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اور نہ یہ حلال ہے کہ تم ان کو روکے رکھو۔ لفظ لا تاکید نفی کے لئے ہے یعنی نہ مال میراث کی

طرح ان کا مالک بن جانا حلال ہے نہ ان کو روکے رکھنا۔ عضل کا لغوی معنی ہے تنگ کرنا مراد ہے نکاح سے روک دینا۔

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ تاکہ جو مہر تمہارے مردہ باپ یا عزیز نے ان عورتوں کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ ان سے (واپس) لے لو۔ آیت میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے مگر مخاطب کی ضمیر سے بعض افراد مراد ہیں لِتَذْهَبُوْا سے مردہ کے عزیز مراد ہیں اور اٰتَیْتُمُوْهُنَّ سے مردہ شوہر۔ مطلب یہ ہے کہ مردہ شوہر نے جو مہر عورتوں کو اپنی زندگی میں دیا ہو اس کے کچھ حصہ کو بطور فدیہ رہائی وصول کرنے کے لئے عورتوں کو نکاح سے باز نہ رکھو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ توریث نساء اور عضل دونوں کی ممانعت کا رخ شوہروں کی طرف ہے جو عورتوں کو روک رکھتے تھے نہ تو ان کو ان عورتوں کی کوئی ضرورت ہوتی تھی نہ رغبت خاطر۔ صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان کے مال کے وارث ہو جائیں (اگر وہ مر جائیں) یا وہ عورتیں مال دے کر پیچھا چھڑائیں۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا میں تو خطاب کا رخ مردہ کے عزیزوں کی طرف ہے اور اس کے بعد از سرِ نو کلام شروع ہوتا ہے جس میں خطاب کا رخ شوہروں کی طرف ہے اور لَا تَعْضُلُوْا نہی کا صیغہ ہے جو حالت جزم میں ہے (یعنی اس کا عطف ترثوا پر نہیں ہے ورنہ حالت نصب میں ہوگا اور لا تاکید نفی کے لئے ہے بلکہ نہی کے لئے ہے)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو خود بیوی کی طرف راغب نہ ہو اس کی صحبت سے نفرت کرتا ہو لیکن عورت کا مہر اس پر واجب ہو اور اس طرح تنگ کر کے چاہتا ہو کہ جو کچھ مہر دیا ہو (یا دینا ہو) اس کو تاوان رہائی کے طور پر واپس لے لے اللہ نے لَا تَعْضُلُوْهُنَّ فرما کر اس حرکت سے ممانعت کر دی۔ اس صورت میں جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا مفرد کا مفرد پر نہ ہوگا۔

پہلا جملہ معنی خبری ہے اور یہ جملہ معنی انشائی لیکن چونکہ دونوں کا کوئی محل اعرابی نہیں اس لئے خبر پر انشاء کا عطف جائز ہے اس کے علاوہ جملہ لَا یَحِلُّ لَکُمْ اگرچہ لفظاً نفی ہے خبر ہے مگر معنی کے اعتبار سے نہی اور انشاء ہے اس لئے لَا تَعْضُلُوْهُنَّ کا عطف اس پر درست ہے۔

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ مگر یہ کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں یعنی کسی وقت فدیہ لینے کے لئے نہ روکو مگر اس وقت روک سکتے ہو جب وہ ارتکاب فاحشہ کریں (استثناء محل ظرفیت میں ہے) یا یہ مطلب کہ فدیہ وصول کرنے کی غرض سے یا کسی اور وجہ سے ان کو نہ روکو صرف ارتکاب فاحشہ کی وجہ سے روک سکتے ہو (استثناء مفعول لہ ہے) یا یہ مطلب کہ وصول فدیہ کی غرض ہو یا کوئی دوسری غرض کسی غرض سے نہ روکو مگر روکنے کی علت اگر ارتکاب فاحشہ ہو تو روک سکتے ہو (اس صورت میں بھی استثناء مفعول لہ ہوگا) یا یہ مطلب کہ کسی حالت میں سوائے ارتکاب فاحشہ کی حالت کے نہ روکو۔ حضرت ابن مسعودؓ اور قتادہؒ کے نزدیک فاحشہ سے شوہر کی نافرمانی مراد ہے اور حسن بصریؒ کے نزدیک زناء یعنی اگر عورت ناشزہ ہو جائے یا ارتکاب زنا کرے تو شوہر کے لئے اس سے عوض خلع طلب کرنا جائز ہے۔ خلع کے مسائل ہم سورۂ بقرہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ قتادہ نے کہا جب کسی شخص کی بیوی فاحشہ کی مرتکب ہو جاتی تھی تو وہ اس کو دیا ہوا مال واپس لے لیتا اور پھر نکال دیتا تھا۔ اس حکم کو حد زنا نے منسوخ کر دیا۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ اور گزران کرو خوبی کے ساتھ یعنی حسن معاملہ، ادائے حقوق اور اچھے کلام کے ساتھ۔ اس جملہ کا عطف لَا تَعْضُلُوْا یا لَا یَحِلُّ پر ہے۔ حسن بصریؒ نے کہا اس کلام کا ربط آیت اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً سے ہے (یعنی خوشی خاطر کے ساتھ عورتوں کے مہر ادا کرو اور ان سے اچھا برتاؤ کرو)

فَاِنْ کَرِهْتُمُوْهُنَّ اور اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو یعنی بد صورتی یا بد اخلاقی کی وجہ سے تو پھر بھی صبر کرو، نہ ان کو دکھ دو نہ ترک تعلق کرو۔

فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۝ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز

تم کو پسند نہ ہو اور اللہ اس میں تمہارے لئے بڑا فائدہ کردے یعنی (آخرت میں) بڑا ثواب یا (دنیا میں) نیک اولاد عطا کردے عَسٰی کا فاعل (صرف اَنْ تَكْرَهُوْا نہیں ہے بلکہ) معطوف اور معطوف علیہ سے مل کر جو پورا جملہ بنتا ہے وہ فاعل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی چیز ناپسند بھی ہو تب بھی (اس کا برا ہونا ضروری نہیں) ہو سکتا ہے کہ اللہ اس میں بھلائی کردے پس ناپسندیدگی کے وقت بھی اس چیز کی بھلائی کی امید رکھنی چاہئے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو یعنی بغیر نافرمانی کرنے اور سرکش نہ ہونے کے اگر کسی بیوی کو طلاق دے کر تم دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہو۔

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا اور بیویوں میں سے کسی بیوی کے مہر میں تم نے ڈھیروں مال دے دیا ہو۔ هُنَّ کی ضمیر زوج کی طرف راجع ہے کیونکہ زوج کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی اور چونکہ یہاں مردوں کی جماعت سے خطاب ہے اس لئے زوج سے عورتوں کی جماعت مراد ہے تاکہ افراد کا مقابلہ افراد سے صحیح ہو جائے۔ قنطار کا معنی ہے مالِ کثیر، مراد ہے مہر میں دیا ہوا مال کثیر۔ ابن جریر نے حضرت انس کی روایت سے قنطار کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ایک ہزار دو سو (قنطار) ہے اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ (شارع کے نزدیک) کثرت مہر کی کوئی حد بندی نہیں، اسی پر اجماع ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت کی تو ایک عورت نے اسی آیت سے کثرت مہر کے جواز پر استدلال کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دلیل کو سن کر فرمایا۔ عمرؓ سے ہر شخص دینی سمجھ زیادہ رکھتا ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔

اجماعاً مستحب یہ ہے کہ مہر میں زیادتی نہ کی جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا خبردار عورتوں کے مہر میں کثرت نہ کرنا اگر مہر کی کثرت دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بی بی سے یا کسی بیٹی کا بارہ ۱۲ اوقیہ سے زائد مہر پر نکاح کیا ہو۔ رواہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ والدارمی۔

خطابی نے اور ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے زیادہ سہل (ادا) ہو۔ ابن حبان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بی بی کے امور (نفقات وغیرہ) کا آسان ہونا اور مہر کا کم ہونا اس کی برکت ہے۔ احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے سب سے بڑی برکت والی وہ عورت ہے جس کا مہر سب سے آسان (یعنی کم) ہو۔ اس روایت کی سند عمدہ ہے۔

ابو سلمہؓ کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا (یعنی حضور ﷺ کی بیویوں کا) مہر کتنا تھا فرمایا رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کا مہر ۱۲ اوقیہ اور نش تھا تم جانتے ہو کہ نش کتنا ہوتا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا نش آدھا اوقیہ ہوتا ہے، رواہ مسلم۔ بارہ اوقیہ اور ایک نش کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ حضور ﷺ کی تمام بیویوں کا مہر یہی تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم تھا کیونکہ حضور ﷺ کی طرف سے نجاشی نے یہ مہر ادا کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔ ابن

؎ عبدالرحمٰن سلمی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عورتوں کے مہر بیش از بیش نہ کیا کرو ایک عورت نے عرض کیا عمرؓ آپ کو یہ حکم دینے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے، واتیتم احدٰھن قنطارا من ذھب، راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت اسی طرح ہے (یعنی من ذھب کا لفظ بھی آیا ہے) حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک عورت مناظرہ میں عمرؓ پر غالب آگئی بکر بن عبداللہ مزنی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تم کو مہر کی کثرت سے منع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن قرآن مجید کی آیت اتیتم احدٰھن قنطارا میرے سامنے آگئی یہ دونوں حدیثیں کہ کثرت مہر کی ممانعت سے حضرت عمرؓ نے رجوع کر لیا تھا میرے نزدیک صحیح ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے کثرت مہر کی ممانعت تحریمی نہیں کی استحبابی ممانعت فرمائی تھی اور تحریمی نہی سے رجوع کیا تھا۔ ۱۲ منہ (حاشیہ از مؤلف)

اسحاق نے ابو جعفرؒ کی روایت سے چار سو دینار لکھا ہے۔ خلاصۃ السیرؔ میں حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے آپ کا مہر بارہ اوقیہ طلائی مقرر کیا تھا ایک طلائی اوقیہ کے سات مثقال ہوتے ہیں۔ احمد اور ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جویریہ ثابت بن قیس بن شماس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں مشترکہ آئی تھیں مدینہ میں ثابت کے کچھ کھجور کے درخت تھے ثابت نے چچازاد بھائی کو وہ درخت دے کر جویریہ کو منفرداً خود لے لیا اور مکاتب بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا بدل کتابت اپنے پاس سے ادا کر دیا اور خود ان سے نکاح کر لیا اور بدل کتابت ہی ان کا مہر قرار پایا۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ ثابتؓ اور ان کے چچازاد بھائی نے مشترکہ جویریہ کو مکاتب کیا تھا اور نو اوقیہ طلائی بدل کتاب مقرر کیا تھا۔

فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا تو نہ لو دیے ہوئے مال میں سے کچھ۔

أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۝ کیا تم اس مال کو باطل طور پر اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر کے لو گے۔ بُهْتَانًا اور اِثْمًا حال ہیں بمعنی اسم فاعل یا مفعول لہ ہیں۔ بُہتان کا معنی ہے باطل قول (تہمت) باطل فعل میں بھی اس کا استعمال آیا ہے یہاں باطل فعل ہی مراد ہے اسی لئے بہتان کا تفسیری معنی ظلم کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص سابق عورت کی جگہ جدید عورت سے نکاح کرنا چاہتا تو پہلی عورت پر زنا کی تہمت لگاتا تھا تاکہ وہ مجبور ہو کر کچھ مال دے کر اپنی گلو خلاصی کرالے (اس صورت میں بُہْتَانًا سے مراد ہوگا باطل قول) اَتَأْخُذُوْنَهٗ میں استفہام انکاری زجر آگیں ہے (یعنی ایسا نہ کرنا چاہئے یا ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہیں)۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ اور کون سی وجہ ہے کہ اس کو لے لو یہ بھی انکاری سوال ہے یعنی جب مہر مقرر ہو چکا اور ادا کرنا واجب ہو گیا تو پھر واپس لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

امام شافعیؒ کے نزدیک افضاء سے کنایۃً جماع مراد ہے۔ اسی لئے انہوں نے آیت کا ترجمہ کیا ہے تم جماع کر چکے ان سے۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ظاہر ترین قول یہ ہے کہ صرف خلوت سے مہر پختہ نہیں ہوتا جب تک جماع نہ کیا ہو۔ اسی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ اگر خلوت صحیحہ ہو گئی اور جماع نہ کیا مگر جماع سے کوئی طبعی اور شرعی مانع نہ تھا پھر طلاق دیدی تو نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے۔ امام اعظمؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا خلوت صحیحہ سے (پورا) مہر پختہ ہو جاتا ہے خواہ جماع نہ کیا ہو۔ افضاء کا معنی ہے فضاء یعنی صحراء میں داخل ہو جانا یہاں فضاء میں داخل ہونے سے مراد ہے خالی مکان میں (جہاں کوئی روک ٹوک نہ ہو) داخل ہو جانا۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی خلوت صحیحہ بغیر جماع کے موجب مہر ہو جاتی ہے بشرطیکہ خلوت کی مدت طویل ہو۔ ابن قاسم نے طول مدت کی حد ایک سال بیان کی ہے۔

امام شافعیؒ کے قول کی دلیل یہ آیت ہے وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی اگر تم نے عورتوں کا مہر مقرر کر دیا تھا اور جماع سے پہلے طلاق دیدی تو مقرر کردہ مہر کا آدھا لازم ہے (گویا شافعیؒ کے نزدیک اس آیت میں مس (چھونے) سے مراد جماع ہے)۔

ہم کہتے ہیں یہ امر قطعی ہے کہ مس سے مجازی معنی مراد ہے مس کا حقیقی معنی تو جماع نہیں ہے (بلکہ مس کا لفظ عام ہے اور جماع کا معنی خاص) عام لفظ بول کر شافعیؒ نے خاص معنی مراد لیا ہے اور یہ مجاز ہے لیکن لفظ مس سے خلوت بھی بطور مجاز مراد لی جا سکتی ہے کیونکہ خلوت مس کا سبب ہے اور مس خلوت کا نتیجہ ہے مسبب بول کر سبب مراد لینا مجاز کا عام ضابطہ ہے۔ عام بول کر خاص مراد لینے سے تو تسمیۃ المسبب باسم السبب اولیٰ ہے لہٰذا آیت میں خلوت مراد ہے۔ (رہا نصف یا کل مہر کا وجوب تو ہم کل مہر کے وجوب کے قائل ہیں کیونکہ) قرن اول کا اجماع ہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہو گئی خواہ جماع نہ ہوا ہو پھر بھی کل مہر واجب ہے۔ شیخ ابوبکر رازی نے الاحکام میں اس کو نقل کیا ہے اور طحاوی نے اس پر صحابہ کا اجماع ہونا بیان کیا ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ یہی قول حضرت عمر و علی و زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر و جابر و معاذ بن جبل و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ بیہقی نے بروایت

؎ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا مہر تین جوان اونٹنیاں یا چار سو اشرفیاں تھیں۔ کذا فی شرح خلاصۃ السیر۔ (از مؤلف)

حت بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دروازہ بند کر لیا اور پردہ چھوڑ دیا تو عورت کے لئے پورا مہر لازم ہو گیا اور عدت بھی ضروری ہو گئی۔ یہ روایت منقطع ہے۔

مؤطا میں یحییٰ بن سعید کی وساطت سے سعید بن مسیب کی روایت آئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب پردے چھوڑ دیئے گئے (یعنی کامل خلوت ہو گئی) تو مہر واجب ہو گیا عبد الرزاق نے مصنف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔

دار قطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا اور پردہ چھوڑ دیا اور ستر کو دیکھ لیا تو شوہر پر مہر واجب ہو گیا۔ ابو عبیدہؒ نے کتاب النکاح میں زرارہ بن اوفی کا قول نقل کیا ہے کہ خلفاء راشدین کا یہ فیصلہ ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا اور پردہ چھوڑ دیا تو مہر واجب ہو گیا اور عدت لازم ہو گئی۔ دار قطنی نے اس بحث کی ایک مرفوع حدیث محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان کی روایت سے مرسلاً نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عورت کا دوپٹہ کھول دیا اور اس کی طرف دیکھ لیا تو مہر واجب ہو گیا جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس حدیث کی سند میں یک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے لیکن ابن جوزی کا بیان ہے کہ علماء نے ابن لہیعہ کی روایت کو لیا ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں ابن ثوبان کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مرسل ہمارے نزدیک قابل استدلال ہے۔ مذہب شافعیؒ کی تائید میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے بعض اقوال بھی روایت میں آئے ہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہیں۔ بیہقی نے بروایت شعبی حضرت ابن مسعودؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے خلوت کر لی ہو اور جماع نہ کیا ہو تو عورت کا نصف مہر لازم ہو جاتا ہے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے مگر وہ سند بھی صحیح نہیں ہے۔

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۝ اور عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ اس جملہ کا عطف اَفْضٰی پر ہے۔ حسن، ابن سیرین، ضحاک اور قتادہ کے نزدیک پختہ عہد سے مراد عورت کے ولی کا یہ قول ہے کہ میں نے اس عورت کو تیرے نکاح میں ان شرائط و حقوق کے بموجب دیا جو اللہ نے عورتوں کے لئے مردوں پر رکھے ہیں یعنی ضابطہ اور دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا یا خوبی کے ساتھ آزاد کر دینا۔

شعبی اور عکرمہ نے کہا پختہ عہد سے وہ مضمون مراد ہے جو حدیث مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے ان کو اللہ کی امان دے کر لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بحکم خدا اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ رواہ جابر۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عورتوں کے لئے تم پر کچھ بندشیں لگائی ہیں گویا عورتوں نے تم سے عہد لیا ہے (کہ ان بندشوں کی پابندی کریں گے)۔

ابن سعد نے محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے کہ (دور جاہلیت میں دستور تھا۔) جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کی بیوی کا حقدار اس کا (بڑا) بیٹا ہوتا تھا چاہے وہ خود اس سے نکاح کر لے بشرطیکہ وہ عورت اس لڑکے کی ماں نہ ہو اور چاہے کسی دوسرے سے اس عورت کا نکاح کر دے۔ ابو قیس بن سلت کا انتقال ہوا تو (دستور جاہلیت کے مطابق) ابو قیس کا بیٹا محصن باپ کی بیوی سے نکاح کا حقدار ہو گیا اور ابو قیس کی بیوی کو ترکہ میں کوئی حصہ اس نے نہیں دیا عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب تو واپس چلی جا امید ہے کہ تیرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گا۔

ابن ابی حاتم، فریابی اور طبرانی نے حضرت عدی بن ثابت کی وساطت سے یہ قصہ یک انصاری کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ابو قیس بن سلت کا انتقال ہو گیا ابو قیس بڑا نیک انصاری تھا اس کے بیٹے قیس نے ابو قیس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا عورت نے قیس سے کہا میں تو تجھے اپنا بیٹا جانتی ہوں اور تو قوم کے نیک لوگوں میں سے بھی ہے (پھر نکاح کیسا) اس کے بعد عورت نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع دیدی، حضور ﷺ نے فرمایا اب تو اپنے گھر چلی جا (اور حکم کا انتظار کر) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو۔ ما موصول ہے اور چونکہ وصفی معنی مراد ہے اس لئے (بجائے من کے) ما کا لفظ ذکر کیا۔ بعض نے کہا ما مصدری ہے اور مصدر بمعنی مفعول ہے (باپ کی نکاح کی ہوئی عورت سے نکاح نہ کرو) یہ تو ظاہر تھا کہ باپ دادا نے جن سے نکاح کیا ہوگا وہ عورتیں ہی ہوں گی پھر بھی ما کے ابہام کی توضیح من النساء سے صرف تعمیم کے لئے کر دی۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ بظاہر یہ استثناء منقطع ہے یعنی جو پہلے ہو چکا اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ بعض علماء نے کہا استثناء متصل ہے نہی کے لئے جو معنی لازم تھا اس سے استثناء ہے گویا یوں کہا گیا کہ جس سے باپ دادا نے نکاح کیا ہوگا اس سے اگر نکاح کرو گے تو عذاب ہوگا مگر جو پہلے ہو چکا اس پر عذاب نہ ہوگا۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً یہ کام یقیناً بڑی بے حیائی کا ہے یعنی اللہ کے نزدیک بدترین گناہ ہے کسی گذشتہ امت کو اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

وَّمَقْتًا اور نفرت کا اللہ کے نزدیک بھی اور شرفاء کے نزدیک بھی۔ مقت کا معنی ہے سخت ترین بغض (بدترین نفرت) اگر باپ کی بیوی سے کسی کا کوئی بیٹا ہو جاتا تھا تو عرب اس کو مقیت (بمعنی ممقوت انتہائی قابل نفرت) کہتے تھے۔ اشعث بن قیس اور ابو معیط عمرو بن امیہ مقیت ہی تھے۔

وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ اور برا طریقہ ہے۔ حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ میرا ماموں جھنڈا لئے میری طرف سے گزرا میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو اس نے جواب دیا ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اس کا سر لانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔ ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اس نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال لے لوں۔ اس روایت میں ماموں کی بجائے چچا کا لفظ آیا ہے۔

فائدہ :- باجماع علماء آباء سے مراد عموم مجاز کے طور پر تمام اصول ہیں خواہ وہ ددھیالی ہوں یا ننھیالی۔

بعض علماء کے نزدیک نکاح کا حقیقی معنی ہے جماع اور یہی معنی اس جگہ مراد ہے ابن جوزی نے تحقیق میں یہی لکھا ہے اور اسی آیت سے مزنیہ کی بیٹی اور ماں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس عورت سے تمہارے باپ دادا نانا وغیرہ نے جماع کیا اس سے نکاح نہ کرو خواہ نکاح صحیح کے بعد جماع کیا ہو یا نکاح فاسد کے بعد یا حق تملیک کی وجہ سے یا (بیوی ہونے کے) شبہ میں یا بصورت زنا۔

قاموس میں ہے نکاح کا معنی ہے جماع اور عقد اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا لفظ مشترک ہے۔ صحاح میں جوہری نے لکھا ہے کہ نکاح کا اصل (یعنی حقیقی) معنی ہے، عقد مجاز اجماع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ممکن نہیں کیونکہ جماع کے عمل کو عرب جس طرح قبیح جانتے تھے اسی طرح اس کے ذکر کو بھی صراحۃً برا سمجھتے تھے اسی لئے معنی جماع پر دلالت کرنے والے تمام الفاظ بطور کنایہ بولتے تھے۔ اس صورت میں ناممکن ہے کہ فحش لفظ بول کر وہ معنی مراد لئے جائیں جو فحش نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وانکحوا الایامی منکم وغیرہ۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد ہے عقد، جماع مراد نہیں ہے کیونکہ بلا جماع باپ کی منکوحہ بیٹے کے لئے حرام ہے خواہ باپ نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو اور مزنیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح کی حرمت اجماعی نہیں اختلافی ہے (شافعی کے نزدیک حرمت نہیں ہے) اس لئے اجماعی معنی پر آیت کو محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔

ایک اعتراض :- اگر آیت میں نکاح سے مراد عقد ہی ہے تو کیا وجہ کہ جس عورت سے باپ نے ملکیت کی وجہ سے جماع کر لیا ہو اس سے بیٹے کے لئے بلا جماع نکاح حرام ہو جاتا ہے وہ تو باپ کی منکوحہ نہیں ہے۔ جواب یہ حرمت دلالت النص کی وجہ سے ہے کیونکہ نکاح سے اصل مقصود ہوتا ہے جماع اور جماع ہی جزئیت کا سبب ہے پس جب وہ نکاح جو حلال جماع کا

سبب ہے حرمت مصاہرت کا موجب ہے تو جائز جماع بدرجہ اولیٰ موجب حرمت مصاہرت ہوگا۔

مسئلہ :- امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی (یعنی مزنیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح حرام نہیں ہو جاتا) امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت کی موجب ہے امام مالکؒ کا بھی ایک قول اسی طرح مروی ہے۔ امام احمدؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت یا مرد سے لواطت کرے تو اس مفعول مرد و عورت کی ماں اور بیٹی سے اس فاعل کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت سے حرمت مصاہرت پر استدلال ضعیف ہے قوی استدلال یہ ہے کہ حلال جماع پر زنا کو قیاس کیا جائے علت حرمت صرف یہ ہے کہ جماع سبب اولاد ہے حلال اور حرام جماع کی قید قابل التفات نہیں۔ دیکھو مشترک باندی سے یا بیٹے کی باندی سے یا مکاتب باندی سے یا ظہار والی عورت سے یا مجوسی باندی سے یا حائضہ عورت سے یا نفاس والی عورت سے یا بحالت احرام یا روزہ میں جماع کرنا حرام ہے ان میں سے ہر صورت ممنوع ہے لیکن باجماع علماء ان سے حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصل موجب حرمت جماع ہے حرام ہو یا حلال اس کی کوئی تعیین نہیں۔ ابن ہمام نے بیان کیا ہے کہ ہمارے علماء نے اس کی تائید میں چند احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جاہلیت کے زمانہ میں میں نے ایک عورت سے زنا کیا تھا کیا اس کی لڑکی سے اب نکاح کر سکتا ہوں فرمایا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا یہ مناسب نہیں کہ جن مخفی حصوں پر کسی عورت کے تم مطلع ہو گئے ہو اس کی بیٹی کے بھی ان ہی مخفی حصوں پر مطلع ہو۔ یہ روایت مرسل منقطع ہے اس کی سند میں ایک راوی ابو بکر بن عبد الرحمن بن بنت حکیم ہے۔

ابن وہب نے بوساطت ایوب ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ہاتھ سے کسی عورت کو دبایا ہو اس سے زیادہ کچھ نہ کیا ہو کہ اس کی لڑکی سے نکاح نہ کرے یہ روایت بھی مرسل منقطع ہے مگر ہمارے نزدیک مرسل منقطع کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر تمام راوی ثقہ ہوں (انتہیٰ کلام ابن ہمام) امام شافعیؒ نے اپنی دلیل میں دو حدیثیں بیان کی ہیں ایک حضرت عائشہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا حرام حلال کو فاسد نہیں کرتا۔ رواہ الدار قطنی۔

اس سند میں ایک راوی عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہے جس کو یحییٰ بن معین نے کہا ہے یہ ہیچ ہے جھوٹ کہتا تھا ابن مدینی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بخاری۔ نسائی۔ رازی اور ابو داؤد نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہ تھا دار قطنی نے متروک کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا یہ ثقات کی طرف نسبت کر کے موضوع احادیث نقل کرتا تھا اس کی روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

دوسری حدیث حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی آئی ہے یہ حدیث دار قطنی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اس کی سند میں عبید اللہ کا بھائی عبد اللہ بن عمرؓ ہے جس کے متعلق ابن حبان نے کہا اس کی خطا فاحش ہے اس لئے مستحق ترک ہے۔ ایک راوی اسحاق بن محمد فروی بھی ہے جس کو یحییٰ نے کہا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہے بڑا جھوٹا ہے۔ بخاری نے کہا ہے علماء روایت نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

مسئلہ :- مزنیہ کے بیٹے کے لئے زانی باپ کی منکوحہ حرام ہے اسی طرح مزنیہ کی بیٹی اپنے زانی باپ کے لئے حرام ہے کیونکہ اول صورت میں وہ زانی کا بیٹا اور دوسری صورت میں زانی کی بیٹی ہے عربی زبان میں دونوں بیٹا بیٹی ہی ہے (خواہ نکاحی نہیں ہے) اور جب تک لغت کے خلاف نقل شرعی نہ ہو اس وقت تک لغوی معنی ہی کلام میں معتبر رہیں گے ہاں اگر نقل شرعی ہو تو شرعی معنی کا اعتبار ہوگا جیسے لفظ صلوٰۃ کہ مخصوص ہیئت کی عبادت کو شرعاً کہا جاتا ہے اور یہی معنی شرعاً مراد ہوتا ہے۔ اگر زید نے اپنی بیوی ہندہ سے لعان کیا کہ تیرا بیٹا عمر میرا بیٹا نہیں ہے اور قاضی نے بھی اس دعوے کو تسلیم کر لیا اور زید سے عمر کے نسب کی نفی کر دی اس صورت میں عمر کے لئے جائز نہیں کہ زید کی منکوحہ سے نکاح کر سکے اور نہ زید کے لئے اس عورت کی بیٹی سے نکاح درست ہے کیونکہ ممکن ہے زید اپنے دعوے کی خود تکذیب کر دے اور اس وقت گذشتہ دعویٰ اور حاکم کی ڈگری لغو قرار

پا جائے۔

مسئلہ۔ اگر کسی مرد نے کسی عورت کو اور کسی عورت نے کسی مرد کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس چھونے کا حکم جماع کی طرح ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اس سے حرمت مصاہرۃ ہو جاتی ہے اسی طرح اگر مرد نے عورت کی اندرونی شرمگاہ کو یا عورت نے مرد کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھ لیا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے۔

اگر مرد نے عورت کو چھو لیا اور انزال ہو گیا یا اندرونی شرمگاہ کو دیکھنے سے انزال ہو گیا یا کسی عورت سے لواطت کی اور انزال ہو گیا تو ایک روایت میں آیا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اس سے حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حرمت مصاہرت نہیں ہوتی باقی تینوں اماموں کے نزدیک چھونے اور دیکھنے سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی۔ امام اعظمؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ چھونا اور بعض جماع کے داعی ہیں لہٰذا احتیاط کے مقام میں ان کو جماع کے قائم مقام قرار دیا جائے گا لیکن انزال کے بعد جماع کا مقتضی ہی ختم ہو جاتا ہے اس لئے انزال کے بعد حرمت مصاہرت کا حکم نہ ہو گا۔ شہوت کے ساتھ چھونے سے مراد یہ ہے کہ آلہ میں انتشار پیدا ہو جائے یا زیادہ ہو جائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ تمہاری مائیں تمہارے لئے حرام کر دی گئی ہیں بطور عموم مجاز ماؤں سے مراد ہیں باپ دادا یا ماں اور نانی نانا کی طرف سے تمام اصولی عورتیں (جیسے ماں، دادی پر دادی نانی پرنانی وغیرہ) بعض علماء نے کہا کہ لفظ ام کا لغوی معنی ہے اصل۔ قاموس میں ہے ام کل شی اصلہ ہر چیز کی ماں اس کی اصل کو کہتے ہیں۔ ام القریٰ مکہ ام الکتاب سورۂ فاتحہ یا لوح محفوظ اس تحقیق پر لفظ امہات باپ اور ماں کی طرف سے تمام جدات کو خواہ کتنا ہی اونچا رشتہ ہو لغتاً یا جماع علماء شامل ہے۔

وَبَنٰتُكُمْ اور تمہاری بیٹیاں۔ بنات کا لفظ بھی بطور عموم تمام فروع کو شامل ہے پوتیاں اور نواسیاں نیچے تک بالاجماع اس لفظ میں داخل ہیں۔

وَأَخَوٰتُكُمْ اور تمہاری بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ اور تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں۔ لفظ عمات کے اندر باپ کی حقیقی اور علاتی اور اخیافی بہنیں داخل ہیں۔ اسی طرح خالات کے اندر ماں کی حقیقی اور علاتی اور اخیافی بہنیں مندرج ہیں۔ یہ فیصلہ اجماعی ہے۔ اسی کے ذیل میں باجماع علماء باپ اور ماں کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دادا دادی نانا نانی کی پھوپھیاں اور خالائیں اور اسی طرح تمام ذکور و اناث اصول کی پھوپھیاں اور خالائیں داخل ہیں گویا بطور عموم مجاز اصل بعید کی تمام فروع قریبہ کو حکم حرمت شامل ہے لیکن اصل بعید کی فرع بعید بالاجماع جائز ہے جیسے چچا یا پھوپھی یا خالہ یا ماموں کی بیٹیاں۔

وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ اور بھائی بہن کی بیٹیاں یعنی بھائی اور بہن کی تمام فروع لڑکیاں پوتیاں نواسیاں نیچے تک۔ بھائی اور بہن کا لفظ عام ہے حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ اللہ نے نسبی محرمات سات بیان فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہوا کہ چار اصناف کی عورتیں حرام ہیں۔ نکاح کرنے والے کی اصل، نکاح کرنے والے کی فرع، اصل قریب کی فرع خواہ قریب ہو یا بعید، اصل بعید کی فرع قریب۔ اس سے بھی زیادہ مختصر الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان دو مرد و عورت کا باہم نکاح حرام ہے جن میں باہم رشتہ ولادت ہو یا ایک دوسرے کے باپ یا ماں کی فرع ہو۔

وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور دودھ شریک بہنیں باجماع علماء رضاعی پھوپھیاں خالائیں بھتیجیاں بھانجیاں بھی حرام ہیں اور نسب کی وجہ سے جس سے نکاح حرام ہے رضاعت کی وجہ سے بھی اس سے نکاح درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے رضاعت سے (بھی) وہی حرام جو نسب سے حرام ہے۔ دوسری روایت میں نسب کی جگہ ولادت کا لفظ آیا ہے۔ رواہ الشیخان، (البخاری و المسلم) یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا

آپ کو اپنے چچا حمزہؓ کی لڑکی (سے نکاح کرنے) کی خواہش ہے وہ قریش میں حسین ترین عورت ہے فرمایا کیا تم کو علم نہیں ہے کہ حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں اور اللہ نے جس نسبی رشتہ میں نکاح حرام کیا ہے اسی رضاعی رشتہ میں بھی حرام کیا ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرا رضاعی چچا آیا اور میرے پاس اندر آنے کی اس نے اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے میں نے مسئلہ دریافت کیا فرمایا وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دیدے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا تھا مرد نے نہیں پلایا فرمایا بلاشبہ وہ تیرا چچا ہے تیرے پاس اندر آسکتا ہے۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہؓ کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگ رہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کوئی شخص آپ ﷺ کے گھر کے اندر داخلہ کی اجازت کا طلب گار ہے آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے رضاعی چچا کے متعلق فرمایا میرے خیال میں فلاں شخص ہوگا میں نے (یہ سن کر) اپنے رضاعی چچا کا نام لے کر کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو کیا وہ (میرے پاس) اندر آسکتا تھا فرمایا ہاں جو حرمت ولادت (کے رشتہ) سے ہوتی ہے وہی رضاعت (کے رشتہ) سے ہوتی ہے۔ رواہ البغوی۔

فائدہ — امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رضاعت تھوڑی ہو یا بہت (چاہے ایک چسکی ہو) وہی حرمت پیدا کر دیتی ہے جو نسب سے ہوتی ہے کیونکہ یہ آیت مطلق ہے نیز حدیث یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب بھی مطلق ہے (آیت اور حدیث دونوں میں کمی زیادتی کی کوئی قید نہیں) ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول بھی یہی آیا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا رضاعت سے حرمت صرف اس وقت ہوگی جب بھوک کی حالت میں پانچ مختلف جدا جدا اوقات میں پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پیا ہو ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول بھی یہی آیا ہے ایک اور روایت میں امام احمدؒ بجائے پانچ مرتبہ کے تین مرتبہ کے قائل ہیں، ابوثور، ابن المنذر، داؤد اور ابوعبید کا قول بھی یہی ہے۔ تین مرتبہ کی تعیین کی وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک چسکی اور دو چسکیاں حرمت کی موجب نہیں۔ ام فضل کی مرفوع روایت میں چسکی اور دو چسکی کی جگہ ایک بار پینا اور دو بار پینا کا لفظ آیا ہے۔ بعض روایات میں املاجة و املاجتان کا لفظ آیا ہے مطلب ایک ہی ہے یہ تمام روایت مسلم نے نقل کی ہیں۔

احمد، نسائی، ابن حبان اور ترمذی نے یہ حدیث بحوالہ حضرت عبداللہ بن زبیر بوساطت حضرت زبیر حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے لیکن طبری نے اس کو مضطرب کہا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ نے حضرت زبیر کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے اور بعض روایت میں عبداللہ عن عائشہؓ عن رسول اللہ ﷺ اور بعض میں بدون واسطہ عن عبداللہ عن رسول اللہ ﷺ آیا ہے۔ ابن حبان نے تینوں اسناد کی وجہ جامع اس طرح بیان کی ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے باپ سے بھی سنا ہو اور حضرت عائشہؓ سے بھی اور خود حضور ﷺ کی زبان مبارک سے بھی۔

ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث عن ابن الزبیر عن عائشہؓ صحیح ہے بیچ میں حضرت زبیر کی وساطت صرف محمد بن دینار کے قول میں ہے اور اس میں ضعف ہے اور اختلاف بھی ہے۔ بعض روایات میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں ہے اور سند میں ارسال ہے لیکن مرسل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نسائی نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔

علماء حنابلہ نے اسی حدیث کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کیا ہے کیونکہ حدیث میں صرف ایک یا دو بار دودھ پینے کو غیر محرم فرمایا ہے لہٰذا تین بار پینے سے حرمت ہو جائے گی۔ جو لوگ کم سے کم پانچ مرتبہ دودھ پینے کو موجب حرمت قرار دیتے ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے ام المومنینؓ نے فرمایا کہ قرآن میں عشر رضعات معلومات نازل ہوا تھا پھر خمس

معلومات سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو قرآن میں اسی کو پڑھا جاتا تھا ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن میں عشر رضعات نازل ہوا تھا، پھر اس سے پانچ منسوخ کر دیے گئے اور پانچ رضعات رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو اس وقت تک امر یونہی تھا (یعنی اسی کو پڑھا جاتا تھا) ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی نص متواتر کے مقابلہ میں حدیث آحاد نا قابل وقعت ہے اور تعارض کے وقت حدیث حاظر تحریم کو ترجیح دی جائے گی اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر واقع میں متروک ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضور ﷺ کی وفات تک قرآن میں خمس معلومات کی قرأت کی جاتی تھی (یعنی حضور ﷺ کی وفات کے بعد قرآن جمع کرنے کے وقت اس لفظ کو چھوڑ دیا گیا) اس صورت میں روافض کی بات صحیح ماننی پڑے گی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد قرآن کا بہت حصہ ضائع ہو گیا حالانکہ یہ کلمہ کفر ہے اس سے آیت وانا لہ لحافظون کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اگر حضرت عائشہؓ کے قول کی توجیہ اس طرح کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہونے سے حضرت عائشہؓ کے قول میں مراد ہے حضور ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب آ جانا تو مطلب اس طرح ہو جائے گا کہ عشر معلومات کا نسخ تو خمس معلومات سے ہو گیا تھا پھر حضور ﷺ کی وفات سے کچھ تھوڑا پہلے خمس معلومات بھی منسوخ ہو گیا لیکن صحیح یہ ہے حضرت ابن عباسؓ سے جب کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں ایک بار دودھ پینے سے حرمت نہیں ہوتی تو فرمایا پہلے ایسا تھا پھر یہ منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا امر رضاعت بھی موجب حرمت ہے جب حضرت ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ حضرت ابن زبیرؓ تو فرماتے ہیں کہ ایک دو بار پینے سے حرمت نہیں ہوتی فرمایا اللہ کا فیصلہ ابن زبیرؓ کے فیصلے سے بہتر ہے اللہ نے فرمایا ہے و امہاتکم اللاتی ارضعنکم (یعنی اس آیت میں ایک دو بار پینے کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا) اگر حضرت عائشہؓ کے قول توفی رسول اللہ وهي فيما يقرأ کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ وفات کے وقت پانچ رضعات کا حکم قرآن میں موجود تھا تو یہ مطلب غلط ہے کیونکہ قرأت کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے حکم سے نہیں ہوتا۔

مسئلہ:- مدت شیر خوارگی کے بعد دودھ پینا موجب حرمت نہیں کیونکہ اس سے نہ تولید ہوتی ہے نہ نمو۔ مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے والی کو ماں نہیں کہا جاتا۔ داؤد (ظاہری) کے نزدیک ہر زمانہ میں شیر خوارگی سے حرمت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ابو حذیفہؓ کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سالم (جو ابو حذیفہؓ کے حلیف ہیں) کے آنے سے میں ابو حذیفہؓ کے چہرہ پر کچھ ناگواری محسوس کرتی ہوں فرمایا سالم کو تو پانچ بار دودھ پلا دے تو اس کی محرم ہو جائے گی۔ رواہ الشافعی۔ مسلم وغیرہ نے اس حدیث میں تعداد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ باجماع علماء یہ حدیث منسوخ ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان روایۃً صحیح ہے کہ صرف وہ رضاعت موجب حرمت ہے جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑنے والی ہو۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے یہ حدیث ترمذی نے بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابوداؤد نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ صرف وہی رضاعت موجب حرمت ہے جس سے گوشت پیدا ہو اور ہڈیوں میں نمو ہو۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت آئی ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک آدمی موجود تھا فرمایا عائشہ یہ کون ہے میں نے عرض کیا میرا رضاعی بھائی ہے فرمایا عائشہ اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا کرو رضاعت (وہی موجب حرمت ہے جو) بھوک سے ہو (یعنی دودھ پینے کے زمانہ میں ہو)۔

مسئلہ:- موجب حرمت رضاعت کی مدت دو سال ہے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ، سعید بن مسیبؒ، عروہؒ اور شعبیؒ کا یہی قول ہے۔ دارقطنی نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی طرف بھی اسی قول کی نسبت کی ہے۔ امام مالکؒ کے تین قول اور بھی مروی ہیں ایک قول میں دو سال ایک ماہ دوسری روایت میں ایک سال دو ماہ آئے ہیں اور تیسری روایت میں کوئی محدود مدت نہیں ہے جب تک بچہ حاجت مند ہو وہی مدت رضاعت ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک دو سال چھ ماہ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال مدت رضاعت

ہے۔ دوں قول کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ اس آیت میں پوری مدت رضاعت دو سال بیان کی ہے پوری کے بعد زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک اور آیت میں وفصالہ فی عامین صاف فرمایا ہے ایک تیسری آیت ہے وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے اور چونکہ حمل کی مدت (کم سے کم) چھ ماہ ہے اس لئے دودھ پلانے کی مدت دو سال ہی باقی رہتی ہے رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ رضاعت (معتبر) نہیں مگر وہی جو دو سال کے اندر ہو۔ دار قطنی نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ صرف ہیثم بن جمیل نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، مگر ہیثم ثقہ اور حافظ تھا احمد اور عجلی نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے ابن عدی نے کہا یہ غلطی کر دیتا تھا سعید بن منصور نے ابن عیینہ کی روایت سے اس کو موقوفاً بیان کیا ہے (مرفوع نہیں کیا)

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا میں حمل اور فصل دو چیزوں کی مدت ۳۰ ماہ بیان کی ہے لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک کی مدت پوری ۳۰ ماہ ہو تو ہر مقروض کے لئے قرض کی مدت ۳۰ ماہ کامل قرار دی جاتی ہے (ایسا نہیں ہو سکتا کہ ۱۵ ماہ ایک کے لئے اور ۱۵ ماہ دوسرے کے لئے) لیکن مدت حمل کو (باوجودیکہ آیت سے ۳۰ مستنبط ہوتی ہے ہم نے) دو سال قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے قول میں یہی آیا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ کے اندر دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلے کے دمڑکے کے برابر ہو۔ دوسری روایت میں ہے اگرچہ تکلے کے سایہ کے برابر ہو۔ یہ قول اگرچہ حضرت عائشہؓ کا ہے لیکن مدت کی حد بندی صرف رائے سے نہیں ہو سکتی سماع کے بغیر تعیین مدت ممکن نہیں (معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی یہ تحدید مدت کی ہے) رہی مدت فصال تو وہ ظاہر آیت کے مطابق (۳۰ ماہ) ہی رہے گی۔

یہ دلیل چند وجوہ سے غلط ہے (۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو سال کے بعد رضاعت (کا حکم) نہیں۔ آیت میں آیا ہے یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ یہ دونوں مدت رضاعت کی (۳۰ ماہ سے کم کر کے) دو سال میں تحدید کر رہی ہیں پھر یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ کے قول نے مدت حمل کی تنقیص کر دی قابل ترجیح نہیں لفظ ثلاثون شہرا میں حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا حمل کے پیش نظر ۲۴ ماہ (مجازاً) مراد ہوں گے اور مدت رضاعت کے لحاظ سے ۳۰ ماہ (حقیقۃً) لفظ ثلاثین سے ۲۴ مراد لینا پڑے گا حالانکہ اسماء عدد کو بول کر دوسرا عدد مجازاً مراد نہیں لیا جا سکتا اسم عدد کا وجہ دہی ہے جو اسم معین کا اپنے مسمیٰ مخصوص کے لئے ہے بکثرت اہل تحقیق نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام اعظمؒ کے قول کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دو سال تک اعضاء کا نمو دودھ سے ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد غذا بدلنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے مزید اتنی مدت کی ضرورت ہے کہ بچہ تبدیل غذا کا عادی ہو جائے۔ امام مالکؒ نے اس اضافی مدت کی کوئی حد بندی نہیں کی۔ امام زفرؒ نے ایک سال کی تعیین کی ہے تاکہ چاروں فصلیں گزر جائیں اور امام صاحبؒ نے ایک ششماہی مقرر کی کیونکہ یہی حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دو سال کے اندر دودھ کے علاوہ کوئی اور غذا دینے کی شریعت نے ممانعت نہیں کی ہے پھر دو سال سے زیادہ مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے دو سال ختم ہونے سے پہلے بھی بچہ دودھ کے ساتھ دوسری غذا کا عادی بن سکتا ہے۔ ابن ہمام اور طحاوی نے صاحبین کے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔ یہ لفظ تمام جدات کو شامل ہے تمام دور اور قریب کی دادیاں اور نانیاں اس میں داخل ہیں اور از روئے حدیث بیویوں کی رضاعی مائیں اور نانیاں دادیاں بھی نسبی کے ساتھ شامل ہیں۔ جن عورتوں سے ملکیت یا شبہ ملکیت کی وجہ سے قربت کر لی گئی ہو۔ باجماع علماء ان کی ماؤں کا بھی یہی حکم ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک زنیہ (جس عورت سے زنا کیا گیا ہو) کی امہات بھی اسی حکم میں داخل ہیں اور اگر کسی اجنبی عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس کی امہات بھی مزنیہ کی امہات کی طرح حرام ہو جائیں گے۔

وَرَبَآىٕبُكُمُ اور تمہاری پروردہ لڑکیاں۔ ربائب، ربیبۃ کی جمع ہے ربیبہ وہ بچہ جو پہلے شوہر کا ہو اور ماں کے ساتھ

جد آئے (کذ حیلو۔ پرکش) لفظ ربائب میں بعموم مجاز اور روئے قیاس باجماع علماء بیویوں کی تمام پوتیاں اور نواسیاں خواہ قریبی ہوں یا دور کی داخل ہیں اور ان عورتوں کی نسل کو بھی یہ لفظ شامل ہے جن سے ملکیت یا شبہ ملکیت کی وجہ سے قربت کرلی ہو۔ بلکہ امام صاحبؒ کے نزدیک تو مزنیہ کی تمام نسوانی نسل کا یہی حکم ہے۔

الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ جو تمہاری گود میں (یعنی زیر پرورش) ہوں بالاجماع یہ شرط احترازی نہیں (کہ اگر ربائب زیر پرورش نہ ہوں تو حلال ہو جائیں) بلکہ عام طور پر چونکہ ایسا ہوتا ہے کہ یتیم لڑکیاں سوتیلے باپوں کی پرورش میں آجاتی ہیں اس لئے اس قید کو ذکر کردیا۔ داؤد کے نزدیک قید احترازی ہے یعنی جو ربائب زیر پرورش نہ ہوں وہ حلال ہیں عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علیؓ کا قول بھی یہی بیان کیا ہے۔ اگر روایتاً حضرت علیؓ کا یہ قول ثابت ہو جائے تو پھر مطلق ربائب کی حرمت پر اجماع صحابہؓ ثابت نہ ہوگا بلکہ اجماع سے قرن اول کے بعد کا اجماع مراد ہوگا۔

مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ربائب ان عورتوں کی بیٹیاں ہوں جن سے تم نے قربت کرلی ہو۔ التی دخلتم بھن نساء کی صفت ہے اور باجماع علماء قید احترازی ہے (یعنی جن عورتوں سے قربت نہ کی ہو ان کی بیٹیاں حرام نہ ہوں گی) یہ دونوں نسائکم کی صفت نہ ہوگی کیونکہ دونوں کے عامل مختلف ہیں اور ایک معمول پر دو مختلف عاملوں کا عمل نہیں ہو سکتا صرف فراء کا ایک قول اس کا مجوز ہے۔

ترکیب عبارت - من نسائکم کا تعلق فعل محذوف سے ہے اور فی حجورکم ای سے متعلق ہے اس وقت اور الذکر التی کا یہ صلہ ہوگا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی حجورکم کی ضمیر سے من نسائکم حال ہو لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو ربائبکم سے حال قرار دیا جائے۔ اس صورت میں من نسائکم کا تعلق امہات سے نہ ہوگا کیونکہ ربائب سے متعلق ہونے کی بناء پر من نسائکم میں من ابتدائیہ ہوگا اور امہات سے تعلق کی بنا پر من بیانیہ ہوگا اور جمہور کے نزدیک ایک لفظ کا (ایک حالت میں) دو مختلف معانی پر حمل نہیں کیا جا سکتا ہاں امام شافعی عموم مشترک کے جواز کے قائل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خرابی یہ ہوگی کہ جب من کو بیانیہ کہا جائے گا تو اس کا حال ہونا بھی صحیح ہوگا تو اس کا یہ معنی ہوا کہ من نسائکم جس طرح ربائبکم سے حال ہے اسی طرح نسائکم (جو امہات نسائکم میں مذکور ہے) سے بھی حال ہے اور یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں کہ ذوالحال دو ہوں اور دونوں کا عامل ایک ہو ربائبکم تو مرفوع ہے اور نسائکم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے ہاں اگر لفظ من اتصالیہ (یعنی محض ملابست اور مصاحبت کے لئے) ہو نہ ابتدائیہ ہو نہ بیانیہ تو دو معنی مختلف نہ ہوں گے اس وقت من محض مصاحبت کے لئے ہوگا اور امہات سے بھی حال ہوگا اور ربائب سے بھی کیونکہ دونوں مرفوع ہیں اور دونوں کا رفع ایک ہی جہت سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ توجیہ دور از کار ہے اس کے علاوہ حدیث مرفوع اور اجماع علماء کے خلاف ہے ترمذی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اس شخص کے لئے جائز نہیں کہ اس عورت کی ماں سے نکاح کرے خواہ جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابن لہیعہ اور مثنیٰ بن صباح جو اس سند میں دو راوی ہیں وہ دونوں کمزور ہیں۔

شیخ ابن حجرؒ نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نہایت قوی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا عورت مرجائے اور جماع کی نوبت نہ آئی ہو تب بھی اس عورت کی ماں سے اس شخص کو نکاح کرنا درست نہیں۔ طبرانی نے اس مسئلہ پر اجماع ہونا بیان کیا ہے [1] لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کے قول کے متعلق روایت میں

---

[1] روایت میں آیا ہے کہ کسی شخص کو اپنی بیوی کی ماں پسند آگئی اور بیوی سے اس نے قربت نہیں کی تھی اس نے حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا آپ نے حکم دیا کہ بیوی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر سکتے ہو اس شخص نے ایسا کرلیا اور چند بچے بھی پیدا ہو گئے کچھ بقیہ اگلے صفحہ پر

بقیہ اگلے صفحہ پر

خلاف ہے مسند ابن ابی شیبہؒ میں ہے کہ اگر جماع نہ کیا ہو اور طلاق دیدے تو حضرت زید کے نزدیک مطلقہ کی ماں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن جماع سے قبل عورت مر جائے تو اس کی ماں سے نکاح کرنے کو آپ مکروہ جانتے تھے۔ مالک نے یحییٰ بن سعید کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت زید سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی کی بیوی جماع سے پہلے ہی مر جائے تو کیا اس کی ماں سے اس کے لئے نکاح کرنا درست ہے فرمایا نہیں۔ ماں کا کوئی حال وضاحت سے نہیں بیان کیا گیا ہے (جماع کی) شرط ربائب کے متعلق ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دونوں کی حرمت (جماع سے) مشروط ہے۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن زبیر کا بھی یہی قول منقول ہے۔ اگر حضرت علیؓ اور مجاہد کا قول مذکور روایت صحیح ثابت ہو جائے تو طبرانی کے قول میں جو اجماع کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ صحابہؓ اور تابعین کے دور کے بعد علماء کا اجماع ہے کہ ساس سے بہر حال نکاح جائز نہیں خواہ بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

میں باء تعدیہ کے لئے ہے یعنی تم نے عورتوں کو پردہ کے اندر داخل کر لیا ہو، یا مصاحبت کے لئے ہے یعنی تم ان کو لے کر پردہ کے اندر داخل ہو گئے ہو۔ پردہ میں داخل ہونے سے بطور کنایہ جماع مراد ہے جیسے عرب کا محاورہ ہے بنی علیہا و ضرب علیہ الحجاب اس عورت پر خیمہ نصب کر دیا اور پردہ لگا دیا۔ یعنی جماع کیا۔ کسی عورت کو شہوت سے چھونا اور اندرونی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھ لینا امام اعظمؒ کے نزدیک جماع کے حکم میں ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ پھر اگر تم ان کے پاس داخل نہ ہوئے ہو تو ربائب سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں (ممکن تھا کہ غیر مدخولہ کو مدخولہ پر قیاس کر کے غیر مدخولہ کی بیٹیوں سے بھی نکاح کو حرام سمجھ لیا جاتا اس) قیاس کو دفع کرنے کیلئے صراحۃً فرمایا کہ غیر مدخولہ کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں اگرچہ بطور اشارہ گذشتہ آیت میں (التی دخلتم بھن) سے بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی (لیکن صراحت نہیں تھی اس جگہ صراحت ہے)

وَحَلَآئِلُ اور حرام کی گئی ہیں بیویاں۔ حلائل جمع ہے حلیلہ کی حلیلہ کا معنی ہے بیوی۔ بیوی کو حلیلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بیوی شوہر کے لئے حلال ہوتی ہے۔ (اس صورت میں فعیل بمعنی مفعول ہوگا) یا یہ وجہ کہ عورت شوہر کے بستر پر فروکش ہوتی ہے (اس صورت میں فعیل بمعنی فاعل ہوگا۔ اول معنی کے لحاظ سے حلیلہ کا مصدر حل ہوگا اور دوسرے معنی پر مصدر حلول ہوگا)۔

جن عورتوں سے بیٹوں نے بحق ملکیت یا بشبہ ملکیت جماع کر لیا ہو گا وہ بھی بیویوں کے حکم میں آ جائیں گی یہ مسئلہ جدا گ ہے اور جن عورتوں سے بیٹوں نے زنا کیا ہو امام اعظمؒ کے نزدیک باپ کے لئے ان کی حرمت بھی منکوحہ کی طرح ہے۔

اَبْنَآئِكُمْ تمہارے بیٹوں کی عموم مجاز کے طور پر لفظ ابنا تمام فروع کو شامل ہے پوتے ہوں نواسے ہوں غرض نیچے تک بیٹوں اور بیٹیوں کے تمام بیٹوں کو شامل ہے۔

الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ جو تمہاری پشت سے (یعنی نسل سے) ہوں اس قید سے منہ بولا بیٹا خارج ہو گیا اہل عرب منہ بولے بیٹے کو بھی بیٹا کہتے تھے۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ ابن جریج کہتے تھے میں نے عطاء سے آیت و حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم کی تشریح دریافت کی عطاء نے جواب دیا ہم آپس میں کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب زید بن حارثہ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مشرک چہ میگوئیاں کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آیت وما جعل ادعیاء

(بقیہ) مدت کے بعد حضرت ابن مسعودؓ مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ سے یہ مسئلہ پوچھا دوسری روایت میں آیا ہے کہ صحابہؓ سے دریافت کیا سب نے جواب دیا جائز نہیں۔ جب آپ کوفہ لوٹ کر آئے تو اس شخص سے فرمایا، عورت تیرے لئے حرام ہے حسب حکم اس شخص نے عورت کو چھوڑ دیا۔ میں کہتا ہوں اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع تھا۔ ۱۲

کم ابناءکم بھی نازل ہوئی اور آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم بھی نازل ہوئی۔ نسبی پوتا اور نواسا خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ اس آیت سے خارج نہیں ہو، کیونکہ یہ سب صلبی نسل سے ہوتے ہیں۔ رہا رضاعی بیٹا اور اس کی فروع تو اس قید (من اصلابکم) سے وہ ضرور خارج ہو گئے مگر ان کی بیویوں کی حرمت حدیث یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب سے ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ اور حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا یعنی نکاح میں جمع کرنا اور ملکیت کی وجہ سے دونوں سے جماع کرنا لیکن دو نسبی بہنیں ہوں (۱) دو رضاعی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت حدیث کی وجہ سے نسبی بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت کی طرح ہے دونوں بہنیں نسبی حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی حقیقی یا رضاعی اخیافی، لیکن اگر ایک بہن سے زنا کیا ہو تو دوسری سے نکاح کرنا حرام نہیں جیسے ایک بہن کے مرنے کے بعد یا طلاق دیدینے اور عدت گزر جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح حرام نہیں۔

حدیث اور اجماع کی وجہ سے مندرجہ ذیل دو عورتوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا درست نہیں۔ پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی کوئی عورت اور اس کے باپ یا ماں کی پھوپھی یا دونوں میں سے کسی کی خالہ یا دادا نانا اور دادی نانی کی پھوپھی خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو اور باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے نہ عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ جمع کیا جائے۔ (متفق علیہ) ابوداؤد ترمذی اور دارمی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے پھوپھی پر بھتیجی سے نکاح نہ کیا جائے اور نہ بھتیجی پر اس کی پھوپھی سے اور نہ خالہ پر اس کی بھانجی سے اور نہ بھانجی پر اس کی خالہ سے نہ چھوٹی پر بڑی سے نہ بڑی پر چھوٹی سے۔ نسائی کی روایت میں آخری جملہ نہیں ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور ابن عبدالبر نے مختلف سندوں سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن حبانؒ نے اور حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے ضعیف سند کے ساتھ ابن ماجہ نے اور حضرت علیؓ کی روایت سے بزار نے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ابن حبان نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی بی بی زینبؓ اور حضرت ابوامامہؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت سمرۃؓ بن جندب بھی اس حدیث کے ناقل ہیں۔ ابن عدی نے اور صحیح میں ابن حبان نے عکرمہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ پوری حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں یہ زائد ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو ان عورتوں کے آپس کی قرابتیں منقطع کر دو گے۔

ابوداؤد نے مراسیل میں عیسیٰ بن طلحہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت سے اس کی قرابتدار (یعنی اصل یا نسل) پر نکاح کرنے سے اس اندیشہ کے تحت ممانعت فرمائی ہے کہ اس سے قرابت کٹ جائے گی۔ ابن حبان نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ تم اگر ایسا کرو گی تو ان کی قرابتیں کاٹ دو گی۔

دو رضاعی بہنوں کو (نکاح وغیرہ میں) جمع کرنے کی ممانعت پر اجماع سلف ہو جاتا ہے کہ جس طرح قرابت نسبی منقطع کرنا حرام ہے اسی طرح رشتہ رضاعت کاٹنا بھی ممنوع ہے۔ اکرام مرضعہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث منقول ہے کہ حضرت ابو طفیل غنوی نے کہا میں حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت سامنے سے آئی حضور ﷺ نے اس کے لئے چادر مبارک بچھا دی اور وہ بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو بتایا گیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ رواہ ابوداؤد۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ نسب اور رضاعت دونوں سلسلوں میں عورت کے لئے شوہر کے اصول و فروع سے مطلقاً نکاح حرام ہے اور شوہر کے لئے عورت کے اصول سے تو مطلقاً نکاح ناجائز ہے اور عورت کی فروع سے اس وقت ناجائز ہے جب عورت سے قربت کرلی ہو اور زوج و زوجہ کے اقارب میں سے سوائے نسبی ستونوں کے اور کسی سے نکاح ناجائز نہیں ہاں قطع رحم اور رشتہ رضاعت منقطع ہونے کے اندیشہ سے ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا ناجائز ہے جن میں سے ایک دوسری کی اصل قریب کی

فرح ہو۔ واللہ اعلم۔ ؎۱

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ مگر جو گزر گیا یعنی ممنوعہ عورتوں سے نکاح پر عذاب ہو گا مگر ممانعت کے حکم سے پہلے جو ہو چکا اس پر عذاب نہ ہو گا یہ مطلب کہ جو پہلے گزر چکا اس پر اللہ مؤاخذہ نہیں کرے گا معاف فرما دے گا اول صورت میں مستثنیٰ منہ وہ مستحق ہو گا جو نہی کے لئے لازم ہے اور دوسری صورت میں استثناء منقطع ہو گا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے معاف کر دے گا اور رحم فرمائے گا۔ قانون خداوندی کو نہ جاننے کا عذر مقبول ہو جائے گا۔ اللہ نے خود فرمایا ہے وما كان الله ليضل قوما بعد اذهداهم حتى يبين لهم مايتقون دوسری آیت میں آیا ہے وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا۔

﴿چوتھا پارہ ختم﴾

؎۱ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں اور ایک کے بعد دوسری سے جماع کیا جائے تو کیا جائز ہے؟ آپ نے اس کی ممانعت فرما دی اور فرمایا دونوں کو جمع کرنے کی اجازت دینا میں پسند نہیں کرتا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بروایت قبیصہ بن ذویب بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت عثمانؓ سے دو بہنوں کو ملکیت میں جمع کرنے (اور دونوں سے جماع کرنے) کا مسئلہ پوچھا فرمایا ایک آیت نے تو دونوں کو حلال کہا ہے اور دوسری آیت نے حرام کہا ہے اور میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ سائل نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ایک اور صحابی سے دریافت کیا میرے خیال میں وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے انہوں نے فرمایا اگر میرا کچھ اختیار ہوتا اور پھر میں کسی کو ایسا کرتے پاتا تو اس کو عبرتناک سزا دیتا۔ لیکن ابو صالح کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے دو مملوک بہنوں کے مسئلہ میں فرمایا ایک آیت نے دونوں کو حلال قرار دیا ہے اور دوسری آیت نے حرام۔ نہ حکم ہے نہ ممانعت۔ میں نہ حلال کہتا ہوں نہ حرام اور خود نہ میں کرتا ہوں نہ میرے اہل خانہ۔ رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی، ابن منذر اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو حرمت آزاد عورتوں کی ہے وہی حکم باندیوں کی حرمت کا ہے سوائے تعداد کے (کہ باندیاں رکھنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں اور نکاح میں چار عورتوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا) یہی قول عبدالرزاق نے حضرت عمارؓ بن یاسر کا بھی نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کا یہ قول کہ ایک آیت نے دونوں کو حلال کہا ہے اور دوسری آیت نے حرام اس سے مراد شک کا اظہار نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب محرم اور محلل دونوں موجود ہیں تو محرم کو محلل پر ترجیح ہے ابن عبدالبر نے استذکار میں لکھا ہے کہ ایاسؓ بن عامر نے آپ سے پوچھا کہ دو بہنیں باندیاں ہیں میں نے ان کو غنیمت میں حاصل کیا ہے اور ایک کے بطن سے میری اولاد بھی ہوئی ہے اس میں دوسری سے رغبت کرنا چاہتا ہوں کیا کروں فرمایا جس سے تم جماع کرتے تھے پہلے اس کو آزاد کر دو پھر دوسری سے قربت کرنا، پھر فرمایا مملوک باندیوں کی حرمت کا بھی وہی حکم ہے جو آزاد عورتوں کے متعلق قرآن میں حکم حرمت آیا ہے سوائے تعداد کے یا فرمایا سوائے چار کے اور سلسلہ رضاعت کی حرمت کا بھی یہی حکم ہے جو کتاب اللہ میں نسبی حرمت کا ہے۔ (از مولف قدس سرہ)